مسلمانانِ سہارن پور
اور
تحریک دارالعلوم دیوبند

غلام محمد مصطفےٰ

ساؤتھ ایشین پرنٹرز اینڈ پبلشرز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ

Marfat.com

علوم وانکا
محفوظ کر
داری ہے ا
صاحب کی ا

ز
ان لوگوں کی
کے ختم ہو
تفصیلات میں
جو شہر سہارنپو
نوں میں موج
تحریک دیوبند
ہندوستانی مس
میں فاضل م
فرمودات بھی
بھی پس ورق
کا نقطہ نظر ہے۔
منتخب کیا ہے۔
یافتہ حساس اور
آمدید کہنا چاہیئے
جس بحران سے
لئے رہنمائی وآگہی

1

Marfat.com

مسلمانانِ سہارن پور

اور

تحریک دارالعلوم دیوبند

بمعہ دیگر علمی تحاریک جو مسلمانوں نے انیسویں صدی عیسوی میں شروع کیں اور علمائے ظاہر اور صوفیاء کی اسلامی عقائد کے متعلق تشریحات کا

تحقیقی جائزہ

مؤلف: غلام محمد مصطفےٰ
بی اے ایل ایل بی

ساؤتھ ایشین پرنٹرز اینڈ پبلشرز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

Marfat.com

134689

Marfat.com

انتساب

میرے مشفق مربّی

جناب چوہدری غلام حیدر صاحب مرحوم

ہوشیارپوری

کے نام

Marfat.com

Marfat.com

فہرست مضامین

باب نمبر	عنوان		صفحہ نمبر
	مقدمہ		۱
باب اول ـ	برصغیر ہند و پاکستان پر وسط ایشیا کا اثر		۴۳
باب دوم ـ	زرعی زمینات کے حقوق ملکیت		۷۶
باب سوم ـ	فصل اوّل	سہارن پور	۸۱
	فصل دوم	نکوڑ	۱۰۶
	فصل سوم	روڑکی	۱۱۹
	فصل چہارم	دیوبند	۱۴۱
	فصل پنجم	سروٹ (مظفر نگر)	۱۷۰
باب چہارم	فصل اوّل	دار العلوم	۱۸۴
	فصل دوم	علمائے ربانی اور علمائے ظاہر	۱۹۶
	فصل سوم	دار العلوم دیوبند کا مسلک اور نصاب	۲۰۰
	فصل چہارم	ولی اللٰہی مسلک کا دوسرا رُخ (جہاد)	۲۰۵
	فصل پنجم	ولی اللٰہی مسلک کا تیسرا رُخ (تصوف)	۲۰۸
	فصل ششم	ولی اللٰہی مسلک کا چوتھا رُخ (سلسلہ مشائخ سے نسبت)	۲۱۳
	فصل ہفتم	مسلک ولی اللٰہی کا پانچواں رُخ (کلام عارفانہ)	۲۲۰
	فصل ہشتم	فرنگی محل اور دار العلوم	۲۲۶

Marfat.com

باب نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
فصل نہم	دار العلوم اور اہل حدیث	۲۲۸
فصل دہم	دار العلوم دیوبند اور فرقہ بریلوی	۲۳۴
فصل یازدہم	ندوۃ العلماء اور دار العلوم دیوبند	۲۳۹
فصل دوازدہم	دار العلوم دیوبند اور فرقہ اہل قرآن	۲۴۱
فصل سیزدہم	دار العلوم دیوبند اور علیگڑھ	۲۴۴
فصل چہاردہم	علمائے دیوبند اور ہندوستانی سیاست	۲۵۰
باب پنجم — فصل اوّل	علمائے متقدمین کے نزدیک کن علوم کی	
———	تعلیم و تبلیغ مسلم امت کے لئے ضروری ہے	۲۶۶
فصل دوم	انبیا و رسل کے علوم	۲۷۷
فصل سوم	علوم تشریعی و علوم تکوینی	۲۸۷
فصل چہارم	ایمان	۲۹۳
فصل پنجم	ایک حدیث شریف کے عجائبات اور تفسیر	۳۰۴
فصل ششم	عمل	۳۱۲
فصل ہفتم	بعض احادیث کی تفسیر ایک نئے انداز میں	۳۱۶
فصل ہشتم	سریانی زبان	۳۲۵
فصل نہم	سریانی اور سنسکرت	۳۳۱
فصل دہم	علمائے ربانی جو ہندی تھے	۳۴۰
باب ششم — ———	تحقیق الانساب	۳۴۵
باب ہفتم — فصل اوّل	اتحاد بین المسلمین کی مظہر ایک مثالی برادری	۳۶۲
فصل دوم	زراعت پیشہ افراد کی زبوں حالی اور پستی	۳۶۹
فصل سوم	گاڑہ برادری میں شامل مختلف اقوام	۳۷۷
فصل چہارم	تحصیل سہارنپور	۳۸۷

Marfat.com

صفحہ نمبر	عنوان		باب نمبر
۳۹۳	تحصیل دیوبند	فصل پنجم	
۳۹۹	تحصیل روڑکی	فصل ششم	
۴۰۴	تحصیل نکوڑ	فصل ہفتم	
۴۱۰	گاڑہ برادری پنجاب میں	فصل ہشتم	
۴۱۲	گاڑہ برادری ضلع مظفر نگر میں	فصل نہم	
۴۱۴	برادری پھیلنے کی وجوہات	فصل دہم	
۴۱۹	دینی مدارس کا قیام	فصل یازدہم	
۴۳۱	اکابرین گاڑا برادری	فصل دوازدہم	
۴۳۷	کچھ ان بزرگان کا تذکرہ جو غیر معروف ہیں۔ اور جن کا تعلق ممکنہ طور سے سہارن پور سے ہے۔		باب ہشتم

Marfat.com

Marfat.com

مقدمہ

آخری مغل بادشاہ جس کے زیر تسلط تمام ہندوستان کے علاوہ کابل بھی تھا عالمگیر اورنگزیب ہوا ہے۔ یہ بادشاہ شروع سے ہی بالطبع مائل بہ شریعت اسلامیہ تھا۔ فسق و فجور۔ بدعات کو قریب نہیں آنے دیا۔ اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کی بہی خواہی میں بے مثال تھا۔ سلطنت کی باگ ڈور سنبھالتے ہی نشہ آور اشیا کے استعمال اور شراب خانے بند کر دیے۔ ہندوؤں کے تہواروں پر یاترہ اور ایام عاشورہ پر تابوت نکالنے پر پابندی لگا دی۔ شاعروں۔ موسیقاروں۔۔ نجومیوں۔ اور زائچہ نویسوں کو جو اب تک سرکاری اعانت وصول کرتے تھے خارج کر دیا۔ درشن جو زمانہ قدیم کی روش تھی کہ بادشاہ جھروکہ میں بیٹھ کر عوام کو دیدار کرایا کرتا تھا اس کی بھی ممانعت کر دی۔ تمام مملکت کے صوبیداروں تعلقہ داروں اور عاملہ محال کے کروڑیوں کو حکم دیا کہ غیر مسلموں کو برخاست کر کے مسلمان علماء کو ملازم رکھا جائے۔ نفاذ شریعت میں حد درجہ اہتمام کیا اور تمام کلی یا جزوی فیصلے کرنے کا اختیار قاضیوں کو دے دیا۔ چنانچہ کاروبار مملکت میں علماء کا اثر و رسوخ اتنا بڑھ گیا کہ دوسرے منصب دار بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ قاضی صاحبان صوبیداروں کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ صوفیاء نے بھی کنارہ کشی اختیار کر لی اور بادشاہ سے ملاقات کو پسند نہیں کیا کرتے تھے۔ شیخ برہان سے ملاقات کی اجازت چاہی مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ ایک دفعہ بھیس بدل کر شیخ مذکور کی خانقاہ میں چلا گیا جب نووارد سمجھ کر شیخ مذکور نے نام پوچھا تو اورنگ زیب نے بتلایا۔ مگر شیخ خاموش ہو گئے۔ بالآخران کے ایک مرید خاص سے سفارش کرائی۔ شیخ نے اثنائے ملاقات فرمایا کہ بادشاہ لوگوں کا ہم فقیروں کے پاس کیا کام اورنگزیب نے بادشاہت کی کامیابی کی درخواست کی شیخ مذکور نے فرمایا کہ اگر تم خلق خدا کے لیے انصاف و عدل قائم کرنے کے لیے بادشاہت کی کامیابی کی درخواست چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرو ہم بھی تمہارے ساتھ دعا کے لیے ہاتھ اٹھائیں گے۔ کہا جاتا ہے کہ شیخ مذکور کی دعا سے عالمگیر کی سلطنت قائم رہی۔

Marfat.com

عالم گیر کی وسیع سلطنت میں علماء ظاہر نوکر شاہی کا اہم جزو بن گئے۔ عامۃ المسلمین کو علم فقہ و ریاضی حاصل کرنے کی طرف از حد رغبت ہوئی کیونکہ علماء اہل ثروت و وجاہت کے علاوہ شان و شوکت اور مال و دولت کے مالک تھے۔ قاضی القضاۃ عبدالوہاب نے مرتے وقت دو لاکھ اشرفی اور پانچ لاکھ روپیہ ترکہ میں چھوڑا۔

عالمگیر کے انتقال کے بعد سلطنت کا شیرازہ بکھرنا شروع ہوگیا۔ اس کی وجہ ایک تو یہ کہ اس کے جانشین نا اہل ثابت ہوئے اور دوسری وجہ قحط الرجال تھا اچھے سیاست دان علمائے دین کے طور طریقوں کی وجہ سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔ نادر شاہ نے حملہ کر کے ایران اور افغانستان فتح کر لیے اور اپنی حکومت قائم کر لی۔ نادر شاہ سنی العقیدہ مسلمان تھے اس نے ایران کے شیعہ مذہب پر کاربند لوگوں کو کاروبار مملکت میں شامل نہیں کیا۔ اس لیے کثیر تعداد میں ایرانی سیاست دان اور تاجر ہندوستان آ گئے یہاں ان کی خوب پذیرائی ہوئی بہت سوں کو صوبے دار۔ تعلقہ دار بنا دیا گیا اور کثیر تعداد کو جاگیروں سے نوازا گیا یہ نووارد ایرانی اپنے آپ کو ہندی مسلمان سے الگ تھلگ رکھتے تھے۔ اس لیے خود مسلمانوں کے اتحاد میں دراڑ پڑنے لگیں اور شیعہ سنی تعصب پیدا ہو گیا۔ اس نفاق کا فائدہ مرہٹوں اور سکھوں کو ہوا۔ جنہوں نے ایک عظیم شورش پیدا کر دی۔ اور ملکی نظم و نسق بالکل تباہ ہو گیا۔

انگریز تاجروں کو ہوس ملک گیری دامن گیر ہوئی۔ انہوں نے فوجی قوت جمع کی اور ہندوؤں کو جو پہلے ہی عالمگیر کی پالیسیوں کی وجہ سے ناراض تھے اپنے ساتھ ملا لیا۔ ایرانی النسل صوبیداروں اور منصب داروں نے بھی بالواسطہ انگریزوں کی مدد کی حتیٰ کہ دہلی کے وزیر اعظم مرزا نجف خاں نے انگریزوں سے تین لاکھ روپیہ رشوت لے کر اپنے ہی بادشاہ کی فوج کو شکست دلا دی۔ بالآخر ۱۸۵۷ء میں تمام ہندوستان پر برطانوی حکومت قائم ہو گئی۔

اس دور کا سب سے بڑا المیہ یہ رہا کہ اقتدار کے ساتھ ہندوستانی باشندے علم سے بھی محروم ہو گئے اور اس حالت میں ان کی کئی نسلیں گزر گئیں مسلمانوں کے لیے پورے ہندوستان میں صرف مدرسہ رحیمیہ دہلی ایسی جگہ تھی جہاں پر علم کی شمع روشن تھی اور شاہ ولی اللہ مرحوم درس دیا کرتے تھے۔ ہندوستان کے طول و عرض سے لوگ شاہ ولی اللہ کے درس

Marfat.com

میں شریک ہوتے تھے۔ شاہ صاحب مذکور کے انتقال کے بعد ان کے اخلاف نے اس سلسلہ کو منقطع نہ ہونے دیا تا آنکہ دہلی انگریزوں کے ہاتھوں مفتوح ہوئی۔

جب مسلمانوں کو یقین ہو گیا کہ برطانوی حکومت مستحکم ہو گئی اور اس سے نجات کی کوئی راہ باقی نہیں رہی۔ دوسری طرف یورپ کی بہت سی عیسائی تنظیموں نے ہندوستان کا رخ کیا۔ ان کے نزدیک ہندوستان کے جاہل پس ماندہ اور مفلس لوگ آسانی سے عیسائی مذہب اختیار کر لینے میں پس و پیش نہیں کریں گے۔ اس پس منظر میں علمائے اسلام نے احیائے دین اسلام کے نام پر علمی تحریکیں شروع کیں۔ ان میں صف اول کی تحریک دیوبند سے شروع ہوئی۔ اسی تحریک کا جائزہ اور دوسری تحریکوں سے تقابل اس کتاب کا بنیادی موضوع ہے۔ بانیان تحریک دیوبند کا دعویٰ ہے کہ ان کا مسلک ولی اللہی ہے۔ اس لیے جہاں تک ماخذات نے مدد کی شاہ ولی اللہ کی ذات مسلک اور عقائد کا مختلف پہلوؤں سے جائزہ شامل کتاب کیا گیا ہے۔

عہد جدید کے فلسفہ اور سائنس دانوں نے نظریہ ارتقاء ایجاد کیا جو ان کی عقلی اور فکری مادیت پرستی کا آئینہ دار ہے۔ مسئلہ ارتقا کے تحت ان عالموں نے اس دنیا کی تخلیق کو محض ایک اتفاقی حادثہ قرار دیا اور جب اس خاک دنیا پر پانی کی آویزش ہوئی تو اس میں حیات و زندگی پیدا ہوئی جس کا نقطہ اول سنگل سیل ہے جو از خود منقسم ہوتا گیا اور ترقی پذیر رہا یہاں تک کہ جمادات سے نباتات اور نباتات سے حیوانات اور حیوانات سے انسان اسی سنگل سیل کے نتیجہ میں مخلوق ہوئے اس تمام سلسلہ میں کسی صانع و خالق حقیقی کے منکر ہیں منتقر یہ کہ زمانہ یا دھر جو شب و روز اور ماہ و سال میں مقید ہے۔ یہی ان کا خالق ہے اور یہی ان کی ہلاکت کا باعث ہے۔ قرآن کریم کا مطالعہ کرنے والوں کے نزدیک یہ تخیل کوئی نیا نہیں۔ طلوع اسلام سے قبل کا انسان بھی یہی کہتا تھا جیسا کہ مشرکین مکہ کا قول ہے کہ:

وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ　　یعنی انسان کی موت اور ہلاکت کا باعث صرف زمانہ ہے۔

اسی لیے ان کے لیے حیات اُخروی پر ایمان لانا کسی ناممکنات پر ایمان لانے کے مترادف تھا۔ عہد حاضر کے وہ مسلمان جو سائنسی علوم حاصل کر رہے ہیں وہ بھی اس نظریہ سے

Marfat.com

بڑی حد تک متاثر ہیں اور قرآنی علوم کو بھی سمجھنے کے لیے اسی مادی فکری استدلال سے کام لیتے ہیں۔ اور اگر ان کے عقل بعض وجوہات کی بنا پر حقائق تک پہنچ جائے تو اسلام کو مان لیتے ہیں حالانکہ ایمان بالعقل اکابر علماء کے نزدیک ایمان ہی نہیں۔

قرآن کریم کا انداز بیان۔ دلائل اور براہین کا انداز۔ تسخیر و تفہیم کائنات کی دعوت اور مخلوقات میں فکر و تدبر ایک نیا اسلوب لیے ہوئے ہے۔ اکابر علماء نے تدبر و تفکر کو قرآن کریم کے بیان کردہ اصولوں کے تحت استعمال کیا جس نے انسان کے ذوق تجسس و تحقیق کو تقویت دی۔ تخلیق کائنات سے متعلق بعض علمائے اسلام کی تحقیق کو مختصراً شامل کتاب کیا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ:

خَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ مِنَ الْمَاءِ — یعنی کائنات میں ہر وہ شے جس میں حیات و زندگی ہے پانی سے پیدا کی گئی۔

دوسری جگہ ارشاد ہے کہ:

خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ۔ — یعنی آب و خاک کی آمیزش سے ملے ہوئے کیچڑ کے ست (جوہر) سے ہم نے انسان کو پیدا کیا۔

اس سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں پائی جانے والی تمام مخلوق کو پانی کا وسیلہ اور توسط سے حیات بخشی اور اس حیات کا عروج اور نکتہ آخر عالم بشریت ہے یہ سلسلہ تخلیق درجہ بدرجہ اور مرحلہ وار شروع ہوا۔ مرتبہ اولیٰ میں جمادات ہیں اور ان میں مرتبہ ادنیٰ سے مرتبہ اعلیٰ کی طرف عروج کی خاصیت رکھی اور جب یہ مرتبہ اعلیٰ کی متحمل ہو سکی اور یہ استعداد اس میں قائم ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے عالم نباتات کو پیدا کیا جس نے اعلیٰ مدارج کی طرف سفر جاری رکھا حتیٰ کہ اس میں ایسی استعداد پیدا ہو گئی جو اس کو عالم حیوانات سے مشابہ کرتی ہے تب اللہ تعالیٰ نے عالم حیوانات کو پیدا کیا جب عالم حیوانات کچھ اضافی صفات کا متحمل ہو سکا اور اس میں یہ استعداد

Marfat.com

قائم ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے اس تمام مخلوق کے ثمر کے طور پر عالم بشریت یا انسان کی تخلیق کی۔ حیوان مرکب ہے جسم و جان یا جان و تن سے یعنی ایک شے کثیف جو حواس کی مدد سے محسوس کی جا سکتی ہے اور دیکھی جا سکتی ہے۔ دوسری شے لطیف یعنی جان جو حواس ظاہرہ یا حواس باطنہ سے بالاتر ہے۔ جو نہ دیکھی جا سکتی ہے اور نہ محسوس کی جا سکتی ہے ؎

جان ز تن و تن ز جان مستور نیست
لیکن دیدن جان دستور نیست !

یعنی تن سے جان اور جان سے تن مخفی نہیں۔ مگر جان قوت نظری و بصری سے بالاتر ہے اور تخیل و تصور میں نہیں آ سکتی۔

یہ شے لطیف یعنی جان حیوان میں افضل ترین شے ہے اور روح جو اس سے کہیں زیادہ لطیف ہے اس کی متحمل اور مسکن بننے کی اہلیت رکھتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے انسان میں روح پیدا کی جس کا مسکن جان ہے۔ اسی روح کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی طرف کی ہے۔

ارشاد الٰہی ہے کہ:۔

وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِیْ — یعنی اللہ تعالیٰ نے اس (انسان) میں اپنی روح پھونک دی:

روح کی صفات میں عقل ہے جس کے ذریعے انسان علم حاصل کرتا ہے اور اس علم کے وسیلے سے اپنے فائدے اور ضرر پر مخلوق اشیاء کو استعمال کر سکتا ہے اور یہ عقل ہی انسان اور فرشتہ میں قدرے مشترک ہے یعنی جب روح عقل کے توسط سے اشیاء کی حقیقت معلوم کر لے گی اور انسان اپنے ایمان میں پختگی اور اعمال میں خلوص کو اختیار کرے گا تو فرشتوں کے مشابہ ہو جائے گا۔

جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل دی تو اس کو اختیار بھی تفویض فرمایا کہ علم و عمل میں جو راہ اختیار کرنا چاہے اس کی نیت و ارادہ کر کے اپنے شعور و معرفت کو کام میں لائے اور اس کے وجود حسی و بشری میں جو اسباب عمل پیدا کیے ہیں ان کو کام میں لاتے ہوئے عمل

Marfat.com

کرے۔ نتیجہ اس کی نیت اور ارادہ پر ہی مرتب ہوگا اور اسباب عمل جیسے ہاتھ پاؤں وغیرہ اس کے گواہ ہوں گے۔ اسی عقل واختیار کو اللہ تعالیٰ نے "امانت" کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اسی عقل کو صراط مستقیم کی ہدایت کے لیے انبیاء ورسل مبعوث ہوئے پس جس شخص نے انبیاء ورسل کی تصدیق کی ان کے تبلائے طریقوں پر خلوص دل سے عمل کیا اس کی روح پاکیزہ ہوئی اور فرشتوں اور ملائک سے جا ملا۔ اور جس شخص نے اس کے برعکس کیا۔ انبیاء ورسل کی تکذیب کی اور عقل کو بشری صفات کے ان عوامل پر مرکوز کیا جو حیوانی صفات کے مشابہ ہیں یعنی دنیاوی زندگی کے لیے جو خواہشات اس کے نفس میں پیدا ہوئی ان کی تکمیل میں لگا رہا اور اخروی زندگی پر نہ ایمان لایا اور نہ ہی ایسے اعمال کیے جو آخرت کے لیے اثاثہ ثابت ہوں۔ تو نتیجہ کے طور پر وہ حیوان سے مشابہ ہوگیا۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے کہ :۔

اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔ یعنی وہ لوگ حیوانوں اور چوپایوں کی مثل ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ

اکابرین علماء نے عقل کو بھی دو حصوں میں تقسیم کیا ہے اول عقل سلیم یہ صحیح اور متوازن ہے۔ وحی۔ نبوت اور معجزہ کو تسلیم کرتی ہے۔ دوم عقل سقیم یہ کج رو اور غیر متوازن ہے یہ شکوک وشبہات پیدا کرتی ہے۔ الحاد و زندقہ کے جراثیم کو پرورش کرتی ہے۔ وحی۔ نبوت اور معجزہ کو عقل کی میزان پر پرکھتی ہے۔ علماء کا قول ہے کہ مشروط بعقلیات ایمان۔ ایمان ہی نہیں کیونکہ ایمان یقین چاہتا ہے اور عقل تشکیک۔ ایمان اتباع انبیاء ورسل چاہتا ہے اور ان بزرگ ہستیوں کے توسل سے ہی ایمان کا ادراک ہوگا۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی لکھتے ہیں کہ :

"طور عقل ورائے طور حس است آنچہ بحس مدرک نشود عقل ادراک آں نماید ہم چنیں طور نبوت ورائے طور عقل است آنچہ بہ عقل مدرک نشود بتوسل نبوت مدرک می در آید"

یعنی طریق عقل طریق حس سے بالاتر ہے جو کچھ حس ادراک نہ کرسکے

Marfat.com

عقل اس کا ادراک کر لیتی ہے۔ اسی صورت سے طریق نبوت طریق عقل سے بالاتر ہے۔ جو کچھ عقل ادراک نہیں کر سکتی نبوت کے وسیلے سے اس کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔

حضرت امام ربانی مذکور اپنے ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں کہ:۔

"قدماء فلاسفہ یونان باوجود زیرکیہا بوجود صانع جلّ شانہٗ ہتد نگشند و وجود کائنات را بہ دہر منتسب ساختند وچوں روز بروز انوار دعوت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم سالطع گشت متاخران فلاسفہ ببرکت آں انوار ردّ مذہب قدماء خود نمودہ بوجود صانع جلّ شانہٗ قائل گشتند و اثبات وحدت او تعالیٰ نمودند پس عقول ما بے تائید انوار نبوت ازیں کار معزول است و افہام ما بے توسط انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم ازیں معاملہ دور۔"

ترجمہ: قدیم یونانی فلسفیوں کو باوجود عقل باریک بین کے خالق کائنات کی وحدت کی طرف ہدایت نہ ملی۔ اور کائنات کے وجود کو زمانے کی طرف منسوب کیا مگر جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی دعوت کے انوار روز بروز بڑھنے لگے۔ متاخرین فلسفی ان انوار کی برکت سے اپنے قدماء کے مذہب سے برگشتہ ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کے خالق کائنات ہونے اور اس کی وحدت کے قائل ہو گئے۔ پس ہماری عقلیں انوار نبوت کی تائید کے بغیر بے کار اور ہماری سمجھ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے توسط کے بغیر اصل معاملہ سے دور ہیں۔

عہد حاضر کے فلسفہ اور سائنس دانوں کے نظریہ ارتقا اور منکرین اسلام کے نظریہ عروج کا یہ تقابلی جائزہ اس طرف رہ نمائی کرتا ہے کہ نظریہ ارتقا تو بشری صفات تک پہنچ کر دم توڑ دیتا ہے۔ جبکہ نظریہ عروج کے تحت انسان مسلسل سفر میں ہے اور اوصاف بشری کو مضمحل کر کے صفت معنوی یعنی روح کے تزکیہ کے میدان میں قدم رکھتا ہے اور اپنا سفر جاری رکھتا ہے تاکہ اپنے منتہا کو پہنچ جائے۔

Marfat.com

چوں بمردم از خواصات بشر
حق مرا شد سمع و ادراک و بصر

ترجمہ:۔ جب میں نفس و بشر کے خواصات کے اعتبار سے مردہ ہوگیا تو
اللہ تعالیٰ میری شنوائی، سمجھ اور بینائی بن گیا۔ (یعنی زندہ جاوید ہوگیا)

اس کے ساتھ ساتھ بندہ مومن اللہ تعالیٰ کی معیت اور اس کی ربوبیت کو شامل حال رکھتا ہے اس کا پختہ یقین ہوتا ہے کہ کائنات میں مؤثر قوت اسی صانع جل شانہٗ کی ہے بقول مولانا رومؒ:

کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ بخواں
مر اورا بے کار و بے فعلے مداں !

ترجمہ: قرآن مجید کی آیت کہ وہ ہر روز ایک نئی شان میں ہے۔ پڑھ اس کو بغیر فعل مت سمجھ"

انیسویں صدی عیسوی میں قائم ہونے والی اکثر تحریکوں کا محور و مرکز احیائے دین اسلام تھا تاکہ گزشتہ دو صدیوں میں مسلمانوں کے اعتقادات اور عملیات پر جہل کی تاریکی سے جو مضر اثرات پڑے ان کا ازالہ ہو۔ کسب معاش کے فنون یا معاشی بدحالی کو دور کرنا ان میں، بجز تحریک علی گڑھ مفقود تھا۔ ان تحریکوں کا مالی نظام عوام کے چندے صدقات اور خیرات پر تھا۔ عوام نے آخرت کے اجر کی غرض سے ان تحریکوں کی مالی اعانت کی۔ ان تحاریک کے کیا اثرات مرتب ہوئے ان کا مختصر جائزہ حسب ذیل ہے۔

طلوع اسلام سرزمین عرب پر عربی زبان میں ہوا۔ اس کا اصل مرکز وجہ کائنات حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے۔ جب اسلام نے سرزمین عرب سے نکل کر عجم کو اپنی آغوش میں لیا تو دین اسلام فارسی زبان میں منتقل ہونا شروع ہوا۔ تا آنکہ چوتھی پانچویں صدی ہجری میں تمام دینی علوم عجم میں فارسی زبان میں منتقل ہو چکے تھے۔ اور اسی زمانے میں اسلام ہندوستان میں آیا۔ عرصہ دراز تک علوم دین کی ترویج عربی اور فارسی زبانوں میں ہوتی رہی اٹھارویں صدی عیسوی سے ان علوم کا ترجمہ اردو میں ہونے لگا اور بعد کے ایام میں اردو ہی

Marfat.com

ذریعہ تعلیم ہوگئی۔ دینی درس گاہوں میں عربی اور فارسی کتب کے اسباق بھی اردو میں دیے جانے لگے اس کا ایک تو سیاسی اثر ہوا۔ انیسویں صدی کے اواخر میں اردو ہندی بحث چل نکلی اور محض لسانی پہلو کو مذہبی رنگ دے دیا گیا چنانچہ من حیث المجموع اردو کو مسلمانوں کی اور ہندی کو ہندوؤں کی زبان قرار دیا گیا دوسرا منفی پہلو یہ تھا کہ اردو کا دامن اتنا تنگ تھا کہ بغیر فارسی اور عربی الفاظ کے آمیزش کے دین اسلام کے علوم کو اپنے احاطہ تحریر و تقریر میں نہ لا سکا اور عامۃ المسلمین کے ذہن و شعور کو کما حقہ متاثر نہ کر سکا مثلاً کلمہ طیبہ کے جزو اول یعنے لا الٰہ۔ کا اردو ترجمہ "نہیں کوئی معبود" کیا۔ عربی لفظ الٰہ کا ترجمہ دوسرے عربی لفظ معبود سے کیا۔ حالانکہ دونوں لفظ عربی میں مستعمل ہیں اور اپنے مخصوص معنی کے حامل ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا سامع اور ناظر کا شعور و ادراک کلمہ کے حقائق تک نہ پہنچ سکا۔

اکابر علماء کا قول ہے کہ:

"آدمی را۔ از سہ چیز چارہ نیست تا نجات اخروی میسر گردد علم و عمل و اخلاص"
یعنی آدمی کے لیے نجات آخروی کا انحصار تین چیزوں پر ہے۔ علم و عمل اور اخلاص۔"

علمائے متقدمین نے کتاب و سنت سے ماخوذ علوم کی مندرجہ ذیل اقسام متعین کی ہیں۔

اوّل: علم اعتقاد:

یعنی وحدت، رسالت۔ کتب سماوی۔ ملائکہ وغیرہ پر یقین قلبی۔

دوم: علم فقہ:

یعنی کتاب و سنت کے امر و نہی کو جاننا اور ان پر عمل کرنا۔

سوم: علم حکمۃ:

یعنی مخلوق کائنات میں تفکر و تدبر کرنا۔ منفعت بخش اشیاء کا حصول اور مضرت رساں چیزوں سے پرہیز۔

اخلاص: عمل میں صدق مقال۔ کسب حلال۔ جذبہ و شوق۔ یکسوئی۔ وجدان و استغراق جس سے تنویر قلب حاصل ہو۔ اس کو طریق صوفیا بھی کہتے ہیں۔

Marfat.com

علم اعتقاد :

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے انسان کو جو چیز باقی مخلوق سے افضل۔ اشرف اور ممتاز بناتی ہے وہ اس میں اللہ تعالیٰ کی ودیعت کردہ عقل ہے جس کا منبع و مخرج روح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جتنے انبیاء و رسل مبعوث فرمائے ان کا تخاطب اسی عقل کو ہے کیونکہ یہ عقل ہی ہے جو انسانی وجود پر حاکمیت کا درجہ رکھتی ہے یہی انسان کو علم کا متحمل بناتی ہے اور باقی اعضاء و جوارح کو عمل میں لاتی ہے۔ اگر یہ درست ہو گئی تو تمام وجود بشر درست ہو جاتا ہے۔ دین اسلام میں مرتبہ اول پر عقائد ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حدیث شریف کے حوالے سے ایک مضمون شامل کتاب کیا گیا تاکہ ناظرین کے ذہن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود حسی و وجود معنوی واضح ہو جائے اور تکمیل ایمان کا باعث ہو

جب اللہ تعالیٰ نے ماہتاب نبوت کے انوار اور آفتاب رسالت کی روشنی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکمل کر دیا تو حکم دیا کہ، ”قُمْ فَاَنْذِرْ“ یہ پہلا حکم ہے جو آفتاب رسالت کو دیا گیا اس کے مضمرات میں یہ داخل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وجود حسی و بشری کی تمام تر استطاعت اور وجود معنوی و رسالت کے تمام انوار کے ساتھ کھڑے ہو جائیں اور عالم بشریت کو ڈرائیں اس خوف و خشیت کا تخاطب عالم انسانیت کے اندر موجود عقل و روح کو ہے ورنہ اس کے وجود بشری کو بظاہر کوئی خطرہ نہیں تھا جس سے خوف دلایا جاتا۔ اس کے بعد کی آیات سے یہ واضح ہے جن میں ارشاد باری ہے کہ:

”جس دن صور پھونکا جائے گا۔ وہ دن انتہائی مشکل کا دن ہوگا۔“

تو آنے والے وقت کا تصور عقل ہی کر سکتی ہے نہ کہ جسم۔ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق و تکذیب کا یہ مرحلہ اول ہے چنانچہ جس نے مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع ہوا۔ اور جس نے تکذیب کی اس نے تباہی و ہلاکت کا راستہ اختیار کیا۔ مرحلہ دوم میں جب تصدیق کرنے والا بارگاہ نبوت و رسالت میں حاضر ہوتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کا پرتو اور آپ کی صفت رحمت اللعالمین اس کی رہبر بن جاتی ہے

Marfat.com

اور اس پر ایمان پیش کیا جاتا ہے یعنی کلمہ طیبہ۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ۔
انوارِ رسالت کی چکاچوند روشنی اس کے قلب کی تنویر کا باعث ہوتی ہے اور کلمہ ایمان کی معرفت
آناً فاناً حاصل کر لیتا ہے اور اس پر استقامت اختیار کرتا ہے یہاں یہ اہم نکتہ ذہن نشین رکھنا
چاہیئے کہ جنابِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق مرتبہ اولیٰ میں بھی ہے اور مرتبہ ثانیہ میں بھی
جب کہ توحید درمیان میں ہے۔

عربی کلام کا کسی دوسری زبان میں محض لغوی ترجمہ کافی نہیں یہ مزید تشریح و تفسیر کا محتاج
ہے کلمہ طیبہ کے جزو اوّل یعنی لَآ اِلٰہَ کا اردو ترجمہ علمائے ظاہر تے جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے۔
معبود کی نفی سے کیا ہے محض یہ کہہ دینا کہ کوئی معبود نہیں ہے انسانی شعور و ادراک پر کوئی واضح
اثر مرتب نہیں کرتا۔ بالخصوص جزدِ دوم یعنی اِلَّا اللّٰہ کے اثبات سے پیش نظر جزدِ سوم یعنی مُحَمَّدُ الرَّسُوْلُ
اللّٰہ کا اردو ترجمہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو موجودات میں بحیثیت بشر کے ہیں اللہ تعالیٰ جس کا اثبات
کیا گیا اس کے پیغامبر ہیں دنیا و مافیہا کے لیے ترجمہ کی اس کیفیت نے انسانی عقل و شعور کی تفکر و تدبر
کی راہ نہیں کھولی اور جب تک تفکر و تدبر نہ ہو گا۔ تنویر قلب نہ ہوگی۔ جس کے بغیر ایمان قلوب
میں داخل نہ ہو سکے گا۔ حضرت ابو نصر احمد بن ابی الحسن احمد النامقی الجامی رسالہ مفتاح النجاۃ میں
فرماتے ہیں کہ:

"توحید گفتن از ایمان جداست توحید گفتن بتقلید می تواں گفت و ایمان بگفتار
از معلم می تواں آموخت اما شناخت حق سبحانہٗ و تعالیٰ جز بہدایت حق سبحانہٗ و تعالیٰ
راست نیاید ہر کرا نورِ ہدایت و چراغِ معرفت دل او را روشن گرداند نداور
الحق شناکردند چنانکہ در کتاب عزیز خود می فرماید اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ
صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ

ترجمہ: محض زبان سے توحید کا اقرار کرنا ایمان سے جدا ہے۔ تقلید سے بھی
توحید کا زبانی اقرار کیا جا سکتا ہے اور ایمان کے جذبات معلم کی گفتار سے بھی سیکھے
جا سکتے ہیں مگر حق تعالیٰ کی معرفت بغیر حق تعالیٰ کی ہدایت کے صحیح اور درست
نہیں جس کسی کے دل کو نورِ ہدایت اور چراغِ معرفت سے روشناس کرا دیا جاتا ہے

Marfat.com

اسی کو معرفت حاصل ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کلام پاک میں فرماتا ہے کہ جس کے قلب کو اللہ تعالیٰ اسلام کے لیے انشراح وکشادگی عطا کرتا ہے وہی اپنے رب کی طرف نورِ ہدایت یافتہ ہوتا ہے۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ :

"ہر کہ تبلیغ معلم شناسد ہرگز از ایمان دے بوئے شناخت نیابد و ایمان تقلید ہرگز از شرک خالی نباشد۔ زیرا کہ یا معلم بگوید یا تعلیم بکند کہ چنیں است یا چناں است تا معلم نگوید این متعلم نتواں گفت کہ ارے چنین است و ھر چہ گفت است از دیگرے نشان است و ھر چہ نشان است از دیگرے شرکت نہ توحید۔

ترجمہ : جو شخص بھی معلم کی تعلیم سے شناسائی اختیار کرے گا۔ وہ ایمان کی معرفت کی بو بھی نہ پا سکے گا اور ایمان تقلید ہرگز شرک سے خالی نہیں اس لیے کہ اس کا ایمان یا معلم کے کہنے پر منحصر ہوگا یا اس کی ظاہری تعلیم کا نتیجہ کہ ایسا ہے یا ویسا ہے۔ جب تک معلم نہیں بتلائے گا متعلم نہیں کہہ سکے گا کہ ایسا ہے جو کچھ معلم کہے گا وہ شے دیگر کی نشاندہی کرے گا اور جو نشان دوسری اشیاء سے متعلق ہوگا وہ شرک ہے نہ توحید۔

مذکورہ بالا ترجمہ کلمہ طیبہ ہندوستان کے تمام مکاتیب فکر کے علماء نے مسلمانان ہند و پاکستان کے لیے کیا اس کی تقلید تمام نصابی کتب میں بھی کی گئی گو کہ بعض مکتب فکر کے علماء نے اس میں کچھ اضافہ بھی کیا جس کو دوسرے مکتب فکر کے علماء بدعت کہتے ہیں اس کو اگر مولانا جامی کے مذکورہ بالا بیان کی روشنی میں دیکھا اور پرکھا جائے تو یہ روح ایمان سے خالی نظر آتا ہے اور مسلمانان ہند و پاکستان کے لیے لمحہ فکر ہے۔ تاہم اگر مسلمان دوسری مخلوق میں معبودیت سے انکار کرکے اللہ تعالیٰ کے استحقاق معبودیت اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو تسلیم کرلیں اور مخالفت اسلام چھوڑ دیں یعنی وہ اعمال جو سراسر شریعت اسلام کے احاطہ سے باہر ہیں۔ اور شریعت پر حتی المقدور قائم ہیں اور اس کے مطابق عمل کرتے رہیں تو دائرہ اسلام میں داخل ہو جائے گا اور اپنے

Marfat.com

اعمال کا آخرت میں اجر پائیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ۭ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَـيْـــًٔـا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝	دیہاتی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ تو اے رسول آپ فرما دیجئے کہ درحقیقت تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم نے تسلیم کر لیا اور مطیع ہو گئے۔ تم اگر اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری اور اطاعت کرنے لگو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہ کرے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

٭ ٭ ٭ ٭

عہد حاضر میں اس قسم کا اسلام نتیجہ ہے نظری و فکری استدلال کا جس کا منبع و مخرج کتاب و سنت کے ظاہری الفاظ و کلمات ہیں جن کو لغت کے توسط سے سمجھا گیا مگر وہ عربی الفاظ جو کتاب و سُنّت میں محفوظ ہیں ان کا معنوی اور نوری پہلو بھی ہے جس کی شہادت خود قرآن پاک دے رہا ہے۔ ارشاد ہے۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ۝	یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اس نور پر جس کو نازل کیا گیا ہے ایمان لاؤ

اس لئے سے متعلق مضمون جس میں زیادہ شرح اور بسط کے ساتھ روشنی ڈالی گئی شامل کتاب کیا ہے۔

علمائے ربانی یا صوفیائے اکرام:

یہ امر مسلم ہے کہ ہندوستان کے طول و عرض میں اسلام کی اشاعت اور تبلیغ علمائے ربانی

Marfat.com

نے انجام دی۔ اور یہ کہ انہیں سے متاثر ہو کر ہندی النسل لوگوں نے دین اسلام قبول کیا اور انہیں سے تربیت پائی۔ مشائخ کے کچھ مشہور سلسلوں کا ابتدائیے کتاب "وسط ایشیا کے اثر" کے عنوان کے تحت ذکر کیا گیا۔

اولیاء اللہ نے جو کلمہ طیبہ کا درس دیا وہ بھی مختلف ہے کیونکہ علمائے ظاہر کا درس فکر و استدلال سے ماخوذ ہے اور محض تقلیدی ہے جب کہ علمائے ربانی کا انحصار مشاہدہ اور مکاشفہ پر ہے۔ اولیاء اللہ لا الٰہ سے جو تخیل پیش کرتے ہیں وہ اعدام خلائق ہے یعنی مخلوق کا وجود ہی حقیقی نہیں ہے اس لیے ماسوی اللہ کی کلیتاً نفی کرتے ہیں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا نفی کے متعلق قول ہے کہ:

اِعْدَامُ الْخَلَائِقِ وَالْخُرُوْجِ مِنَ الْکُلِّ۔

یعنی کائنات میں جو مخلوق ہے اس کو معدوم سمجھے اور اپنے نفس اور اس کی خواہشات سے بھی خارج ہو جائے اور اس کی بھی نفی کرے۔

٭ ٭

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

مَا ھُھُنَا اِلَّا الْخَالِقُ عَزَّوَجَلَّ فَاِنْ کُنْتَ مَعَ الْخَالِقِ فَاَنْتَ عَبْدُہٗ وَاِنْ کُنْتَ مَعَ الْخَلْقِ فَاَنْتَ عَبْدُھُمْ۔

یعنی یہاں پر کوئی نہیں بجز خالق عزوجل کے پس اگر تو خالق کے ساتھ ہے تب تو اس کا بندہ ہے اگر تو مخلوق کے ساتھ ہے تب ان کا بندہ ہے (اور وہی تیرے معبود ہیں)

٭ ٭

ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ:

تَقُوْلُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَ تَکْذِبُ فِیْ تَقُلِکَ جَمَاعَۃٌ

یعنی تو کہتا ہے کہ کوئی معبود نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے مگر جھوٹ کہتا ہے

Marfat.com

مِّنَ الْاِلٰہِ خَوْفُكَ مِنْ سُلْطَانِكَ وَ اِلٰی مُلْتِكَ اٰلِهَةٌ اِعْتِمَادُکَ بِكَ وَ رِبْحِكَ وَ حَوْلِكَ وَ قُوَّتِكَ وَ سَمْعِكَ وَ بَصَرِكَ وَ بَطْشِكَ آلِهَةٌ رُؤْيَتُكَ لِلضُّرِّ وَالنَّفْعِ وَ الْعَطَاءِ وَ الْمَنْعِ مِنَ الْخَلْقِ اٰلِهَةٌ۔

کیونکہ معبودوں کا ایک گروہ تیرے قلب میں موجود ہے۔ اپنے بادشاہ اور اپنے میر محلہ سے تیرا ڈرنا تیرے معبود بنے ہوئے ہیں اپنی کمائی اپنے نفع اپنی طاقت اپنی قوت اپنی سماعت۔ اپنی بصیرت اور اپنی گرفت پر تیرا اعتماد تیرے معبود بنے ہوئے ہیں تیرا نفع و نقصان اور عطا اور منع میں مخلوق پر تیرا اعتماد تیرے معبود بنے ہوئے ہیں۔

⁂

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ:

"کلمہ طیبہ لا الٰہ کہ موضوع است برائے نفی الٰہیہ آفاقی و انفسی"

یعنی کلمہ طیبہ لا الٰہ کا مقصود ہے کائنات میں اور خود انسانی نفوس میں کسی کو استحقاق معبودیت نہیں۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ:

"معقول و موہوم بلکہ مشہود و مکشوف چہ آفاقی و چہ انفسی ہمہ در تحت لا داخل است"

یعنی کائنات میں ہر وہ چیز جو عقل و وہم میں آسکتی ہے بلکہ جس کا مشاہدہ و مکاشفہ کیا جاسکے چاہے اس کا تعلق عالم مخلوق سے ہو یا خود انسان کے اپنے نفس سے تمام نفی کے تحت داخل ہیں۔

اولیاء اللہ نے جب نورِ قلب سے مخلوق کائنات پر نظر ڈالی تو ان میں مؤثر قوت صرف صانع تعالیٰ کی نظر آئی اور کائنات کو محض ایک وہم یا وجود ضعیف سے زیادہ درجہ

Marfat.com

پر نہ پایا۔ امام ربانی مجدد الف ثانی دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ:

"بایں تحقیق معلوم گشت کہ ہیچ غیر از حق جلّ وعلا در خارج موجود نیست چہ اعیان و چہ آثار اعیان۔ بلکہ ثبوت اینہا در مرتبہ حس و وہم است وہیچ استحالہ نیست چہ نہ موہومے است کہ باختراع وہم ثبوتے پیدا کردہ است کہ بارتفاع وہم مرتفع گردد بلکہ ثبوت آں بصنع خداوندی جلّ شانہٗ در مرتبہ وہم است واثبات وتقرر واتقان واستحکام درین مرتبہ دارد "صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ"

ترجمہ:۔ اس تحقیق سے یہ ظاہر ہے کہ کوئی چیز بجز اللہ تعالیٰ کے خارج میں موجود نہیں۔ کیا عناصر اور کیا عناصر کے آثار۔ بلکہ ان کا ثبوت محض حس و وہم کے درجے میں ہے۔ اس سے حقائق میں کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا کیونکہ یہ وہ وہم نہیں جو انسانی عقل سے پیدا ہوا ہو اور اس کے وہم کے ساتھ بلند و پست ہوتا رہے۔ بلکہ اس کا ثبوت اس بات سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پیدا کر کے ہر چیز کو استوار اور محکم کر دیا۔

تا بجاروب لا نروبی راہ
نرسی در سرائے الا اللہ!

ترجمہ: جب تک لا کی جھاڑو سے راستہ نہ صاف کرو گے۔ سرائے الا اللہ تک نہ پہنچ سکو گے۔

طلوع اسلام سے قبل کے حالات کا اگر جائزہ لیں تو صواب و خطا میں امتیاز واضح ہو جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے قبل تقریباً دنیا میں اصنام پرستی اور ان کی اطاعت عام تھی۔ خود مکہ میں رہنے والے لوگوں نے مختلف اقسام کے بت اور صنم تراش لیے تھے۔ کسی سے نفع کی امیدیں وابستہ کیں اور کسی کو دفع ضرر کا سبب سمجھا۔ کوئی ان کو جنگ میں فتح دلانے کا ضامن سمجھا گیا جب کہ کسی دوسرے کو محافظ و نگہبان گردانا گیا غرضیکہ یہ ان کی ذہنی اختراع تھی کہ ان مخلوق اشیاء میں خدا کی صفات میں سے کسی نہ کسی صفت

Marfat.com

کو تصور کر لیا۔ انہیں بتوں کا احترام کرتے تھے انہیں کی خود ساختہ اطاعت کا دم بھرتے تھے۔ ان کی ناراضگی سے خوف رکھتے تھے۔ المختصر ان کی پرستش کا معیار صرف نفسانی اغراض تھیں جو انہوں نے مخلوق سے اپنے تصور کی بنا پر قائم کر رکھی تھیں اور یوں عبد و معبود کا رشتہ استوار کر رکھا تھا۔

مذکورہ بالا عبدیت کے علاوہ ایک اور قسم اطاعت کی تھی بعض لوگ کسی دوسرے شخص کے مملوک ہوتے تھے جن کو عبد یا غلام کہتے تھے ایسے غلاموں پر لازم تھا کہ وہ اپنے مالک کے حکم کا اتباع کریں یہاں پر بھی رشتہ عبد و معبود بر بنائے ملکیت و اطاعت قائم تھا فرعون کا اپنے آپ کو معبود کہلوانا اسی بنا پر تھا کیونکہ اس کو زعم تھا کہ ملک مصر اور اس میں بہنے والی نہریں اور اس ملک کے باشندے اس کی ملکیت میں تھے اور اس حق ملکیت کا تقاضہ تھا کہ لوگ اسی کی اطاعت کریں قرآن کریم میں بھی فرعون کی اس کیفیت کی طرف اشارہ موجود ہے یہی وجہ ملکیت اور دولت مندی تھی جس کی وجہ سے فرعون نے کہا کہ :

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرِي !	اور فرعون نے اپنے درباریوں سے کہا کہ میں اپنے سوا کسی کو تمہارا معبود نہیں جانتا۔

اس سے ظاہر ہے کہ ملک یا ملکیت کو جو اللہ کی صفت ہے جیسا کہ ارشاد ہے کہ :

مَلِكِ النَّاسِ	یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہے تمام انسانوں کا مالک و بادشاہ۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے کہ :

تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ۔	یعنی مبارک ہے وہ ذات جس کی ذات میں استحقاق ملکیت ہے۔ کسی دوسرے کو استحقاق عبودیت دینا بھی نفی میں داخل ہے

اسی صورت سے انسان کا اپنے نفس کی خواہشات کی تکمیل میں لگا رہنا اور ہر نتیجہ

Marfat.com

کو اپنے فعل کی طرف منسوب کرنا بھی نفی میں داخل ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے کہ:

اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوٰہُ۔ | کیا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہشات نفسانی کو معبود بنا رکھا ہے۔

غیر اللہ کی اطاعت۔ بت اور اصنام یا دیگر مخلوق کی پرستش۔ نفس کی خواہشات کا اتباع یہ سب معبودیت میں داخل ہیں جن کی نفی کلمہ طیبہ کا جزو اول کر رہا ہے۔

اِلَّا اللہ سے مقصود یہ ہے کہ ذات حق سبحانہٗ جو واجب الوجود اور کائنات کا خالق ہے استحقاق الوہیت و ربوبیت اسی کے لیے مخصوص ہے وہ ذات واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں حضرت محمد بن الحنیف بن علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسا واحد نہیں جو کثرت کی ضد ہے بلکہ ایسا واحد جس کے سامنے سب کچھ فنا ہے۔

چوں تجلی کرد اوصاف قدیم | پس بسوزد حادث را کلیم

یعنی ذات قدیم۔ واجب الوجود وحدہٗ لاشریک نے جب تجلی فرمائی تو تمام مخلوق حادث کو بھسم کر کے نیست و نابود کر دیا۔

جیسے وہ ذات قدیم اپنی ذات میں لاشریک ہے ویسے ہی اپنی صفات میں بھی واحد اور لاشریک ہے۔ اس کی صفات میں کوئی شے کلی یا جزوی طور سے شریک نہیں۔

ہر کجا ہنگامہ عالم بود | رحمتہ للعالمینے ہم بود

ترجمہ: جہاں کہیں بھی عالم کون فساد ہوگا۔ رحمت اللعالمین بھی ضرور ہوگا۔

کلمہ طیبہ کا جزو محمدٌ الرسول اللہ کی تفسیر یوں کرتے ہیں۔ ذات محمدیؐ اپنے وجود حسی کے اعتبار سے مثل دیگر انسانوں کے ہیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت عبدیت اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات قدیم کی طرف کی اور عبدہٗ فرمایا ہے۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ممتاز ہے۔ عبد دوسری چیز ہے اور عبدہٗ دوسری۔

پیش او گیتی جبیں فرسودہ است | خویش را خود عبدہٗ فرمودہ است

عبدہٗ از فہم تو بالاتر است! | زانکہ او ہم آدم و ہم جوہر است

Marfat.com

جوہرِ او نے عرب نے اعجم است | آدم است و ہم ز آدم اقدم است
عبد دیگر عبدہٗ چیزے دیگر | ماسراپا انتظار او منتظر !
عبدہٗ با ابتدا بے انتہا است | عبدہٗ را صبح و شام ما کجا است
کس ز سرِّ عبدہٗ آگاہ نیست | عبدہٗ جز سرِّ الا اللہ نیست
عبدہٗ چند و چگون کائنات | عبدہٗ راز درون کائنات !

عبدہ ہونے کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول بھی ہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود معنوی و نبوی جو واجب الوجود. خالق کائنات کے کلام قدیم کا محل دمی ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ بیک وقت کلام قدیم کی متحمل بھی ہے اور دوسرے حادث انسانوں تک پہنچانے کا ذریعہ بھی اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بندوں اور اللہ تعالیٰ کے درمیان وسیلہ اور واسطہ ہے۔

روز ازل جو چیز سب سے اول مخلوق ہوئی وہ آپ کا وجود معنوی یعنی نور تھا. جیسا کہ حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "میں اس وقت نبی تھا (یعنی حامل قرآن) جب آدم مٹی اور پانی کے درمیان تھا. اس حقیقت کی شہادت خود قرآن کریم دے رہا ہے۔ ارشاد حق تعالیٰ ہے کہ:۔

اَلرَّحْمٰنُ ہ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ. عَلَّمَهُ الْبَیَانَ۔

یعنی رحمٰن وہ ہے جس نے قرآن کی تعلیم دی ۔انسان کو پیدا کیا۔ اس کو قوت بیان دی۔

یہاں یہ بات بالکل واضح ہے کہ انسان کی تخلیق سے پہلے کوئی ذات موجود تھی جس کو تمام قرآن کی تعلیم دی گئی۔ انسان کی تخلیق میں قوت نطق و گویائی موجود ہے۔ اس لیے تیسری آیت دلالت کر رہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود معنوی میں قرآن کا علم موجود تھا مگر اس کلام قدیم کو بیان کرنے کی تعلیم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وجود حسی و بشری عطا کرنے کے بعد دی گئی اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

Marfat.com

نَحْنُ الْآخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ ۔

یعنی ہم وجود معنوی کے اعتبار سے سب سے اول ہیں اور با اعتبار وجود حسی بعد وجود معنوی کے سب سے آخر میں ہیں۔

مولانا روم فرماتے ہیں کہ :

پس زمن زائید در معنی پدر ... پس زمیوہ زاد در معنی شجر

یعنی پس حقیقت میں میرا باپ مجھ سے پیدا ہوا۔ اس کی مثال

اس پھلدار درخت کی ہے۔ جس کے لگانے کا مقصد اس سے پھل حاصل کرنا ہے۔ مگر حقیقتاً یہ درخت خود بھی اس پھل سے پیدا ہوا ہے۔ اول بھی پھل تھا جس نے درخت کی صورت اختیار کی اور آخر میں اس درخت کا نتیجہ بھی وہی پھل ہے۔

مسلم از سر نبی بے گانہ شد ... باز ایں بیت الحرم بت خانہ شد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا محض زبانی قول و اقرار سے ثابت نہیں ہوتا اس کے لیے تصدیق قلب نور نبوت۔ اتباع از راہ محبت و عشق اطاعت بلا دلیل عقلی ہے ضروری ہے۔ قرآن کریم اس پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے کہ:

قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۔

یعنی ایک گروہ آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شہادت دیتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور اللہ یہ بھی گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق لوگ اپنی شہادت میں جھوٹے ہیں۔

Marfat.com

اسی صورت سے محض جاننا پہچاننا اور معرفت بھی ایمان کو مکمل نہیں کرتی۔ جیسا کہ کلام اللہ میں ارشاد ہے کہ:

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰـهُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ

یعنی اہل کتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا اپنی اولادوں کو پہچانتے ہیں۔

ایسے ہی لوگوں کے لیے ارشاد ہے کہ:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ ۘ

یعنی کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لاتے اس کے باوجود وہ لوگ مومنین میں داخل نہیں۔

تکمیل ایمان کی قطعی اور واضح دلیل وہ ہے جو شاہ ولی اللہ نے حجۃ البالغہ کی جلد دوم کے صفحہ ۲۹۰ پر اس طرح لکھی ہے کہ:

وَقَالَ لِعُمَرَ لَا تَکُوْنُ مُؤْمِنًا حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْكَ مِنْ نَفْسِكَ فَقَالَ عُمَرُ وَالَّذِیْ اَنْزَلَ اِلَیْكَ الْکِتٰبَ لَاَنْتَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ الَّتِیْ بَیْنَ جَنْبَیَّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْاٰنَ یَا عُمَرُ تَمَّ اِیْمَانُكَ ۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جب تک میں تجھ کو تیری جان سے زیادہ محبوب نہ ہوں تو مومن نہیں ہے" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب نازل کی۔ آپ میری اس جان سے زیادہ عزیز ہیں جو میرے دونوں پہلوؤں میں ہے۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

Marfat.com

فرمایا کہ اے عمر اب تمہارا ایمان کامل ہوا۔

اس سے اس بات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ محبت کی حقیقت لذت یقین کا عقل پر اور پھر قلب اور نفس پر غالب ہونے کا نام ہے یہاں تک کہ وہ قلب کی ان خواہشوں کے قائم مقام ہو جاتی ہے جو قلب کو عادتاً مرغوب ہوتی ہیں۔ قرآن کریم کی درج ذیل آیت بھی اس حقیقت کے لیے قطعی اور کھلی دلیل ہے کہ:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مومنوں کے لیے ان کے نفوس سے بھی زیادہ اہمیت اور اولیت کی حامل ہے۔

٭

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے والوں کے قلوب پر مہر لگا دیتا ہے اور عقل سقیم کمزور اور غیر متوازن ہو جاتی ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ ایسے لوگ باوجود بصارت آپ کے وجود حسی کو دیکھ سکیں اور باوجود قوت سماعت کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں یا قول بھی سن سکیں۔

ارشاد ربانی ہے کہ:

وَتَرَاهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝

تو دیکھ رہا ہے کہ یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نظریں لگائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھ رہے۔

٭ ٭

اور دوسری جگہ ارشاد ہے کہ:

وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ اِلَيْكَ

اور ان میں سے بعض ایسے بھی

134689

Marfat.com

حَتّٰی اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا۔

ہیں کہ تیری طرف کان لگا کر تیری بات سن رہے ہیں۔ یہاں تک کہ جب تیرے پاس سے چلے جاتے ہیں تو اہل علم سے پوچھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی ابھی کیا فرمایا تھا۔

اس کے برعکس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے حس وشعور اور ان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں جو احوال وارد ہوتے تھے ان کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے جو شاہ ولی اللہ نے حجۃ البالغہ کی جلد دوم صفحہ ۲۶۹ پر نقل کیا (اصل عربی میں ہے مگر اس کا اردو ترجمہ نقل کیا جاتا ہے)

"حنظلہ ربیع الاسدی سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ مجھ سے ملے انہوں نے فرمایا کہ اے حنظلہ کیا حال ہے؟ میں نے کہا کہ حنظلہ تو منافق ہوگیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا سبحان اللہ تم یہ کیا کہہ رہے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو جنت ونار کا حال بیان فرماتے ہیں تو گویا ہم ان کو آنکھوں سے دیکھنے لگتے ہیں پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے آتے ہیں اور بیوی بچوں اور مال واسباب میں مشغول ہو جاتے ہیں تو بہت سی باتیں بھول جاتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ خدا کی قسم ایسا حال ہمارا بھی ہوتا ہے پس میں اور حضرت ابوبکرؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلے یہاں تک کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تب میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں اور جنت اور نار کا حال آپ ہم کو سناتے ہیں تو گویا ہم اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ پھر جب آپ کے پاس سے چلے جاتے ہیں اور اہل وعیال مال واسباب میں مشغول ہو

Marfat.com

جانتے ہیں تب بہت سی باتیں بھول جاتے ہیں تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم ہمیشہ اسی حالت پر رہو جو تمہاری میرے پاس ہوتی ہے اور ذکر کرتے وقت ہوتی ہے تو تمہارے بستروں پر اور راستوں میں تم سے فرشتے مصافحہ کریں لیکن اے حنظلہ یہ بات کبھی کبھی ہوتی ہے۔

اصحاب اکرام رضی اللہ عنہم۔ تابعین اور تبع تابعین تک لوگ اسی طرح ایمان پر قائم رہے۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پناہ گاہ اور مرکز بناتے رکھا کتاب وسنت پر عمل میں انتہائی محتاط رہے۔ مگر بعد کے ایام میں اس حالت کو قائم رکھنا دشوار ہو گیا خاص طور پر عجمیوں کے لیے جو کثیر تعداد میں دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وجود حسی وبشری کے ساتھ پردہ فرما چکے تھے اور علماء کے ایک گروہ کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض حاصل کرنے کا واحد طریقہ یہ تھا کہ کتاب وسُنّت پر سختی سے عمل کرتے ہوئے تزکیہ نفس کریں اور جب نفس پر طاری تمام ظلمتیں صاف کر کے قلب کو آئینہ کی طرح صیقل کریں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار ان کے قلوب پر منعکس ہو گے اور فیض جاری ہو جائے گا۔ الغرض یہ حضرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض نبوت ورسالت کو جاری اور بندوں کے لیے پناہ گاہ سمجھتے تھے۔ اور یہ جانتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالمین کے مددگار ہیں اور انسانوں کو تاریکیوں اور اندھیروں سے نکال کر نور وروشنی کی طرف تا قیامت لاتے رہیں گے۔ کلام اللہ میں ارشاد ہے کہ:

كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۝	اس (اللہ تعالیٰ) نے تجھ پر کتاب نازل کی۔ تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لائیں۔

یہ واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نزول کتاب کی نسبت تو اپنی ذات قدیم کی طرف کی ہے مگر اس کتاب کے ثمر یعنی تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لانے کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

کے وسیلہ سے انسان نور سے مشرف ہوتے رہیں۔ یہی راہ متاخرین علمائے ربانی نے اختیار کی حضرت عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں کہ،

"کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بازوؤں سے حق تعالیٰ کی طرف پرواز کر اس کے حضور حاضر ہو۔ در آنحالیکہ تیرا ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہو۔۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا پشت پناہ بنا اور اپنا استاد بنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کو اختیار دے کہ تیرا بناؤ سنگھار کرے اور تجھ کو حق تعالیٰ کے سامنے پیش کرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی لشکریوں کے حاکم ہیں۔ طالبین کے مربی و سرپرست اور مطلوبین کے سردار نیکوکاروں کے افسران میں حالات و مقامات کے تقسیم کرنے والے ہیں اس لیے کہ حق تعالیٰ نے یہ خدمت آپ کے سپرد کر دی اور آپ کو سب کا سپہ سالار بنا دیا۔ جب لشکر کے لیے بادشاہ کی طرف سے خلعت برآمد ہوا کرتی ہے تو ان کے سپہ سالار کے ہاتھ سے ہی تقسیم کرائی جاتی ہے۔" (فیوض یزدانی صفحہ ۳۰۳)

اخلاص:۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ "اخلاص منوط بطریق صوفیا است" یعنی طریق صوفیا پر قائم رہنا ہی اخلاص ہے۔ اکابرین علماء نے اسی طریقہ کو اپنایا اور عوام الناس کے لیے تربیت گاہیں قائم کیں جن کو عربی میں زاویہ اور عجمی لوگ خانقاہ کہتے تھے سب سے پہلا زاویہ عبدالوحید ابن زید نے آبادان میں ۱۷۷ھ میں قائم کیا خراسان میں خانقاہ ۲۰۰ھ میں قائم ہوئی۔ ابوالقاسم الجنید متوفی ۲۹۸ھ مطابق ۹۱۰ء اور ابو یوسف تیفور البسطامی متوفی ۲۶۱ھ مطابق ۸۷۵ء نے اس نظام کو باقاعدہ منظم کیا اور شیخ و مرید کا رشتہ استوار ہوا۔ بعد کے ایام میں ان میں سے بہت سے سلسلے وضع ہوئے۔ ان تمام سلسلوں کا مرکزی نکتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ ہی رہی۔ یہ لوگ کتاب و سنت پر سختی سے عمل کرتے تھے بدعت ناپسند ہے۔ علم فقہ بقدر واجب تعلیم فرماتے ہیں اور پھر مجاہدہ ریاضت مراقبہ و مکاشفہ کی تعلیم دیتے ہیں۔ کسب حلال پر خاص توجہ دیتے ہیں اور طالبین کو خلوت و

Marfat.com

گوشہ نشینی تمام مخلوق سے یکسو ہو کر ذکر کی ترغیب دیتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے کسی اسم کا اس صورت سے ذکر کرو کہ تمام مخلوق سے قطعی طور سے قطع تعلق کر لو۔

قرب حق سے مراد قرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے جیسے کہ امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ:

"قربیکہ منوط بفنا و بقا سلوک و جذبہ است قرب ولایت است کہ .. اولیائے امت بآں مشرف گشتہ اند و قربیکہ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم را در صحبت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم میسر شد قرب نبوت است کہ بہ تبعیت و وراثت ایشاں را حاصل می گشت درین قرب نہ فنا است نہ بقا نہ جذبہ است نہ سلوک این بمراتب از قرب ولایت اعلیٰ و افضل است چہ ایں قرب قرب اصالت است و آں قرب قرب ظلیت۔

ترجمہ: وہ قرب جو فنا و بقا و سلوک و جذبہ سے حاصل ہو قرب ولایت ہے کہ اس امت کے تمام اولیاء اسی ذریعہ سے مشرف ہوئے۔ اور وہ قرب جو اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے میسر ہوا وہ قرب نبوت ہے جو اتباع احکام سے وراثتاً ان حضرات کو حاصل ہوا۔ ان کے لیے نہ فنا ہے اور نہ بقا۔ نہ سلوک ہے اور نہ جذبہ ان کا قرب مرتبہ کے لحاظ سے قرب ولایت سے اعلیٰ اور افضل ہے اس لیے کہ اس قرب میں وہ لوگ واصل بالرسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جب کہ اولیاء کا قرب جناب رسالت کا پرتو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کا عکس ہے۔

پانچویں چھٹی صدی ہجری تک نظام خانقاہی بڑی کامیابی سے چلا اور مسلم دنیا میں کوئی شہر قصبہ ایسا نہ تھا جہاں پر خانقاہ نہ ہو گاؤں دیہاتوں میں ذیلی شاخیں تھیں جن کو تکیہ "

Marfat.com

کہا جاتا تھا اس کے علاوہ بے شمار درویش سفر میں رہتے تھے اور دور دراز علاقوں میں خدمات انجام دیتے تھے۔ بعد کے ایام میں اس نظام میں بھی فتور آیا اور بہت سے ریاکار۔ عیار۔ مصنوعی شیخ بن کر مرید کرنے لگے۔ نذر و نیاز وصول کرنے لگے۔ تعویذ گنڈوں کا بازار گرم ہوا۔ بعض نے خانقاہی نظام کو موروثی بنالیا۔ اور دنیا و جاہ طلبی میں لگ گئے جیسے ایران میں صفی الدین نے ۶۲۷ھ میں خانقاہ قائم کی ان کا تعلق سلسلہ کبراویہ سے تھا اور سنی تھے۔ بعد میں سہروردیہ اور نقشبندیہ سے منسلک ہو گئے اور یہ سلسلہ موروثی بنالیا۔ ان کے اخلاف میں سے شاہ اسماعیل نامی شیخ خانقاہ نے حکومت پر قبضہ کر لیا اور بادشاہ بن گیا اور اس کے کچھ عرصہ بعد ایران کا سرکاری مذہب شیعہ امامیہ قرار پایا۔

ہندوستان میں ویسے تو تمام سلسلوں کے بزرگ آئے اور اپنا اپنا مسلک رائج کیا مگر مشہور سلسلے چار ہیں۔ سہروردیہ قادریہ۔ نقشبندیہ اور چشتیہ۔ شاہ ولی اللہ کے ہمعصر نقشبندی صوفی مرزا مظہر جان جاناں ہیں جنہوں نے اپنے اکابرین کے طریقے کو اپنائے رکھا اور کثیر تعداد میں لوگ ان کے مرید اور خلیفہ ہوئے۔ شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی ۱۶۵۰ء تا ۱۷۲۹ء بھی شاہ صاحب کے تقریباً ہم عصر ہیں اور چشتیہ سلسلہ سے ان کا تعلق ہے انہوں نے اپنے اکابرین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بہت سے لوگوں کی تربیت کی ان کے خلفاء کی تعداد بھی کثیر ہے۔ پنجاب۔ یوپی۔ دکن وغیرہ میں ان کے خلفاء نے لوگوں کی تربیت کی۔ تصوف کے بنیادی طریقے کتاب و سنت سے اخذ کردہ ہیں امام غزالی کا قول ہے کہ صوفی طریقہ تعلیم و تدریس سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے مشاہدہ و مکاشفہ ضروری ہے اور شیخ طریقت کی تربیت تاکہ شیطانی دھوکوں سے محفوظ رہے۔ حضرت عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں کہ: "مرید کو دستگیر کے بغیر چارہ نہیں وہ تو مسافر ہے اور مسافر کو رہنما کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ رہنما تجھ کو آداب سفر سکھائے گا اور تجھ کو تیرے نبی کے پاس لائے گا اور تجھ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دے گا پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم تجھ کو نائب بنا دیں گے۔ قلوب۔ کیفیات اور معانی پر" (ملفوظات صفحہ ۳۵۴)

Marfat.com

ایسے لوگ نائب رسول ہوتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کی تائید حاصل ہوتی ہے۔

فقہ:

شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم تنگی رفع کرنے کے اصول پر مبنی ہے۔ قرآن کریم دین کی عمارت کی بنیاد ہے۔ علماء نے فقہ کو مختلف ادوار میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ دور اوّل:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ۔ نزول وحی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے اور اقوال اس دور کی فقہ کے ماخذ تھے۔

۲۔ دوسرا دور:

جلیل القدر اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کا دور جو ۱۱ھ سے سن ۴۰ھ تک اس زمانے میں فقہ کے ماخذات۔ قرآن کریم۔ حدیث شریف اور رائے تھے۔ اجماع میں قرآن مجید یا حدیث اور رائے (قیاس) سے سند لیتے تھے اس زمانہ کے مشہور مفتی خلفاء اربعہ کے علاوہ حضرات عبداللہ ابن مسعود۔ ابوموسیٰ اشعری۔ معاذ بن جبل۔ ابی بن کعب اور زید بن ثابت تھے۔

۳۔ تیسرا دور:

دیگر اصحاب کرام رضی اللہ عنہم تابعین اور تبع تابعین کا زمانہ سن ۴۰ھ تا سن ۲۰۰ھ اس زمانے میں سیاسی وجوہات کی بنا پر مسلمانوں میں فرقہ بندی شروع ہو چکی تھی۔ شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل بیت کے معتقد تھے۔ جبکہ خوارج حضرات علی۔ معاویہ اور عثمان رضی اللہ عنہم سے بیزاری کا اظہار کرتے تھے۔ بہت سے اصحاب اکرام نے مدینہ کی سکونت ترک کرکے دوسرے اسلامی شہروں میں بود و باش اختیار کر لی تھی۔ ان میں بعض معلم تھے اور بعض قاری لوگ دور دراز سے سفر کرکے اصحاب کرام سے فتوے لینے آئے تھے جو ان احادیث کی

Marfat.com

بنا پر جو انہوں نے سنی تھیں فتوے دے دیا کرتے تھے۔ ایسی احادیث محض حافظہ کی بنیاد پر ہوتی تھیں کیونکہ جلیل القدر اصحاب رضی اللہ عنہم کے دور میں احادیث نہ جمع کی گئیں اور نہ لکھی گئیں۔ چنانچہ ہر شہر کے راویوں نے وہی حدیثیں نقل کی ہیں جو ان کو ان کے شہر میں آنیوالے صحابیوں سے ملیں۔ اس لیے روایتوں میں ہر شہر کے اعتبار سے اختلافات رونما ہونے لگے اور ہر شہر کے محدثین اپنے اپنے شہروں کے اعتبار سے فتوے دینے لگے۔ احادیث کی اسناد کی کوئی تحقیق نہ کی گئی اور نہ ہی اس کی ضرورت محسوس کی گئی اس لیے کہ عامۃ المسلمین کسی جھوٹی حدیث کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ یہی وجہ ہوئی کہ کثرت سے موضوع حدیثیں وضع ہونے لگیں۔ جن کی وجہ مسلمانوں میں سیاسی اور مادی تفریق تھی۔ شیعہ مسلک کے لوگوں کے پاس الگ تنادی تھے اور خوارج کے پاس الگ جب کہ جمہور امت ان سے الگ مسلک پر تھی۔ احادیث روایت کرنے میں لوگوں نے تعصب اور نفسانی خواہشات کو داخل کر لیا اور بہت سے حکماء کے اقوال کو بھی حدیث کہہ کر روایت کرنے میں تامل نہ کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز اس حقیقت سے آگاہ تھے اس لیے انہوں نے مدینہ کے عامل کو لکھا کہ حدیث اور سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جمع کرو اور ان کو لکھو۔

اس زمانے میں ہر شہر اور علاقہ کے لوگ اپنے علاقہ میں مقیم صحابی یا بزرگ تابعین میں سے کسی سے فتویٰ لیتے اور اسی پر عمل کرتے۔ مشہور محدث اور مفتی یمن میں حضرت طاوس بن کیسان جندی مصر میں عبداللہ بن عمرو بن العاص شام میں حضرت عمر بن عبدالعزیز۔ بصرہ میں انس بن مالک انصاری کوفہ میں علقمہ بن قیس نخعی۔ مکہ میں حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب مدینہ میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابوہریرہ ہوئے ہیں۔

۴۔ چوتھا دور سنہ ۲ھ تا ۳۵۰ھ

اس زمانے میں عجم کا کثیر علاقہ مسلمانوں کے زیر تسلط آچکا تھا۔ جو عجمی دور ثانی یا گزشتہ صدی میں مسلمان ہوئے ان کی اولاد نے جلیل القدر تابعین سے علم دین حاصل کیا اور ان کے وارث بنے بعض لوگ پختہ عمر میں اسلام میں داخل ہوئے اور فقہ کی تعلیم حاصل کی یونانی

Marfat.com

فلسفہ عقلیات اور منطق گزشتہ صدی میں عربی میں منتقل ہو چکا تھا۔ اسلامی تمدن مصر، کوفہ نیشاپور، دمشق، بصرہ وغیرہ میں عروج پر تھا اور تمام تمدنوں پر سبقت حاصل کر چکا تھا۔ گزشتہ صدی میں خلافت بنو امیہ سے نکل کر بنو عباس کے پاس آگئی تھی۔ حکومت کی پشت پناہ عجمی قیادت تھی۔ خراسان اور عراق دولت عباسیہ میں شریک تھے۔ یہ وہ اسباب تھے جن کی وجہ سے اسلامی شہروں میں علمی حرکت پیدا ہوئی۔ علماء نے ارسطو کے خیالات سے متاثر ہو کر علم کلام اور عقلی استدلال پر فقہ اور شریعت کی بنیاد رکھنا چاہی اور جلیل القدر محدثین کو ان کے مقام سے گرانے کی کوشش کی۔ خلیفہ مامون الرشید کی جانب مائل تھا۔ مسئلہ خلق قرآن اسی زمانہ میں پیدا ہوا۔ اور مامون نے محدثین کے عقیدے کو بدلنے کی کوششیں کی جب پر وہ غلطی پر تھا۔ تمام محدثین اس عقیدے کے خلاف کھڑے ہو گئے چونکہ جمہور محدثین کے ساتھ تھے اس لیے ان کو کامیابی ہوئی اور علم کلام کا رد ہوا۔ مشہور متکلمین سے سردار عمرو بن عبید متوفی ۱۴۲ھ الذاہذیں علاف متوفی ۲۳۵ھ اور عمرو بن بحر جاحظ متوفی ۲۵۵ھ ہوئے۔

اس زمانے میں حفاظ قرآن مجید بکثرت ہوئے۔ قرأت علوم دین کا ایک مستقل علم بن گیا اور علماء نے علم تجوید پر کتابیں لکھیں اسی زمانے میں سنت کی ترویج کو اہمیت دی گئی۔۔۔ احادیث جمع کرنی شروع کیں کیونکہ طبقۂ اولیٰ نے احادیث کے ساتھ ساتھ صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کے اقوال ملا جلا کر رکھے تھے۔ گزشتہ صدی میں موضوع حدیثیں بھی بکثرت تھیں۔۔

علماء نے احادیث کو معہ اسماء راویان بڑی تحقیق و جستجو کے بعد یکجا کیا۔ مندرجہ ذیل علماء نے جو احادیث جمع کیں ان کو جمہور امت نے صحیح تسلیم کیا اور یہی صحاح ستہ کے نام سے مشہور ہوئیں۔ دوسرے علماء کی جمع کردہ احادیث کو یہ مقام حاصل نہیں ہوا۔

۱۔ شیخ ابو عبداللہ بن اسماعیل بخاری۔ پیدائش ۱۹۴ھ وفات ۲۵۶ھ
۲۔ شیخ مسلم بن حجاج نیشاپوری۔ پیدائش ۲۰۶ھ وفات ۲۶۱ھ

Marfat.com

۳۔ شیخ ابو داؤد سلیمان بن اشعث پیدائش ۲۰۲ھ وفات ۲۷۵ھ
۴۔ شیخ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ اسلمی ترمذی۔ پیدائش ۲۰۹ھ وفات ۲۷۹ھ
۵۔ شیخ ابو عبداللہ محمد بن یزید قزوینی المشہور با بن ماجہ پیدائش ۲۰۹ھ وفات ۲۷۳ھ
۶۔ شیخ ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی پیدائش ۲۱۰ھ وفات ۳۰۳ھ

اس صورت سے علم حدیث ایک مستقل فن بن گیا۔ گزشتہ دور میں اگر کوئی حل مطلوبہ مسئلہ کا قرآن مجید میں نہ ملتا تو احادیث کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ مگر زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ موضوع احادیث بھی اشاعت پذیر ہو چکیں تھیں اس لیے احادیث کے متعلق نزاع پیدا ہو گیا اور اختلافات کی خلیج بڑھ گئی۔ سوال یہ پیدا ہوا کہ کیا حدیث شریعت اسلام کی ایک اصل ہے جو قرآن کو مکمل کرنے والی ہے؟ اگر ایسا ہے تو اس کے اعتماد کا کیا طریقہ ہے؟ پہلے سوال کی وجہ سے ایک فرقہ نے تو احادیث کو چھوڑ دیا۔ جبکہ دوسرے فرقہ نے کہا کہ صرف ان احادیث کو قبول کیا جائے گا جن کا حکم قرآن میں موجود ہے۔ یہ دونوں فرقے متکلمین سے تعلق رکھتے تھے جن میں سے معتزلہ پیدا ہوئے اور بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ مگر ان کی قوت اصحاب حدیث کا مقابلہ نہ کر سکی اور احادیث پر اعتماد کا مذہب غالب رہا اس صفت کی بنیاد پر کہ احادیث قرآن مجید کے بعد اصول شریعت کی ایک اصل ہے۔

اس دور میں جلیل القدر فقہا کا ظہور ہوا جن کی ہمت عالی نے فقہ کی تدوین کی تاکہ ممالک محروسہ میں شرعی نظام کے رواج میں آسانی ہو۔ ان فقہا کی تعداد کثیر تھی۔ تاہم جن کے شاگرد زیادہ تھے ان کی مدون کردہ فقہ عوام و خواص تک پہنچ سکی اور جمہور نے تسلیم کیا وہ صرف چار ہیں۔ (۱) نعمان بن ثابت زوطی المشہور بامام ابو حنیفہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔ آپ کا تعلق قبیلہ جٹ (جس کو ہندوستان کے لوگ جاٹ کہتے ہیں) سے تھا اور آپ کے اسلاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مسلمان ہو کر کوفہ میں آباد ہو گئے تھے۔ لفظ جٹ کا معرب (زط) ہے اور اسی نسبت سے آپ زوطی کہلاتے تھے۔ امام مالک ۹۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۷۹ھ میں وفات پائی۔ آپ کا تعلق یمن کے ذی اصبح قبیلہ سے ہے آپ کے اجداد مدینہ میں آکر سکونت پذیر ہوئے آپ کا

Marfat.com

پورا نام ۔ مالک بن انس بن مالک بن ابو عامر ۔ حضرت ابو عامر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے تھے ۔ امام شافعی آپ کا نسب ۔ ابو عبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع ۔ شافعی مطلبی بن المطلب بن عبد مناف ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھی اور امام شافعی کی نویں پشت میں تھے ۔ آپ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے ۲۰۴ھ وفات پائی ۔

امام احمد بن حنبل بن ہلال ذہلی شیبانی مروزی ثم البغدادی ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۴۱ھ میں وفات پائی ۔

ارسطو کے مداح اور یونانی فلسفہ عقلیات اور منطق سے متاثر ہونے والے علماء گو بظاہر مغلوب ہو گئے تھے مگر بالکل ختم نہیں ہوئے تھے ۔ اور ایسے علماء موجود تھے جنہوں نے عقلیات کو ہی اوڑھنا بچھونا بنا رکھا تھا ۔ یہ لوگ کتاب اللہ اور سنت کو محض عقلی زاویہ نظر سے دیکھتے تھے ۔ صفائی قلب تزکیہ نفس اور سنت کی پیروی کرنا ضروری نہیں سمجھتے تھے جبکہ مذکورہ بالا آئمہ اربعہ میں اطاعت حق ۔ اتباع سنت اور آپس میں رواداری کی روح غالب تھی اپنے اسلاف ۔ صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کی پیروی کرتے تھے ۔ کسی نے ایک دوسرے پر سبقت کی کوشش نہیں کی اور نہ ہی تقلید کی ایسی روح کی ہمت افزائی کی جس کی رو سے صرف کسی ایک امام کی تقلید کی جائے اور دوسروں کو چھوڑ دیا جائے ۔ ان کے زمانے میں لوگ آزاد تھے جس امام کی چاہیں تقلید کریں یہ کوئی پابندی نہیں تھی اگر ایک مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کی رائے تسلیم کی گئی تو دوسرے مسئلہ میں کسی دوسرے امام کی رائے نہ تسلیم کی جائے ۔

پانچواں دور ۳۵۰ھ سے بغداد کی تباہی اور چنگیز خاں کے ہاتھوں خلیفہ کے قتل تک :

ساتویں صدی کے اوائل میں چنگیز خان کے ہاتھوں بغداد کی تباہی ہوئی اور مسلمانوں کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا وہاں چنگیز خانی قانون جس کو کاسہ کہتے تھے ، نافذ ہوا ۔

اس دور کے اوائل سے ہی اسلامی شہروں میں علمی تحریک کا رخ یکسر بدل گیا تھا کتاب و سنت میں تفکر و تدبر کی راہیں مسدود ہو گئیں دین میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرکزی حیثیت کو پس پشت ڈال کر تقلید کو اختیار کیا مذہبی تعصب حد سے زیادہ بڑھ گیا اور علماء کسی

Marfat.com

ایک امام کے مذہب کو اختیار کر کے باقی آئمہ کے مذاہب پر نکتہ چینی کرنے لگے اور اپنے مذہب کی برتری کا پرچار شروع ہوا۔ یہ اصول تسلیم کر لیا گیا کہ ایک امام کے مذہب کو اختیار کرنے والا کسی دوسرے امام کے مذہب سے بیزاری ظاہر کرنے لگے۔ ہر ایک اپنے ہی امام کی فقہ کو قابل تقلید سمجھتا تھا اور دوسرے کسی امام کے مذہب سے فتویٰ اس کو قابل قبول نہ تھا۔ حکمرانوں اور امیروں نے بھی یہی مسلک اختیار کیا جب کوئی مدرسہ یا تعلیم گاہیں قائم کرتے تو اپنے ہی مذہب کے علماء کو معلم مقرر کرتے۔ اس سے مسلمانوں میں فرقہ اور گروہ بندی شروع ہوگئی۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ ائمہ اربعہ کے شاگرد اور متبعین زیادہ ہوئے جنہوں نے اپنے اپنے اماموں کے مسلک کو زندہ رکھا چنانچہ امام ابوحنیفہ کے اصحاب میں بیس سے زیادہ ایسے فقیہہ تھے جنہوں نے اس مذہب پر کتابیں تصنیف کیں سب سے آخری علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل فرغانی متوفی ۵۹۳ھ ہوئے۔ امام مالک کے تئیس سے زیادہ متبعین نے کتابیں تصنیف کیں سب سے آخری ابوعبداللہ بن نجم بن شاس جذامی سعدی متوفی ۶۱۰ھ امام شافعی کے تیس (۳۰) سے زیادہ متبعین نے کتابیں لکھیں سب سے آخری محی الدین ابو زکریا نووی متوفی ۶۳۱ھ ہوئے ہیں۔ محمد بن علی المشہور با بن عربی مالکی تھے جن کی یادگار مسئلہ وحدۃ الوجود ہے ان کی وفات ۶۳۸ھ میں ہوئی۔ امام غزالی متوفی ۵۰۵ھ شافعی تھے۔ یہ دونوں اہل طریقت میں مشہور ہوئے۔

ارسطو کے نظریات اور یونانی فلسفہ عقلیات اور منطق نے اس زمانے کے علماء کو اپنی مکمل گرفت میں لے لیا تھا۔ انہیں نظریات کی بنیاد پر علم کلام کی عمارت تعمیر ہوئی جو مناظروں اور مباحثوں کی شکل اختیار کر گئی۔ تمام مساجد کے ممبر، سلاطین اور رؤساء کے دربار حتیٰ کہ بازار اور گلی کوچوں میں مناظرے ہونے لگے جن کا موضوع علم کلام ہوتا تھا۔ ان مناظروں نے ایسی شدت اختیار کی کہ کبھی کبھی نوبت لڑائی جھگڑے تک پہنچ جاتی اور لوگ ایک دوسرے پر تہمت لگاتے اور برا بھلا کہتے۔ دشمنی پیدا ہونے لگی جس سے ملک کے نظم ونسق کو بھی متاثر کیا۔ اس لیے بعض امراء نے بحث و مناظرے کا رخ علم کلام کے بجائے فقہ کی طرف موڑ دیا اور یہ مناظرے اس بارے میں ہونے لگے کہ ائمہ اربعہ میں سے کس کا مذہب اچھا ہے۔ ایسے مناظرے امراء

Marfat.com

کی خواہش کی پابندی کرتا تھا نہ کہ حقیقت کی معرفت حاصل کرنا۔ امام غزالی پہلے ایسے مناظروں میں شریک ہوتے تھے مگر بعد میں ترک کر دیا اور تصوف کی طرف راغب ہو گئے۔ آپ نے لکھا ہے کہ یہ مناظرے۔ حسد، تکبر، کینہ، غیبت، تجسس اور ریا پیدا کرتے ہیں۔

روح تقلید اس درجہ غالب تھی کہ کسی معین امام کے اقوال اور تدوین کردہ فقہ کا ایسا اعتبار کرتے گویا وہ شارع کے نصوص ہیں جن کا اتباع مقلد کے لیے لازمی ہے۔ ائمہ اربعہ کی متبعین کی عوام اور امرا میں بہت شان تھی ان کو اعلیٰ مراتب ملتے تھے۔ انہیں میں سے قاضی مقرر ہوتے تھے اور انہیں کے فقہا کو وظیفے ملا کرتے تھے۔ شاہ ولی اللہ نے بیقی کے شاگرد کے حوالے سے لکھا ہے کہ شیخ تقی الدین سبکی جنہوں نے مجتہد کی استعداد حاصل کر لی تھی۔ اجتہاد سے صرف اس لیے رہ گئے کہ امراء مجتہدین کے وظیفے بند کر دیتے تھے اور عوام ایسے اجتہاد کو بدعت سمجھتے تھے۔ مذکورہ بالا وجوہات سیاسی ضعف کا باعث بنیں اور شریعت میں استقلال کی روح کمزور ہو گئی۔

چھٹا دور (بغداد کے مفتوح ہونے سے عہد حاضر تک)

بغداد کی تباہی اور خلیفہ کے مقتول ہونے کے بعد اسلامی شہروں میں انقطاع ہو گیا اور ہر شہر کے فقیہہ اپنے اپنے اماموں کی وضع کردہ فقہ کی بنیاد پر فتوے دینے لگے اور امت میں اجماع کی صورت باقی نہ رہی۔ مملکت اسلامیہ چھوٹے چھوٹے علاقوں میں منقسم ہو گئی جہاں پر سلاطین خود مختار تھے۔ علمی حرکت محدود ہو گئی۔ اور تقلید محض کے دور کا آغاز ہوا۔ تقلید نے اتنی شدت اختیار کی کہ اطاعت اور تقلید میں کوئی فرق باقی نہ رہا فقہ جو چوتھے دور میں وضع ہوئی وہ اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ذریعہ تھی مگر اس دور میں فقہ کی غرض و غایت بدل گئی اور اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذریعہ ہونے کے بجائے فقہ کو خود قابل اطاعت سمجھا گیا۔ اس دور کے علما نے فقہ کی تفہیم و تعلیم کے لیے ارسطو کے نظریات اور یونانی فلسفہ اور عقلیات پر انحصار کیا۔ منطق، فلسفہ اور نحو الگ الگ فن تسلیم کر لیے گئے اور کتاب اللہ و احادیث کی تفسیر و تعبیر میں ان فنون سے کام

Marfat.com

لیا گیا۔ علامہ ابن تیمیہ اس زمانے کی پہلی شخصیت ہیں۔ جس نے فقہ۔ تفسیر۔ حدیث۔ اصول نحو عقلیات اور علم کلام میں کتابیں لکھیں ان کی تصانیف کی تعداد پانچسو سے زیادہ تک ہے۔

علامہ تقی الدین احمد ابن تیمیہ ۶۶۱ھ بمطابق ۱۲۶۳ء میں پیدا ہوئے اور ۷۲۸ھ مطابق ۱۳۲۸ء کو وفات پائی۔ علامہ نے اسلامی اور یونانی علوم کا اکتساب کیا۔ ان کی تصانیف میں یونانی علوم کا رنگ غالب ہے۔ شریعت کا کوئی مسئلہ اگر ان کے عقلی استدلال اور یونانی فلسفہ سے ہم آہنگ نہ ہوتا تو اس کو بے دریغ رد کر دیتے اس ردّ تنقید میں جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور متقدمین علماء کو بھی نہیں بخشا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خطا پر کہہ گئے۔ حضرت علی سے سترہ جگہ غلطی کا ارتکاب منسوب کیا۔ خود حنبلی ہوتے ہوئے امام احمد بن حنبل سے بہت سے مسائل میں اختلاف کیا۔ بہت سے مسائل میں چاروں آئمہ سے اختلاف کیا اور اپنی ذاتی رائے کو ترجیح دی اللہ تعالیٰ کی ذات میں جسماتی پہلو کو اسرائیلیات سے لیا کئی مقامات پر احادیث ثابتہ سے انکار کر گئے۔ بعض جگہ نص صریح کی مخالفت کر گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر کی زیارت کی نیت سے سفر کرنے کو حرام قرار دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ کو رد کر دیا۔ اگر اللہ کا بندہ اس کی اطاعت میں مخلص ہے اور امر و نواہی پر توجہ رکھتا ہے تو اس کو کسی وسیلہ کی ضرورت نہیں غرضیکہ متنازعہ شخصیت تھے۔ ان کے مداح بھی تھے اور نکتہ چین بھی۔ مندرجہ ذیل امور میں متقدمین اور جلیل القدر فقہا سے اختلاف کیا۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود حسی و بشری کے پردہ فرمانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ تو کوئی استفادہ ہو سکتا ہے اور نہ ہی توسل کی ضرورت ان کے بعض متبعین نے کلمہ طیبہ کے جزو ثانی کو اس طرح پڑھنا ضروری سمجھا یعنی:

مُحَمَّدٌ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول تھے۔)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود معنوی سے متعلق حضرت عبدالقادر جیلانی کا قول نقل کیا جا چکا ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں کہ:

Marfat.com

اندر احمد آں حسے کو غار لبست — خفتہ اندر بزم زیر خاک یثرب است
وآں عظیم الخلق او کو صفدر است — بے تغیر مقعد صدق اندر است
قابل تغیر اوصاف تن است — روح باقی آفتاب روشن است
اوست بے تغیر لا شرقیہ — بے ز تبدیلی کہ لا غربیہ

ترجمہ: احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود حسی (جو حضرت جبرائیل) کو دیکھنے میں مانع تھا۔ اس خاک یثرب کے زیر سایہ سو رہا ہے۔

مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود معنوی جس کی شان خلق عظیم ہے اور اپنے وجود میں بے مثال ہے بلاکسی تغیر و تبدل کی مقام سچائی اور راستی پر قائم ہے جسم کے اوصاف قابل تغیر و تبدل ہیں۔ مگر روح فنا ہونے والی نہیں اور سورج کی طرح روشن ہے روح میں تغیر نہیں کیونکہ اس کی نسبت مشرق سے نہیں اور نہ ہی کوئی تبدیلی کیونکہ اس کا تعلق مغرب سے بھی نہیں۔

"علامہ ابن تیمیہ اور ان کے ہم عصر علماء" کے صفحہ ۲۱۱ پر امام مالک اور خلیفہ منصور عباسی کا واقعہ قاضی عیاض کے حوالے سے اس طرح درج ہے۔

"خلیفہ اپنے رفقاء کے ساتھ بلند آواز سے باتیں کرتے ہوئے حرم نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والتسلیم میں داخل ہوتے۔ امام مالک حرم میں بیٹھے تھے۔ انہوں نے ابو جعفر سے کہا۔ اے امیر المومنین اس مسجد مبارک میں اپنی آواز بلند نہ کرو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ادب سکھاتے ہوئے کہا ہے "اے ایمان والو اونچی نہ کرو اپنی آوازیں نبی کی آواز کے اوپر اور ان سے نہ بولو کھک کر جیسے کھکتے ہو ایک دوسرے پر کہیں اکارت ہو جائیں تمہارے کئے اور تم کو خبر نہ ہو۔" اور ان لوگوں کو مدح کرتے ہوئے کہا ہے" جو لوگ دبی آواز بولتے ہیں رسول اللہ کے پاس وہی ہیں جن کے دل جانچے ہیں اللہ نے ادب کے واسطے ان کو معافی ہے اور نیگ بڑا۔" اور ان لوگوں کی مذمت کرتے ہوئے کہا، "جو لوگ پکارتے ہیں تجھ کو دیوار کے باہر سے وہ اکثر عقل نہیں رکھتے" آپ کی حرمت اسی طرح ہے مرنے کے بعد جس طرح آپ کی حرمت آپ کی حیات میں تھی یہ سن کر ابو جعفر منصور پر انکساری اور عاجزی چھائی۔ اور انہوں نے امام مالک

Marfat.com

سے کہا " اے ابو عبداللہ میں دعا کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ کروں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منہ رکھوں آپ نے فرمایا تم اپنا منہ ان سے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے کیوں موڑتے ہو۔ وہ تمہارا اور تمہارے باپ آدم علیہ السلام کا وسیلہ ہیں۔ اللہ کے پاس قیامت کے دن تم انہیں کی طرف منہ رکھو اور ان کو شفیع بناؤ اللہ ان کی شفاعت قبول کرے گا۔"

امام بیہقی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت آدم ؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنایا تھا اور اپنی خطا معاف ہونے کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ لے کر سوال کیا ہے لہذا میں نے تمہاری خطا معاف کی۔

۲۔ علامہ ابن تیمیہ نے وحدت کو بھی دو حصوں میں تقسیم کیا۔ توحید الوہیت اور توحید ربوبیت کہتے ہیں کہ توحید ربوبیت میں کسی کو اختلاف نہیں کافر و مشرک بھی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے قائل ہیں۔ توحید الوہیت کے واسطے انبیاء و رسل مبعوث ہوئے علامہ شیخ یوسف دیجوی نے ثابت کیا کہ اس مسئلہ پر نص صحیح کا انکار کر گئے۔

۳۔ صوفیا کے طریقے کو رد کیا۔ علامہ ابن تیمیہ کے نزدیک مشاہدہ اور مکاشفہ حقیقت کے ادراک کے اسباب نہیں۔ شیخ اکبر ابن عربی کے مسئلہ وحدۃ الوجود پر سخت تنقید کی اور شیخ کو اس امت کا شیطان کہہ گئے۔ مبارک آثار سے برکت حاصل کرنا۔ زیارت قبور توسل و استغاثہ۔ میت کو ثواب بخشنا۔ ان سب کا انکار کیا۔ ان کے ہم عصر علما نے ان سب کے اثبات میں مدلل حقائق بیان کیے۔ شیخ یوسف دیجوی نے استغاثہ اور توسل کے جائز ہونے کے بارے میں لکھا ہے کہ " انبیاء۔ اولیا اور شہدا اپنی قبروں میں زندہ ہیں ان سے استغاثہ جائز ہے ایام حرہ میں حضرت سعید بن المسیب قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے اذان سنا کرتے تھے۔ اہل سنت و جماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حضرات اپنی قبروں میں سنتے ہیں اور زیارت کرنے والے کی بات سمجھتے ہیں اور اس کے واسطے دعا کرتے ہیں " حضرت عمر ؓ اس پیالہ کو جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پانی پیا کرتے تھے۔ مبارک آثار سمجھتے تھے اور اس پیالہ میں پانی پینا ان کو بہت مرغوب تھا۔ شیخ اکبر ابن عربی سے منقول ہے کہ انہوں نے کلمہ طیبہ ستر ہزار بار پڑھ کر ایک میت کو بخشا۔

Marfat.com

علامہ ذہبی نے ابن تیمیہ کو ایک نصیحت آمیز خط لکھا جس میں وہ لکھتے ہیں کہ:
"خدا کی قسم ہم اہل جہاں کے لیے ٹھٹھہ مخول بن گئے ہیں تم کب تک یہ شغلہ جاری رکھنا چاہتے ہو کہ تم فلسفی دقیق کفریات نکالتے رہو تاکہ ہم اپنی عقل سے اس کا رد کرتے رہیں بندۂ خدا تم نے فلاسفہ اور ان کی کتابوں کا زہر کثرت سے نگلا ہے اور جب کثرت سے زہر کھایا جاتا ہے تو بدن اس کا عادی ہو جاتا ہے اور وہ زہر بدن میں چھپا رہتا ہے (ماخوذ علامہ تیمیہ اور ان کے ہم عصر علماء صفحہ نمبر ۵۲)

فلسفہ اور عقلیات سے اتنا زیادہ لگاؤ ہونے کی وجہ سے علمائے اخیار اور صلحائے امت علامہ ابن تیمیہ کے ذکر سے بھی خوش نہیں ہوتے تھے۔ اٹھارویں۔ انیسویں صدی عیسوی میں جب مغرب کا اقتدار دنیائے اسلام کو اپنی لپیٹ میں لینے کے لیے کوشاں تھا تو مسلمان شعوری یا لاشعوری طور سے مغرب کی مادیت پرستی اور فلسفہ عقلیات سے متاثر ہوئے۔ اسی زمانے علامہ ابن تیمیہ پر بکثرت مضامین چھپنے لگے حتیٰ کہ شیخ محمد بن واہاب ان کی تصانیف سے بہت متاثر ہوئے اور اہل نجد کے حجاز مقدس پر قبضہ سے ان کی وہابی تحریک کو بہت مدد ملی۔ وہابی تحریک اور علامہ ابن تیمیہ کے افکار نے ہندوستان کی علمی تحریکوں کو بھی متاثر کیا۔ تحریک دیوبند۔ اہل حدیث بعض مسائل میں اور مولانا مودودی اکثر مسائل میں ابن تیمیہ سے متاثر نظر آتے ہیں۔

حکمت:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا۔

یعنی جس کو حکمت عطا ہوئی اس کو خیر کثیر نصیب ہوا۔

علامہ اسد ودانی نے حکمت کے معنی میں علم و عمل کو شامل کیا ہے۔ عہد حاضر کی زبان میں "سائنس اور ٹیکنالوجی" کہیں تو مفہوم زیادہ واضح ہو جائے گا۔ کلام اللہ تسخیر و تفہیم کی دعوت دے رہا ہے اور بار بار ارشاد ہے کہ کائنات میں تفکر اور تدبر کرو۔ جو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت

Marfat.com

کی واضح دلیل ہے اور مخلوق میں سے اپنے فائدے کی چیزیں حاصل کرو۔ نئی نئی اختراع اور ایجادات کے ذریعہ۔ تفقہ۔ تدبر۔ تفکر اور تعقل۔ ایسے اجزاء ہیں جن پر قرآن کریم نے بار بار زور دیا ہے۔ تفقہ سے مراد کسی شے کی خصوصیات کا علم ہے جس کے ذریعہ ایک شے کو دوسری شے سے الگ کرکے اس پر حکم لگایا جاتا ہے۔ تدبر کے ذریعہ انسان اس مقصد کو معلوم کرلے گا جس کے لیے اس چیز کو تخلیق کیا گیا ہے۔ تفکر کے ذریعہ اشیاء کی خصوصیات اور ان عناصر کا تناسب جو اس میں تخلیق کیے گئے ہیں معلوم ہو جائیں گے۔ تعقل وہ قوت ہے جو بنی نوع انسان کے لیے عام فائدے یا ضرر پر مخلوق اشیاء کی معلومات حاصل کرے گی۔

رحمت اللعالمین کے مبعوث ہونے اور نزول قرآن نے عالم انسانیت پر بہت بڑا فضل کیا انسانی ادراک و شعور کو اتنا وسیع کردیا کہ کائنات کی ہر شے تک اس کی رسائی ممکن ہوئی قرآن تفقہ۔ تدبر۔ تفکر اور تعقل کے وسیلہ سے صنعت و ایجادات کی دعوت دے رہا ہے اور نئی تخلیقات کی ہمت افزائی کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات متبرک ہے۔ جو پیدا کرنے والوں میں سب سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ میں خالق جمع کے صیغے کے ساتھ استعمال ہوا یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور بھی خالق ہیں اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تخلیق دو قسم کی ہیں۔ اول تخلیق از روئے قدرت جس میں صانع جل شانہٗ کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ وہی ہے جو اشیاء کو عدم سے وجود میں لاتا ہے۔ دوم تخلیق از روئے حکمت جیسے علامہ اقبال نے فرمایا کہ: "تو شب آفریدی چراغ آفریدم" آفرینش و پیدائش از روئے قدرت کی نسبت تو اللہ تعالیٰ کی طرف کی یعنی رات کا پیدا کرنے والا تو وہی قادر مطلق ہے مگر رات کی تاریکی دور کرنے کے لیے چراغ کی تخلیق عالم انسانیت کی طرف منسوب کی کیونکہ اللہ کی پیدا کردہ مخلوق میں غور و فکر کرنے سے انسان نے روغن یا تیل حاصل کیا پھر مٹی سے ایک ایسا ظرف بنایا جو چراغ کے لیے موزوں تھا اور بالآخر چراغ روشن کرلیا اور رات کی تاریکی اس کے کام کاج کرنے میں

Marfat.com

حائل نہ ہوتی۔

علمائے متقدمین نے حکمت پر بھی کتابیں تصنیف کیں مگر بجز اسلامی ہسپانیہ کہیں اور نئی ایجادات کی طرف توجہ نہیں دی گئی۔ مغربی دنیا کو سائنس اور ٹکنالوجی کی بنیاد اسلامی ہسپانیہ نے ہی فراہم کی جن کی وجہ سے آج عجائب وغرائب ایجادات ہو رہی ہیں۔ پروفیسر قدرت اللہ خان اپنی تصنیف "اسلامی ہسپانیہ" کے صفحہ ۲۰۰ پر لکھتے ہیں کہ:

"قرطبہ یونیورسٹی تمام یورپ میں نہایت حیرت وعظمت کے ساتھ دیکھی جاتی تھی یہ مسلمانوں کی ایجاد کردہ قوت داخلی سے چلنے والے ایسے عجیب وغریب آلات سائنس سے لیس تھی جو قرون وسطی کے وہمی وجاہل عیسائیوں کے فہم وادراک سے باہر تھے انہیں دیکھ کر وہ یہ سمجھتے تھے کہ ان میں شیطان کام کرتا ہے۔

اسلامی علوم کے متعلق مختصر سی تمہید اور تاریخی جائزہ پیش کیا گیا تاکہ شاہ ولی اللہ کی تحریک کو سمجھنے میں مدد ملے۔ شاہ صاحب مذکور حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ:

"میں ایک دن عصر کی نماز کے بعد مراقبہ میں بیٹھا ہوا تھا یکایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک مجھ کو نظر آئی اور ایک کپڑا سا مجھ پر ڈال دیا گیا اسی وقت میرے دل میں اس کے یہ معنی معلوم ہوئے کہ دین کو ایک خاص طرز سے بیان کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ اس وقت سے میرے دل میں ایک ایسا نور معلوم ہوا جو ہر وقت ترقی پذیر تھا۔"

شاہ ولی اللہ مرحوم دین کو جس خاص طرز پر پیش کیا اس کا مرکز ہندوستانی مسلمانوں میں یگانگت اور اتحاد پیدا کرنا تھا تاکہ مختلف فرقے جو علماء کے اختلاف کے باعث پیدا ہوئے تھے ختم ہوں۔ اس کا اندازہ شاہ صاحب کے ان فرمودات سے ہوتا ہے جو شامل کتاب کئے گئے ہیں۔ خاص طور سے شاہ صاحب مذکور کا فرمانا کہ وہ چاروں اماموں کے مذہب پر کاربند ہیں۔ اور تمام طریقت کے سلسلوں سے استفادہ کیا ہے۔

تحریک دیوبند پر امریکن محقق کے حوالے کتاب میں جابجا دیے گئے ہیں۔ ان میں قابل غور نین نکات ہیں اول یہ کہ دارالعلوم دیوبند کا طرز روز اول سے ہی جداگانہ تھا اس تحریک کا اصل مقصد ایسے فضلاء پیدا کرنا تھا جو اپنے رہن سہن۔ لباس و پوشاک۔ تقریر وتحریر

Marfat.com

اور گفتگو میں ممتاز اور نمایاں ہوں جیسے برطانوی درس گاہیں بیوروکریٹ پیدا کرتی ہیں اور بیوروکریٹ سماج میں اپنا علیحدہ مقام رکھتے ہیں۔ اس مقصد میں تحریک دارالعلوم دیوبند نے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ اس درس گاہ سے فارغ التحصیل لوگ یا تو مسجد میں امامت کرتے ہیں۔ یا پھر وعظ و پند کی مجلسیں آباد ہوتی ہیں اس کے علاوہ مدرسے قائم کرتے ہیں جہاں پر معلم کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ ہر حال میں ان کا مقام نمایاں ہے جو ان کو باقی مسلمانوں سے ممتاز کرتا ہے۔ یہی ان کا ذریعہ معاش ہے۔ فضلائے دیوبند میں بہت ہی کم ایسے لوگ ہیں جو اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے ہیں۔ حضرت عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں کہ:

کُلْ بِکَسْبِکَ وَلَا تَاکُلْ بِدِیْنِکَ۔	یعنی کھا اپنے کسب کے ذریعے سے اور نہ کھا اپنے دین کے ذریعے

اور مولانا روم فرماتے ہیں کہ ؎

علم را بر دل زنی یارے بود　　　علم را بر تن زنی مارے بود

یعنی علم حاصل کر کے اس پر عمل کرو تا کہ تنویر قلب میسر ہو اس وقت علم تمہارا مددگار ہوگا۔

اور اگر علم حاصل کیا صرف تن پروری کے لیے تو اس حالت میں علم تمہارے لیے بمنزلہ سانپ کے ہوگا

حضرت عبدالقادر جیلانی سے کسی نے پوچھا کہ حسن بصری کا قول ہے کہ "جب عالم زاہد نہیں ہوتا تو وہ اپنے ہم عصروں کے لیے موجب عذاب ہوتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ دوسروں کے لیے سبب عذاب ہو۔ آپ نے فرمایا کہ وہ اخلاص اور عمل کے بغیر وعظ کہا کرتا ہے جو نہ لوگوں کے قلوب پر اثر کرتا ہے اور نہ ہی قائم رہتا ہے۔ پس لوگ سنتے ہیں اور عمل نہیں کرتے اور سن کر عمل نہ کرنے پر عذاب نازل ہوتا ہے۔

دوم: اقوام اشراف: مسلمانوں کو قومیت کے حصار میں بند کر کے ان میں سے بعض کو اشراف اور بعض کو غیر اشراف یا غیر قوم میں تقسیم کرنا۔ اس قومی عصبیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ گرد و نواح

Marfat.com

میں رہنے والے لوگ شدید احساس کمتری کا شکار ہو گئے۔ سوم یہ کہ انیسویں صدی عیسوی کے اختتام تک جن لوگوں نے دارالعلوم کی مالی معاونت کی اس کا ایک نقشہ امریکن محقق نے بنا کر شامل کتاب کیا ہے۔ اس نقشہ میں درج تمام گاؤں قصبوں اور شہروں کے نام ہم نے بھی نقل کر دیے۔ ان کا تعلق ضلع سہارنپور سے ہے کچھ ان میں سے ضلع مظفر نگر میں بھی واقع ہیں۔ ان دو وجوہات کے پیش نظر ضلع سہارنپور سے سکونت پذیر مسلمانوں کا ایک جائزہ بھی شامل کتاب کیا گیا۔ چونکہ ضلع بھر کی معیشت زرعی تھی اس لیے پرگنہ وار جائزہ لیا گیا اس ضلع میں دو برادریاں ایسی پائی جاتی ہیں جو ملک کے دیگر علاقوں میں بہت ہی کم ہیں بلکہ نہ ہونے کے برابر۔ اوّل جھوجہ۔ دوم گاڑہ۔ اس لیے ان برادریوں کی تاریخی تحقیق کو تفصیل سے بیان کیا گیا۔

غلام محمد مصطفےٰ

ڈی ۱۱۰ بلاک نمبر ۵ گلستان مصطفےٰ

(فیڈرل بی ایریا) کراچی

۲۳۔ ذیقعدہ ۱۴۰۹ھ ۔ ۲۸ جون ۱۹۸۹ء

Marfat.com

باب اوّل
بّرِصغیر ہند و پاکستان پر وسط ایشیا کا اثر

وسط ایشیا برِصغیر پاک و ہند کے مغرب اور شمال میں پھیلا ہوا ایک عظیم خِطّہ ہے۔ اس خطہ کے بّرِصغیر پر بے پناہ ، سیاسی ، معاشرتی ، لسانی ، مذہبی اور سماجی اثرات واضح طور پر ثابت ہیں ۔ وسطی ایشیا میں اسلام کی نشرواشاعت نے بے پناہ فروغ پایا یہیں سے بڑے بڑے جیّد علماء اور صوفیاء برِصغیر میں بغرضِ تبلیغ دینِ اسلام آئے مشہور سلسلے نقشبندیہ اور قادریہ اسی علاقہ میں پروان چڑھے اور برِصغیر کو اپنے فیض سے مستفید کیا ۔

وسط ایشیا قدیم تہذیبوں کا ایک مرکز رہا۔ اسلام کی آمد سے قبل یہاں کے باشندے عام طور سے بُدھ مت کے پیروکار اور خاقانِ چین کے زیرِ تسلّط تھے ۔ یہاں کے باشندے ترک یا ترک اور آریہ کی مخلوط نسل ہیں ، ۸۷۴ء سے ۹۹۹ء تک سامانی دورِ حکومت ہے جو وسط ایشیا ، ایران اور افغانستان ماوراء النہر ، خورزح ، سیر دریا ، اور ترکمانیہ کے علاقے اپنے زیرِ تسلّط رکھتے تھے ۔ اسی دور میں تاجک فارسی زبان کو فروغ ہوا ۔ محمد بن موسیٰ الخوارزمی ، ابوالنصر فارابی ، بوعلی سینا ، البیرونی نے اس زبان میں کتابیں لکھیں ۔

ساتویں صدی عیسوی میں اسلامی فوجوں نے اس علاقہ کی طرف پیش قدمی کی ۶۷۶ء میں بخارا پر قبضہ کر لیا ۷۵۱ء میں خاقان چین کی فوجوں کو پسپا کیا ۔ آخر کار دسویں صدی عیسوی میں اس علاقہ میں اسلام کو مکمل طور سے غلبہ حاصل ہو گیا اور تمام آبادی دینِ اسلام میں داخل ہو گئی[1]

سامانی حکومت کے زوال پذیر ہونے پر امیر سبکتگین نے غزنی پر آزاد حکومت قائم کر لی اور ہندوستان کے راجاؤں سے برسرِ پیکار رہا ۔ اور یہ سلسلہ اس کے لڑکے محمود غزنوی کے دور تک جاری رہا جس نے ہندوستان کو گنگا تک فتح کر لیا ۔

---

[1] روزنامہ جنگ ، نومبر [illegible] صفحہ ۱ ، مضمون ، آفتاب ضیاء قریشی

Marfat.com

اسی زمانے میں وسطی ایشیا میں سامانی علاقہ سے باہر بود و باش رکھنے والے نیم خانہ بدوش ترک جو مسلمان ہو چکے تھے ۔ نے "سوغیدیانہ" (سمرقند اور بخارا کا درمیانی خطہ) پر قبضہ کر کے ایک آزاد مملکت قائم کر لی اور کارہ خانی سلطنت کا نام دیا۔[1] اسی کارہ خانی سلطنت کے زمانہ میں پانچویں چھٹی صدی ہجری / گیارہویں بارہویں صدی عیسوی میں ادبی زبان "خقانیہ" کے نام سے وجود میں آئی اور سارے مغربی اور مشرقی ترکستان میں پھیل گئی۔ اس سے پہلے یہاں کے عوام کی زبان "اوئی گور" تھی جو صرف بولی جاتی تھی لکھی نہیں جاتی تھی۔ اس زبان کا ادبی مرکز بخارا تھا۔ "توپ یغ بغرا کارہ خان" Topgach Bughra Kara Khan. بخارا کا سلطان تھا۔[2] وہ ترک جو کارہ کے نام سے موسوم تھے، علاقہ کے ذی عزت اور شرفا میں شامل رہے۔ حسین بے کارہ متوفی ۹۱۲ ہجری / ۱۵۰۶ عیسوی ہرات کا سلطان تھا۔

کتب تاریخ سے چند اقتباسات درج ذیل ہیں۔

"In Kara Khanid period, 5th - 6th/11th, 12th the language called "HAKANYE" from the UIGUR language in eastern and western Turkistan, Kashgar being centre, became the first literary dialect of the Muslim Turk, Topgach Bughra Kara Khan was Sultan of Kashgar.
Quran was translated into Turkish in this period.
Sultan of Hirat Hussain Bay Kara (d, 912/1506)"

ترجمہ: کارہ خانی زمانہ یعنی پانچویں چھٹی صدی ہجری یا گیارہویں بارہویں صدی عیسوی میں اوئی گور زبان جو مشرقی اور مغربی ترکستان میں بولی جاتی تھی جس سے ایک نئی زبان جس کا نام حقانیہ تھا وجود میں آئی اس کا صدر مقام کاشغر تھا۔ یہ زبان تمام مسلم ترکوں کی زبان قرار پائی۔ توپ یغ بغرا کارہ خان کاشغر کا سلطان تھا۔

لہ[1] Islamic History - M. A. Shaban P. 182.
لہ[2] Cambridge history of Islam vol. 2B. P. M. Holt P. 684

Marfat.com

ترکی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ اسی زمانہ میں ہوا۔
ہرات کا سلطان حسین بے کارہ متوفی ۱۵۰۶/۹۰۲ تھا۔[1]

مذہب اور زبان پر اثر

برصغیر میں اسلام کی آمد سے پہلے وسط ایشیا میں تعلیم و تہذیب کے ماخذ مدارس اور خانقاہ تھے جو سلجوقی ترک سلاطین کے قائم کردہ تھے۔ ان سے پہلے عالم اسلام میں شیعہ، امامیہ اور اسماعیلیہ کے کافی گہرے اثرات مرتب ہو چکے تھے۔ آل بویہ خلافت بغداد پر غالب تھی اور خلیفہ کی عملداری برائے نام تھی۔ یہ لوگ شیعہ زیدیہ تھے (زیدی شیخین کی خلافت کو کراہت سے تسلیم کرتے تھے) اور خلافت مصر پر فاطمی قابض تھے۔ دونوں نے اپنے اپنے مسلک کی تبلیغ اور تائید کی۔ ان کا اثر و نفوذ ایران اور سندھ میں بڑھا ان کے ساتھ ساتھ قرامطی بھی اپنا مسلک لیے ان علاقوں میں داخل ہوئے۔ سندھ پر قرامطیوں کا اثر غالب رہا اور والیٔ ملتان قرامطی ہو گیا آل بویہ سلجوقی ترکوں کے ہاتھوں ختم ہوئے۔ ۱۰۵۵ء/ ۴۴۷ھ میں اور فاطمی کرد سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں ۱۱۷۱ء/ ۵۶۷ھ[2] گیارہویں صدی عیسوی/ چھٹی صدی ہجری دنیائے اسلام سلجوقی ترکوں کے زیر سایہ ایک ایسے دور میں داخل ہوئی جس میں بدعت اور لادینی قوتوں کا ہر محاذ پر مقابلہ کیا گیا۔ بغداد اور ممالک محروسہ کے دیگر بڑے شہروں میں مدرسے قائم کیئے گئے۔ درس و تدریس کا باقاعدہ نظام مرتب ہوا۔ عامۃ الناس کے لیے صوفیاء نے رباط، زاویہ اور خانقاہیں قائم کیں۔ سلاطین سلجوق نے مدارس اور خانقاہوں کی سرپرستی کی تبلیغ دین میں ان خانقاہوں کا بہت بڑا حصہ ہے۔ فقہا اور علماء کے مکتب اور مدارس شہروں تک محدود تھے جبکہ دیگر باشندے جن کی غالب اکثریت دیہاتوں اور گاؤں میں رہتی تھی خانقاہی نظام سے ہی مستفید ہوتے تھے۔ نظام خانقاہی اس صورت سے وضع کیا گیا تھا کہ ان کے نمائندے گاؤں، گاؤں اور قریہ قریہ گھومتے پھرتے رہتے تھے اور جہاں ضرورت محسوس کرتے تھے خانقاہ کی شاخ قائم کر دیتے جس کو "تکیہ" کہا جاتا تھا۔

---

[1] Cambridge history of Islam vol.2B. P. M. Holt P. 684.
[2] Islamic History M. A. Shaban P.211

Marfat.com

خانقاہی نظام میں مندرجہ ذیل سلسلے وسط ایشیاء سے برصغیر میں آئے۔

۱۔ سہروردیہ: یہ سلسلہ ضیاء الدین ابو نجیب السہروردی نے ۱۰۹۷/۴۹۰ میں قائم کیا۔ ان کے بھتیجے شہاب الدین جو امام غزالی کے شاگرد تھے۔ اور نظامیہ میں اصول اور فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ کے ہاتھوں میں زیادہ مشہور ہوا۔ ہندوستان میں ان کے خلیفہ نور الدین مبارک غزنوی دھلی میں سلطان شمس الدین التمش کے زمانہ میں شیخ الاسلام تھے حمید الدین ناگور میں بہاء الدین زکریا ملتان میں۔ موخر الذکر بزرگ خراسانی ہیں۔ ان کا سلسلہ صوفی ہے۔ امیروں اور رئیسوں سے روابط رکھتے تھے سمع کے خلاف تھے[1] قطب الدین بختیار کاکی اسی سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے مگر بعد میں چشتیہ سلسلہ سے منسلک ہو گئے تھے۔

۲۔ نقشبندیہ: خواجگان نقشبند کا ترکوں پر انتہائی گہرا اثر تھا جس کی ایک وجہ یہ بھی کہ ترک سنی العقیدہ تھے اور اپنے عقیدہ پہ بہت راسخ تھے برصغیر میں یہ سلسلہ باقی باللہ (دہلی) کے ساتھ آیا۔ احمد سرہندی اور ان کے بعد شاہ ولی اللہ دہلوی کے ہاتھوں شہرت پائی۔

۳۔ قادریہ: یہ سلسلہ عبدالقادر الجیلانی کے نام سے منسوب ہے۔ برصغیر میں محمد غوث متوفی ۱۵۱۷/۹۲۳، اوچھ کے ذریعہ سے پہنچا۔ (شاہ محمد غوث گوالیاری دوسرے بزرگ ہیں) ان کے خلیفہ شاہ وجیہہ الدین نے گجرات میں مدرسہ قائم کیا۔

۴۔ ہمدانی: یہ سلسلہ ابو یعقوب۔ یوسف الھمدانی کے نام سے منسوب ہے وسط ایشیا کے نامور صوفی اور عالم نجم الدین کبریٰ کا تعلق اسی سلسلہ سے تھا۔ اس سلسلہ کے سینکڑوں صوفی جو "ترکی بابا" کہلاتے تھے برصغیر میں آئے۔ دوسرے نامور بزرگ سید علی بن شہاب الدین بن محمد ہمدانی ہیں جن کا مزار تاجکستان میں ہے۔ ان بزرگ نے تین دفعہ کشمیر کا دورہ کیا۔ ۱۳۷۲/۷۷۴، ۱۳۷۹/۷۸۱، ۱۳۸۳/۷۸۵۔ انہیں کے حکم سے سات سو صوفیوں نے تیمور کے ساتھ ہندوستان کے لیے ہجرت کی اور بعد میں ان کے لڑکے میر محمد کے حکم سے تین سو صوفیاء ہندوستان آئے۔[2]

---

[1] Sufi order in Islam. J. Spencer Trimingham. P. 65.

[2] Sufi order in Islam — J. Spencer Trimingham P. 57

Marfat.com

۵۔ چشتیہ: یہ سلسلہ خواجہ معین الدین چشتی نے قائم کیا۔ برصغیر سے باہر اس کی کوئی شاخ نہیں۔ خواجہ معین الدّین نے خود رفاعی کبراوی سلسلہ سے تربیت پائی۔ علم و تہذیب کی ترویج میں اس سلسلہ کا بڑا مقام ہے۔ ہندوستان میں کوئی بھی شہر، گاؤں، قریہ ایسا نہیں جہاں اس سلسلہ کے بزرگ نہ پہنچے ہوں۔ تیرہویں صدی عیسوی میں اس سلسلہ کے اہم مراکز اجمیر، نارنول، سووال، ناگور، منڈال (راجپوتانہ) ہانسی۔ اجودھن تھے[1]۔

۶۔ حیدریہ: رفاعی سلسلہ کی ایک شاخ ہے جو قطب الدّین حیدر کی طرف منسوب ہے۔ ابوبکر طوسی قلندری صوفی پانی پت کا تعلق اس سلسلہ سے ہے۔

صوفیاء کی تنظیم کے علاوہ بے شمار ایسے لوگ جو عالم فاضل تھے وسطِ ایشیاء سے برصغیر میں آئے اور تعلیم و تہذیب کو عام کیا۔ انہیں لوگوں کے ذریعہ دینِ اسلام ہندوستان کے عوام تک پہنچا اور اپنی حقانیت اور صداقت کی بناء پر ہندی النسل عوام کو متاثر کیا۔ جو وقتاً فوقتاً اس دین میں داخل ہوتے گئے۔ ہندوکش سے بحرِ بنگال تک کثیر تعداد میں اس وقت ایسے مسلمان موجود ہیں۔ اٹھارہویں صدی عیسوی تک ہندوستان میں ایسے مسلمان بہت ہی کم تھے جن کا تعلق کسی نہ کسی سلسلے سے نہ ہو۔ مسلمانوں میں پیری مریدی کا تخیل بہت عام تھا یہ سمجھا جاتا تھا کہ جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے مگر بعد کے ایام میں کچھ تو نظامِ خانقاہی میں خلل واقع ہوا کہ لوگوں نے اس کو موروثی بنا لیا اور تعلیم و تربیت کی طرف توجہ کم ہو گئی۔ اس سے عوام میں بددلی پیدا ہوئی۔ دوسرے علماء ظاہر نے صرف ظاہری علوم کے سکھانے تک اپنے آپ کو محدود کر لیا اور شیخ طریقت کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کی۔ مصنوعی پیروں نے اس نظام کو ذریعہ معاش بنا لیا اور حقیقی شیوخ طریقت کمیاب ہو گئے۔ اس وجہ سے انیسویں صدی عیسوی سے مذکورہ بالا صوفیاء کے سلسلے کافی حد تک غیر مؤثر ہو گئے۔

مجموعی طور سے اہلِ ہند کسی ایک معبود کے ماننے والے نہ تھے اور نہ ہی ان میں کوئی فکری اتحاد تھا۔ علوم و فنون سے بالکل بے بہرہ تھے درس و تدریس کا کوئی رواج نہ تھا اگر کچھ علم تھا بھی

---

[1] Some aspects of Religion and Politics in India in 13th century, K. A. Nizami. P. 178.

Marfat.com

تو وہ بھی مذہبی عقائد اور رسوم سے متعلق۔ اس کا حاصل کرنا صرف برہمن پر فرض تھا۔ دوسرے لوگوں کو یہ علم نہیں سکھاتے تھے بلکہ ان کی مذہبی کتابوں کو چھونا یا ہاتھ لگانا بھی قابلِ تعزیر تھا۔ المختصر علم حاصل کرنے کا کوئی وسیلہ بھی عوام کے لیے نہیں تھا۔ ان حالات میں ذی شعور آبادی کم یاب تھی۔

بہت سی علاقائی زبانیں تھیں۔ رابطہ کے لیے کوئی بھی زبان ایسی نہ تھی جس کو ملک کے ہر حصہ میں بولا جاتا ہو۔ ان وجوہات سے ذہن و شعور کی پرواز علاقائیت سے آگے نہ تھی۔

وسط ایشیا، کار لخانی دورِ حکومت میں حقانیہ زبان وجود میں آئی۔ برصغیر میں آنے والے بیشتر لوگ یہی زبان بولتے تھے۔ محمود غزنوی کے دور میں جب لاہور میں اس کی باقاعدہ حکومت قائم ہوئی تو یہی زبان مقامی زبانوں میں مخلوط ہو کر اُبھری۔ اس لیے چھٹی صدی ہجری / بارہویں صدی عیسوی میں اس مخلوط زبان کو پنجاب میں اُردو کا نام دیا گیا۔ ساتویں صدی ہجری / تیرہویں صدی عیسوی میں اس زبان کا مرکز دہلی ہو گیا۔[۱]

سیاسی اور سماجی اثرات

جب قطب الدین ایبک نے نائب السلطنت کی حیثیت سے ممالک محروسہ میں باقاعدہ حکومت کی بنیاد رکھی تو اس کے دو بنیادی ستون قائم کیے اوّل وہ لوگ جن کو حکومت کی پالیسی کو روبعمل لانا۔ امن و امان قائم رکھنا اور حاکم وقت کو حالات سے باخبر رکھنا جیسے فرائض سونپے گئے۔ دوم وہ لوگ جو زراعت، تجارت اور صنعت کے کام میں لگائے گئے۔ اول کو میر اور دوم کو خربندہ کہا جاتا تھا۔ وسط ایشیا میں جہاں سے ان حکمرانوں کا تعلق تھا یہی طریقہ رائج تھا۔

چونکہ مقامی آبادی کے لوگ علم سے بے بہرہ اور اخلاق حمیدہ سے ناواقف تھے اس لیئے میر کے عہدے نو وارد ترکوں کے ہی حصہ میں آئے۔ اور زراعت جو عوام کی ضرورت اور حکومت کے وسائل کا ذریعہ تھی، مقامی لوگوں کے پاس ہی رہی۔ بعض راجپوت اقوام میں آج کل بھی خربندہ

---

[۱] Cambridge History of Islam vol. 2B. P. M. Holt. P. 695.

Marfat.com

نام سے ایک قوم موجود ہے جس میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل ہیں اور کھڑ بندہ کہلاتے ہیں۔[1]
بعض مفکرین کا خیال ہے کہ ان فاتحین نے بر بنائے تعصّب مقامی لوگوں کو ذمہ دار عہدے نہیں دیے جیسے کہ ۔ اے نظامی اپنی کتاب Some aspect of Religion and Politics in India during 13th Century کے صفحہ ۱۰۷ پر لکھتے ہیں۔

"Both Altamash and Balban suffered from Racial prejudices and did not employ any Indian or low born person to the post of state"

ترجمہ: التمش اور بلبن دونوں ہی نسلی تعصّب کا شکار تھے اور کسی ہندوستانی یا رذیل زادہ کو سرکاری عہدے نہیں دیئے۔

غیاث الدین بلبن اور سلطان شمس الدین التمش ہندوستان میں اسلامی سلطنت کے بانیوں میں سے ہیں۔ ان کو معلوم تھا کہ کن کٹھن اور مشکل حالات سے گزر کر وہ اس مقام پر پہنچے ہیں۔ وہ اس حقیقت سے بھی آگاہ تھے کہ ان کی کامیابیوں میں ایک خاص قسم کی مسلم عصبیت کار فرما تھی۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ غلبہ و اقتدار عصبیت ہی کے راستہ معرض وجود میں آتے ہیں اور یہ عصبیت ہی کی کرشمہ سازی ہے جس سے رگِ حمیّت متحرک ہوتی ہے اور ایک دوسرے پر مر مٹنا سکھاتی ہے مگر یہ کرشمہ سازی عام لوگوں کی نظر سے اوجھل ہوتی ہے۔ حکومت اور غلبہ کا حصول بلاشک جنگی مہارت پہ ہے مگر اچھی حکومت کا انحصار اس کے کارپردازوں کے اخلاق حمیدہ پہ ہے۔ ایبک اور التمش نے اگر اپنے ہم قوم لوگوں کو عمال حکومت بنانے میں ترجیح دی تو اس کو نسلی امتیاز پر محمول کرنا مناسب نہیں کیونکہ معیار اخلاق حمیدہ تھا جو اس وقت اقوام ہند میں نایاب تھا مگر اسلامی حکومت کے بعد کے ایام اس کی شہادت فراہم کرتے ہیں کہ جیسے بھی اخلاق حمیدہ کے حامل لوگ اقوام ہند میں پیدا ہونے لگے تو ان کو حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا گیا۔ سلطان محمد تغلق کا وزیر اعظم ایک ہندی دکن کا راجکمار تھا جو حضرت نظام الدین کے دست حق پرست پر مسلمان ہوا اور آپ سے ہی اخلاق حمیدہ کی تربیت حاصل کی۔

---

[1] Editor Allahabad Law Report. Mr. V. K. Kharbanda.

Marfat.com

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ غیاث الدین بلبن اور شمس الدین التمش میں نسلی برتری کا احساس نہیں تھا۔ اور نہ ہی انہوں نے ہندی اقوام کو رذیل اور قابل نفرت قرار دیا۔ اس کے برعکس انگریز نسلی برتری کے احساس میں حد درجہ مبتلا تھے۔ اور ہندی اقوام کو رذیل اور قابل نفرت قرار دیتے تھے۔ ان کے نوجوان فوجی افسروں نے ہندی سپاہیوں سے سجدہ کروایا۔

وائسرائے لیٹن کے زمانہ میں آگرہ میں ایک انگریز بیرسٹر نے اپنے کوچوان کو اتنا زدوکوب کیا کہ وہ مرگیا۔ مقدمہ جب عدالت میں گیا تو اس کو صرف تیس روپیہ جرمانہ ہوا جس کو الہ آباد ہائی کورٹ نے اپیل میں برقرار رکھا[۱] کچھ ہندی مسلمان جنہوں نے انگریزی تعلیم اور قانون میں مکمل مہارت حاصل کرلی تھی اور ان کو ہائی کورٹ کا جج بھی انگریز حکومت نے بنادیا تھا مگر ایسی عدالت کے دوسرے انگریز جج ان کو اپنے ہم پلہ ہونے کا درجہ دینے سے قاصر رہے اور ہندی نسل ہونے کی وجہ سے برابر ان سے نفرت کرتے رہے[۲]

ہندوستانی مذاہب پر اثر :

پیشتر اس کے کہ ہندوؤں کی ذات پات۔ مذہب ثقافت پر روشنی ڈالی جائے لفظ ہندو کی صراحت موزوں ہوگی۔

یہ لفظ اپنی اصل میں نہ سنسکرت سے تعلق رکھتا ہے اور نہ ہی کسی اور ہندوستانی زبان سے یہ فارسی کا لفظ ہے اور اس زبان میں یہ علاقائی تعلق کے ضمن میں استعمال ہوا ہے یعنی ہند میں رہنے والے افراد کو ہندو کہا جاتا تھا اس کا تعلق کسی خاص مذہب اور ثقافت سے نہیں ایں آر چودھری اپنی کتاب "Hinduism" کے صفحہ ۴۲ پر لکھتا ہے۔

"the word Hindu was originally, only a geographical term, employed by the Persian to designate the inhabitant of the country which is known to the outside world as "INDIA"
The word India is Greek and Latin adaptive".

---

[۱] The Lyttons in India, Marry Lutyens.

[۲] Islamic revival in British India Deoband-1860 1900 by Daly Metcalf.

Marfat.com

ترجمہ: "لفظ ہندو محض ایک جغرافیائی اصطلاح ہے جس کو اہل فارس ان لوگوں کے لیے بولتے تھے۔ جو اس ملک میں رہتے تھے جس کو بیرونی دنیا نے انڈیا کا نام دیا ہے۔ لفظ انڈیا کا ماخذ بھی یونانی اور لاطینی زبان ہے۔

اس بیان سے یہ صراحت مقصود ہے کہ ہندو کسی ایک مذہب کے پیروکار کے لیے نہیں بلکہ تمام اہل ہند کے لیے مستعمل تھا اور مسلمانوں کی برصغیر میں آمد سے قبل یہاں کے رہنے والے لوگ اپنے آپ کو باعتبار مذہب ہندو نہیں کہتے تھے۔ انگریز اپنی آمد کے اوائل میں مسلمانوں کو "مور" اور غیر مسلموں کو "گنتو" کہتے تھے۔ تیسری چوتھی صدی ہجری (آٹھویں نویں صدی عیسوی میں ایک فرقہ قرامطی کے نام سے عرب میں پیدا ہوا۔ اس گروہ نے بحرین پر قبضہ کرکے کافی قوت حاصل کرلی۔ اہل مکہ پر چڑھائی کی اور خانہ کعبہ سے "حجر اسود" اکھاڑ لائے جو ان کے قبضہ میں تقریباً بائیس ۲۲ سال رہا۔ اسی زمانہ میں ان لوگوں نے حدود سندھ میں اپنے مسلک کی تبلیغ کی اور اپنے مقاصد میں نمایاں کامیابی حاصل کی یہاں سے گزر کر پانچویں چھٹی صدی ہجری (دسویں گیارہویں صدی عیسوی میں یہ لوگ گنگا کے اطراف میں پہنچ گئے اور گنگا کے مشرق اور مغرب میں (موجودہ اضلاع بہار، پور اور بجنور) میں اپنے ٹھکانے بنائے اور منڈاور جو ایک قدیم شہر ہے اور ضلع بجنور میں واقع ہے۔ چینی سیاح ہیوان سیانگ اس مقام پر ساتویں صدی عیسوی میں ٹھہرا تھا[۵۱] اس کو اپنا مرکز بنا لیا۔ شمس الدین التمش نے ان قرامطیوں کی بیخ کنی کی اور منڈاور میں مسجد بنائی جو اب بھی قائم ہے[۵۲]

ہندوستان کے راجاؤں اور دیگر رہنماؤں کو مسلمانوں کے خلاف ابھارنا شروع کر دیا۔ لاہور کے راجہ جے پال نے ہندوستان کے دیگر راجاؤں کی مدد اور اعانت سے امیر سبکتگین پر حملہ کر دیا۔ جس کے نتیجے میں اس کو شکست ہوئی۔ اس شکست کا انتقام لینے کے لیے ہندوستان کے طول و عرض میں ہمہ گیر تحریک نزول

---

۵۱ North Western provinces of India by W. Crook. ص ۹۱

۵۲ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے تمدنی جلوے۔ سید صباح الدین۔

Marfat.com

کی گئی۔ اور برہمنوں نے گاؤں گاؤں۔ قریہ۔ قریہ جا کر لوگوں میں اس تحریک کی تبلیغ کی۔ یہ تحریک اتنی مقبول اور عام ہوئی کہ عورتوں نے سوت کات کر روپیہ حاصل کیا اور چندہ میں دیا۔[1]

اسی زمانہ میں اس ملک میں رائج بہت سے مذاہب۔ بدھ مت۔ جین مت، وشنو مت، شیوا مت، کرشنا مت وغیرہ جو باہم متحارب تھے متحد ہو گئے۔ گوجر، جاٹ اہیر جو وسط ایشیا کے نووارد تھے ہندوستانیوں کے گروہ میں شامل ہوتے۔ اور اس اتحاد کے نتیجہ میں ان تمام لوگوں کو جو اس ملک میں رہتے تھے ہندو کہا جانے لگا۔ یعنی ہندو مسلمان کی ضد ہوا۔ ہندو مذہب اپنی موجودہ شکل میں وجود میں آیا اور تمام غیر مسلموں پر مشتمل ہوا۔ اگر یہ کہا جائے کہ وسط ایشیا کے اثر و نفوذ کے نتیجہ میں برصغیر میں اسلام داخل ہوا اور ہندو مذہب کی بنیاد پڑی تو بے جا نہ ہوگا۔

ہندو مذہب کے ضمن میں محققین کے تاثرات کتاب موسومہ "World Religion" کے صفحہ ۱۲ پر حسب ذیل ہیں۔[2]

"Hindu which simply means Indian is an adjective, which has been used to refer to what has been believed and practiced by Indian peoples for over five thousand years, no single teacher is acknowledged and not one creed is accepted by all, it is like great Gangas river religious beliefs and practices are fed by many streams."

ترجمہ:۔ ہندو صرف ایک توصیفی نام ہے جس کے معنیٰ ہیں ہندوستان کا باشندہ۔ اس کا استعمال ان عقائد اور عملیات پر ہوا ہے جن کی پیروی ہندوستان کے باشندے گزشتہ پانچ ہزار سالوں سے کرتے چلے آئے ہیں نہ کوئی ایک استاد تسلیم شدہ اور نہ ہی کوئی ایک مذہب یا عقیدہ مسلم ہے یہ عظیم دریائے گنگا کے مانند ہے جس میں بہت سے عقائد اور عملیات

---

[1] آئنہ حقیقت نما۔

Marfat.com

کے پیچھے آگر گرتے ہیں۔

قدیم ہندوستان میں جات پات کی تقسیم پر ایران کا اثر:

ہند کی قدیم ترین آبادی کلورین کے نام سے موسوم ہے۔ اس قوم کے لوگ سیاہ رنگ مظبوط قد و قامت تھے۔ اور افریقہ سے ترک وطن کر کے یہاں آباد ہوئے تھے ان کا مذہب جادو سحر کرنا اور بھوت پریت کو پوجنا تھا۔ خاندان اور قبیلہ کا تصور نہ تھا۔ ان کے بعد ڈراویڈین آئے جن کا اصل وطن یونان اور اٹلی تھا۔ یہ لوگ اپنی آمد کے وقت گورے رنگ کے تھے مگر مقامی آبادی سے اختلاط نسل کی وجہ سے اس قوم کے لوگوں کا رنگ بھی بدل گیا۔ اور گندمی یا سیاہی مائل رنگ غالب ہو گیا۔ ان کا تمدن اور ان کی ثقافت نے دریائے سندھ کے اطراف میں نمایاں ترقی کی یہ لوگ ایک مخصوص مذہب کے پابند تھے اور سانپ اور چاند کی پرستش کرتے تھے۔ مضمون مطبوعہ Journal of Royal Asiatic Society vol.21, 1889. میں یوں صراحت ہے:-

"page 527, first Dravadian immigrants were moon and snake worshippers called in India as Haihays or Sombansi"
"Page 568, Dravadian civilization originated from Greek and Italy."
A concise history of India by Francis Watson P. 30.

ترجمہ:- پہلے ڈراویڈین تارکین وطن۔ چاند اور سانپ کی پرستش کرتے تھے۔ جن کو اہل ہند "ہے ہے" یا "سوم بنسی" کہتے ہیں۔

ڈراویڈین تہذیب کی ابتدا۔ یونان اور اٹلی سے ہوئی۔

اس قوم میں بھی اجتماعی زندگی محض انسانی اقدار کی بنا پر تھی جو آدمی بحیثیت انسان اچھا تھا وہی قابل احترام تھا۔ صفائی اور پاکیزگی کا خاص اہتمام کرتے تھے۔ نہانے کے لیے حوض اور اس سے ملحقہ عبادت اور ریاضت کے لیے کمرے تھے۔ اور خاندانی یا قبائلی عصبیت ان میں نہیں تھی۔ بچے ماں سے منسوب تھے۔

Marfat.com

آریہ جن کا اصل وطن وسطی یورپ اور بعض کے نزدیک تاتاری نسل وسط ایشیاء کے باشندے ہیں سرزمین ہند پر ۱۵۰۰ صدی ق م میں نمودار ہوئے یہ قوم بہت منظم تھی اور فنون جنگ میں مہارت رکھتی تھی ہند میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئی یہاں کے قدیم باشندے جنگ و جدال سے ناآشنا تھے اسلئے بلا مقابلہ ہی زیر ہوگئے مگر قدیم لوگوں کی تہذیب تمدن اور مذہبی رنگ اتنا گہرا اور وسیع تھا یہ تووارد آریہ اتنے منافرت کے باوجود بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اس رائے کی تائید میں مندرجہ ذیل مضمون پیش ہے

Upnishads, Gita and Bible, comparative study of Hindu and Christian scriptures. By Geoffrey Parunder - London 1962.
"Page 32, Aryans came as invader, faced Indus peoples who lived in walled cities, straight streets, central tanks and running waters, they had a form of writing, the illeterate Aryans overthrown their cities and despised their inhabitants, calling them black and irreligious, because they could not understand their language, they destroyed Indus irrigation system."

ترجمہ: آریہ جب حملہ آور ہوئے تو انہوں نے باشندگان سندھ کو اپنے مقابل پایا جن کے شہر فصیل کے اندر واقع تھے۔ جن میں سیدھی سڑکیں، تالاب اور جاری پانی تھا۔ ان کی تحریر کے لیے ایک زبان بھی تھی۔ ان ناخواندہ آریوں نے ان کے شہر تباہ کر دیے۔ یہاں کے باشندوں کو قابل نفرت قرار دیا۔ ان کو لامذہب اور سیاہ فام کہنے لگے محض اس وجہ سے کہ یہ لوگ ان کی زبان نہیں سمجھتے تھے۔ ان آریوں نے سندھ کا نظام آب پاشی بھی تباہ کر دیا۔

آریوں میں خاندان قبیلہ اور گروہ کا تخیل تھا یہ لوگ شادی بیاہ کرتے اور خاندانی نسبت رکھتے تھے۔ وادی سندھ میں آریوں کا قیام بحیثیت خانہ بدوش ہی رہا۔ جانور پالتے

۱؎ **A concise history of India by Francis Watson P. 30.**

Marfat.com

تھے جن کا گوشت اور دودھ دہی ان کی خوراک تھا۔ ان کے ساتھ عورتیں بھی تھیں جو اولاد ان کے یہاں پیدا ہوئی اس کو آریہ ہی کہتے تھے اور مقامی لوگوں کو "دیشا" یعنی دیسی اور اس طرح وادیِ سندھ کے باشندے دو مختلف گروہوں یا قوموں میں تقسیم ہو گئے۔

آریوں کا مقامی آبادی سے الگ تھلگ رہنا زیادہ عرصہ قائم نہ رہ سکا اور دیسی خوبرو عورتوں سے شادی بیاہ کرنا پڑا جس کے نتیجہ میں اختلاط نسل ہوا۔ ظاہری رنگ اور شکل و صورت میں بھی تغیر آ گیا۔ تعداد میں اضافہ ہوا اور یہ لوگ مزید چراگاہوں اور زمینات کی تلاش میں وادی سندھ سے آگے بڑھے اور وادی گنگا میں پہنچ کر اس خطہ کو اپنا مسکن بنایا اور "آریہ ورت" نام رکھا۔

یہ بات مسلمہ ہے کہ وادیٔ گنگا میں یہ لوگ حملہ آور کی طرح نہیں بلکہ بود و باش رکھنے کی حیثیت سے داخل ہوئے کیونکہ اب ان کے گھروں میں کثرت سے مقامی عورتیں تھیں۔ اس کی تائید مضمون مطبوعہ Journal of Royal Asiatic Society vol. 21, 1889. P. 187. سے ہوتی ہے۔ جو کہ حسب ذیل ہے:۔

"the leading position of Aryans was not achieved through conquest but by alliance with native tribes, inter marriages with powerful chief and tacts of Aryan : Brahmins"

ترجمہ: آریوں نے اعلیٰ حیثیت فتوحات سے حاصل نہیں کی بلکہ قدیم قبائل سے معاہدے اور میثاق۔ مقامی ذی اثر لوگوں میں شادی بیاہ اور اپنے برہمنوں کے دانش مندانہ ہتھکنڈوں کے ذریعے حاصل کی۔

آریہ ورت میں انھوں نے باقاعدہ زراعت شروع کی۔ مرکز کے تحت چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کیں۔ ان کی تہذیب کی سب سے پہلی کتاب "رگ وید" گنگا کے اطراف میں ۱۲۰۰ ق م میں وجود میں آئی۔ چونکہ یہ لوگ بعل پرست تھے اور اندرا جوان کا قومی ہیرو عظیم سپہ سالار تھا اسی کو مشکل وقت میں پکارتے اور اسی کی تعریف و

Marfat.com

توصیف کرتے تھے رگ وید کے زیادہ تر مضامین اندرا کی ہی تعریف اور توصیف میں ہیں۔ اس عرصہ میں ان میں کوئی واضح نسلی امتیاز باقی نہیں رہا تھا چنانچہ یہ لوگ بار بار اندرا کو پکارتے تھے کہ وہ ان کو بتلائے کہ دیسی کون ہے۔ اور آریہ کون مگر یہ گتھی ان سے نہ سلجھی ۸۰۰ تا ۵۵۰ ق م میں تمام آبادی کو قطع نظر اس کے کہ وہ آریہ ہیں یا دیسی چار ذاتوں یعنی برہمن، کھتری۔ ویش۔ شودر میں تقسیم کر لیا گیا مگر اس تقسیم کو روبہ عمل نہ لا سکے کیونکہ اسی دور میں بدھ مت اور جین مت کا ظہور ہوا جو اس نظریہ تقسیم کے سخت مخالف تھے اور عموی بھائی چارہ کا پرچار کرتے تھے۔ بدھ مت کو عروج ہوا اور یہ تقسیم دب کر رہ گئی لہ

تیسری صدی ق م میں چندر گپتا موریا نے ایک عظیم سلطنت قائم کی جس کے جانشین اشوک (زمانہ ۲۷۳-۲۳۲ ق م) کی سلطنت ہندوکش سے بحرِ بنگال تک رہی یہ امر مسلمہ ہے کہ تمام ہند کی یعنی ہندوکش سے بحیرہ بنگال تک ایک سلطنت صرف اشوک محمد تغلق اور اورنگزیب کے زمانوں میں رہی۔

چندر گپتا موریا اور اس کے جانشین مخلوط النسل تھے ان کے یہاں ذات پات کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اسی دور میں سکندر اعظم نے سندھ پر حملہ کیا ان کے دربار میں ہر قسم کے عالم فاضل لوگ حاضر رہتے تھے۔ اشوک مذہباً بدھ مت کا پیروکار تھا۔ A concise history of India. کے صفحہ نمبر ۵۰ پر تحریر ہے۔

"caste was something about which none of the Mauryan Dynasty seem rigid.

ترجمہ :۔ ذات پات کے متعلق موریہ سلطنت نے سخت رویہ اختیار نہیں کیا۔

پہلی صدی عیسوی میں کوشان آئے اور شمال مغربی ہند اور کاشغر تک اپنے مملوکہ علاقے قرار دیکر حکومت کرنے لگے۔ ان کا مذہب بھی بدھ مت ہی تھا چوتھی اور پانچویں صدی عیسوی گپتا شہنشاہی کے دور میں برہمنوں کو شاہی دربار میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور اسی زمانہ میں برہمن دھرم کی تشہیر و اشاعت ہوئی۔ منوں نے دھرم شاستر

لہ انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم حصّہ اول ص۷۶

Marfat.com

لکھ کر دی ہی قدیم چار ذاتوں کی تجدید کی اور منجملہ ان مشہور چار ذاتوں کے مزید ۳۶ ذاتیں ایسی بنائی ہیں۔ جو اختلاط نسلی کی وجہ سے آبادی کے کثیر حصہ پر مشتمل تھیں۔ مسٹر جیمس مل اپنی کتاب موسومہ ہسٹری آف برٹش انڈیا میں یوں لکھتا ہے:

"mixture of classes were perpetuated and new impious race was produced, the King to devise a remedy, assigned different occupations to this mixed class. The highest was the spring from Brahmin and Kashtarya women being military man and the lowest was spring of Sudra with the woman of sacred class called Chandallas. Thirty six branches of this impure class were specified in the books."

ترجمہ: مختلف ذاتوں کی آمیزش عرصہ دراز تک جاری رہی ہے جس کے نتیجہ میں مخلوط نسل وجود میں آگئی۔ بادشاہ نے اس کیفیت کے سدباب کے لیے مختلف پیشے اس مخلوط نسل میں تقسیم کر دیے۔ سب سے اعلیٰ ذات ان لوگوں کو دی گئی جو برہمن مرد اور کھتری عورت کے اختلاط سے پیدا ہوئی اور ان کو پیشہ سپاہی عطا ہوا۔ سب سے ادنیٰ درجہ سودر مرد اور اعلیٰ ذات کی عورت سے پیدا ہونے والے کو دیا گیا جس کو چنڈال کہتے تھے۔ اس صورت سے اس مخلوط نسل کی چھتیس ذاتیں کتابوں میں لکھ دی گئیں۔

آریوں ہی کا دوسرا گروہ ایران میں آباد ہو گیا تھا۔ لفظ ایران کا ماخذ خود آریہ ہے جو اس نسبت کی طرف دلالت کرتا ہے۔ ایران میں زرتشت مذہب کا عروج ۸۰۰ ق م تا ... ۱ ہے کیومر بادشاہ کے دور میں تمام ایران میں اسی مذہب کے ماننے والے تھے۔ زرتشت نے گائے کو مقدس قرار دیا اور اس کی قربانی ممنوع ہوئی۔ کیومر کا بیٹا ہوشنگ اور اس کا بیٹا جمشید جب تخت نشین ہوا۔ اس نے ایران کے تمام باشندوں کو مندرجہ ذیل چار ذاتوں میں تقسیم کر دیا۔

ے۱ Land of great Sophy. By Roger Stevens. P. 57.

Marfat.com

اوّل :۔ مذہبی پجاری :۔ جن کا کام مندر بنانا اور پوجا پاٹ کرنا۔
دوم :۔ سپاہی :۔ فن سپہ گری میں مہارت حاصل کرنا۔
سوم :۔ کاشتکار :۔ زراعت اور صنعت کو فروغ دینا۔
چہارم :۔ مفکر :۔ معاملات میں غور و تدبر کے بعد نئی راہیں تلاش کرنا[1]

یہ تقسیم صرف جمشید کے دور حکومت میں ہی رد بعمل رہی بعد کے آنے والے بادشاہوں نے اس طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ اور زمانہ کے ساتھ ساتھ یہ ذاتیں ختم ہو گئیں۔ کئی صدیاں گزرنے کے بعد اردشیر بن بابک کے دور میں ان چار ذاتوں کی دوبارہ تجدید کی گئی اور کچھ رد و بدل کے بعد مندرجہ ذیل چار ذاتیں مخصوص کی گئیں۔

اوّل :۔ بادشاہ کے مقرب اور شہزادگان۔
دوم : راہب۔ آتش کدہ کے نگہبان اور قانون دان۔
سوم : معالج۔ حکیم۔ منجم اور دیگر علماء۔
چہارم : زراعت پیشہ لوگ اور دیگر فنون کے ماہر[2]

ہند میں آریوں کے برہمنوں نے تقریباً انہیں ادوار میں لوگوں کو مختلف ذاتوں میں تقسیم کیا اور اس تقسیم کو موروثی بنانے کے لیے تمام وسائل بروئے کار لائے مگر یہ غیر فطری تقسیم جیسے ایران میں کامیاب نہیں ہوئی ویسے ہی ہند میں بھی اس کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ ایران میں آریوں کے گروہ نے اپنا تشخص خاصے عرصے برقرار رکھا جبکہ ہند میں ان کی اصلیت مقامی آبادی میں ایسی غلط ملط ہوئی کہ کوئی نشان باقی نہ رہا۔ ایرانی آبادی کا مجموعی رجحان بطل پرست کی طرف آج تک نمایاں ہے۔ جبکہ ہند کے آریوں میں ان کا عظیم شخص اندرا اپنی افادیت بہت جلد ہی کھو بیٹھا تھا۔ اور یہاں کے قدیم مذاہب کی طرح ایک دیوتا کے روپ میں بت بن گیا۔

[1] Shahnama Firdousi translated in English by R. Levey. P. 9.

[2] Alberuni's India translated in English by E.C. Sachan. P. 100 (vol. 1).

Marfat.com

گوجر۔ راجپوت۔ جاٹ۔ اہیر۔

پانچویں صدی عیسوی کے آخر میں وسطی ایشیا کے رہنے والے تاتاریوں نے جن کو مورخین نے "ہن" کہا ہے۔ اور جن کی فوج کا بیشتر حصہ۔ گرجارا (جس کو آج کل جارجیا کہتے ہیں) کے رہنے والے لوگوں پر مشتمل تھا۔ ہند پر حملہ آور ہوئے۔ سید ابوظفر ندوی اپنی کتاب مختصر تاریخ ہند کے صفحہ ۲۳ پر لکھتے ہیں۔

"وسط ایشیا کے تاتاریوں نے جن کو ہندوستان کے لوگوں نے "ہن" کہا ہے پانچویں صدی عیسوی میں ترمان نامی سردار کے ماتحت ہندوستان پر حملہ کیا۔ انہوں نے پنجاب دوآبہ اور وسط ہندوستان کو فتح کر لیا۔"

مذکورہ "ہن" اور "گرجارا" کے متعلق مورخین میں اختلاف ہے بعض کی تحقیق کے مطابق گرجارا۔ الگ قوم تھی جن کا اصلی وطن گرجستان یا جارجیہ تھا اور ہنوں کے ہم مذہب ہونے کی بنا پر ان کے ساتھ تھے کیونکہ دونوں ہی سورج کی پرستش کرتے تھے۔ تاہم بعض کہتے ہیں کہ گرجارا ہنوں کا ہی ایک قبیلہ تھا۔ ڈیوا ہٹی اپنی تحقیق موسومہ "ہرشا" کے صفحہ ۶۲ پر لکھتا ہے۔

"ہنوں کے قبائل میں سب سے اہم گرجارا ہیں۔" (ترجمہ)

مقبوضہ علاقوں پر ان کی حکومت ترمان نامی سردار کے تحت قائم ہوئی۔ اس کے مرنے کے بعد اس کا لڑکا جانشین ہوا مگر اپنی نااہلی کی وجہ سے حکومت کھو بیٹھا۔ اس کے بعد "ہن" مقامی لوگوں میں خلط ملط ہو گئے۔ اور اپنا انفرادی تشخص قائم نہ رکھ سکے۔ تاہم گوجروں نے اپنے مخصوص علاقے قائم کر لیے اور باقاعدہ حکومت تشکیل دی۔ سب سے پہلی گوجر حکومت ۵۵۰ء میں ہری چندرا نامی سردار نے قائم کی جس کا دارالحکومت "مانڈور" (جو موجودہ جودھپور کے قرب و جوار میں ہے) مقرر ہوا اس کے علاوہ ان گوجروں نے اپنی چھوٹی چھوٹی ریاستیں پنجاب دوآبہ وسط ہندوستان اور جنوب میں بھی بنالیں ہری چندر نے دو شادیاں کیں۔ ایک برہمن کی لڑکی سے اور دوسری کھتری لڑکی سے۔ برہمن عورت سے جو اولاد پیدا ہوئی اسکو پربھار برہمن اور کھتری عورت کے بطن سے پیدا ہونے والی اولاد کو پربھار راجپوت کا نام دیا گیا۔ یوں اقوام ہند میں راجپوت نام کی قوم کا اضافہ ہوا۔ محققین کی یہ مسلمہ رائے ہے کہ جیسا کہ مسٹر ڈولف ہورنل اپنے نوٹ مطبوعہ

Marfat.com

Journal of Asiatic Society, 1905 کے صفحہ نمبر ۳۰ پر لکھا ہے کہ:

"گوجر اور دیگر بیرونی حملہ آوروں کے مقامی راجاؤں کی لڑکیوں سے شادی بیاہ کے نتیجہ میں جو اولاد پیدا ہوئی اس کو راجپوت کا نام دیا گیا۔" (ترجمہ)

ہنوں اور گوجروں کے ہند میں آمد کے وقت بدھ مذہب کا زور تھا۔ برہمنی مذہب کے ماننے والے بدھ مت سے متنفر تھے۔ یہ نووارد بھی بدھ مذہب کی طرف راغب ہونے لگے۔ برہمنوں نے یہ صورت دیکھ کر ان نووارد لوگوں کو اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کی۔ اگرچہ ان کا مذہب اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کسی نئے آدمی کو اس مذہب میں داخل کر لیا جائے۔ تاہم برہمنوں نے آبو پہاڑ پر جمع ہو کر ایک کڑاہا آگ پر گرم کیا اور ان گوجروں کو جو ریاست کے مالک تھے "پوتر" یعنی پاک کر کے اپنے مذہب میں داخل کر لیا اور راجپوت کا نام دیا اور یوں اگنی بنسی راجپوت کہلانے لگے۔ بعد کو وہ گوجر راجہ جو اس اجتماع میں شامل نہیں تھے ان کو بھی راجپوت کا لقب دیا گیا۔ چونکہ یہ لوگ پہلے سورج کی پرستش کرتے تھے اس لیے ان کو سورج بنسی راجپوت کہا جانے لگا اور پھر یہ سلسلہ دوسرے مقامی راجاؤں تک جا پہنچا اور چاند کے پجاری صوم بنسی راجپوت کہلانے لگے۔ چندیل جن کا قبضہ بندیل کھنڈ پر تھا اور نسلاً برہمن عورت اور سودر مرد کے اختلاط سے پیدا ہوئے تھے ان کو بھی راجپوت کا درجہ دے دیا گیا اور بعد میں ان کی بہت سی شاخیں بنیں جن کا سلسلہ بڑا طویل ہے۔

جاٹ اور راہیر بھی وسطی ایشیا سے نئی چراگاہوں اور زمینیات کی تلاش میں ہندوستان وارد ہوئے اور پنجاب اور دوآبہ میں آباد ہو گئے اور محنت اور جانفشانی سے جنگلات صاف کر کے کاشت کے لیے زمین ہموار کی اور چراگاہیں بنائیں۔ برہمن مذہب کے پیروکار لوگوں نے ان کو بھی گوجروں کی طرح اپنے مذہب میں داخل کر لیا۔

بعض الفاظ پر اثر:

ہندوستان میں بولے جانے والے بعض الفاظ کی وضاحت جن کا تعلق خالصتاً وسط ایشیا سے ہے۔

Marfat.com

قارا: اس لفظ کی اصل کارہ ہے جس کے معنی ترکی زبان میں کالے "سیاہ" کے ہیں[۵۱] اور ایسے ترکوں کو جن کے باپ ترک اور ماں غیر ترک ہو۔ کارہ کہتے تھے۔ وسط ایشیا کے ترکوں میں مختلف زبانیں رائج تھیں جن میں کرغیزی۔ ادئی گری وغیرہ شامل ہیں۔ اسلام کے عروج کے ساتھ ساتھ یہاں پر فارسی اور عربی زبانیں داخل ہوئیں۔ مؤرخین نے اس لفظ کو مختلف انداز میں لکھا۔ ابن خلدون نے ترکوں کے نسب کے، تحت ان کی مندرجہ ذیل شاخیں لکھی ہیں[۵۲]

روس، اعلان، خفشاخ (قفچاق) ہیا طلہ، خلج، غز (جن میں سجوقیہ ہیں) یمک، قورا ترکس، ارکس، اور خطر (جن کو طغر طغر بھی کہتے ہیں)

اردو فارسی اور عربی زبانوں میں مؤرخین نے لفظ "کارہ" کو "قارہ" قور، قرونہ قارغلیہ لکھا ہے جب کہ انگریزی زبان میں " KARA " ہی لکھا گیا۔ ابن خلدون نے لفظ قارغلیہ استعمال کیا ہے۔ تاریخ ابن خلدون حصہ ششم صفحہ نمبر ۳۱ پر تحریر ہے کہ:

"جعفری خان بن حسین تکین نے جب ماوراء النہر، سمرقند اور بخارا کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ انہیں دنوں قارغلیہ کو صوبجات بخارا اور سمرقند سے جلا وطن ہو کر کاشغر چلے جانے کا حکم دیا تھا۔ انہیں کاشتکاری اور محنت مزدوری کرنے پر مجبور کیا تھا۔ قارغلیہ نے انکار کیا لڑائی پر آمادہ ہوئے اور مسلح ہو کر بخارا کی طرف بڑھے۔"

تاریخ ابن خلدون جلد ہفتم صفحہ نمبر ۲۰۶ پر تحریر ہے کہ،

"خاقان چین نے سمرقند اور بخارا پر خان جعفر ابن حسین تکین کو مامور کیا۔ خان جعفر قدیم شاہی خاندان کا فرد تھا۔ خاقان چین نے فرمان بھیجا کہ ترکان قارغلیہ کو اپنے ممالک محروسہ سے کاشغر کی طرف جلا وطن کر دو۔ وہ وہاں جا کر مقیم ہوں اور ہتھیار نہ باندھیں بلکہ کاشتکاری کریں اور روزی حاصل کرنے کے لیے دوسرے پیشے اختیار کریں۔"

---

۵۱ Turkish-English Dictionary Oxford 1959. "P 173, Kara-black colour-negro"

۵۲ تاریخ ابن خلدون جلد ہفتم ص ۲۰۶۔

Marfat.com

ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامہ میں محمد شاہ تغلق کے بارے میں لکھا ہے کہ "شیخ رکن الدین قریشی ملتانی سے میں نے سنا ہے کہ تغلق قوم قرونہ سے ہے یہ لوگ ترکستان اور سندھ کے بیچ کے پہاڑوں میں رہتے تھے۔

یہ بات قرین قیاس ہے کہ بنجیب الطرفین ترکوں کے مقابلہ میں ایسے ترک جن کی والدہ غیر ترک ہوں کم رتبہ سمجھے جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ خاقان چین کو ترکان قارغلبہ پر اعتماد نہیں تھا۔ اوران کو ہتھیار باندھنے سے منع کر دیا۔ یہی کچھ صورت ابن بطوطہ کی تحریر سے نظر آتی ہے کیونکہ ابن بطوطہ نے یہ کلمات تضحیک کے انداز میں لکھے ہیں۔ ہندوستان سے روانگی کے وقت وہ محمد شاہ تغلق سے خوش نہیں تھا۔

دیگر محققین کی رائے :

لفظ قرونہ یا کارہ کے متعلق مختلف آرا حسب ذیل ہیں

قرونہ کی نسبت ساتویں صدی کا مشہور سیاح مارکوپولو یوں تشریح کرتا ہے :-

"قرونہ ان لوگوں کو کہتے ہیں جن کے باپ تاتاری اور ماں ہندی ہوں"[۵۱]

لفظ قرونہ کی اصل لفظ کارہ ہے۔ جس کے معنی سیاہ کے ہیں اور اس سے وہ بچے مراد ہیں جن کے باپ مغل اور ماں سیاہ رنگ (غیر مغل ہوں)[۵۲]

میزک کی رائے ہے کہ :-

"لفظ قرونہ کا تعلق سنسکرت کے لفظ "کارنا" سے ہے جس کے معنی ہیں مخلوط النسل باپ کھتری اور ماں سودر" میزک اس سے متفق نہیں کہ اس لفظ کی اصل کارہ ہے جس کے معنی سیاہ کے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ یہ لفظ ان لوگوں کے لیے بولا جاتا ہے جن کے باپ گورے رنگ کے آریہ تھے

نوٹ : میزک ایک فرانسیسی محقق تھا۔

۵۱ تاریخ گجرات۔ سید ابوظفر ندوی۔ اردو بازار دہلی ۱۹۵۸ء صفحہ ۳۶۱

۵۲ Rise and Fall of Mohammad Tugalaq, P. 49.

Marfat.com

اور یہاں کالے رنگ کی بیٹی "قرونہ" یا "قاراوانا" از راہ تذلیل بولا جاتا تھا مغل اس کلمہ کو چغتائیوں کی تضحیک کی خاطر بولتے تھے۔

موجودہ ایران میں "کاروانا" آباد ہیں اور ترک قبیلہ "گوکلان" کا حصہ سمجھے جاتے ہیں گرچہ یہ لوگ اپنے آپ کو چغتائی مغل کہتے ہیں اغلب گمان ہے کہ یہ مخلوط نسل کے ترک ہیں جو ہمیشہ مغلوں کے ساتھ رہے۔

۱۲۲۹ / میں لاہور کا عامل اختیار الدین "کارکش" تھا۔ اس کو کارکش اسی لیے کہتے تھے کہ ترکان کارہ سے جدال و قتال میں مصروف رہا۔ اس زمانہ میں لاہور سلطان غزنی کے تحت تھا۔ اور عرصہ دراز تک یہ علاقہ ان کے قبضہ میں رہا اس کا قطعی امکان ہے کہ ان ترکوں کے نکاح میں ہندوستانی عورتیں ہوں جن کے بطن سے پیدا ہونے والے افراد کو "کاراوانا" یا "قرونہ" کہا جانے لگا۔

یہی لفظ قرونہ۔ یا قارا۔ یا کارانا۔ کثرت استعمال سے بگڑ کر۔ کارہ یا گاڑہ ہو گیا۔ ہندو تمام مسلمانوں کو از راہ تضحیک گاڑہ بولتے تھے۔ مگر مسلمانوں نے مجموعی حیثیت سے اس کو تسلیم نہیں کیا اور بجز ایک قوم جو انواح سہارن پور میں آباد ہے کوئی مسلمان اپنے آپ کو گاڑہ نہیں کہتا۔

ضلع سہارنپور کے ایک گاؤں بنام موضع پانڈولی کا بندوبست رجسٹر بابت ۱۸۶۰ء کلکٹر کے محافظ خانہ میں موجود ہے اس کے معائنہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت تک اس قوم کو کارہ کہا جاتا تھا۔ نہ کہ گاڑہ۔

وسطی ہندوستان میں دریائے نربدا کے اطراف میں ایک ریاست بنام گاڑہ منڈل تھی۔ اس کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ زمانہ قدیم میں ایک راجہ بنام ناگ دیو جس کا تعلق سوم بنسی خاندان گونڈ سے تھا۔ رتن پور اور لوہانجی کا خود مختار راجہ تھا۔ اس کی حکومت کافی وسیع اور عریض خطہ پر قائم تھی بہت مالدار اور بڑے خزانہ کا مالک تھا اس راجہ کی اولاد میں صرف ایک لڑکی تھی بنام "رتنا ولی" یا "رتنا بلی" اور یہی لڑکی اس کی واحد وارث تھی۔ ایک شخص بنام جادھو راسے

سے Rise and Fall of Mohammad Bin Tugalaq, P. 50

Marfat.com

ولد جادو سنگھ پٹیل ملک خاندیش (جس کو اب دکن کہتے ہیں) ملازمت کی غرض سے اپنا وطن چھوڑ کر نکلا اور راجہ ناگ دیو کا ملازم ہو گیا۔ اس شخص کا تعلق قدیم آریہ نسل کھتری (جن کو سورج بنسی راجپوت بھی کہتے ہیں) سے تھا۔ ہندی رسم کے مطابق مذکورہ راجہ کو اپنی لڑکی کی شادی اپنے ہی ہم مسلک یعنی صوم بنسی سے کرنی چاہیئے تھی مگر راجہ کے برہمن نے اس لڑکی کی شادی مذکورہ جادھو رائے سے کرادی اس معاہدے کے تحت کہ جب وہ راجہ ناگ دیو کے بعد راجہ بنے تو مذکورہ برہمن کو وزیر اعظم بنائے گا۔ اس شادی کے نتیجہ میں ایک لڑکا بنام مادھو سنگھ پیدا ہوا۔ چونکہ مذکورہ نومولود لڑکے کا نسبی تعلق نہ خالصتاً صوم بنسی سے تھا اور نہ ہی سورج بنسی سے اس لیے اس کو "گاڑہ" کا خطاب دیا گیا اسی کی اولاد میں ایک شخص گوپال ساہوا اس نے اپنے ہمسایہ ملک کو چنڈیل راجپوتوں سے فتح کر کے اپنے علاقہ میں شامل کر لیا اور ایک شہر بنام گاڑہ آباد کیا۔ (جو موجودہ جبل پور سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر اب بھی قائم ہے) اور اپنے ملک کا نام گاڑہ منڈل رکھا۔ اس خاندان کے راجاؤں نے بہت سے تالاب بنوائے جن میں سنگرام ساگر۔ رانی تال وغیرہ کتب تاریخ میں مذکور ہیں۔ میٹرک جس نے یہ رائے قائم کی کہ اس لفظ گارہ کا تعلق سنسکرت زبان سے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ اسی پس منظر کی وجہ سے ہے کیونکہ جادھو رائے کھتری گورے رنگ کا تھا جب کہ اس کی بیوی گونڈ قبیلہ سے تعلق کی بنا پر کالے رنگ کی تھی۔ شمالی ہندوستان کے راجپوت اسی وجہ سے ان کو اپنے سے ادنیٰ سمجھتے ہیں۔

اکبر کے عہد حکومت میں آصف خان نے اس علاقے کو فتح کر کے مغل حکومت میں شامل کر لیا جب آصف خان نے حملہ کیا اس وقت اس ملک کا راجہ ایک نابالغ بنام بیر نرائن ولد دلپت ساتھا۔ اس کی والدہ اس کی جگہ حکومت کرتی تھی۔ اس مقابلہ میں نابالغ راجہ اور اس کی والدہ سمیت تمام افراد مارے گئے۔ صرف دو عورتیں بچیں مسٹر سلی مان ان کا تذکرہ یوں کرتا ہے۔

Two females are said to have escaped, the sister of the Queen and a young princess who had been betrothed to the young prince Beer Narain and these two are

Marfat.com

said to have been sent to the Emperor Akbar (History of Gāra Mandal, P. 630).

ترجمہ: کہا جاتا ہے کہ دو عورتیں بچ سکیں۔ ایک رانی کی بہن اور دوسری نابالغ شہزادے بیرنرائن کی منگیتر۔ دونوں کو شہنشاہ اکبر کے دربار میں بھیج دیا گیا۔ (تاریخ گاڑہ منڈل صفحہ ۶۳۰)

اکبر نے ان دونوں عورتوں کو اطراف دہلی کے مسلمان راجپوت امیروں کے نکاح میں دے دیا۔ اور علاقہ سہارنپور میں سکونت اختیار کرنے کے لیے زمینیں دے دیں۔ جہاں پر ان کی اولاد اب بھی موجود ہے۔ (جس کا تذکرہ مناسب مقام پر آئے گا۔)

جادھو رائے نے معاہدے کے مطابق مذکورہ برہمن کو وزیر اعظم بنا لیا تھا۔ اس برہمن کی اولاد کو خطاب باجپائی کا ملا اور موروثی طور سے اس ملک کے وزیر رہے۔ آصف خاں نے جب اس ملک کو فتح کر لیا تو وزیر چورامن باجپائی شاہی دربار میں حاضر ہوا اور اس مفتوحہ ملک کو دلپت سا کے بھائی چندرسا کو دینے کی درخواست کی بادشاہ نے منظور کر لی۔ اور موجودہ بھوپال کے علاقے کے علاوہ تمام علاقے کی زمینداری چندرسا کو دے دی۔

یہ زمینداری تسلسل کے ساتھ جاری رہی اور برطانوی تسلط کے بعد ۱۸۱۶ء میں ختم ہو گئی۔ اسی خاندان کا ایک فرد بنام پہاڑ سنگھ اورنگزیب کی فوج میں ملازم ہوا اور اس کے دو لڑکے مسلمان ہو گئے جن کے نام عبدالرحمٰن اور عبدالحاجی رکھے گئے [۱]

ہندوؤں کے پاس جات پات کا سلسلہ ایمان کے درجے پر ہے ان کے یہاں بھی اگر ایک ذات کا آدمی دوسری ذات کی عورت سے شادی کرے تو اس کی اولاد کے ساتھ لفظ گوڑ کا اضافہ کر دیتے ہیں جیسے برہمن اگر کھتری عورت سے شادی کرلے تو اس کی اولاد کو گوڑ برہمن کہتے ہیں اسی صورت سے اگر بھاٹ کسی غیر ذات سے شادی کرے تو اس کی اولاد کو بھاٹ گوڑ اور اگر کوئی چمار ایسا کرے تو اس کی اولاد کو چمار گوڑ کہتے ہیں۔ ڈبلیو کروک نے ان سب کو راجپوتوں میں شامل کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ۔

[۱] The History of Gara Mandal by Capt. W. H. Saleeman printed in Journal of Asiatic Society of Bengal, Vol. vi - 1837.

Marfat.com

"The Gaur of N. W. P. and Oudh. According to Sir H. M. Elliet they fall into three sub-divisions, the Bhat Gaur, Brahmin Gaur and Chamar Gaur, names derived from some intercourse with Bhat, Brahmins and Chamars, the Chamar Gaurs who are divided into Raja and Rae ranked the highest."
(Tribes and Castes of N.W.P. and Oudh. Vol. 2, P.400)

ترجمہ:۔ شمال مغربی صوبہ اور اودھ کے گوڑ مسٹر ایچ۔ ایم ایلیٹ کے مطابق ان کے تین ذیلی گروہ ہیں۔ بھاٹ گوڑ۔ برہمن گوڑ اور چمار گوڑ۔ بھاٹ برہمن اور چمار کے آپس میں شادی بیاہ کی وجہ سے یہ نام دیا گیا۔ درجہ میں سب سے اعلیٰ چمار گوڑ ہیں جو دو حصوں میں تقسیم کیے گئے ہیں جن میں سے ایک کو راجہ دوسرے کو رائے کہتے ہیں۔

۱۸۹۱ء کی مردم شماری کے مطابق صوبے میں ان کی تعداد ۷۲۸۵۰ ہے جن میں سے سہارنپور میں ۱۰۷ اور مظفر نگر میں ۱۳۲ ہیں۔ ان کی سب سے زیادہ تعداد کانپور میں ۱۳۲۴۹ ہردوئی میں ۱۱۶۸۷ اور صوبے کے تمام اضلاع میں سکونت رکھتے ہیں۔

مذکورہ بالا الفاظ "گاڑہ" اور "گوڑ" کو اگر عربی حروف میں لکھا جائے تو یہ قارا اور قور ہوں گے جن کا ماخذ قور ہی ہے۔ جیسا کہ ابن خلدون نے لکھا ہے اس سے بلاشبہ یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ لفظ اپنی اصل میں وسطی ایشیا کی زبانوں سے تعلق رکھتا ہے اور ہندوستان میں یہ وسطی ایشیا کے لوگوں کے ساتھ ہی درآمد ہوا۔ اور مینرک کی رائے کہ یہ لفظ اپنی اصل میں سنسکرت سے تعلق رکھتا ہے انتہائی کمزور اور بلا دلیل ہے۔

وسطی ایشیا میں ایک مقام کا نام گاڑہ ہے جو روسی ترکستان اور افغانستان کی سرحد پر واقع ہے۔ یوسف زئی پٹھانوں کا اصلی وطن یہی تھا۔ حافظ رحمت خان اور دیگر روہیلہ پٹھانوں کا تعلق اسی خاندان سے ہے۔ [1]

---

[1] تاریخ حافظ رحمت خان از نواب روشن علی خان۔

Marfat.com

مختلف انگریزی اردو ڈکشنریوں میں گاڑہ کے معنی حسب ذیل دیے گئے ہیں۔

۱۔ فرہنگ آصفیہ مؤلفہ سید احمد دہلوی جلد چہارم صفحہ نمبر ۳۔

گاڑہ ۔ نومسلموں کا ایک فرقہ جو عالمگیر کے عہد سلطنت میں راجپوتوں سے مسلمان ہوا۔"

Anglo Indian Dictionary by J. C. Whiteworth, 1885
GARA - A convert from Hinduism to Islam.

ترجمہ: گاڑہ کے معنی ہیں۔ ایسا شخص جو ہندو سے مسلمان ہوگیا ہو۔

Dictionary of Urdu Classical Hindi and English by John. T. Platts Oxford University Press, 1968.
GARA — A sect of Mohammadens converted from Hinduism in the reign of Alamgir.

ترجمہ: گاڑہ کے معنی ہیں ایک ایسا مسلمانوں کا فرقہ جو ہندومت سے اسلام میں داخل ہوا عالمگیر کے دور حکومت میں۔

Encyclopaedia of India, London 1885.
"P 1175, GARA— an agricultural tribe in Saharanpur, Roorky, Rampur, Sultanpur, they are Mohammadan and supposed to be the converted slaves like Jhojas."

ترجمہ:۔ گاڑہ۔ سہارنپور۔ روڑکی۔ رامپور سلطانپور کا ایک زراعت پیشہ قبیلہ۔ یہ سب مسلمان ہیں اور گمان یہ ہے کہ یہ بھی جھوجوں کی طرح بندگان (سلاطین) میں سے ہیں۔

حال کا ایک واقعہ:

ضلع روہتک کے ایک معمر تاجر اپنی زندگی کے عجیب وغریب واقعات سنا رہے تھے۔ انہوں نے بیان کیا کہ ایک گاؤں میں جہاں ہندو آباد تھے۔ ان کا رہٹ چل رہا تھا۔ قریب کے مسلمان گاؤں کا ایک نوجوان پانی پینے کے لیے اس رہٹ پر پہنچا تو مالک نے اس کو روکا کہ مسلمان ہونے کے منع کردیا۔ اگلے دن جب مذکورہ رہٹ کا مالک اپنے کنویں پر آیا تو اس نے رہٹ غائب

پایا۔ اور چور کا متلاشی ہوا۔ مسلمان گاؤں میں آیا تو اس کو وہی نوجوان مل گیا جس کو اس نے پانی پینے سے منع کر دیا تھا اور اس نے اقرار کیا کہ رہٹ میں اٹھا کر لایا ہوں اور میرے گھر میں موجود ہے۔ میرا ارادہ چوری کا نہیں بلکہ انتقام تھا گاؤں کے تمام بزرگ جمع ہو گئے سب ہی کو تعجب تھا کہ اتنا وزنی رہٹ ایک آدمی کیسے اٹھا کر لے آیا۔ مذکورہ نوجوان نے کہا کہ اس میں تعجب کی کون سی بات ہے میں واپس وہیں رکھ آتا ہوں مگر یہ ہندو اس کا وعدہ کریں کہ آئندہ کسی مسلمان کو پانی سے نہیں روکیں گے۔

بالآخر وہ نوجوان اس رہٹ کو اٹھا کر وہیں رکھ آیا جہاں سے لایا تھا تو ہندوؤں نے بآواز بلند کہا کہ یہ گاڑے کا لڑکا بڑا جاندار ہے معمر تاجر نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ ہمارے علاقہ میں ہندو لوگ تمام مسلمانوں کو گاڑہ ہی کہتے تھے۔ کیونکہ مسلمان شادی بیاہ کے سلسلے ذات پات کی قیود میں نہیں تھے۔ ہندو ایسے لوگوں کو جن کے والدین دو مختلف ذاتوں سے تعلق رکھتے "گاڑہ" ہی کہتے تھے۔

خان:

لفظ خان عزت و احترام کے لیے قدیم ترک زبان میں مستعمل تھا۔ طلوع اسلام سے قبل ترک بھی یونان کی طرح بہت سے دیوتاؤں کو مانتے تھے۔ اس تہذیب کی قدیم ترین روایت تخلیق کائنات کے تصور اور مذہبی رجحانات سے متعلق الطائی ترک کی طرف منسوب ہے۔ خالدہ ادیب نے یہ روایت اس طرح نقل کی ہے۔

"Before the earth and heaven were created, verything was water. There was neither earth nor sun nor moon. The Beginner of all life, the father of mankind Tanri Kara Khan created a being in his own image and called him Man Tanri Kara Khan and Man flew over the face of the waters like two black swans. But Man rejoiced not in the happiness of quietitude. He wanted to a soar above, higher and higher, but losing his strength he fell into the limitless depths of the water. In danger of being drowned he implored the

Marfat.com

help of Tanri Kara Khan. Tanri Kara Khan commanded Man to rise to the surface of water and Man rose.'[۹۸]

ترجمہ: زمین اور جنت کی تخلیق سے پہلے صرف پانی تھا۔ نہ زمین تھی نہ سورج اور نہ ہی چاند۔ خالق حیات انسانیت کے باپ طنری، کارا۔ خان نے ایک صورت اپنی ہم شکل تخلیق کی اور اس کو انسان کا نام دیا طنری کارا خان اور انسان دونوں سیاہ ہنس کی طرح پانی پر اڑتے رہے۔ مگر انسان نے تنہائیوں میں سکون محسوس نہ کیا۔ وہ چاہتا تھا کہ اونچے سے اونچے تک پرواز کرے۔ مگر ناطاقتی کی وجہ سے پانی کی لامحدود گہرائیوں میں جا گرا۔ اپنے ڈوب جانے کے خطرے کی وجہ سے اس نے طنری کارا خان سے مدد طلب کی۔ طنری کارا خان نے انسان کو حکم دیا کہ پانی کی سطح سے اوپر آ جائے چنانچہ انسان اوپر آ گیا۔

اس دیوتا کا نام صرف طنری ہے۔ کارا اس لیے کہا گیا کہ اس کی صورت" کالے" ہنس کی ہے اور لفظ خان کا اضافہ عزت و تکریم کے لیے لیا گیا جیسا کہ ترکی زبان میں اس وقت رائج تھا۔ ترکوں کا قدیم ترین مرکز منگولستان تھا ان کی قدیم تاریخ کے متعلق جو آثار اور کتبات برآمد ہوئے ان سے شہادت ان کی زبان کی بھی ملتی ہے۔ کتبات میں بعض کہاوت اور الفاظ جو استعمال ہوئے وہ اب بھی بعض علاقوں میں مستعمل ہیں۔ ایک قدیم کتبہ جس میں ترکوں کی تاریخ کا ذکر ہے اور اس میں بھی خان کا لفظ ملتا ہے مندرجات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"The rulers and ministers in those great and happy days were brave on the battlefield and wise in counsel. But dark days followed those happy days. Sons were no longer like their fathers, rulers and ministers were cowardly, people took to evil ways. Because of these evils the Chinese took advantage and ended the

[۹۸] Conflict of East and West in Turkey by Halede Edib, P. 117.

Marfat.com

independence of the kingdom. The Beys served the Chinese accepting rewards and titles. But the God of the Turks sent Bilke Khan that the Turkish race may not perish." ۵۱

ترجمہ : اس خوش بخت اور عظیم زمانے کے حاکم اور وزیر میدان جنگ میں بہادر اور مشاورت میں دانا تھے۔ مگر اس خوش بختی کے بعد ظلمت اور اندھیروں کے دن آئے۔ اولاد باپ کی طرح نہیں تھی حاکم اور وزیر بزدل تھے۔ عوام نے برائیوں کا راستہ اختیار کیا۔ ان برائیوں سے چین نے فائدہ اٹھایا اور ان کی آزاد مملکت ختم ہوگئی۔ حاکم جن کو "بے" کہا جاتا تھا۔ چین کے ملازم ہوگئے اور انعامات اور خطاب وصول کرنے لگے۔ مگر ترکوں کے خدا نے "بلکے خان" کو بھیجا تاکہ ترکوں کی نسل کو تباہی سے بچائے۔"

یہاں بھی بلکے خان کے ساتھ لفظ خان محض عزت و تکریم کے اظہار کے لیے استعمال ہوا۔ یہ تمام شواہد اس طرف رہنمائی کرتے ہیں کہ اس لفظ خان کا ورود بھی وسطی ایشیا کے توسط سے ہندوستان میں ہوا۔ اور لوگ بکثرت اس لفظ کا استعمال اپنے کو اعلیٰ اور ارفع ظاہر کرنے کی غرض سے کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی حکومت کے اوائل میں تو یہ لفظ عہدہ اور منصب ظاہر کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔ کیا

۵۱ (Conflict of East and West in Turkey, P.13)

Marfat.com

خربندہ:

فارسی ادب میں یہ لفظ اکثر استعمال ہوا۔ بظاہر اس کے معنی "گدھا پالنے والا" "گدھے کی سواری کرنے والا" یا گدھے کے مالک" کے ہیں یہ مسلم حقیقت ہے کہ انسان نے جس جانور کو اپنی سواری کے لیے سب سے پہلے استعمال کیا وہ گدھا تھا۔ قرآن کریم میں بھی "حمار" کا ذکر ہے اللہ کے ایک نبی کا تذکرہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے موت دے اور پھر سینکڑوں سال کے بعد زندہ کر دیا۔ اس طویل عرصہ میں اس کا کھانا ویسے کا ویسا ہی تھا مگر ان کے سواری کے گدھے کی ہڈیاں بوسیدہ ہو چکی تھیں مگر بعد کے زمانے میں جب سواری کے لیے گھوڑے اور اونٹ سدھا لیے گئے تو یہ جانور محض عوام الناس اور غریب طبقہ کے لیے مخصوص ہو گیا۔ اور لفظ "خربندہ" اس حقیقت کو ظاہر کرنے کے لیے مستعمل ہونا شروع ہوا کیونکہ گھوڑے مخصوص تھے سلطان امراء اور ان کے لشکر کے لیے۔ زندگی کے دوسرے شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگ خربندہ کہلانے لگے۔ فارسی ادب میں لفظ "خر" کا استعمال اشعار میں بھی ملتا ہے کہ،

خر عیسیٰ گر بمکہ رود ۔۔۔ چوں بازآید ہنوز خر باشد

اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی سواری کا جانور گدھا ہی تھا۔ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں خربندہ لفظ کا استعمال عام آدمی کے لیے کیا گیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ طبقاتی تقسیم عوام اور خواص کو ظاہر کرنے کے لیے اسی زمانے میں ہوئی۔

عین الملک ماہرو بڑا قابل دانا عالم و فاضل تھا۔ محمد شاہ تغلق کے زمانے میں اودھ کا حاکم تھا۔ فیروز شاہ تغلق نے اس کو ملتان کی عملداری پر مقرر کر دیا تھا۔ علم دبیری میں کمال رکھتا تھا اس کے مکتوبات پروفیسر شیخ رشید احمد نے "انشائے ماہرو" کے نام سے شائع کیے۔ ڈاکٹر ایوب قادری نے اپنی کتاب موسومہ "حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت" میں انشائے ماہرو سے اقتباس نقل کیا ہے۔ اس کا ایک جزو درج ذیل ہے۔

"چنانکہ آوردہ در بنی اسرائیل خربندہ اے بود پیوستہ بعشق و فجور مشغول بودے و بہ عبادت پروردگار از اندک و بسیار توجہ نمودے ناگاہ از صدمہ تقدیر آسمانی بربستر مرض افتادہ و دل بر ہلاک نہادہ،

Marfat.com

چوں چشم باز کرد۔ بر بالین خود دوستے مشفق و یارے موافق ندید و روے
سوئے آسمان کردہ بزبان اضطرار باعتذار پیش آمد و کلمہ "یَا رَحْمٰنَ الدُّنْیَا
وَالْاٰخِرَہ ۔ اِرْحَمْ مَنْ لَیْسَ لَہُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَہ"۔ بر زبان راندو
جاں بہ جاں ستاں داد چوں اہل محلہ و جوار او در امر دود پنداشتند بسحال او نپرداختند
جبرئیل امین از حضرت رَبُّ الْعَالَمِیْن بر مہتر موسیٰ۔ صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ وحی
آوردہ کہ فلاں محل دوستے از دوستان خدا از دار فنا بدار بقا رحلت کردہ است
بُرو در تجہیز و تکفین او بہ مشغول شو و نماز او بگذار و برین موجب رضائی حضرت
ما رابدست آر مہتر موسیٰ چنانچہ فرماں بود۔ مسارعت نمود و از اہل محلہ آں حال
استکشاف نمود ہمگناں بیک زبان گفتند۔ بدیں صفت کہ پیغامبر خدا می دہد کسے
نقل نکردہ است چوں مہتر موسیٰ دانست کہ زبان وحی جز بصدق فرود بر ایشاں
فرمود عاقبت کسے درایں مہلت نقل کردہ است موسیٰ بحضرت تعالیٰ مناجات
کردہ کہ بندگان تو بار بار بر عین جملہ در حق او می گویند در حق او فرمان
چیست جبرئیل آمد قصہ معنی ما معنی و جری ما جری تنبیہہ فرمود مہتر موسیٰ چنانچہ فرمان بود
باعزاز و اکرام تجہیز و تکفین کردہ و نماز گذارد و بر در روضہ اسے۔ دفن نمودہ
آمدہ است کہ در بنی اسرائیل ہفتاد زاہد بودند کہ روزہا بالصیام و شبہا بالقیام
گذرانیدہ از جادہ تقویٰ انحراف نمی نمودند۔ پیغامبر آں وقت از عبادت ایشاں
تعجب می نمودند در حق ایشاں استحسان می فرمودند از مالک الملک کہ
حضرت از عبادت عباد مستغنی از زہاد ست براں پیغامبر فرمان رسید کہ حکم ازلی برین
رفتہ است کہ این خربندہ جنتی باشد و ایشاں یعنی ہفتاد تن زاہد دوزخی گردند
آں وقت گفت یارب بچہ شامت؟ فرماں آمد کہ بشامت عجب و خود بینی،
فی الجملہ خربندہ فاسق را خاطر انکسار و زبان اضطرار او بہ بہشت رسانید و ہفتاد
تن زاہد را بشامت عجب بداغ قطعیت مبتلا گردانید[1]

---

[1] انشائے ماہرو۔ از شیخ عبدالرشید ص ۵۱

Marfat.com

ترجمہ:

روایت ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عام آدمی تھا جو فسق و فجور میں مشغول رہتا تھا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف کم و بیش توجہ نہیں کرتا تھا۔ ناگاہ آسمانی تقدیر کی وجہ سے مرض میں مبتلا ہوا۔ اور موت کے قریب تھا۔ جب آنکھیں کھولی تو اپنے پاس مشفق دوست اور موافق مددگار نہ پایا۔ آسمان کی طرف رخ کیا۔ اور اضطراری کیفیت میں عذر پیش کیے اور عرض کی۔ اے دنیا و آخرت کے رحمان مجھ پر رحم فرما۔ میں ایسا شخص ہوں جس کے پاس دنیا و آخرت کے لیے کچھ بھی نہیں۔ یہ کلمات کہے اور جان دیدی۔ چونکہ اہل محلہ و اطراف کے لوگ اس کو مردود سمجھتے تھے اس لیے کسی نے پرواہ نہ کی۔ جبرائیل امین حضرت رب العالمین کی طرف سے وحی لے کر موسیٰ کے پاس آئے اور کہا کہ فلاں محلہ میں خدا کے دوستوں میں سے ایک دوست نے انتقال کیا جاؤ۔ اور اس کی تجہیز و تکفین کرو اور اس کی نماز جنازہ ادا کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا کے طالب بنو۔ حضرت موسیٰ نے فرمان کے مطابق کوشش کی اور اہل محلہ سے حالات پوچھے۔ سب نے بیک آواز کہا کہ اس صفت کے کسی آدمی نے انتقال نہیں کیا۔ چونکہ حضرت موسیٰ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی وحی میں سچ کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا اس لیے اہل محلہ سے پوچھا کہ کسی شخص کا اس محلہ میں انتقال ہوا ہے؟ حضرت موسیٰ نے بارگاہِ الٰہی میں رجوع کیا اور مناجات کی کہ تیرے بندے اس شخص کیلئے اس قسم کے جملے کہتے ہیں اس کے حق میں کیا حکم ہے۔

حضرت جبرائیلؑ تشریف لائے اور تمام قصہ بیان کیا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے حکم کے مطابق اعزاز و کرام کے ساتھ تجہیز و تکفین کی اور ایک مقبرہ کے دروازے پر دفن کر دیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس زمانے میں بنی اسرائیل میں ستر زاہد ایسے تھے جو دن میں روزہ رکھتے اور راتوں کو عبادت کرتے تھے اور زہد و تقویٰ سے انحراف نہیں کرتے تھے۔ حضرت موسیٰ نے ان کی عبادت

Marfat.com

ریاضت پر تعجب فرمایا اور اللہ تعالیٰ جو کہ بندوں کی عبادت سے پاک اور ان کے زہد سے مستغنی ہے کے حضور ان زاہدوں کے بارے میں عرض کیا حضرت موسیٰ کو فرمان ملا کہ یہ خربندہ جنتی ہے اور وہ ستر زاہد اشخاص دوزخی۔ اس وقت حضرت موسیٰ نے سوال کیا کہ یارب یہ کس شامت کی وجہ سے جواب آیا کہ عجب اور خود بینی کی وجہ سے حقیقت حال یہ کہ فاسق خربندہ کو انکسار اور اضطرار نے جنت میں پہنچا دیا اور ستر زاہد اپنی خود پسندی اور غرور کی بنا پر دوزخی ٹھہرے۔"

مذکورہ بالا بیان اس بات کی واضح دلیل ہے کہ لفظ خربندہ ایک عام آدمی کے لیے استعمال ہوا۔ جب کہ امراء زاہد، متقی لوگ اس لفظ سے یاد نہیں کیے گئے۔ ایسی ہی صورت ایک اور قصہ سے ملتی ہے جس کو نظامی عروض سمرقندی کتاب موسومہ چہار مقالہ میں نقل کیا لکھتے ہیں کہ:

"احمد بن عبداللہ الخجستانی را پرسیدند کہ تو مردے خربندہ بودی میرے خراسان چوں افتادی گفت بباد غیس در خجستان روزے دیوان حنظلہ بادغیسی خواندم۔ بدین بیت رسیدم۔

مہتری گر بکام شیر دراست!
شو خطر کن زکام شیر بجوئے

داعیہ در باطن من پدید آمد کہ ہیچ وجہ دراں کہ اندر بودم راضی نتوانستم بود خراں بفروختم واسپ خریدم واز وطن خویش رحلت کردم۔"

ترجمہ: احمد بن عبداللہ الخجستانی سے کسی نے پوچھا کہ تو ایک عام آدمی تھا پھر خراسان کا حاکم کیسے بن گیا۔ اس نے جواب دیا کہ خجستان کے شہر بادغیس میں ایک روز دیوان حنظلہ بادغیسی پڑھ رہا تھا جب میں نے یہ شعر پڑھا کہ،

"سرداری اگر شیر کے منہ بھی ہو تو خطرہ مول لے کر اس کو حاصل کرنا چاہیئے"

تو میرے باطن میں یہ تحریک ہوئی کہ جس حالت میں اب ہوں کسی صورت سے

Marfat.com

سرداری تک نہ پہنچ سکوں گا۔ چنانچہ میں نے سب گدھے فروخت کر کے گھوڑا
خرید لیا اور اپنے وطن سے رخصت ہو گیا۔[۱۲]

یہاں بھی یہ لفظ خر بندہ عامۃ الناس کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ مزید براں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت وسطی ایشیا میں لوگ سماجی حیثیت سے دو طبقوں میں منقسم تھے ایک عوام جن کو خر بندہ کہا گیا ہے دوسرے امراء و رؤسا، سلاطین اور ان کا لشکر یا کارپردازان حکومت قطب الدین ایبک نے جب اسلامی بادشاہت کی ہندوستان میں داغ بیل ڈالی۔ اس وقت دہلی اور اس کے اطراف میں بسنے والے ہندی النسل کو خر بندہ کہا جانے لگا اور اسی عرفیت سے ان کے نام سرکاری دستاویزات۔ زمین جائیداد کے کاغذات میں داخل ہوئے۔ چنانچہ ان اطراف میں اب بھی خاصی تعداد ایسے راجپوتوں کی ہے جو کاشتکاری وغیرہ کے پیشے سے منسلک ہیں اور کھر بندہ کہلاتے ہیں۔ الہ آباد سے ایک رسالہ قانون کے موضوع پر بنام الہ آباد لا رپورٹ کے نام سے آج کل بھی جاری ہے اس کے ایڈیٹر اور دیگر کارکن اپنے نام کے ساتھ کھر بندہ لکھتے ہیں۔ دیگر راجپوت صوبہ ہریانہ اور اضلاع سہارنپور وغیرہ میں ایسے ہیں جو اب بھی راجپوت کھر بندہ کہلاتے ہیں ان میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل ہیں۔

Marfat.com

باب دوم
زرعی زمینات کے حقوقِ ملکیت

زرعی زمین کی ملکیت کا ذکر آئندہ صفحات میں آئے گا اس لئے حقوق ملکیت پر روشنی ڈالنا ضروری ہے یہ بات تقریباً تمام ہندوستان میں نمایاں طور سے پائی جاتی ہے کہ ایک علاقہ جس میں زراعت یا مویشی پالے جاتے ہیں کسی ایک قبیلہ یا خاندان کی ملکیت ہوتا تھا اور اس مخصوص علاقہ میں صرف وہی افراد۔ رہ اور بس سکتے تھے جن کا تعلق اس مخصوص قبیلہ یا خاندان سے ہو۔ اس قبیلہ یا خاندان کی نوعیت بعض حالات میں موروثی ہوتی یعنی وہ کسی ایک جداعلیٰ کی اولاد ہوتے یا پھر مجموعی حیثیت سے کسی دوسرے علاقہ سے اٹھ کر غیر آباد زمین کو آباد کر لیتے تھے۔ یا آباد زمینوں پر رہائش پذیر لوگوں کو جنگ وجدال سے ان کی زمینات سے بیدخل کر کے خود آباد ہو جاتے تھے اور اپنے ایک مخصوص نام سے جانے پہچانے جاتے تھے جیسے راجپوت پنڈیر۔ یہ لوگ پنڈیر نامی ایک مقام سے جو ضلع کرنال میں واقع ہے اٹھکر آئے اور جس علاقہ میں یہ لوگ آباد ہیں وہاں ماضی میں رہنے والے لوگوں کو بیدخل کر کے کہیں اور جانے پر مجبور کر دیا۔[1]

یہ لوگ اپنے علاقے مختص کر کے ان کی حدود متعین کر لیتے تھے۔ قدیم کلورین قبائل اس کو پاڑہ کہتے تھے۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ لفظ "پاڑھ" ہی سے مغل حکومت نے پرگنہ بنائے۔[2]

مغربی ہندوستان میں بھی خاندانی یا قبائلی ملکیت۔ تعلقہ۔ علاقہ۔ ٹپہ۔ کے نام سے موسوم ہے۔ ایسی مثالیں موجود ہیں کہ یہی علاقائی حدود کسی ایک راجہ کے اہتمام اور انتظام میں تھیں اور بعد کو آنے والے فاتحین نے راجہ یا قبائل کے بجائے اس کو پرگنہ اور علاقہ کا نام دیا۔ مگر اس میں آباد لوگوں کو بے دخل نہیں کیا وہ بدستور اپنے کھیت اور باغات پر قابض رہے۔

---

[1] Saharanpur Settlement Report 1920 by D. L. Drak Brochman Allahabad 1921, P. 13.

[2] Indian Village Community by B. H. Badenpowal, London 1896, P. 230

Marfat.com

کیونکہ یہ آباد کار خاندان یا مجموعی افراد غیر منظم نہ تھے بلکہ شہادتیں موجود ہیں کہ باقاعدہ تنظیم تھی اور وراثت کے حقوق متعین تھے۔ گاؤں جو اولاً ایک شخص کی ملکیت تھا اور اس کے وارثین میں تقسیم ہوا تو اس گاؤں کو پٹی۔ تھوک میں تقسیم کر کے متعلقہ وارث کو دے دیا جاتا تھا۔ اگر علاقہ وسیع ہے اور زمانے کے ساتھ ساتھ افراد خاندان بھی بڑھ گئے تو یہ خاندان۔ ذیلی خاندانوں میں تقسیم ہوتا چلا گیا اور یوں ایک قبیلہ کے تحت بہت سے ذیلی قبائل یا خاندان وجود میں آ گئے۔ اور ان کی مملوکہ زمین علاقہ اور ٹپہ کہلاتی ہے۔ ایسے حالات میں مالکان کاشتکار زمیندار کہلاتے ہیں۔

دوسری صورت "بھائی چارہ" زمینات کی ہے۔ اس میں افراد کا کسی ایک مورث اعلیٰ کی اولاد سے ہونا ضروری نہیں بلکہ بہت سے ہم خیال افراد جن کا تعلق علاقہ کے بسنے والے مختلف قبائل سے ہوتا۔ وہ آپس میں بھائی چارہ بنا کر وسیع علاقہ پر قابض ہو جاتے اور آپس کی تنظیم کا وہی معیار قائم رکھتے جو قبائل اور خاندانوں میں تھا۔ آریہ جاٹ اور مسلمان اسی ضمن میں آتے ہیں اور حکومت کو مال گزاری ادا کرتے ہیں یہی تنظیم مددگار ہوتی ہے کیونکہ لگان وصول کرنے کے لیے محکمہ مال پورے گاؤں کا لگان متعین کرتا تھا اور اگر ایسی تنظیم نہ ہو تو مشترک ذمہ داری نہیں ڈالی جا سکتی۔ چنانچہ انگریزوں کے بندوبست میں لگان کا تعین پورے گاؤں یا محال کے مطابق ہی ہوا ہے۔

زیر نظر علاقہ یعنی بہار نپور ضلع کی تمام اراضی خالصہ ہے اور محالات پر مشتمل ہے ان میں آباد قومیں مجموعی حیثیت سے حق ملکیت رکھتی ہیں۔ اس ملکیت کی تقسیم کچھ یوں ہے۔

۱۔ بھائی چارہ۔ ایک مخصوص علاقہ جو بہت سے محالات پر مشتمل ہے اور کسی مخصوص گروہ کے قبضہ میں ہے جو اس کو زمانہ قدیم سے کاشت کرتے چلے آئے ہیں اور اس علاقہ کو انہیں کے لیے مخصوص کر کے پرگنہ کا نام دے دیا گیا۔

۲۔ بعض محال انہیں پرگنوں سے ایسے لوگوں کو دے دیئے جو خود کاشتکار نہیں۔ مگر حکومت وقت کے وفادار اور خدمت گزار ہیں۔ ان لوگوں کو زمیندار کہتے ہیں۔ یہ لوگ اس قسم کی اراضی کو کاشتکاروں سے کاشت کراتے ہیں اور

Marfat.com

پیداوار میں سے اپنا متعین حصہ لیتے ہیں اور حکومت کو مال گذاری ادا کرتے ہیں۔

۲۔ بعض وسیع علاقہ اور محالات مقررہ مال گذاری ادا کرنے کی شرط پر حکومت وقت کسی ایک شخص کو دے دیتی تھی۔ اور پھر وہ شخص کاشتکار سے پیداوار میں حصہ متعین کر کے وصول کر لیتا تھا اور اسی میں سے حکومت کو مال گذاری ادا کرتا تھا ایسی اراضی کو مقرری کہتے تھے جیسے راجہ رام دیال سنگھ جس کو پانچ سو سے زیادہ گاؤں اورنگ زیب نے دیے تھے۔ یہ مقرری بعد کو منسوخ ہو گئی۔

زمینداری اور مقرری قابل تنسیخ تھیں جب کہ بھائی چارہ ملکیت دائمی اور موروثی تھی۔ جو علاقے کسی خاص قوم یا ذات کے زیر تسلط تھے ان میں صرف وہی رہ سکتے تھے۔ کوئی نو وارد عام طور سے ان میں داخل نہیں ہوتا تھا۔ اس کا تعلق مذہب اور دین سے قطعی نہیں تھا۔ اگر کوئی راجپوت گوجر مسلمان ہو گیا تو وہ اپنے حقوق کے مطابق اسی علاقہ میں بود و باش رکھتا تھا۔ الغرض تمام نظام میں کاشتکار ہی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے اور جو لوگ اس پیشہ سے وابستہ ہیں وہ اسلاً و نسلاً اعلیٰ ذات سے تعلق رکھتے ہیں باقی تمام یا تو ان کے خدمت گاران ہیں یا پھر تجارت و حرفت سے تعلق رکھتے ہیں۔ تاجر اور صنعت کار بھی دوسرے درجہ پر آتے ہیں کیونکہ ان دونوں پیشوں کا دارومدار بھی انہیں کاشت کاروں پر ہے جو زمین سے پیداوار حاصل کرتے ہیں۔ تجارت کو تو فروغ زرعی اجناس ہی کی پیداوار سے حاصل ہوتا ہے۔ یہی صورت حال صنعت کاروں کے ساتھ ہے اس لیے کہ صنعت کے لیے خام مال بھی کاشتکار ہی فراہم کرتا ہے جیسے شکر سازی کے لیے گنا یا پارچہ بافی کے لئے کپاس وغیرہ۔ گاؤں جو اصل بود و باش اور معاشی اور ثقافتی زندگی کا مبداء ہیں اس صورت سے سامنے آگئے ہیں کہ یہ خود ایک مکمل اکائی ہیں جس میں اصل کاشتکار ہیں اور باقی اقوام خدمت گاران جیسے جولاہے۔ حجام۔ قصاب۔ دھوبی وغیرہ گاؤں کی تعلیمی اور طبی ضروریات پورا کرنے کے لیے عام طور سے انہیں کاشتکاروں میں سے ہی کچھ لوگ اس پیشہ سے منسلک ہو جاتے تھے۔ بعض حالات میں گاؤں والے باہر سے آنیوالوں کا خیر مقدم کرتے تھے اور ان کو اپنے گاؤں میں بود و باش کا حق دے دیتے تھے۔

Marfat.com

اسی مسلمہ اصول کے تحت بندوبست آراضی ہوتا آیا ہے۔ راجہ ٹوڈرمل اور مظفر خان کا بندوبست کاشتکاروں کے ہی ساتھ تھا۔[1] برطانوی کمپنی کے زیر تسلط آنے کے بعد اس ضلع کا باقاعدہ اولاً بندوبست ۱۸۳۰/۴۰ء میں ہوا۔ اور اس کے بعد وقفہ وقفہ سے اور بندوبست ہوئے۔ علاقہ کی تاریخ۔ تمدن اور ماضی میں رائج رسوم و رواج کے پیش نظر جن اقوام کو حق زمینداری و کاشتکاری تھا۔ انہیں سے آراضی کا بندوبست کیا گیا۔ وہ قومیں جن کا حق تسلیم کیا گیا یہ ہیں :۔

۱۔ گوجر (۲) راجپوت (۳) مالی یا سائنی (یہ قوم جاٹ سے تعلق رکھتے ہیں۔)
۴۔ گاڑہ (۵) تگا (۶) جاٹ (۷) اہیر (۸) جھوجہ[2] (یہ لوگ علاقہ کے قدیم باشندے ہیں۔ فیروز شاہ ثانی کے دور حکومت میں آباد ہوئے۔)

برطانوی حکومت نے بہار بنگال اور دیگر صوبوں کے بندوبست کرتے وقت اقوام زمینداران اور غیر زمینداران میں کوئی امتیاز روا نہیں رکھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کثیر اراضی ایسے لوگوں نے حاصل کر لی جو اقوام زمینداران سے نہیں تھے اور کاشتکاری کے فن سے ناواقف تھے اور محنت اور جانفشانی کی وہ اہلیت نہیں رکھتے تھے جس کی زراعت میں ضرورت ہے۔ حکومت کو اس وقت اس کا احساس ہوا۔ جب متعلقہ علاقوں میں پیداوار کم ہونے لگی اور مال گذاری کی وصولیابی میں نمایاں فرق آگیا۔ پنجاب کا علاقہ بھی زائد پیداوار فراہم کرتا تھا۔ اس لیے یہاں پر حکومت نے ایک قانون نافذ کیا جس میں وہ اقوام جو حق زمینداری رکھتی ہیں ان کی تخصیص کر دی گئی۔ اور غیر زمیندار اقوام سے زمینات لے کر زمیندار اقوام کو دے دی گئیں۔ قانون محرریہ ۱۹۰۰ بنام پنجاب الائینیشن آف لینڈ ایکٹ Punjab Alienation of Land Act - 1900. میں مندرجہ ذیل اقوام کو حق زمینداری دیا گیا۔

۱۔ عباسی (۲) انصاری (۳) اہیر (۴) ارائیں (۵) گاڑہ (۶) گوجر (۷) جاٹ

---

[1] نظام دیہی۔ ہندوستان۔ سرسید احمد خان علی گڈھ ص ۱۲ ۱۸۵۸ء

[2] Saharanpur Settlement Report 1920 by D. L. Drak Brochman Allahabad 1921, P. 14.

Marfat.com

(۸) کیموہ (۹) کانت (۱۰) قریشی (۱۱) بوبانہ (۱۲) ماگھ مالی (۱۳) مغل (۱۴) پٹھان
(۱۵) راجپوت ۔ (۱۶) روڑ (۱۷) سائنی (۱۸) سید (۱۹) تگا

Saharanpur Settlement Report 1839 by E.Thoranton, Agra 1839.

کے صفحہ نمبر ۳۴ پر مسٹر تھارنٹن کے مندرجہ ذیل احکامات سے بھی یہ واضح ہے کہ قدیم باشندے ہی زمینداری حقوق رکھتے ہیں۔

"سب سے پہلا حل طلب مسئلہ یہ ہے کہ بندوبست گاؤں والوں کے ساتھ کیا جائے یا مقرری دار - اور زمیندار کے ساتھ شواہد موجود ہیں کہ اراضی گاؤں میں رہنے والے لوگوں کو دراثتاً ملتی رہی ہے اور رسماً ان کا اس پر حق ہے اس لیئے میں کاشتکار کو ہی مالک سمجھتا ہوں۔ البتہ مقرری دار یا زمیندار کو اس کا حصہ دیا جائے گا۔"

"زمینداری اور مالکانہ حقوق تمام ضلع میں مقامی باشندوں اور کاشتکاروں کو ہی حاصل ہیں اور یہ حقیقت کلیتاً مسلمہ ہے۔"

Marfat.com

باب سوم

فصل اوّل

سہارنپور

اس خطہ میں قدیم ترین آبادی بنام " مانک مؤ " ہے۔ برطانوی حکومت قائم ہونے کے بعد آب پاشی کے نظام کو بہتر بنانے کے لیے نہر جمنا کی کھدائی اور صفائی کیپٹن کاٹلے کی نگرانی میں شروع ہوئی مذکورہ کیپٹن کو بھٹ کے قرب وجوار میں کھدائی کے وقت کچھ سکے گھریلو استعمال کے برتن اور نیم پختہ مختلف اشکال کی اینٹیں ملیں ایسی ہی اینٹیں نہر جمنا کی کھدائی کے وقت مانک موسے ملی تھیں ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال میں ان اشیاء پر تحقیق کی گئی اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ان مقامات پر یکم صدی عیسوی میں آبادی تھی جن سے ان اشیاء کا تعلق ہے[1] مانک مو میں قدیم زمانہ میں قلعہ بھی تھا جس کے نشانات مٹی کے بڑے ٹیلے کی صورت میں اب بھی نمایاں ہیں۔ یہ بات قرین قیاس ہے کہ آریوں نے اپنی آمد کے وقت اس کو آباد کیا ہو۔ کیونکہ پنجاب کو دوآبہ سے ملانے والی گذرگاہیں یہیں سے تھیں اولاً یہاں کے باشندے آریہ تھے مگر چھٹی صدی عیسوی میں کھتری۔ راجپوت اور گوجر اس پر قابض ہو گئے۔

تقریباً ساتویں صدی عیسوی میں جاٹ دوآبہ ستلج اور جمنا کے علاقہ میں داخل ہوئے اور جمنا کے مغربی کنارے پر اپنی آبادی بنام " بوربہ " قائم کرلی۔ جمنا کو عبور کرنے کا راستہ سرسادہ کے قریب تھا جس کا ذکر البیرونی نے بھی کیا ہے۔ ستلج کو سارنگ بھی کہتے تھے۔ اپنی تجارت دوآبہ سے بڑھانے کے لیے جاٹوں نے کوشش کی اور اس میں آسانی پیدا کرنے کے لیے انہوں نے ایک آبادی بنام "سارنگ پور بوڑیہ" مانک مو کے قریب قائم کرلی اس نئی آبادی کی وجہ سے مانک مو کی اہمیت کم ہوگی اور وہ صرف ایک

[1] Journal of Asiatic Society of Bengal, Vol. iii - 1834, P. 43

درعی گاؤں بن کر رہ گیا۔

آرکیولوجیکل سروے رپورٹ حصّہ دوم پر کننگھم لکھتا ہے:۔

Sarangpur is an old town on the east bank of Kalisindh river 34 miles to the south east of Augar and 80 miles in direct line to the west of Bhilsa, it is so called Sarangpur Khokra to distinguish it from Sarangpur Buriya which is more commonly known as Saharanpur."

ترجمہ: سارنگ پور ایک قدیم شہر۔ کالی سندھ دریا کے مشرق میں اوگر سے ۳۴ میل جنوب مشرق میں اور بھیلسا سے ۸۰ میل مغرب میں خط راست پر اس کو سارنگ پور کھوکرا کہتے ہیں تاکہ سارنگ بوریہ سے امتیاز قائم رہے۔ جس کو عام طور سے سہارنپور کہا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاید سہارنپور کا موجودہ نام سارنگ پور کی بگڑی ہوئی شکل ہو۔ کننگھم ہندوستان کے آثار قدیمہ کا ماہر اور اس کے رائے حتمی سمجھی جاتی ہے دیگر قدیم ماخذات سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

قصبہ جھنجانہ ضلع مظفر نگر میں بہت سے قدیم مزارات ہیں ان کے متعلق روایت ہے کہ محمود غزنوی کے پنجاب کو فتح کرنے کے بعد ایک قافلہ صوفیا اور بزرگان اسلام کا بغرض تبلیغ وارشاد اطراف شیراز اور خراسان سے ہندوستان آیا۔ ان کی غرض و غایت جنگ و جدال اور ملک گیری نہ تھی۔ بلکہ پُرامن طریقے سے لوگوں کو دین اسلام کی طرف راغب کرنا تھا۔ مگر راجہ کرنال نے ان کی مزاحمت کی اور برسر پیکار ہوا۔ اور ان بزرگوں کو مدافعانہ جنگ لڑنی پڑی۔ راجہ کرنال کو شکست ہوئی۔ راجہ کرنال جھنجھانہ کے راجہ کا رشتہ دار اور باج گذار تھا۔ مؤخر الذکر راجہ نے بھی شورش کی اور مزید جدال و قتال کے لیے آمادہ ہوا۔ ان بزرگوں نے اس سے بھی جہاد کیا۔ اور اس راجہ کو شکست دی۔ اس کا نام جھن جھن پدری پیرشاد تھا۔ اسی نسبت سے قصبہ جھنجانہ کا نام آج تک قائم ہے۔ یہ راجہ سب سے

ل Archaeological survey Report by Alexander Cunningham.

Marfat.com

زیادہ باشر تھا۔ قرب وجوار کی دیگر ریاستیں بنام بنت بڈھانہ کیرانہ وغیرہ اس کی باجگذار تھیں۔ اس کی مملکت کی حدود کے متعلق تاریخ محمودی۔ ترجمہ ڈاکٹر تنویر احمد علوی کے صفحہ ۳۲۸ پر درج ہے کہ:

"جھنجانہ اس کی حدیں سرحد حاشیہ پنجاب سے شروع ہو کر دریائے جمنا کے مشرقی کنارے پر سارنگ پور سے لے کر بڈھوت (ضلع میرٹھ) تک پھیلی ہوئی تھیں۔

مذکورہ واقعات کا تعین تقریباً ۵۵۰ھ کیا گیا ہے۔ یہ زمانہ شہاب الدین غوری کے دہلی فتح کرنے سے قبل کا ہے۔ بہرحال سارنگ پور نام کی آبادی اس زمانے میں ثابت ہے۔

تاریخ محمودی کے مطابق راجہ جھنجانہ کی شکست کے بعد اس کی وفاقی دیگر ریاستیں بھی ختم ہوگئیں ان صوفیا میں سے جو لوگ زندہ بچے انہوں نے تعلیم و تبلیغ کا سلسلہ جاری کیا اور جو لوگ شہید ہو گئے تھے ان کے مزارات بنائے۔ مگر انتظامی اعتبار سے یہ ملک غیر منظم ہو گیا اور کاشتکاری کم ہو گئی۔ لوگ جنگلوں میں چلے گئے اور یہ علاقہ غیر منظم ہو گیا۔ مترجم نے کچھ تصاویر مزارات اور اینٹوں کے جو راجہ جھنجانہ کے قلعہ میں استعمال ہوئیں۔ شامل کتاب کیا۔ یہ تصویر قدیمی نہیں بلکہ زمانہ حال کی معلوم ہوتی ہیں ان تصاویر کے بغور جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ مزارات کا بالائی حصہ ایک ہی پتھر سے تراش کر بنایا گیا۔ اینٹوں کی لمبائی ایک فٹ سے زیادہ اور چوڑائی ایک فٹ سے کم ہے جب کہ موٹائی زیادہ نہیں اس مفتوحہ علاقہ کی دوبارہ کاشت کے متعلق تحریر ہے کہ ۶۲۸ھ میں ملک محمد المعروف ملک محمد بنجارہ نے اس کو منظم کیا جس کا تعلق پنجاب سے تھا۔ اس ضمن میں مندرجہ ذیل جو راقم کے علم میں آئے قابل غور ہیں:۔

بہار نپور کے مشرق میں تقریباً سات میل کے فاصلہ پر ہنڈن ندی کے قریب مسلمانوں کے چند گاؤں آباد ہیں ان میں سے ایک گاؤں بنام پانڈولی ہے جس کے شمال مشرق میں ایک تکیہ اور چند مزارات ہیں مزارات تو تقریباً نابود سے ہو گئے ہیں

Marfat.com

ان کا نشان صرف ایک ٹیلہ باقی ہے تکیہ میں مسجد بھی تھی جو اب منہدم ہو چکی ہے مگر اس میں استعمال شدہ اینٹیں اب بھی اس مسجد کی جگہ پر پڑی ہیں یہ اینٹیں بالکل ان اینٹوں سے مشابہ ہیں جن کی تعداد یں مذکورہ کتاب میں دی گئیں ہیں جس سے اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ یہ گاؤں بھی تقریباً اسی زمانہ میں آباد ہوا۔ دیگر یہ کہ گاؤں میں ایک بہت بڑے محل کے آثار بھی ہیں جس کا صدر دروازہ اور سامنے کی دیوار کا کچھ حصہ باقی ہے۔ ایک قدیم کنواں تھا جس میں سنگ تراشیدہ کتبہ لگا ہوا تھا۔ یہ کنواں تو بند ہو گیا اور کتبہ اتنا گھس گیا کہ سوائے بسم اللہ الرحمن الرحیم کے اور کچھ پڑھنے میں نہیں آتا۔ مقامی لوگوں کی روایت کے مطابق یہ کنواں اور اس سے ملحقہ باغ اور یہ محل ایک بنجارہ نے بنوائے تھے اور یہ بنجارہ پنجاب سے آیا تھا اسی نے یہ گاؤں آباد کیا اور قرب وجوار سے مسلمانوں کو اکٹھا کر کے اس میں بسایا اس گاؤں سے کچھ فاصلہ پر ایک اور مسلمانوں کا گاؤں ہے اس کے قریب بنی میں ایک مزار ہے جس کا احاطہ تقریباً تین فٹ اونچی دیواروں پر مشتمل ہے مزار کا بالائی حصہ ایک ہی پتھر سے تراشیدہ معلوم ہوتا ہے۔

ان قرائن سے یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ ملک محمد بنجارہ نے اس علاقہ کی آبادی کی بنیاد ڈالی اور اپنی بود و باش اور تجارت کے لیے موضع پانڈولی کو منتخب کیا کیونکہ یہ گاؤں اس قدیم شاہراہ کے قریب واقع ہے جو دوابہ کو پنجاب سے ملاتی ہے اور مذکورہ بنجارے کو پنجاب سے تجارت کے لیے یہاں سے بہتر مواقع تھے کہا جاتا ہے کہ اس کی اولاد میں صرف ایک لڑکا تھا جو اس کی زندگی میں ہی انتقال کر گیا تھا۔ اس لیے اس کی نسل آگے نہ چل سکی۔

سابقہ سلاطین کی طرح سلطان محمد شاہ تغلق بھی مغلوں کے حملوں سے آگاہ تھا دوابہ پہنچنے کی شاہراہ جو سرساوہ اور سارنگ پور سے گزرتی تھی انتہائی اہمیت کی حامل تھی۔ اس لیے سلطان محمد شاہ تغلق نے سارنگ پور سے قریب ندی پاؤں دھوئی کے مغربی کنارے پر ایک فوجی چھاؤنی مغلوں کے ممکنہ حملوں کے تدارک کے لیے بنائی اور کثیر فوج کو وہاں پر رکھا اس کی فوج میں ہندو کھتری اور مسلمان شامل تھے دونوں نے اپنے محلے

Marfat.com

الگ الگ کر لیے۔ اور درمیان میں بازار قائم ہوا جو سپید بازار کے نام سے مشہور ہوا۔ اس چھاونی کا نام مذکورہ سلطان محمد شاہ تغلق نے سہانپور رکھا۔ تاریخ سہارنپور کے مؤلف منشی نند کشور[1] نے مندرجہ ذیل روایت صفحہ ۱۶ پر لکھی ہے۔

"یہ شہر بعہد سلطنت سلطان محمد عادل شاہ بن غیاث الدین تغلق شاہ ۷۲۶ھ مطابق ۱۳۶۲ء میں شاہ ہارون چشتی درویش ساکن موضع مانک مو نے آباد کر کے شاہ ہارون پور نام رکھا کہ آپ کثرت استعمال سے سہارنپور مشہور ہوا تاریخ اس آبادی کی "شہر پر زیب" ہے۔"

اس روایت میں شاہ ہارون چشتی درویش سے اس کی آبادی منسوب کی گئی جو بظاہر غلط معلوم ہوتی ہے کیونکہ ہندوستان میں مجموعی طور سے کوئی آبادی بھی کسی درویش کی قائم کردہ نہیں اور نہ ہی بزرگان اسلام نے اپنے نام و نمود کی شہرت کے لیے کوئی ایسے اقدام کیے۔ دوسرے اگر شاہ ہارون چشتی سلسلہ کے اتنے بڑے بزرگ ہوتے تو ان کا تذکرہ کہیں اور بھی ضرور ملتا ہے مگر چشتیہ بزرگوں کے تذکرہ میں یہ نام کہیں بھی نہیں ملتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ منشی نند کشور مذکور نے یہ روایت بلا تحقیق نقل کر دی سن ہجری اور سن عیسوی میں بھی مطابقت نہیں اور بہت بڑا فرق ہے۔

یہی روایت کچھ ترمیم کے ساتھ ڈسٹرکٹ گزٹیر مطبوعہ ۱۹۰۹ میں اس طرح درج ہے:۔

"P 320, The foundation of Saharanpur is traditionally assigned to a saint named Shah Haran Chishti whose tomb still attracts a considerable number of Musalmans Pilgrims. He flourished during the reign of Mohammad Bin Tughlaq and shortly afterwards the place rose to some importance as one of the Musalman Garrison located in the north to protect the Doabs from the Mughal incursions."

---

[1] منشی نند کشور مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی کا شاگرد تھا۔

Marfat.com

ترجمہ :۔ "روایتاً سہارن پور کی بنا و ایک بزرگ بنام شاہ ہرن چشتی سے منسوب کی جاتی ہے جن کا مقبرہ آج بھی عام مسلمانوں کی زیارت گاہ ہے۔
یہ محمد بن تغلق کے زمانے سے متعلق ہے۔ اس آبادی کی اہمیت اس وقت زیادہ ہوئی جب اس کے شمال میں مغلوں کے حملوں سے دوآبہ کو محفوظ رکھنے کے لیے ایک فوجی چھاؤنی قائم کی گئی"۔

شاہ ہارون پور کا کثرت استعمال سے سہارنپور ہو جانا بھی کوئی زیادہ وزن نہیں، رکھتا کیونکہ قدیم کتب بشمول آئین اکبری میں سہارنپور ہی لکھا گیا اور کسی حوالہ میں شاہ ہارون پور نہیں ملتا ۔ اصل میں یہ روایت اس زمانے کی ہے جب عام مسلمانوں میں ذات اور نسل کے امتیازات سرایت کر چکے تھے اور کسی صاحب مقبرہ بزرگ کو ہندی النسل نہیں تسلیم کرتے تھے دوسرے سارنگ پور پور یہ اور سہارنپور میں کوئی فرق نہیں کیا گیا اور اس روایت کے نقل کرتے وقت دونوں آبادیاں مل گئی تھیں۔

ایک روایت یہ بھی سہارنپور کے لوگوں میں مشہور ہے کہ سید مخدوم محمد اسحاق مشہور بشاہ ولایت متوفی ۷۸۰ھ ۔شاہ ہارون کے داماد تھے اوّل تو اس روایت کی تصدیق کسی ماخذ سے نہیں ہوتی تاریخ سہارنپور میں بھی اس کا ذکر نہیں دوم یہ کہ ان کی وفات کا سال شہر کی سن تعمیر سے بھی ۴۶ سال پہلے کا ہے۔ اس لیے اس روایت میں نہ صرف ضعف ہے بلکہ قرین قیاس میں بھی نہیں ۔ ۷۸۰ھ میں تو اس نام کا شہر ہی موجود نہ تھا۔ اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ شاہ ہارون نے اس شہر کو ۷۲۶ھ میں آباد کیا۔ پھر بھی مذکورہ شاہ ولایت کا ان کا داماد ہونا ممکن نہیں کیونکہ عمر میں بہت بڑا تفاوت ہے۔

سہارن چشتی جو کہ فیروز شاہ تغلق کی بیوی کا بھائی تھا ۔ ۷۹۰ھ فیروز شاہ کے انتقال کے وقت زندہ تھا ۔ اسی کی کوششوں سے اس کی بہن کا پوتا یعنی غیاث الدین تغلق شاہ بن فتح خان بن فیروز شاہ تخت نشین ہوا۔ بابر اور ہمایوں دونوں ہی حضرت عبدالقدوس گنگوہی کے معتقدین میں سے تھے۔ بابر نے ایک مسجد سہارن پور میں شیخ عبدالستار جو حضرت گنگوہی کے خلفاء میں سے تھے کے لیے بنوا کر دو گاؤں وقف کر دیے تھے یہ

Marfat.com

مسجد بنام "بوعلی مسجد" اب بھی موجود ہے۔ مذکورہ شیخ عبدالستار کا مزار بھی اسی اطراف میں ہے۔ شیخ کے انتقال کے بعد مسجد ویران ہوگئی تھی۔ شاہجہان کے زمانے میں ان کے ورثا میں سے شیخ عبدالسبحان صحبی نے اس مسجد میں فقرا کے ساتھ قیام کیا یہ مسجد دوبارہ غضنفر خان فوجدار نے بنوائی۔ شیخ عبدالسبحان کا انتقال ۱۰۸۹ھ اورنگ زیب کے زمانہ میں ہوا۔ یہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ شاہ ولایت، شیخ عبدالستار کی ہی عرفیت ہو۔

منشی نند کشور نے بھی یہ لکھا ہے کہ اس شہر کا سن تعمیر "شہر پر زیب" سے نکلتا ہے اول تو قاعدہ ابجد میں لفظ "پ" نہیں ہے اگر اس کو لفظ "ب" سے بدل کر عدد نکالے جائیں تو ۷۲۶ کا عدد نکلتا ہے جب کہ محمد شاہ تغلق کی تخت نشینی ربیع الاول ۷۲۵ھ میں واقع ہوئی۔

سر وولسلی ہیگ (Sir Wolseley Haig) نے اپنے تحقیقی مضمون مطبوعہ ۱۹۲۲ Journal of Royal Asiatic Society, 1922. صفحہ ۳۱۹ تا ۳۲۷ پر محمد شاہ تغلق کے حالات ہر سال کے اعتبار سے لکھے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:۔

۷۲۶ھ۔ مملکت میں زمینات کی پیمائش اور ان کا سرکاری کھاتہ میں اندراج۔ لگان کا تعین۔

۷۲۷ھ۔ دارالسلطنت کی دہلی سے دولت آباد منتقلی۔

۷۲۸ھ۔ دولت آباد سے واپس دارالسلطنت کا دہلی لے کر آنا۔

۷۲۹ھ۔ دہلی اور دوآب کے علاقہ میں شورش اور اس کا رفع کرنا۔ مقام برن پر قیام۔

۷۳۰ھ تا ۷۳۳ھ۔ دوآب کے علاقے کے کاشتکاروں پر لگان کا بڑھانا اور وصولی کے لیے سختی کرنا۔ علاقہ دوآب میں قحط پر قابو پانا۔ برن۔ قنوج وملاؤ پر ذاتی توجہ دینا۔

۷۳۴ تا ۷۳۵ھ۔ دہلی میں قیام امور سلطنت کی طرف خاص توجہ۔ ابن بطوطہ کا آنا اور قاضی القضاۃ مقرر ہونا۔

۷۳۶ھ۔ سید ابراہیم کی بغاوت اور اس کو رفع کرنا۔ سید ابراہیم کا قتل۔

Marfat.com

۷۳۷ھ ۷۳۸ھ ۷۳۹ھ ۔ زراعت کی طرف توجہ دینا۔ آب پاشی کے لیے تالاب بنوانا۔ چرس کے ذریعہ آب پاشی کرانا کاشتکاروں کو قرض دینا اور شہر "سرگ دواری" کی بنیاد رکھنا۔ وہاں امراء اور رؤساء کے محل تعمیر کروانا اور بنگالہ کا سفر۔

۷۴۰ھ ۔ عین الملک گورنر اودھ کی بغاوت اور اس کو رفع کرنا۔

۷۴۱ تا ۷۴۲ھ ۔ دہلی میں قیام۔ عین الملک کی بغاوت کی تاثیر کو ختم کرنا۔

۷۴۳ھ تا ۷۴۸ھ ۔ شہر دہلی میں قحط۔ دوآب میں شورش۔ ارکان سلطنت اور افواج کو لے کر گنگا کے مشرق میں قیام۔ قحط زدہ لوگوں کی اعانت زرعی پیداوار بڑھانے پر خاص توجہ۔

ولی عہد شاہزادہ فیروز تغلق نے سہارن کی بہن سے ۷۴۹ھ میں نکاح کر لیا[۵۱] ۷۵۰ھ میں سلطان نے ماہ رمضان سلطان پور میں گزارا جو نواح سہارنپور میں ہے[۵۲] سلطان بہلول لودھی نے بعد کے ایام میں اس میں قلعہ تعمیر کرایا تھا۔ اسی زمانہ میں اس کو یہ علاقہ تفصیل سے دیکھنے کا موقع ملا اور علاقہ میں چھاؤنی قائم کرنے کا ارادہ کیا۔ ان حالات میں سہارنپور کا سن تعمیر ۷۵۰ھ کے لگ بھگ ہونا چاہیئے۔

اکبر شاہ خان نجیب آبادی نے اپنی کتاب موسومہ "آئینہ حقیقت نما" کے صفحہ ۵۵۰ پر مشہور تاریخ مرآۃ سکندری کے حوالہ سے ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ فیروز تغلق سلطان محمد تغلق کے زمانے میں شکار کو گیا اور کسی شکار کے پیچھے گھوڑا ڈال کر اپنے ساتھیوں سے الگ ہو گیا اور ناگہاں ایک گاؤں میں چلا گیا جس کے سردار اور ذی عزت دو بھائی بنام سہارن اور سادھو تھے۔ انہوں نے قیاس سے پہچان لیا کہ یہ کوئی شہزادہ ہے اور اپنے گاؤں میں مہمان رکھنے کے ملتجی ہوئے۔ اور مرآۃ سکندری کے یہ الفاظ درج ہیں۔

---

۵۱ آئینہ حقیقت نما صفحہ ۵۴۳۔

۵۲ Rise and Fall of Mohammad Bin Tughlaq by Agha Mehdi Hasan, P.182

Marfat.com

"ہر دو برادران زمین خدمت بوسیدہ استدعا نمودند کہ امشب کلبہ مارا بتجور مقدم خویش منور سازند۔"

ترجمہ: "ہر دو نے درخواست کی آج شب ہمارے مسکن کو اپنے پرنور قدم سے منور فرمائیں۔"

فیروز شاہ نے یہ درخواست قبول کی اور رات ان کی مہمانداری میں گزاری جب ان دونوں بھائیوں کو یقین ہو گیا کہ فیروز، بادشاہ وقت کا بھتیجا اور ولی عہد ہے تو انہوں نے اپنی بہن کو جو انتہائی حسین و جمیل تھی۔ اس کے نکاح میں دے دیا جس کو لے کر اگلے دن وہ دہلی کے لیے روانہ ہو گیا۔ بہارن برضا و رغبت حضرت قطب الدین چشتی ہانسوی کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا تھا اور ان سے ہی بیعت کر کے تزکیہ نفس میں لگ گیا مرآۃ سکندری کے حوالے سے مذکورہ اکبر شاہ خان نجیب آبادی نے یہ عبارت نقل کی ہے:۔

"اول کسیکہ از ایشان بشرف اسلام مشرف شد و بہ صفت ایمان موصوف گشت بہار نبردہ المخاطب بہ وجیہہ الملک۔ مشارٌ الیہ از قوم مانک است و در تاریخ ہنود مسطور است کہ مانک و کھتری برادران یک دیگر اند"

ترجمہ: "ان میں سے سب سے پہلے جو شخص دائرہ اسلام میں داخل اور صفت ایمان سے متصف ہوا وہ بہارن تھا جس کا خطاب وجیہہ الملک ہے۔ یہ شخص قوم مانک سے تھا اور ہندوؤں کی کتابوں میں لکھا ہے کہ مانک اور کھتری ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔"

قوم مانک کا مورث اعلیٰ بنام مانک راؤ پرتھوی راج کا چچازاد بھائی تھا اس مانک کا دوسرا سگا بھائی بھی مسلمان ہو گیا تھا جس کا نام قائم خان رکھا گیا تھا۔ اسی کی اولاد سے قائم خانی راجپوت۔ بے پور اور اس کے گردونواح میں بکثرت ہیں اور مغربی ہندوستان میں بھی سکونت رکھتے ہیں اسی کے ایک بھائی بنام دولا راؤ نے ہردوار کے گردونواح میں اپنی ریاست قائم کر لی تھی اور اس کی اولاد پرگنہ جوالا پور کے گردونواح میں اب بھی موجود ہے کچھ ان میں سے مسلمان ہو گئے مگر راؤ کہلاتے ہیں۔ مانک راؤ پانچ بھائی تھے باقی دو کی اولاد نے

Marfat.com

اپنے آپ کو کسی مورث اعلیٰ کی طرف منسوب نہیں کیا کچھ ان میں سے کھتری اور کچھ راجپوت چوہان ہی کہلاتے ہیں انہیں میں سے کچھ لوگ جمنا کے مغرب میں جاکر آباد ہو گئے فنون جنگ سے مہارت اور لگاؤ ان کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ انہیں میں سے قوم ہے جو جمنا کے مغرب میں موجودہ ضلع حصار اور رہتک وغیرہ میں سکونت رکھتی تھی جمنا کے مشرق میں بھی یہ لوگ خاصی تعداد میں پائے جاتے ہیں ان کا شجرہ یہ ہے:

سارنگ دیو
گنگ داس
جے سنگھ
بھکم جی

کرن جی — سومیشور

(کرن جی) قائم خان — مانک راو — بیپل منجی — گوتم جی — دولاراؤ

(سومیشور) پرتھی راج

مانک مو: سہارن اور قوم مانک کے مذکورہ پس منظر سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ موضع مانک مو کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں قوم مانک رہتی تھی کیونکہ مؤ لفظ جس کا تعلق سنسکرت سے ہے کے معنی "جگہ" کے ہیں۔ اور یہ کہ سہارن نے اسلام قبول کرنے اور اپنے شیخ کے دست کمال پر تربیت حاصل کرنے کے بعد مانک مؤ میں ہی رہائش رکھی جب محمد شاہ تغلق نے فوجی چھاونی قائم کرنا چاہی تو اسی کی نظر انتخاب سہارن پر پڑی جس کا تعلق ایسی قوم سے تھا جو فنون جنگ سے واقف تھی اور اس شخص نے اپنے مرشد سے کمال صحبت کی بنا پر اسلام کے ارکان سے نہ صرف آگاہی حاصل کی تھی بلکہ خود بھی انتہائی پرہیزگاری اور مستعدی سے ان پر عامل تھا۔ بادشاہ مذکور نے اس کو وجیہہ الملک کا خطاب دے کر افواج کا سپہ سالار مقرر کیا اور انہیں کے نام کی نسبت سے اس چھاؤنی کا

Marfat.com

نام بہارن پور رکھ دیا۔ اسی بہارن کا لڑکا بنام ظفر علی خان گجرات کا پہلا خود مختار حاکم ہوا۔

مذکورہ بہارن کا مزار کھتری محلہ میں ہی واقع ہے اس کے اوپر کوئی قبہ یا چھت بھی نہیں مزار کے اوپر کا حصہ سنگ تراشیدہ معلوم ہوتا ہے جو نہایت ہی سادہ ہے ساتھ ہی ایک اور مزار واقع ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کے مربد کا ہے جو ان کی خدمت گذاری بھی کرتا تھا۔ اس مزار کے مجاور بھی کھتری ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ روز اوّل سے ہی مجاورت ان کے پاس ہے اور گزشتہ تین صد سال کے شواہد ان کے قبضہ میں ہیں جو اس بات کا ثبوت ہے کہ مجاورت ان کا حق ہے۔ مسلمانوں نے ان سے مجاورت لینے کے لیے دعویٰ کیا مگر عدالت نے ماضی کے شواہد کی بنا پر کھتریوں کے حق میں فیصلہ دے دیا کھتری محلہ کے بالکل سامنے مسلمانوں کا محلہ ہے جو اس چھاؤنی کے مسلمان کماندار اور سپاہیوں کی قیام گاہ تھا۔ یہ محلہ چھوٹے والان کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مسلمان فوجی پہلے عام طور سے گاڑے کہلاتے تھے اس کی غالباً وجہ یہ ہے کہ جب چھاؤنی ختم ہوئی تو ان لوگوں نے کاشتکاری شروع کر دی۔ چونکہ اطراف واکناف کے کاشتکار بھی گاڑے کہلاتے تھے مگر جب ان لوگوں نے کاشتکاری کا پیشہ چھوڑ کر دیگر پیشے اپنا لیے تو ان کو گاڑہ بھی کہنا بند کر دیا گیا۔

ان کھتریوں اور مسلمان فوجیوں نے اطراف بہارنپور میں زمین حاصل کر کے کاشتکاری کا پیشہ اختیار کیا۔ بعض مقامات پر گروہ کی شکل میں بھی آباد ہو گئے اور اپنے گاؤں بسائے ان مسلمانوں میں چونکہ باہر سے آنے والے بھی شامل تھے اس لیے انھوں نے اپنی شناخت کے لیے یا تو اپنی قدیم جائے سکونت یا نسلی اعتبار سے اپنی ذات کا نام بھی گاؤں کے نام کے ساتھ اضافہ کے طور سے لگا لیا۔ جیسے گاؤں "دودھلی بنجارا" اس گاؤں کو آباد کرنے والے بنجارا سے اپنا تعلق ظاہر کرتے تھے اور مغل زرعہ جس کو آباد کرنے والے مغل تھے تغلق پور یہ نکھنوتی جس کو آج کل صرف نکھنوتی کہتے ہیں مگر آئین اکبری میں تغلق پور نکھنوتی لکھا ہے جس کو ان ترکوں نے آباد کیا جو اپنے آپ کو تغلق کہلاتے تھے۔ سلیم پور کارہ پرگنہ بہارنپور جس کو ان ترکوں نے آباد کیا جو اپنے آپ کو ترکان کارہ کہلاتے تھے۔

Marfat.com

وغیرہ یہ صرف چند مثالیں ہیں۔

یہ علاقہ بشمول سہارنپور کوہ سوالک تک ناصرالدین محمود کے ہاتھوں مفتوح ہوا۔ مگر اس کی آبادی اور زراعت کو فروغ کے اقدامات سلطان محمد شاہ تغلق نے کیے اسی کے زمانہ میں آب پاشی بذریعہ "چرس" ایجاد ہوئی۔ گاؤں کے اطراف میں بڑے بڑے تالاب جن کو جوہڑ کہا جاتا ہے بنائے گئے۔ اسی سلطان نے سہارنپور کے شمال میں کوہ سوالک تک راجپوت پنڈیروں کو آباد کیا[۵] جنہوں نے بعد میں ایک منظم ریاست قائم کرلی جس کو جمہور کہا جاتا تھا اور یوں سلطان مذکور نے فوجی چھاؤنی قائم کرکے اور اطراف میں جنگجو راجپوتوں کو آباد کرکے مغلوں کی یلغار کا معقول سدِباب کیا اور اس کے بعد مغلوں کے حملے بند ہوگئے۔

اس شہر میں مسلمانوں کی کثرت فوجی چھاؤنی قائم ہونے اور مذکورہ سہارن چشتی کے تبلیغ اسلام کی وجہ سے ہے۔ اطراف واکناف میں ایسے مسلمانوں کی کثرت ہے جن کا تعلق قدیم راجپوت خاندانوں سے ہے۔ ندی پاؤں دھوئی کے کنارے ایک مسجد اور حمام شاہجہاں نے تیار کرائے مسجد تو اس وقت منہدم ہوگئی۔ جب انگریزوں نے ندی کو سیدھا کیا البتہ حمام کے آثار اس وقت بھی موجود ہیں اسی بادشاہ کے زمانہ میں ایک جامع مسجد اور ایک مسجد محلہ انصاریاں میں بنائی گئی۔ ۱۸۶۰ء کے عشرہ میں ایک وسیع اور عریض جامع مسجد باہتمام مولوی عبدالرب دہلوی تعمیر ہوئی جو اطراف واکناف سے چندہ جمع کرکے لاتے اور اس کی تعمیر میں لگاتے یہی مسجد آج تک شہر کی سب سے بڑی مسجد ہے اس کے اطراف میں دکانیں ہیں جس کا کرایہ مسجد کو ملتا ہے۔ احمد شاہ ابدالی نے جب مرہٹوں کی یلغار روکنے کے لیے دہلی پر حملہ کیا تو نجیب الدولہ نے اس کی مدد کی جس کے صلہ میں اس نے علاقہ دوآبہ اس کی جاگیر میں دے دیا۔

اس کے لڑکے نواب ضابطہ خان کے دور میں ایک بڑا وسیع وعریض باغ لگوایا گیا جس کو آج کل کمپنی باغ کہتے ہیں۔ اور اس کے لڑکے نواب قادر خان نے ایک قلعہ بنام احمد گڑھ بنوایا جس کو انگریزوں نے اپنے دور حکومت میں جیل کے طور سے استعمال کیا۔

---

[۵] ۔۔ آئینہ حقیقت نما صفحہ ۔ ۱۴۱

Marfat.com

انگریزوں نے اپنے دور حکومت میں پرانا نظام تبدیل کر کے اس کو ضلع کے صدر دفتر کا درجہ دیا۔ ابتداء میں دہرہ دون اور مظفر نگر اسی ضلع میں شامل تھے مگر بعد میں ان دونوں کو ضلع کا درجہ دے کر الگ کر دیا گیا۔ اسکول کچہری کی عمارات اور کلکٹر اور دیگر حکام کے بنگلے تیار ہوئے ۱۸۶۵ء کی مردم شماری کے مطابق اس شہر کی آبادی ۴۴۱۱۹ تھی جب کہ دس سال قبل ۱۸۴۷ء ۳۳۲۹۴ اور ۱۹۰۱ء میں ۶۶۲۵۴ تھی۔

انگریزوں کی آمد کے وقت یہ علاقہ بہت خوش حال تھا مغل سلاطین کی حکومت کی کمزوری کی وجہ سے یہاں کی معیشت پر کوئی برے اثرات نہیں پڑے یہی حال مرہٹوں کے اقتدار کے وقت تھا البتہ سکھوں کے چند حملے اس علاقہ پر ہوتے جو لوٹ مار کر کے واپس چلے گئے۔ زرعی پیداوار بشمول کپاس گنا پھل وغیرہ بکثرت تھی اور تجارت ضلعی صدر مقام سے بہت وسعت پذیر تھی اس کے علاوہ تجارت صنعت اور حرفت بھی کافی تھی جس کا اظہار انگریز حکام نے رپورٹ بندوبست ۱۸۹۱ء میں ان الفاظ میں کیا ہے۔

> "P 29, A pair of doors carved at Saharanpur was awarded gold medal at Calcutta Exhibition and now I believe are to be found at the Institute at Oxford. Much of the Saharanpur cloth is of good quality, some of the fabrics are well suited for European use, coarse cloth manufactured at Deoband and Gangoh, cloth dying and printing at Bhagwanpur, cane chair and iron umbrella at Behat wood and leather work at Manglour, country saddle and glass at Rampur."

ترجمہ: دروازے کی جوڑی نے جس پر نقش و نگار سہارنپور میں بنائے گئے کلکتہ کی نمائش میں سونے کا تمغہ حاصل کیا یہ دروازہ آج کل میرے اندازہ کے مطابق آکسفورڈ کی کسی درس گاہ میں لگا ہوا ہے۔ سہارنپور میں عمدہ قسم کا کپڑا تیار ہوتا ہے اس میں سے بعض تو اتنا نفیس ہے جس کو یورپین بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ معمولی کپڑا دیوبند اور گنگوہ میں تیار ہوتا ہے کپڑے کی رنگائی اور چھپائی بھگوان پور میں ہوتی ہے۔ بید کی کرسی اور لوہے کی چھتری بہٹ میں بنتی ہے جب کہ دیسی نمدہ اور شیشہ رامپور میں بنایا جاتا ہے۔ لکڑی اور

Marfat.com

چمڑے کی مصنوعات منگلور میں بنائی جاتی ہیں۔

شہر میں قدیم زمانے کی مساجد کثرت سے ہیں مگر نواب نجف خاں جب وزیر دہلی ہوئے تو انہوں نے شیعت کی تبلیغ بہت زور شور سے کی لوگوں کو جاگیر وغیرہ کے لالچ دیے معلوم ہوتا ہے اسی زمانہ میں اس شہر کے کچھ مسلمانوں نے شیعہ مذہب اختیار کیا۔ کیونکہ سب سے پہلے امام بارہ ۱۲۲۸ھ میں سید اصغر علی رئیس سہارنپور نے کھالہ پار میں بنوایا اس کے بعد پنچائتی امام بارہ محلہ انصاریاں میں بنا اور پھر حکیم مظفر حسن نے محلہ سامانیان میں بنوایا۔

زمانہ قدیم میں سہارنپور انتظامی لحاظ سے پانچ دروں پر منقسم تھا یعنی درہ شیو پوری جہاں پرشیوداس نے منڈی بنوائی تھی درہ راجپورہ راج بی بی زوجہ سید بزرگ کے نام سے مشہور ہے درہ ملکانہ۔ ملک علی کے نام سے وابستہ ہے درہ کوٹ تلہ۔ اس کے قدیم باشندے سلمان کلال ہیں اور درہ آبی ہر درہ کا انتظام لمبردار کے ذمہ تھا اور پانچوں لمبردار ہشنگل بھائی چارہ اس میں شامل تھے۔ ان کا تعلق قدیم خاندان قرونہ سے تھا اور اپنے آپ کو قصبہ کا مالک ہونے کے دعوے دار تھے مگر عدم ثبوت کی بنا پر ان کا دعویٰ تسلیم نہیں کیا گیا۔[۱]

۱۸۶۸ء میں میونسپل کمیٹی قائم ہوئی جس کے ارکان مندرجہ ذیل تھے لالہ شکچند لالہ جمنا داس۔ لالہ بھگوان داس شیخ کاظم علی حبیب حسن پسر مہدی بخش۔ حکیم عمادالدین اور شیخ محمد یوسف۔

اورنگزیب کے زمانہ میں شیخ بقا مصنف مراۃ عالم سہارنپور کا صوبے دار ہوا۔ محلہ بقاپورہ اسی کا آباد کیا ہوا ہے۔

---

[۱] تاریخ سہارنپور صفحہ ۱۷۔ اور ۱۲۷

Marfat.com

سہارن پور میں دوسرا قابل ذکر خاندان پٹھانوں میں بھڑائچ شاخ کا ہوا انگریزوں کی آمد کے وقت اس خاندان کا سربراہ شائستہ خان تھا اور قلعہ سہارنپور اس کے پاس تھا مگر انگریز کلکٹر نے ضبط کر لیا اور معمولی وظیفہ مبلغ ۵۶۵ روپے مقرر کر دیا۔ شائستہ خان اپیل کرنے کے لیے لندن گیا مگر کامیابی نہ ہوئی اور مقروض ہو گیا اس کے انتقال کے وقت اس لڑکا نابالغ تھا جس نام عادل خان تھا جس کی سرپرستی نعیم خان کیلاشپور والوں نے کی۔ عادل خان کی والدہ سردار ولی محمد خان کی پوتی تھی جو امیر افغانستان کا چچا تھا[1] اس خاندان کی مزید تفصیل درج ذیل ہے:۔

بھڑائچ خاندان کی تفصیل:

افغانستان میں ایک شخص بنام بھڑائچ اپنے قبیلہ کا سردار تھا اس سے جو نسل چلی اس کو بھڑائچ کہتے ہیں۔ اس نسل میں سے ایک شخص بنام بھوسی افغان۔ افغانستان کے ایک قصبہ بنام سرادق کا رئیس تھا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا نعمت خان اور اس کا پوتہ قلندر خان یکے بعد دیگرے اس کے جانشین ہوئے۔

سلطنت مغلیہ کے زوال کے ایام میں نہ صرف شاہی خزانہ خالی تھا بلکہ قحط الرجال بھی تھا بہادر اور شجاع لوگ کمیاب تھے، باہر سے آنے والے مردان شجاع کی قدر تھی۔ محمد شاہ بادشاہ دہلی کے زمانہ میں قلندر کا لڑکا سلطان خان بمعہ اپنے خاندان دوستوں متوسلوں اور بھائی بندوں کے ساتھ ہندوستان آیا۔ دوران سفر پٹیالہ کے سکھ زمیندار سے مقابلہ ہو گیا۔ جس میں سلطان خان کی فتح ہوئی۔ رئیس پٹیالہ کا کچھ علاقہ اپنی جاگیر بنا کر دہیں آباد ہو گیا۔ ایک گاؤں بنام بھڑی خان آباد کر کے اسی میں سکونت اختیار کر لی (یہ گاؤں اب بھی آباد ہے) اس کا لڑکا بنام مصطفیٰ خان اپنے بھائی بندوں کا ایک لشکر جمع کر کے نواب علی وردی خان ناظم بنگالہ کا رسالدار ہو گیا۔ نواب علی وردی خان کا

---

[1] گزٹیر صفحہ ۲۴۰۔

Marfat.com

بھتیجا مہابت خان بہار کا صوبیدار تھا مصطفیٰ خان نے مہابت خان کی معاونت میں بڑے کارنامے سرانجام دیے جس کی وجہ سے اس کی قدر و منزلت بادشاہ دہلی کے دربار میں بہت بڑھ گئی۔ اور محمد شاہ نے نواب مصطفیٰ خان بہادر ہزبر جنگ کا خطاب دیا اس کامیابی پر اس کو حرص دامن گیر ہوئی اور اپنے لیے ایک جدّی ریاست بنانے کا خواب دیکھنے لگا۔ نواب علی وردی خان سے مطالبہ کیا کہ بہار کی نظامت اس کو دی جائے نواب مذکور نے خاموشی اختیار کر لی ۱۱۵۸ھ مطابق ۱۷۴۵ء کو مرشد آباد کی چھاؤنی کو آگ لگا کر اپنا لشکر لے کر عازم بہار ہوا تاکہ اس پر قبضہ کرے علی وردی خاں نے اس کے تعاقب میں مہابت خان کو روانہ کیا۔ دوران جنگ اس کا بڑا بھائی عبدالرسول خان مارا گیا اور عظیم آباد کی جنگ میں اس کو شکست ہوئی اور مارا گیا۔ اس کا لڑکا مرتضیٰ خان باقی ماندہ فوج لے کر نواب شجاع الدولہ کا ملازم ہو گیا نواب آصف الدولہ نے اس کی قدر نہ کی تو وہ دہلی چلا گیا اور مرزا نجف خان کے وسیلہ سے بادشاہ کا ملازم ہو گیا۔ نارنول، کلانور، رہتک حصار اس کو جاگیر میں ملے اور یہیں پر اس کا انتقال ہوا۔ اکبر آباد میں شاہ سلیم چشتی کی خانقاہ میں دفن ہوا۔ اس کے بیٹے اسماعیل خان۔ نجابت خان۔ بہادر خان اور بھائی غازی خان بدستور ملازم شاہی رہے مادھوراؤ سندھیہ سے خوش حال گڑھ کی جنگ میں غازی خان مارا گیا۔ شاہ عالم نے نجابت علی خان کو اسدالدولہ ممتاز الملک نواب نجابت علی خان بہادر ہزبر جنگ کا خطاب دیا۔ مرہٹوں کے زمانہ میں بھی اس کی قدر و منزلت باقی رہی۔ میرٹھ میں جاگیر پائی اور سہارنپور کا قلعہ احمد گڑھ رہائش کے لیے ملا۔ ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک سپہ سالار افواج برطانیہ کی مدد کی اس نے پرگنہ جھجر۔ دادری اور بہادر گڑھ اس کو جاگیر میں دیے۔ نجابت خان جھجر میں مسند نشین ہوا جب کہ اس کا چچا احمد خان سہارنپور کے قلعہ میں سکونت پذیر رہا اور ۱۶۲ آدمی سرکار برطانیہ کی فوج میں دینے منظور کیے۔ احمد خان کے بعد اس کا لڑکا شائستہ خان اسی قلعہ میں رہا۔ جھجر میں عبدالرحمٰن خان ولد نجابت خان مسند نشین ہوا۔ ۱۸۵۷ء کی جدوجہد میں کھل کر انگریزوں کی مخالفت کی۔ بالآخر جھجر کی جاگیر ضبط ہوئی اور عبدالرحمٰن خان کو پھانسی دے دی گئی۔

Marfat.com

جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے بابر نے مسجد بنام بوعلی بنوا کر شیخ عبدالستار کو اس کا خطیب مقرر کیا اور چند گاؤں مسجد کے لیے وقف کر دیے۔ کچھ عرصہ بعد شیخ عبدالستار انتقال کر گئے شاہجہان کے زمانہ میں ان کے وارثوں میں سے شیخ عبدالسبحان بمعہ چند صوفیا اور مریدین کے آئے اور یہاں قیام کیا ان کا انتقال ۱۰۸۹ھ میں ہوا۔ ان کے دو بھائی شیخ خلیل اور شیخ واحد ان کے جانشین ہوئے ان کی اولاد موجود ہے اور شیخ کہلاتے ہیں۔

شیخ محسن شہر کے رؤسا میں سے تھے ان کا لڑکا بڑا عالم فاضل تھا جس کا نام شیخ کبیر تھا۔ اورنگزیب کے زمانہ میں یہ قاضی شہر مقرر ہوا۔ محلہ محسناں اسی شیخ محسن کا آباد کیا ہوا ہے محمد شاہ بادشاہ کے زمانہ میں فضل علی خان قاضی شہر مقرر ہوئے اور ان کی اولاد یکے بعد دیگرے قاضی مقرر ہوتی رہی۔ ۱۸۶۰ء کے عشرہ میں قاضی فضل الرحمٰن شہر قاضی تھے۔

شہر کے ایک درے میں قوم کلال آباد تھی عہد غلامان اور خلجیہ میں ان میں سے اکثر مسلمان ہو گئے تھے۔ چونکہ کلالوں کا آبائی پیشہ شراب فروشی تھا اس لیے ہندوان کو ادنیٰ درجہ دیتے تھے مگر مسلمانوں میں اس وقت اس قسم کی ذہنیت نہ تھی وہ تو دین اسلام میں داخل سب کو برابر کا درجہ دیتے تھے اور فوقیت صرف علم و تقویٰ کو تھی۔ قوم کلال میں سے ایک شخص بڑا عالم فاضل اور متقی تھا جس کا نام عزیزالدین تھا۔ محمد شاہ تغلق نے اس کے علم و کمالات کی وجہ سے جب مجدالملک تھانیسری کو دولت آباد کا وائسرائے مقرر کیا تو اس عزیزالدین کو عزیزالملک کا خطاب دے کر اس کے تحت صوبے دار مقرر کیا[۵۷] اس قوم میں اور بھی ذی علم لوگ ہوئے ہیں۔

ایک محلہ انصاریاں ہے یہاں کے انصاری بھی بڑے عالم فاضل ہوئے مگر ان میں سے کچھ لوگ حرص دنیا کی وجہ سے نواب نجف خان کے زمانے میں شیعہ ہو گئے تھے۔ نواب مذکور نے ایسے لوگوں کو بہت نوازا۔ اور ان میں سے رؤسا شہر بھی ہوئے ہیں جو لوگ شیعہ ہو گئے تھے وہ اپنے آپ سید کہلاتے ہیں۔

---

۵۷ آئینہ حقیقت نما صہ ۵۱۵۔

Marfat.com

محلہ مطربان۔ اس میں میراثی رہتے تھے۔ ان میں سے بہت سے لوگوں نے فن موسیقی میں کمال حاصل کیا اور مشہور ہوئے۔

حافظ فضل حق جنہوں نے اپنی حویلی مدرسہ مظاہر العلوم کے لیے وقف کر دی تھی محلہ چھوٹے والان کے رؤسا میں سے تھے۔

دیوبند دارالعلوم کے قیام کے چھ مہینے بعد سہارنپور میں بھی ایک ایسا ہی مدرسہ بنام مظاہر العلوم قائم ہوا جس کے سب سے پہلے سرپرست مشہور محدث مولانا احمد علی سہارن پوری تھے۔ یہ مدرسہ رجب ۱۲۸۳ھ بمطابق ۱۸۶۶ء میں مولوی سعادت علی سہارنپوری نے قائم کیا۔ مولوی سخاوت علی انبھٹوی۔ مولانا عنایت علی اور حافظ قمرالدین مدرس مقرر ہوئے۔ چند ماہ بعد مولانا مظہر نانوتوی صدر مدرس مقرر ہوئے حافظ فضل حق نے اپنے مکان کو مدرسہ کے لیے وقف کر دیا جس کو توڑ کر مدرسہ کی عمارت تعمیر کی گئی۔ ۱۹۰۲ء میں دیوبند کی طرح اس مدرسہ کی نظامت کے بارے میں اختلاف ہو گیا۔ شہر کے بیشتر لوگ مدرسہ کی انتظامیہ ایک ہی خاندان کی سپردگی میں دینے کے مخالف تھے۔ کیونکہ شیوخ کاندھلہ کا ایک خاندان مدرسہ کی انتظامیہ کا ذمہ دار تھا اسی خاندان کے افراد یکے بعد دیگرے مہتمم مدرسہ ہوتے رہے ہیں۔ لوگوں کا مطالبہ تھا کہ مولانا خلیل احمد مدرسہ کے مہتمم کی حیثیت سے اور رشید احمد گنگوہی سرپرست کی حیثیت سے مستعفی ہو جائیں۔ مولانا خلیل احمد نے استعفیٰ دے دیا۔ یہ اختلاف بہرحال ایک ثالثی کمیٹی جس کے ارکان میں ایک جوائنٹ مجسٹریٹ ایک آنریری مجسٹریٹ اور ایک انسپکٹر تھے اور ان کے فیصلہ کی توثیق خود ضلع کلکٹر نے کی تھی۔ کے ذریعے طے ہو گیا اور مولانا خلیل احمد دوبارہ مہتمم مقرر ہو گئے۔[۵۸]

ژ

---

[۵۸] Islamic Revival in British India, P. 128.

Marfat.com

ضلع سہارن پور :

بنیادی طور پر تمام ضلع کی معیشت زرعی تھی!۔رپورٹ بندوبست ۱۸۷۰ء کے مطابق ضلع سہارن پور میں کل ۱۶۸۹ محال تھے جن میں سے سیدوں کے سات افغانوں کے انیس۔ شیخوں کے چودہ۔ پیرزادگان کے پانچ اور گاڑوں کے دس محالات مکمل طور سے ان کی ملکیت میں تھے جبکہ باقی محالات مشترک تھے۔ گاڑوں کا اشتراک تقریباً ضلع کے تمام پرگنوں میں تھا اور ان کی استعداد کاشت بھی مسلمانوں میں سب سے زیادہ تھی کیونکہ ان کے زیر کاشت رقبہ ۱۹۲۰ء کی بندوبست رپورٹ کے مطابق ۷۹۹۸۸ ایکڑ تھا جبکہ سیدوں کے زیر کاشت ۱۱۶۸۹ ایکڑ شیخوں کے زیر کاشت ۱۸۶۵۵ ایکڑ مغلوں کے زیر کاشت ۴۰۰ ایکڑ اور پٹھانوں کے زیر کاشت ۲۲۱۱۷ ایکڑ تھا۔

رپورٹ بندوبست ۱۸۹۱ء کے مطابق فن زراعت میں اعلیٰ قابلیت اور مہارت اور ان کے استعمال میں جھوجہ۔ سائنی۔ گاڑہ۔ جاٹ اور تگا اقوام ممتاز ہیں باقی اقوام میں یہ معلومات اور ان کا استعمال بدرجہ ادنیٰ ہیں۔ اسی وجہ سے مذکورہ اقوام نسبتاً زیادہ خوشحال ہیں اور لگان بھی حکومت کو زیادہ ادا کرتی ہیں ان میں سے بھی ایک خاص قوم کا تذکرہ صفحہ ۱۲ پر اس طرح مذکور ہے۔

"The Garas are almost equally industrious and skill-ful, but they have fondness for litigation and possess unusual knowledge of legal technicalities."

ترجمہ :۔ گاڑے انتہائی محنت کش اور فن زراعت میں اعلیٰ مہارت رکھتے ہیں۔ مگر ان کو مقدمہ بازی کا بڑا شوق ہے اور قانون کی باریک سے باریک موشگافیوں کا علم رکھتے ہیں۔"

تحصیل سہارنپور :

سہارنپور ضلع کا صدر مقام ہونے کے علاوہ تحصیل بھی ہے۔ جس میں پرگنہ

Marfat.com

سہارنپور۔ پرگنہ ہرو ڑہ۔ پرگنہ مظفر آباد۔ پرگنہ فیض آباد شامل تھے۔ تحصیل کا محصول ۱۸۳۵-۴۱ء میں ۲۶۷۷۰۸ روپے ۱۸۵۹-۶۳ء میں ۳۷۸۰۶۶ روپے ۱۸۶۴-۶۷ء میں ۳۲۱۶۴۸ روپے اور ۱۸۸۹-۹۰ء میں ۳۴۸۲۲۹ روپے تھا۔ تحصیل کی آبادی ۱۹۰۱ء میں ۱۹۷۵۵۴ ہندو ۱۳۳۲۸۸ مسلم جن میں سے ۲۱۸۷۷ تیلی ۱۸۲۶۰ گاڑہ۔ ۶۳۰۹ جولاہہ ۱۱۸۱۳ شیخ ۱۶۴۹۱ مسلم راجپوت تھے۔

پرگنہ سہارن پور: پرگنہ سہارن پور:

اس پرگنہ میں ایک اور قصبہ بنام خلجی پور رہے۔ سلطان جلال الدین کے زمانے میں ہلاکو کے پوتے نے دہلی پر حملہ کیا سلطان خود انکی مدافعت کے لیے پنجاب پہنچا حملہ آور ناکام ہوئے تاہم بعد میں صلح ہوگئی اور ہلاکو خاں کا پوتہ واپس چلا گیا۔ مگر اس کا ایک دوسرا پوتہ جو فوج میں شامل تھا یہیں رہ گیا اور سلطان کے ساتھ دہلی آیا۔ اور برضا و رغبت مسلمان ہوگیا سلطان نے اپنی ایک بیٹی کی شادی اس کے ساتھ کر دی اور اس کو بمعہ دوسرے سرداروں کے علاقہ دوآب جاگیر میں دے دیا۔ اسی سردار نے اپنے رہنے کے لیے ایک قصبہ آباد کیا اور خلجی پور نام رکھا۔ بعد میں کچھ لوگوں کو یہاں کی آب و ہوا موافق نہ آئی اور وہ واپس چلے گئے مگر مذکورہ ہلاکو خاں کا پوتہ بدستور یہیں مقیم رہا۔ جب علاؤالدین خلجی اپنے چچا اور سسر جلال الدین خلجی کو ہلاک کرکے دہلی کا بادشاہ بنا تو چونکہ یہ سردار بھی جلال الدین خلجی کا داماد تھا اس نے علاؤالدین پر فوج کشی کردی مگر شکست کھائی۔ علاؤالدین خلجی نے اس کی قوم کے تمام مردوں کو قتل کروا دیا۔ عورتیں اور بچے کس مپرسی کے عالم ادھر ادھر نکل گئے اور قصبہ پر پٹھانوں نے قبضہ کرکے اس میں رہائش اختیار کر لی[1]

یہ قصبہ ہنڈن ندی کے مغرب میں ہے اس سے کچھ فاصلہ پہ ہنڈن ندی کے

---

[1] آئینہ حقیقت نما صفحہ ۵۴۳

Marfat.com

مشرق میں ایک گاؤں بنام طانسی پور ہے اس گاؤں کا مالک ایک ہندو راجپوت بنام طانسی رام تھا اس کے کوئی اولاد نہ تھی۔ ہمدن ندی کے قریب اس کو ایک عورت ملی جس کے ساتھ دو چھوٹے لڑکے بنام باز اور بہادر تھے یہ عورت اسی قصبہ بلیح پور سے جان بچا کر بھاگی تھی مذکورہ طانسی رام نے اس کو پناہ دی اور دونوں لڑکوں کو اپنا متبنیٰ بنا لیا۔ بڑے ہونے کے بعد ان کی شادی اپنی برادری میں کر دی اور گاؤں کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ یہ تقسیم پٹی کہلاتی ہے۔ چنانچہ اب بھی وہ گاؤں تین بیٹوں بنام نہار۔ بہادر اور باز میں منقسم ہے۔ یہاں کے تمام باشندے مسلمان ہیں اور اپنے آپ کو مذکورہ دونوں لڑکوں کی اولاد بتاتے ہیں۔ مگر عرف عام میں ان کو گاڑہ کہا جاتا ہے۔

پٹھان بلیح پور میں عرصہ دراز تک رہائش پذیر رہے۔ مرہٹوں کی حکومت کے زمانہ میں قصبہ کو گوجروں نے تاخت و تاراج کیا اور پٹھان ترک سکونت کر کے سہارنپور میں آ کر آباد ہو گئے۔ قصبہ میں بہت سے مکانات پختہ تھے جو ویران ہو گئے انگریز افسران نے ان کی اینٹیں نکلوا کر نہر جمنا میں استعمال کر لیں۔ اور یہ قصبہ اب بھی ویران ہے ۱۸۶۵ء کی مردم شماری کے مطابق قصبہ کی آبادی ۱۲۰۰ افراد پر مشتمل تھی[1]

پرگنہ سہارنپور کی آبادی انیسویں صدی عیسوی کے ختم تک یہ تھی ۱۸۶۵ء ۱۱۰۳۴۰ ۱۸۷۲ء ۱۰۹۷۶۷ ۱۸۸۱ء ۱۳۱۶۲۹ ۱۸۹۱ء ۱۳۲۰۲۸ اور ۱۹۰۱ء ۱۵۱۲۱۰۔ ہندو مسلم تناسب ۱۹۰۱ء میں ۸۱۴۹۷ ہندو اور ۶۸۱۹۵ مسلم تھے۔ پرگنہ میں آباد کاشتکار جنوب میں گوجر وسطی علاقہ میں گاڑے اور شمال میں راجپوت بکثرت تھے ان کے علاوہ چمار تگے تقریباً ہر گاؤں میں آباد تھے زرعی زمین کی ملکیت کا تناسب مہاجن ۹ و ۲۱ فی صد راجپوت

---

[1] تاریخ سہارنپور ص ۲۲۔

Marfat.com

۲ء۳۱ فی صد گوجر ۴ء۱۱ فی صد گاڑہ ۰۰ء۶ فی صد سید ۴ء۰۵ فی صد۔ اس پرگنہ میں بڑے گاؤں بنام شیخ پورہ۔ رنڈول گھانہ کھنڈی اور نلہیڑہ گوجروں کے ہیں۔[1]

موضع شیخ پورہ میں مزار خواجہ علیم الدین چشتی کا ہے جن کے متعلق روایت ہے کہ وہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے قریبی رشتہ دار تھے۔ اس موضع کے راجپوت انہیں کی تبلیغ سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ ان کا سلسلہ آگے نہیں چلا۔ دوسرا مزار حافظ لطافت علی شاہ کا ہے۔ جو کہ دیوبند کے رہنے والے تھے اور تعلیم و تدریس کے سلسلہ میں شیخ پورہ میں مقیم ہوئے۔ علاقہ کے لوگوں میں اب بھی یاد کیے جاتے ہیں۔ ان کی اولاد کے متعلق معلومات نہیں مل سکیں۔

پرگنہ سہارنپور سے جو لگان حکومت برطانیہ انیسویں صدی عیسوی کے آخر تک ملا اس کا تناسب اس طرح سے ہے ۱۸۳۵-۱۸۳۶ء میں ۹۵۰۷۰ روپے ۱۸۵۹-۱۸۶۲ء میں ۹۵۵۶۱ روپے ۱۸۶۶-۱۸۶۷ء میں ۱۲۱۹۲۶ روپے ۱۸۸۸-۱۸۹۰ء میں ۱۴۶۶۹۰ روپے۔

پرگنہ ہروڑ

اس پرگنہ کے کاشتکار۔ راجپوت۔ اہیر۔ گوجر۔ گاڑہ۔ تگا۔ سائنی اور برہمن ہیں اور اس پرگنہ کے سب سے بڑے زمیندار خاں بہادر نعیم خاں تھے جو کہ کیلاشپور میں رہائش پذیر تھے۔ زیادہ تر زرعی زمین مشترک زمینداری یا بھائی چارے کے تحت زیر کاشت تھی۔ پرگنہ کی آبادی بمطابق ۱۹۰۱ء ۴۲۸۵۱ ہندو اور ۲۲۰۵۶ مسلمان تھے۔ پرگنہ میں ملکیت راجپوت ۲۳ فی صد مہاجن ۳۲ فی صد کیلاشپور کے پٹھان ۱۰ فی صد۔ گوجر ۹ فی صد۔ تگا ۵ فی صد۔ اہیر ۵ فی صد گاڑہ سائنی اور برہمن میں سے ہر ایک کی ۵ فی صد سے کم تھی۔

---

[1] گزیٹیر صفحہ ۲۳۰۔

Marfat.com

لگان جو حکومت کو گذشتہ صدی کے آخر تک وصول ہوا اس کا تناسب اس طرح ہے ۱۸۳۵-۴۱ء میں ۸۲۲۳۱ روپے ۱۸۵۹-۶۲ء میں ۸۴۷۹۶ روپے ۱۸۶۴-۶۶ء میں ۸۳۴۴۰ روپے ۱۸۸۸-۹۰ء میں ۱۰۱۴۶ روپے۔ اس پرگنہ میں کوئی اور قصبہ نہیں ہے۔

پرگنہ مظفر آباد:

اس پرگنہ میں کاشتکار۔ راجپوت۔ سائنی۔ گاڑہ۔ کمبوہ۔ بنجارہ۔ چوہان۔ چمار اور گوجر ہیں۔ ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کے مطابق پرگنہ کی آبادی میں ۴۲۵۳۷ ہندو اور ۱۹۶۲۳۴ مسلمان تھے اس پرگنہ میں کوئی قابل ذکر قصبہ نہیں تاہم بڑے گاؤں بنام اسماعیل پور۔ کالووالہ۔ اور کجناور ہیں یہ پرگنہ بہت قدیم ہے۔ جلال الدین اکبر بادشاہ کے زمانے میں بھی پرگنہ تھا کوئی قابل ذکر بڑا زمیندار نہیں البتہ جسمور کے راجپوتوں کے پاس کچھ حیثیت ہے جبکہ لالہ منوہر لال جو اسماعیل پور کا رہنے والا ہے اس کے پاس بھی کافی زمینات ہیں زمانہ قدیم میں سہارنپور کا شمالی علاقہ جلیسمور کہلاتا تھا اور یہاں کا راجہ سلاطین دہلی کا مطیع اور رانا کا خطاب یافتہ راجپوت تھا۔ جبکہ کوہ سوالک کے دامن تک بشمول موجودہ دہرہ دون اور چکروتہ وغیرہ دسری نگر کے نام سے موسوم تھا اور شاہ جہان کے دور حکومت میں مفتوح ہوا۔

پرگنہ بہت پسماندہ ہے۔ جنگلات بہت تھے ۱۸۶۶ء میں ۳۲۹۷۷ ایکڑ زمین قابل کاشت تھی۔ جنگل گرانٹ کے تحت کچھ اراضی اور حاصل ہوگئی اور ۱۸۹۶ء میں ۴۰۹۶۷ ایکڑ ہوگئی۔ لگان جو گذشتہ صدی کے آخر تک حکومت کو ملا اس کا تناسب ۱۸۳۵-۴۱ء ۴۱۹۴۸ روپے ۱۸۵۹-۶۳ء میں ۴۳۵۶۶ روپے ۱۸۶۴-۶۶ء میں ۵۲۷۲۸ روپے ۱۸۸۸-۹۰ء میں ۶۸۰۲۲ روپے اس پرگنہ میں کوئی قابل ذکر قصبہ نہیں۔

پرگنہ فیض آباد:

اس پرگنہ میں کاشتکار۔ گوجر گاڑہ۔ سائنی اور راجپوت ہیں۔ بڑے زمیندار ان

میں رانی لنڈھورا ۔ پیرزادگان بھٹ اور جگادھری کے رہنے والے مہاجن ہیں راجہ رام دیال سنگھ کے مورث اعلیٰ کو اورنگ زیب نے تقریباً چھ صد گاؤں مقرری پر دیئے اور یہ ملک گجرات سے آکر یہاں آباد ہوا ۔ اسی وسیع علاقہ کو ایک زمانہ تک گجرات بھی کہا جاتا تھا ۔ وقت کے ساتھ ساتھ راجگی ختم ہوگئی اور محض ایک زمیندار کی حیثیت سے رانی لنڈھورہ جانی جاتی ہے اسی پرگنہ میں شاہ جہان نے شاہی محلات اور باغات بنوائے تھے مگر وہ آباد نہ ہو سکے ۔ ویران ہونے کی وجہ سے خراب اور شکستہ حال تھے انگریزوں نے ان کی اینٹیں نکلوا کر نہر جمنا میں استعمال کرائیں ۔ قصبہ بھٹ کو سلطان بہلول لودھی کے زمانے میں شاہ عبداللہ نے ملتان سے آکر آباد کیا یہ قصبہ ابھی تک ان کی اولاد کی ملکیت ہے جو پیرزادگان کہلاتے ہیں ۔

شاہجہان کی شہزادگی کے زمانے میں علاقہ دوآب اس کی جاگیر تھا اس کو اس علاقہ کو تفصیل سے دیکھنے کا موقع ملا اور عوام الناس کی بہتری کے بہت سے کام سرانجام دیے اس کے زمانے میں زراعت کو بہت فروغ ہوا ۔ لوگ خوش حال ہو گئے ۔ شاہ جہاں کی تخت نشینی کے بعد یہ علاقہ اس کی توجہ کا مرکز رہا ۱۰۴۶ھ ہجری جب دہلی میں وبائی امراض پھیل گئے تو بادشاہ نے علماء سے فتویٰ لینے کے بعد دہلی کو چھوڑا اور بغرض سیر و شکار پرگنہ فیض آباد کے علاقے میں آیا یہاں کی آب و ہوا اس کو بہت پسند آئی چنانچہ یہاں پر باغ اور محلات بنانے کا حکم دیا تقریباً دو سال میں یہاں پر عمارات تعمیر ہوئیں جن میں خواب گاہ دولتخانہ اور غسلخانہ اور جھروکہ خاص و عام لوگوں کے درشن کے لیے تقریباً پانچ لاکھ روپیہ کی لاگت سے تیار ہوئے یہاں پر قدیم پرگنہ مخلص پور کے نام سے قائم تھا ۔ بادشاہ نے اس کا نام بدل کر فیض آباد نام رکھ دیا اور ملحقہ پرگنہ سے چند گاؤں نکال کر اس میں شامل کر دیے اور محلات کے لیے مخصوص کر دیا ۔[1]

مذکورہ پرگنہ کے حوالی علاقہ سری نگر کہلاتا تھا جس میں ایک وادی بنام دون بھی تھی یہاں کا

---

[1] تاریخ ہندوستان جلد ہفتم ۔ ذکاء اللہ صفحہ ۲۰۰ ۔

Marfat.com

راجہ حکومت کا مطیع نہیں تھا اور اس سے ملحقہ علاقہ سری مور تھا جس کا راجہ بادشاہ کا مطیع تھا۔ ان دونوں راجگان کا تعلق راجپوت پنڈیر سے تھا۔ بادشاہ نے خلیل خان کو سولہ ہزار سوار فوج دیگر سری نگر کی مہم پر مامور کیا تاکہ راجہ سے اطاعت نامہ لکھوائے راجہ سری مور بھی ساتھ ہولیا۔ بالآخر راجہ مذکور نے شکست کھائی خلیل خان دون کا علاقہ چہتر بھوج اور پردوار کوناگر داس کی زمینداری میں دے کر واپس دہلی چلا گیا۔ بادشاہ نے دامن کوہ کی جاگیرداری عبدالرحیم خان خاناں کے پوتے مرزا خان کو دے دی[۵۱]

شاہ عبدالرحیم جو مولانا رشید احمد گنگوہی کے خلفاء میں سے تھے اور جن کا تعلق پنجاب کے ایک راجپوت خاندان سے تھا موضع رائے پور میں قیام پذیر ہوئے اس موضع کی آبادی میں راجپوت بکثرت تھے۔ شاہ صاحب مذکور نے احیائے دین اور تبلیغ اسلام کے لیے سعی بلیغ کی ایک مدرسہ اس گاؤں میں قائم کیا جس میں دور دراز سے طلباء آکر تعلیم حاصل کرتے تھے۔ آپ کے دست بابرکت پر بہت سے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ شاہ عبدالقادر رائے پوری آپکے خلیفہ ہوئے اُن کا تعلق بھی پنجاب کے ضلع کیمبل پور سے تھا اور راجپوت تھے قیام پاکستان کے بعد ان کے اکثر مریدین پاکستان آگئے تھے آپ نے بھی کئی سفر کیے آخری سفر ۱۹۶۲ء میں کیا اور لاہور میں قیام کے وقت زیادہ علیل ہوگئے اور لاہور میں انتقال فرمایا۔ ڈھڈیال میں دفن ہوئے[۵۲]

ایک شخص ظفر احمد جس کا تعلق گاڑہ برادری سے اور قدیمی رہائش موضع محیط پور تحصیل روڑکی ضلع سہارنپور کا بیان ہے کہ اس کے دادا حاجی کریم بخش بھی حضرت عبدالرحیم رائے پوری کے خلفاء میں سے تھے اور ساری عمر درس و تدریس کا شغل اختیار کیا اور قرآن مجید کی تعلیم دیا کرتے تھے۔

---

[۵۱] تاریخ ہندوستان جلد ہفتم۔ ذکاء اللہ ص ۱۸۹

[۵۲] اکابر کے خطوط۔ شاہد سہارنپوری ص ۱۲۶۔

Marfat.com

فصل دوم

تحصیل نکوڑ

اس تحصیل میں چار پرگنے بنام - پرگنہ نکوڑ - پرگنہ سلطان پور - پرگنہ سرسادہ - اور پرگنہ گنگوہ ہیں۔ ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کے مطابق اس تحصیل کی مجموعی آبادی ۲۰۴۹۴ تھی اس میں سے ۱۳۱۷۹۹ ہندو اور ۶۹۷۹۲ مسلمان تھے۔ مسلمانوں میں قابل ذکر مسلمان گوجر ۱۰۸۷۶ - گاڑہ ۵۹ ۷۰ - جولاہہ ۶۹۰۰ - تیلی ۵۹۶۰ - شیخ ۵۳۱۴ اس تحصیل میں آباد تھے جبکہ قلیل آبادی فقیر قصاب اور سیدوں پر مشتمل تھی۔

قصبہ نکوڑ کے بارے میں موہوم روایت ہے کہ اس کو مہابھارت کی لڑائی کے بعد پانڈوں میں سے ایک شخص بنام نکولا نے آباد کیا اس وقت یہ آبادی جمنا کے کنارے تھی مگر اب ہٹ کر ہے۔ قصبہ کے قدیم ترین مالکان تگے تھے۔ جو دراصل برہمن ہی ہیں کیونکہ جن برہمنوں نے دان پن چھوڑ کر زراعت پیشہ اختیار کیا ان کو تگے کہتے ہیں لیکن غالباً ہمایوں کے ہندوستان فتح کرنے کے بعد اس کا قبضہ افغانوں کو منتقل ہو گیا اور پھر راجپوتوں اور گوجروں کے قبضہ میں چلا گیا اور آج تک انہیں دو قوموں کا تسلط ہے اور پرگنہ گنگوہ میں گوجروں کا غلبہ نمایاں ہے۔ قصبہ کی اہمیت صرف تحصیل ہونے کی وجہ سے ہے اور اس میں کوئی نمایاں خصوصیت نہیں آبادی بھی زیادہ نہیں ۱۹۰۱ء کی مردم شماری میں اس کی آبادی ۵۰۳۰ تھی جس میں سے ۲۳۲۱ ہندو اور ۲۴۲۸ مسلمان تھے۔ پرگنہ نکوڑ میں نہری - بانگڑ اور کھادر کی قسم کی اراضی ہیں مجموعی رقبہ زیر کاشت بر پوسٹ بندوبست ۱۸۷۰ء کے مطابق ۴۶۰۸۰ ایکڑ تھا مسلمانوں میں زمیندار کاشتکار فقیر - شیخ -

Marfat.com

افغان۔ پیرزادگان اور گوجر ہیں تھوڑا سا رقبہ سیدوں کے پاس بھی ہے قصبہ امیٹھ اس پرگنہ میں مشہور ہے۔

ملکیت کے اعتبار سے پرگنہ نکوڑ میں مسلمانوں کی زمینات برائے زرعی کاشت اس طرح سے ہیں کہ سید ۱۶۴ ایکڑ۔ شیخ ۲۴۶۹ ایکڑ افغان ۵۲۳۱ ایکڑ پٹھان ۲۹۰۱ ایکڑ مسلم گوجر ۲۴۰۰ ایکڑ پیرزادہ ۲۱۴۲۱ ایکڑ۔ ان کے علاوہ مسلم جولاہے۔ سونار۔ فقیر اور مسلم تگا کے پاس بھی تھوڑی تھوڑی اراضی ہے جبکہ ان کی تعداد بھی نسبتاً کم ہے۔

اس پرگنہ میں ایک خاص بات یہ ہے کہ جولاہوں اور فقیروں نے بھی زراعت کا پیشہ اپنا لیا اور بڑے کامیاب کاشتکار ہیں۔ فقیر کوئی مخصوص قوم نہیں دراصل یہ لوگ بڑے بڑے صاحب خانقاہ بزرگوں کی اولاد ہیں۔ خانقاہی نظام میں تو ان کی مدد معاش کے لیے بادشاہان سلف نے معافی زمینیں دے رکھی تھیں مگر جب خانقاہی نظام ختم ہو گیا تو یہ زمینات ان کاشتکاروں کے نام کر دی گئیں جو ان کو آباد کرتے تھے اور بزرگوں کی یہ اولاد نذر و نیاز پہ گزارا کرنے لگی اور جب اس سے بھی پورا نہ ہوا تو کاسہ گدائی ہاتھ میں لیا۔ عام مسلمان ان کو اسی وجہ سے صدقہ و خیرات دیتے تھے۔ اللہ واسطے کا کھانا جب کوئی پکواتا تو ان کو بلانا ضروری سمجھا جاتا تھا۔ برطانوی حکومت میں جب روزگار کے مواقع زیادہ ہوئے تو انہوں نے بھی مختلف پیشے اختیار کر لیئے۔ بعض ان میں سے پڑھ لکھ کر سرکاری عہدے دار اور وکیل بھی ہو گئے اور اپنے آپ کو فاروقی کہلانے لگے۔

قصبہ امیٹھ کافی قدیمی آبادی ہے جس کی شہادت ان مساجد سے ملتی ہے جن میں سے ایک سلطان بہلول لودھی کے زمانہ میں ۹۱۶ھ میں بنائی گئی۔ جبکہ دوسری مسجد ہمایوں کے زمانے میں اور تیسری مسجد اکبر کے زمانہ میں تعمیر ہوئی۔

نویں صدی ہجری میں ایک خاندان عرب سرزمین مکہ سے یہاں آکر آباد ہوا جس کے سربراہ شاہ ابوالمعالی تھے انہوں نے تبلیغ اور تدریسِ دین اسلام کی بہت کوشش کی۔ اطراف کے گوجر اور راجپوت کافی تعداد میں ان کے زمانے

Marfat.com

میں مشرف باسلام ہوئے۔ بادشاہانِ سلف بھی ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ مدد معاش کے لیے کافی زمینات ان کو ملی تھیں شاہ ابوالمعالی کا مزار مبارک شہر میں ہے۔ اور اطراف کے مسلمان بڑے ذوق وشوق سے مزار کی زیارت کو آتے ہیں۔ محمد شاہ بادشاہ دہلی نے یہ قصبہ نواب روشن الدولہ کی جاگیر میں دے دیا تھا۔ مگر نواب مذکور نے اس کو پیرزادگان کے نام کر دیا۔ کیونکہ اس کو شاہ ابوالمعالی سے انتہائی عقیدت تھی۔ انیسویں صدی تک یہ پیرزادگان بڑے خوشحال تھے اور لوگوں کے دلوں میں ان کی بہت عزت تھی۔ ان ایام میں شاہ فخرالدین ولد شاہ قطب الدین اور شاہ مسعود احمد ولد شاہ محمود احمد کافی متمول اور مشہور تھے[۱] معافی دوام کی جو اراضی بادشاہان سلف نے درگاہ شاہ ابوالمعالی کے لیے دی تھی اس کی آمدنی میں حصہ دار ہونے کا دعویٰ برطانوی حکومت کے دور میں پیرزادگان کی طرف سے دائر کیا گیا۔ الہ آباد ہائی کورٹ کے حکم سے یہ اراضی بھی سجادہ نشین کے نام ہوئی مگر اس کی آمدنی درگاہ کے لیے مختص کر دی گئی۔

پرگنہ گنگوہ :

روایت کے مطابق زمانہ قدیم میں راجہ گنگ نے آباد کیا اور اس میں قلعہ بنوایا۔ قلعہ کے نشانات اب بھی موجود ہیں۔ اس پرگنہ کی مجموعی آبادی ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کے وقت ۵۸۴۰۴ تھی جس میں سے ہندو ۳۸۰۲۰ اور مسلمان ۲۰۰۷۴ تھے۔ پرگنہ کے کاشتکاران ۔گوجر۔ راجپوت۔ سائنی۔ برہمن۔ جاٹ اور روڑ ہیں جن میں سے غالب اکثریت گوجروں کی ہے۔ قصبہ گنگوہ کی وجہ شہرت حضرت عبدالقدوس گنگوہی ہیں جو دسویں صدی ہجری میں اس قصبہ میں آکر آباد ہوئے۔ درویشانہ صفات کے مالک تھے۔ کافی عرصہ مجذوب رہے مگر بعد میں سالک ہو گئے تھے حنفی کی نسبت سے زیادہ مشہور تھے کیونکہ ان کا مسلک حنفی تھا۔ ۸۶۰ھ میں پیدا

---

[۱] گزیٹر صفحہ ۲۱۱۔

Marfat.com

ہوئے ۹۳۲ھ کو گنگوہ آئے ۹۴۳ھ میں انتقال ہوا ۹۴۴ھ میں ہمایوں نے مقبرہ بنوایا۔ اسلام کی تبلیغ اور تدریس کی اور اس علاقہ کے کافی غیر مسلم آپ کے توسط سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ سماع کے قائل تھے اور کسبِ حلال کی تعلیم دیتے تھے اور رزقِ حلال کی تاکید فرماتے تھے۔ خود بھی اپنی معاش کے لیے کاشتکاری کرتے تھے[۱] بہت سی کرامات جو حضرت مذکور سے وابستہ کی جاتی ہیں زبان زد عام وخاص ہیں۔ ان کی اولاد نے بھی بہت عروج حاصل کیا۔ ان کے پوتے شیخ عبدالنبی قرآن وحدیث کے علوم سے گہری رغبت رکھتے تھے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں تعلیم حاصل کی جلال الدین اکبر کے دربار سے منسلک ہوئے اور مملکت کے نمبر چار افسر یعنی صدرالصدور کے عہدے پر فائز رہے۔ شیخ محمد فاضل متوفی ۱۰۵۴ھ بڑے لائق اور قابل بزرگ گزرے ہیں۔ حضرت عبدالقدوس کا عرس ہر سال ۲۲ جمادی الاول کو ہوتا ہے لوگ بہت دور دور سے آکر اس میں شریک ہوتے ہیں۔ بادشاہانِ سلف نے ایک موضع شمس پور عرس کے اخراجات کے واسطے خانقاہ کو دیا تھا۔ اسی قصبہ میں ایک مزار اللہ بخش کا ہے۔ جس کے عرس پر عام طور سے رذیل لوگ آتے ہیں اور چڑھاوے چڑھاتے اور منت مانتے ہیں[۲]

تغلق پور لکھنوتی جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے ترکان قرونہ جو محمد شاہ تغلق کے ہم قوم تھے انہوں نے آباد کیا۔ پہلے بڑے ذی عزت تھے مگر گردش ایام نے تغلق سلطنت ختم ہونے کے بعد مفلوک الحال کر دیا۔ اور وہ کاشتکاری سے گذر بسر کرتے تھے۔ ہمایوں نے جب بار دیگر دہلی کو فتح کیا تو ایک ترک سردار بھی اس کی فوج میں تھا جس کو ہمایوں نے نواح امروہہ میں جاگیر دی۔ اس نے اپنی رہائش امروہہ میں

---

[۱] شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات صفحہ ۲۰۳۔
[۲] تاریخ سہارنپور صفحہ ۱۵۲۔

Marfat.com

اختیار کی۔ کچھ دن بعد حضرت عبد القدوس گنگوہی کے مزار کی زیارت کو آیا اور لکھنوتی میں اپنے ہم وطن ترکوں کی آبادی سے متاثر ہو کر یہیں پر سکونت اختیار کی۔ اس کی اولاد میں سے ایک شخص بنام نصیب خاں ہوا۔ یہ شخص حیدر آباد دکن چلا گیا اور نواب کی ملازمت اختیار کی۔ ترقی کر کے اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ اور خطاب نواب کا پایا۔ اس کے چار لڑکے پیدا ہوئے بنام۔ مظہر علی بیگ۔ ابو تراب بیگ۔ ہمزہ علی بیگ۔ عالم بیگ۔ حیدر آباد سے ملازمت ختم کر کے واپس لکھنوتی آ گیا تھا۔ جہاں پر اس کا انتقال ہوا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کا لڑکا ہمزہ علی بیگ حیدر آباد چلا گیا اور اپنے باپ کی جگہ نواب ہو گیا اور بہت عروج پایا۔ واپس آنے کے بعد لکھنوتی میں ایک قلعہ اور مکان پختہ بنوا کر سکونت اختیار کی اس کا لڑکا بہرمند علی خاں باپ سے ناراض ہو کر پندرہ برس کی عمر میں حیدر آباد چلا گیا اور نواب کا ملازم ہوا۔ کچھ دن بعد واپس آ کر اپنے باپ کو جنگ وجدال سے قلعہ لکھنوتی سے نکال دیا اور خود قابض ہو گیا۔ ہمزہ علی بیگ نے موضع شکر پور میں سکونت اختیار کی۔ مرہٹوں کے زمانہ اقتدار میں بہرہ مند علی خاں اکیس گاؤں استمراری میں ملے جن کا ٹھیکہ بنا کر بہرہ مند علی خاں نے اچھا انتظام کیا۔ گاؤں مفصلہ ذیل تھے۔

دوبہر کشن پورہ۔ جہرا۔ دودھلا۔ جھاڑون۔ تاتار پور۔ بلاس پور۔ روشن پور فتحن پور۔ عالم پور۔ بین پور۔ رسول پور۔ علی پور۔ سراج پور۔ تقی پور۔ شکور پور سامکور۔ ضمیر پور۔ باسدیوی۔ دملادی۔ بٹنہ۔

بہرہ مند علی خاں کا انتقال ۱۸۰۹ء میں ہوا اس وقت انگریزوں کی عملداری تھی۔ اس لیے ٹھیکہ ختم ہوا اور استمراری شکست ہوئی۔ بہرمند علی خاں کی جگہ فدا حسین مالگذار مقرر ہوا۔ ۱۸۳۹ء کے بندوبست میں مسٹر تھارنٹن نے تمام گاؤں کی زمینیں ان کاشتکاروں کے نام کر دی جو یہ زمین کاشت کرتے تھے اس صورت سے یہ قدیم اور معزز لوگ مفلوک الحال اور مفلس ہو گئے۔ اب

Marfat.com

ان کا نام لیوا بھی کوئی نہیں [1]

بندوبست رپورٹ ۱۸۷۰ء کے مطابق پرگنہ میں قابل کاشت اراضی ۵۹۷۵۹ ایکڑ تھی اور مسلمانوں کے پاس اس میں سے پٹھانوں کے پاس ۵۰۲۲ ایکڑ مغل ۱۲۵۱ ایکڑ مسلم راجپوت ۲۲۸۷ ایکڑ مسلم گوجر ۱۰۴۰۵ ایکڑ گاڑہ ۲۲۲۵ ایکڑ سید ۶۸۵ ایکڑ شیخ ۱۸۳۱ ایکڑ۔ مغلوں کے بارے میں صفحہ ۱۰۰ پر مندرجہ ذیل عبارت تحریر ہے

"The Lakhnouti group of five villages held by numerous and most ill conditioned body of Turkman who are in the last stages of poverty and embarrassment."

ترجمہ:۔ لکھنوتی کے پانچ گاؤں بہت خستہ حال ترکوں کی ملکیت میں جو مفلسی اور پشیمانی کی آخری حد پر کھڑے ہیں۔

پرگنہ کا کثیر علاقہ گوجروں کے قبضے میں ہے جن کی ہر وقت یہ کوشش ہوتی ہے کہ کوئی دوسرا ان کے علاقے میں آباد نہ ہو۔ اس علاقے کے گوجروں میں ان کا مخصوص کردار بغیر کسی تغیر اور تبدل کے نمایاں ہے۔ جانور چوری کرنے کی بری عادت ان میں اب بھی موجود ہے۔ پیرزادگان کو اہمیت تیسرے درجے پر ہے وہ بھی بسبب ان کی تعداد کے ورنہ یہ لوگ معاشی حیثیت سے انتہائی بدحال ہیں صفحہ ۱۰۲ پر تحریر ہے کہ

"The large town of Gangoh with 10190 inhabitants. It is hot bed of Wahabism and is owned and inhabited by a population of Musalmans chiefly Peerzadas, in the most miserable circumstances. How the inhabitants live is a marvel."

---

[1] تاریخ سہارنپور صفحہ ۱۹۳۔

Marfat.com

ترجمہ: یہ بڑا قصبہ بنام گنگوہ ۱۰۱۹۰ نفوس پر مشتمل ہے۔ یہ دہلیوں کا گڑھ ہے اس کی آبادی اور ملکیت مسلمانوں کے پاس ہے۔ خاص طور پر پیرزادگان کے پاس جو انتہائی خستہ حال ہیں۔ ان لوگوں کا زندہ رہنا ایک معجزہ سے کم نہیں۔

پرگنہ سلطان پور:

قصبہ سلطان پور میں بہلول لودھی نے ایک قلعہ بنوایا۔ قلعہ تو حوادث زمانہ کی وجہ سے تباہ ہو گیا۔ مگر اس کے نشانات موجود ہیں۔ اسی سلطان نے ایک مسجد بھی بنوائی تھی جو ابھی تک قائم ہے۔ قصبہ میں ہندو آبادی کی اکثریت ہے کل آبادی سنہ ۱۹۰۱ء میں ۲۷۴۳ تھی جس میں ہندو ۱۶۰۳ اور مسلمان ۸۸۱ تھے ہندوؤں میں جین مذہب کے پیروکار زیادہ ہیں جو پنجاب سے نمک اور شکر کی تجارت کرتے ہیں اور بہت خوشحال ہیں۔ پرگنہ سلطان پور کی زرعی اراضی کا کثیر حصہ گاڑوں اور گوجروں کے زیر کاشت ہے جبکہ باقی قلیل حصہ میں سائنی۔ تگا راجپوت اور برہمن شامل ہیں۔ انیسویں صدی کے آخر تک انگریز حکومت کو حاصل ہونے والی آمدنی کا تناسب کچھ اس طرح سے ہے۔

سنہ ۱۸۳۵-۴۱ء ۲۶۷۷۰۸ روپے سنہ ۱۸۵۹-۶۲ء ۲۷۸۰۶۶ روپے سنہ ۱۸۶۴-۶۷ء ۳۷۵۶۴۸ روپے سنہ ۱۸۸۸-۹۰ء میں ۳۹۶۷۷۰ روپے۔ پرگنہ کی آبادی سنہ ۱۹۰۱ء ۴۸۶۸۵ نفوس پر مشتمل تھی جس میں سے ہندو ۲۵۴۱۴ اور مسلمان ۲۲۸۴۲ تھے پرگنہ میں سب ہی چھوٹے چھوٹے گاؤں ہیں۔ صرف بڈھا کھیڑہ کی آبادی دو ہزار نفوس سے کچھ زیادہ ہے[1]

سلطان پور سے ملحق ایک اور قصبہ بنام چلکانہ ہے جس کا نام پہلے عنایت پور

---

[1] گزیٹر صفحہ ۳۴۱

تھا اور اس میں دو آبادیاں تھیں ایک جاٹوں اور برہمنوں کی جو گردش زمانہ کے سبب تباہ ہو گئے یا ادھر ادھر منتقل ہو گئے اب ان کی نسل میں سے کوئی بھی باقی نہیں ہے۔ اور دوسری آبادی گاڑوں کی تھی جن کی نسل موضع چالاک پور وغیرہ میں موجود ہے۔ ان گاڑوں کا تعلق سوم بنسی راجپوت سے ہے جن کو جلال الدین محمد اکبر نے اطراف دہلی سے اٹھا کر یہاں آباد کیا۔ انہیں راجپوتوں کی دیگر شاخیں ملحقہ ضلع انبالہ میں آباد ہیں جہاں پر ان کی تعداد بہت کثیر بتلائی جاتی ہے پہلے گاڑے کہلاتے تھے مگر بعد میں شیخ کہلانے لگے اور ان میں چوہان راجپوت بھی شامل تھے۔

شاہجہان نے سید محمود شاہ ساکن ساڈھورہ کو یہ اور ملحقہ اراضی بطور نیاز دی۔ سید صاحب مذکور نے یہاں آکر رہائش اختیار کی اور زمینات میں غلہ کی کاشت شروع کی اور اس کا نام چک لاتہ رکھا جو کثرت استعمال سے چلکانہ ہو گیا۔ ان کی اولاد میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی تھی۔ لڑکا لاولد ہی انتقال کر گیا۔ جبکہ لڑکی کی شادی سید یوسف سے ہوئی جس کا لڑکا سید سلطان اور اس کا لڑکا سید حاجی شریف سجادہ نشین ہوا۔ اس نے جائیداد کا انتظام بہت اچھے طریقے سے کیا اور قصبہ میں جو حصہ جاٹوں اور گاڑوں کا تھا خرید لیا اس کے علاوہ اطراف میں اور گاؤں بھی خرید لیے۔ علم و فن میں یہ خاندان نمایاں حیثیت کا مالک تھا۔ سید زمان پسر حاجی شریف غازی پور کا صوبیدار رہا اور بہت مال و دولت کمایا۔ نواب ضابطہ خاں سے مرہٹوں کی عملداری تک پرگنہ سلطان پور۔ پرگنہ سرساوہ اور پرگنہ فیض آباد کے حاکم اسی خاندان کے افراد تھے۔ انگریزوں کی عملداری کے شروع میں سید نوازش علی نے سکھوں کا حملہ روکا اور ان کو شکست دے کر واپس جانے پر مجبور کر دیا۔ انگریز کلکٹر نے اس کی بہادری اور جرأت مندی کو بہت سراہا۔ اس کا انتقال ۱۸۱۶ء میں ہوا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا سید مظفر علی اس کا جانشین ہوا۔ جس کے چار لڑکے سید مہربان علی

Marfat.com

سید ضامن علی۔ سید صادق علی اور سید علی ہوئے۔ جن میں سے تین تو کوئی زیادہ قابل اور لائق نہیں تھے البتہ سید مہربان علی بڑا قابل اور عالم فاضل تھا۔ جملہ حکام ضلع بمعہ انگریز صاحبان کے اس کی بہت عزت اور تکریم کرتے تھے۔ اس نے قصبہ میں ایک عالیشان مکان بنوایا جس پر پچاس ساٹھ ہزار روپیہ خرچ کیا۔ اس کا انتقال ۱۸۵۷ء سے پہلے ہو چکا تھا۔ اس کے بعد اس کے خاندان کے لوگوں کی نا اہلی اور فضول خرچی کی وجہ سے سب جائیداد اور مال و دولت ضائع ہو گئی اور یہ لوگ مقروض ہو گئے۔ مذکورہ مکان قرضہ کے عوض مبلغ تیرہ سو روپے میں نیلام ہو گیا۔[1] دوسرا قابل ذکر خاندان اس قصبہ میں سراوگی بنیوں کا ہے۔ چودھری کوڑامل بہت مشہور ہوئے ہیں۔ شعر و شاعری کا ذوق تھا اور یہاں کے قانون گو تھے۔ عہدہ قانون گوئی اس خاندان میں مغلوں کے دور سے ہی رہا ہے انگریز کے زمانے میں منشی کالیرائے ڈپٹی کلکٹر ہوئے ہیں۔ بہت جائیداد اور مال و دولت کمایا۔ اولاد ان کی خوشحال ہے۔

بندوبست ۱۸۷۰ء کے وقت زیادہ تر گاؤں مہاجنوں کی ملکیت میں تھے۔ جبکہ تین مکمل گاؤں تگوں کے اور پانچ مکمل گاؤں گاڑوں کے تھے۔ باقی اقوام مشترک زمیندار تھیں۔ سیدوں کے پاس کل اراضی ۴۲۱۹ ایکڑ تھی۔ جبکہ شیخ ۵۰۸ ایکڑ پٹھان ۴۳۳۵ ایکڑ مسلم گوجر ۵۶۰۸ ایکڑ۔ گاڑہ ۲۲۰۹ ایکڑ اور مسلم راجپوت ۹۳۷ ایکڑ کے مالک تھے۔

قصبہ سرساوہ:

یہ قصبہ نہایت قدیم ہے اس کے راج گھاٹ ہونے کی وجہ سے اس کی بہت اہمیت تھی۔ شیر شاہ سوری کی بنائی ہوئی شاہراہ یہیں سے گزرتی تھی۔ پنجاب سے

---

[1] تاریخ سہارنپور صفحہ ۱۴۴۔

Marfat.com

تجارت کے لیے سامان تجارت اسی قصبہ میں ذخیرہ کیا جاتا تھا۔ تجارت کی وسعت کی وجہ سے قصبہ خوشحال تھا اور بڑے بڑے تاجر اس قصبہ میں سکونت رکھتے تھے اس کا قدیمی نام سرس پٹن تھا۔ مشہور گوگا پیر جس کا اصل نام گوگا چوہان تھا کی والدہ مسمات بچھل رانی اسی قصبہ کی رہنے والی تھی۔ گوگا پیر مغربی ہندوستان میں خاص طور پر زیادہ شہرت رکھتا ہے۔ علاقہ کے دیہات کے ہندو اس کی پرستش کرتے ہیں یہ لوگ ایک عورت کو نہلا دھلا کر بٹھاتے ہیں۔ گوگا پیر کے نام سے کھانا تقسیم کرتے ہیں اور مجلس میں اس عورت کے سامنے ایک خاص انداز میں ڈھول بجاتے ہیں کچھ دیر بعد اس عورت پر ایک خاص قسم کی کیفیت اور جذب طاری ہو جاتا ہے اور کہتے ہیں کہ گوگا پیر آگیا ہے اس عورت سے ماضی اور حال کے بارے میں سوالات پوچھتے ہیں اور اپنی اپنی مشکلات حل کراتے ہیں۔

محمود غزنوی نے قنوج متھرا میرٹھ برن وغیرہ پر پہلا حملہ ۱۰۱۸ء میں کیا[1] اس حملہ کو مخفی رکھنے کے لیے اس نے پہاڑی راستہ اختیار کیا تھا۔ تاکہ مذکورہ راجاؤں کو بے خبری کی حالت میں اور اچانک مقابلہ کے لیے مجبور کرے یہ حملہ کامیاب رہا اور تمام راجہ مطیع ہوئے۔ میرٹھ کا راجہ ہری دت برضا و رغبت دائرہ اسلام میں داخل ہوا۔ سلطان محمود براستہ راج گھاٹ واپس ہوا۔ کیونکہ پنجاب کا علاقہ پہلے ہی اس کے زیر نگیں آچکا تھا۔ قصبہ سرس پٹن میں مضبوط قلعہ تھا۔ راجہ نے اس میں اپنی قوت جمع کر کے شدید مزاحمت کی سلطان مذکور نے اس قصبہ کا محاصرہ کر لیا جو تین ماہ تک جاری رہا۔ بالآخر راجہ سرس پال کو شکست ہوئی اس نے زخمی حالت میں سلطان سے درخواست کی کہ اس قصبہ کا نام سرساوہ اس کے نام کی مناسبت سے رکھا جائے اور اپنی ایک لڑکی

---

[1] آئینہ حقیقت نما صفحہ ۲۲۹

Marfat.com

سلطان کی خدمت میں پیش کردی سلطانی فوج کا ایک اعلیٰ کمانڈر بنام علی مردان شاہ اس لڑائی میں شہید ہوا اور قلعہ میں اس کا مزار بنایا گیا یہ مزار اب بھی موجود ہے اور کلکلی صاحب کے نام سے مشہور ہے۔ مقامی لوگوں کی روایت ہے کہ قلعہ کی مٹی میں سے اب بھی تانبے کے سکے نکلتے ہیں۔ جو محمد شاہ تغلق کی حکومت کی یادگار ہیں۔ بابر جب اس علاقہ میں آیا اس نے اس قلعہ کو مضبوط اینٹوں سے دوبارہ تعمیر کرایا۔ اس کے چاروں اطراف کے مینارے سطح زمین سے پچاس فٹ بلند تھے بعد میں یہ قلعہ ویران ہو گیا اور برطانوی حکومت کی عملداری کے ابتدا میں اس کے صرف مینارے باقی تھے۔

اس قصبہ میں مسلمان بزرگوں کے مزارات کثرت سے ہیں اور اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی باقاعدہ حکومت کے تشکیل سے قبل اس قصبہ میں مسلمان آئے اور تبلیغ و تدریس کا سلسلہ جاری کیا اور کافی تعداد میں لوگ حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے جن بزرگوں کے مزارات ابھی تک قائم ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ ملک نصیرالدین۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سب سے پہلے مسلمان ہیں جو اس قصبہ میں آئے اور دین اسلام کے فروغ کا کام سرانجام دیا۔ کثیر لوگ ان کے ہاتھ پر ایمان لائے۔ ان کا سلسلہ اب موجود نہیں نہ ہی ان کی اولاد کے بارے میں کوئی انکشافات ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اولاد ان مسلمانوں میں گھل مل گئی جو مقامی آبادی سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ ملک نصیرالدین کی تاریخ وفات " سالار قافلہ " سے نکلتی ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کا سن وصال ۵۰۸ھ ہے جھنجھانہ میں جن بزرگانِ دین کے مزارات ہیں ان کی آمد اور راجہ جھنجھانہ سے کرنال اور رہتک کے معرکوں کا زمانہ تنویر علوی نے کتاب موسومہ تاریخ محمودی میں ۵۶۰ھ یا ۵۵۰ھ متعین کیا ہے اگر اس نسبت سے دیکھا جائے تو ملک نصیرالدین مذکور

Marfat.com

کا زمانہ ان سے بھی پچاس سال پہلے کا ہے ان بزرگ کا مزار سرساوہ قصبہ کے جنوب میں واقع ہے۔

۲۔ دوسرا مزار قصبہ کے شمال میں واقع ہے بڑا وسیع احاطہ ہے اس کے اندر ایک مختصر سے قبہ میں مزار ہے۔ قبر کچی ہے فرش بھی نیم پختہ ہے اس کی دیکھ بھال کا کوئی اچھا انتظام نہیں یہ مزار پیر مخدوم علی احمد کا ہے جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ حضرت معین الدین چشتی اجمیری کے قریبی رشتہ دار تھے۔ مزار پر کسی قسم کا کوئی کتبہ وغیرہ نہیں ہے اور نہ ہی ان کا سلسلہ جاری ہے۔ ان کی اولاد کے متعلق بھی کوئی روایت نہیں ہے اور نہ ہی کوئی اس نسبت سے تعلق رکھنے کا دعویدار ہے۔ ملک نصیر الدین کی طرح ان کی اولاد بھی مقامی لوگوں میں خلط ملط ہو گئی۔

۳۔ تیسرا مزار حبیب الرحمٰن جمالی کا ہے جو جمال ہانسوی کی اولاد میں سے ہیں۔ جمال ہانسوی۔ بابا فرید گنج شکر کے جید خلفاء میں سے تھے ان کا مزار ہانسی میں فیروز شاہ تغلق نے بنوایا۔ حبیب الرحمٰن جمالی کے لڑکے شاہ خلیل الرحمان جمالی اور ان کے لڑکے شاہ ولی الرحمٰن جمالی ہوئے۔ ان کی اولاد قصبہ میں آباد ہے مگر ماضی کے متعلق ان کی معلومات بہت ناقص ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ شاہ خلیل الرحمٰن نے ایک کتاب موسومہ آئنہ حق نما تصوف اور طریقت پر لکھی ہے جبکہ ان کے مرید خاص احترام الدین نے اسی مضمون پر ایک کتاب موسومہ تنویر حقیقت لکھی۔ ان کے علم میں یہ بات نہیں کہ شاہ خلیل الرحمٰن کو شعر و شاعری کا ذوق تھا۔ ان کا دیوان بنام "دیوان خلیل الرحمٰن جمالی سرساوی" مطبوعہ میرٹھ ۱۸۹۹ء برٹش میوزیم لندن میں موجود ہے (اس کا کیٹلاگ نمبر (۱) ۲۳-۶۶-۱۴۱۱۴ ہے۔ شاہ خلیل الرحمٰن مذکور کے دوسرے لڑکے بنام عبد الرحیم جمالی ریاست الور میں سکونت پذیر تھے ان کے لڑکے عبد العزیز جمالی تھے جن کا

Marfat.com

انتقال سنہ ۱۹۸۲ء میں کراچی میں ہوا (مضمون فاروقی احمد جنگ ۲/۷/۸۲) قصبہ کی آبادی سنہ ۱۹۰۱ء ۳۴۳۰۹ تھی جن میں سے ۱۸۰۷ ہندو اور ۱۲۹۶ مسلمان تھے۔ ہندوؤں میں زیادہ تر سوداگر مہاجن اور ساہوکار تھے جن کا کاروبار پنجاب سے تھا۔ جب کہ مسلمانوں میں سید گاڑہ۔ مغل اور راجپوت ہیں۔ قصبہ کے گاڑوں میں سے کچھ لوگ اہم سرکاری عہدوں پہ ملازمت کر چکے ان میں اکثریت پنجاب میں سرکاری عہدوں پر فائز رہی۔

پرگنہ سرسادہ:۔ یہ پرگنہ بہت قدیم ہے۔ جلال الدین محمد اکبر کے زمانہ میں بھی پرگنہ تھا۔ زرعی اعتبار سے بہت ترقی یافتہ ہے پچھتر فیصد رقبہ زیر کاشت ہے زمیندار کاشتکار اپنی اپنی زمینوں کے پاس گاؤں میں رہتے ہیں اس میں سرسادہ کے علاوہ کوئی اور قصبہ یا بڑا گاؤں نہیں بڑی زمیندار قومیں گوجر اور راجپوت ہیں ان کے علاوہ گاڑہ۔ سائنی جاٹ اور برہمن بھی کافی رقبہ کے مالک ہیں مہاجنوں کی ملکیت کے علاوہ تمام زمین زمیندار خود کاشت کرتے ہیں پرگنہ کی کل آبادی سنہ ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کے مطابق ۴۱۶۹۸ نفوس پر مشتمل تھی جن میں سے ۳۱۰۳۶ ہندو اور ۱۰۲۲۰ مسلمان تھے۔ انیسویں صدی کے آخر تک جو لگان برطانوی حکومت کو ملا اس کا تناسب اس طرح سے ہے سنہ ۱۸۳۵-۴۱ء میں ۲۶۵۳۹۲ روپیہ سنہ ۱۸۵۹-۶۲ میں ۲۶۸۹۵۱ روپیہ سنہ ۱۸۶۴-۶۷ میں ۲۷۵۰۵۷ روپیہ سنہ ۱۸۸۸-۹۰ میں ۳۲۳۲۳۹ روپیہ۔

Marfat.com

فصل سوم
روڑکی

روایت ہے کہ راجپوت سردار کی بیوی بنام روڑی تھی جو اپنی داد و دہش کی بنا پر بہت مشہور ہوئی غریبوں اور مساکین کا بہت خیال رکھتی تھی راجپوت جو علاقہ کا سردار تھا اس نے یہ گاؤں اپنی اسی بیوی کے نام سے بنایا اور روڑکی نام رکھا۔ گاؤں بہت قدیم ہے مگر اس کی شہرت ۱۸۵۳ء سے زیادہ ہوئی جب انگریزوں نے یہاں پر ایک چھاؤنی بنائی اور بعد میں تھامسن انجینئرنگ کالج قائم کیا یہ کالج اپنی نوعیت کے اعتبار سے ہندوستان میں سب سے پہلا کالج تھا جس میں فاؤنڈری اور ورکشاپ بھی قائم کیے گئے تھے۔ ملازمین سرکار کو تربیت دے کر محکمہ انہار وغیرہ میں کام لیا جاتا تھا۔ انگریزوں نے آبپاشی کے لیے جتنی بھی نہریں بنوائیں ان سب میں یہیں سے تربیت یافتہ ملازمین لیے جاتے تھے منشی امانت علی جو اپنے آپ کو گوجر عرف گاڑھ کہتے تھے انیسویں صدی عیسوی کے اواخر میں پنجاب میں محکمہ انہار میں انجینئر ہوئے اور کافی مشہور رہے اسی گاؤں روڑکی کے رہنے والے اور اسی کالج کے تربیت یافتہ تھے۔ یہ گاؤں اٹھارویں صدی عیسوی میں ریاست لنڈھورہ کا حصہ تھا مگر ۱۸۱۳ء میں انگریزوں نے یہ قصبہ اور ملحقہ ۷ گاؤں راجپوتوں کو دے دیتے تھے۔ یہ لوگ اپنی نااہلی کی وجہ سے معقول انتظام نہ کر سکے اور مظہر علی خان عرف کپتان کلن جو موضع راجوپور تحصیل دیوبند کا رہنے والا تھا اس کے مقروض ہو گئے۔ عدالت نے قصبہ اور گاؤں کا کچھ حصہ مذکورہ کپتان کلن کو اس کے قرض کے دعویٰ کے تحت دے دیا مگر اس نے ۱۸۲۴ء میں راجپوتوں کی کل ملکیت پر قبضہ کر لیا اور راجپوت محض اس کے مزارع بن کر رہ گئے۔ ان واقعات کا علم جب انگریز کلکٹر کو ہوا تو اس نے کپتان کلن کو بے دخل کر کے ۱۸۳۸ء میں راجپوتوں کے ساتھ بندوبست کر دیا۔ اس وقت سے یہی راجپوت زمینداران قصبہ رہے ہیں ۱۹۰۱ء تک قصبہ اور چھاؤنی الگ الگ تھے۔ قصبہ کی آبادی ۱۹۷۲۱ جس میں سے ہندو ۳۸-۱۰ اور مسلمان ۵۱۵ تھے جب کہ چھاؤنی میں کل ہندوستانی آبادی ۱۹۵۱۔ ہندو ۱۲۱۸ مسلمان ۱۰۲۰ تھے۔ کافی تعداد

Marfat.com

میں انگریز بھی تھے۔

روڑکی تحصیل بھی ہے جس کی آبادی ۱۹۰۱ء ۲۸۶۹۰۳ تھی جس میں سے ہندو ۱۸۹۰۷۵ اور مسلمان ۹۵۱۰۳ تھے۔ ہندوؤں میں چمار ۶۰۰۱۷ گوجر ۱۲۰۲۹۔ راجپوت ۱۰۹۹۱ برہمن ۱۰۲۶۰۔ کہار اور سائنی ۲۰۰۳۵ راجپوتوں کی تقریباً تمام ہی مشہور گوتھ جیسے چوہان۔ پنڈیر۔ برگوجر۔ پنور۔ جیسوار اور جدون اس تحصیل میں تھیں۔ مسلمانوں میں جولاہے ۱۵۸۷۲ تیلی ۱۲۶۸۲ جھوجہ ۱۱۴۶۳۔ گاڑہ ۱۰۶۸۴۔ باقی قلیل مقدار میں شیخ نومسلم راجپوت پنڈیر۔ پٹھان۔ فقیر۔ نائی۔ قصاب وغیرہ تھے۔ شیخ۔ راجپوت اور پٹھانوں کا تعلق پیشہ زراعت سے تھا تحصیل میں قابل کاشت اراضی باقی تحصیلوں سے کم تھی کیونکہ اس کے وسطی اور شمالی علاقہ میں جنگلات تھے۔ آب پاشی کا نظام بھی بہتر نہیں تھا کیونکہ بعض مقامات پر پانی ساٹھ ستر فٹ پر دستیاب تھا۔ اس تحصیل میں چار پرگنے۔ پرگنہ روڑکی۔ پرگنہ بھگوان پور پرگنہ منگلور۔ پرگنہ جوالاپور کے علاوہ قصبہ ہردوار قصبہ کنکھل ہیں۔

پرگنہ روڑکی:۔

انیسویں صدی عیسوی کے آخر میں جملہ اراضی علاوہ جنگلات کے ۹۲۶۲۷ ایکڑ تھی جس میں سے ۵۳۰۶۱ ایکڑ زیر کاشت تھی جنوب کی طرف کی زمین زیادہ بہتر تھی اور اس میں انتہائی مہارت رکھنے والے کاشتکار جھوجہ۔ سائنی۔ راجپوت چوہان۔ گوجر اور گاڑہ تھے۔ پرگنہ میں کل ۱۲۵ گاؤں تھے جن میں سے ۴۹ گاؤں سکرودہ کے راجپوتوں کے تھے جو مسلمان ہیں۔ چھ گاؤں چوراسی کے راجپوتوں کے اور ایک گاؤں رانی لنڈھورہ کا تھا۔ پرگنہ کی کل آبادی ۱۹۰۱ء میں ۶۶۷۴۸ تھی جس میں سے ہندو ۳۸۶۰۰ اور مسلمان ۲۷۱۳۸ تھے۔ دو ہزار آدمیوں کی آبادی کے گاؤں الی کھیڑہ اور سلیم پور تھے۔ انیسویں صدی کے آخر تک جو لگان انگریز حکومت کو ملا اس کا تناسب اس طرح سے ہے ۱۸۳۹-۴۰ء میں ۴۲۰۲۳ روپیہ ۱۸۵۹-۶۲ء میں ۴۵۸۳۵ روپیہ ۱۸۶۶-۶۷ء میں ۵۵۲۱۲ روپیہ ۱۸۸۸-۹۰ء میں ۷۸۲۲۷ روپیہ اس پرگنہ میں چوراسی اور کلیر خاص تاریخی اہمیت رکھتے ہیں جن کی تفصیل اگلے صفحہ پر درج کی گئی ہے۔

Marfat.com

چوراسی:

ڈبلیو کروک اپنی کتاب نارتھ ویسٹرن پروونس آف انڈیا کے صفحہ ۲۸۲ پر لکھتا ہے کہ قنوج کے راجہ جے چند کے یہاں یہ رواج تھا کہ وہ اپنے وفادار راجپوتوں کو اپنے علاقہ میں آباد کرنے کے لیے جو گاؤں دیتا تھا اُن کا نام تعداد کے اعتبار سے لکھ دیتا تھا جو عام طور سے چوراسی، ستاسی، بیاسی، باون اور تیرہ ہوتے تھے۔ مفروضہ یہ تھا کہ ان گاؤں میں راجپوتوں کی ایک ہی مخصوص گوتھ آباد ہو۔ راجہ قنوج کی مملکت کی حدود ایک زمانہ میں لاہور تک تھی جس میں بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستیں اس کی باجگذار تھیں دوآبہ کا علاقہ تو محمود غزنوی کی آمد تک اس کے زیر اثر رہا ہے۔ یہ علاقہ جس میں قصبہ چوراسی واقع ہے اسی راجہ کا دیا ہوا ہے۔ جس میں پہلے راجپوت چوہان آباد تھے۔ گاؤں چونکہ بہت دور دور واقع ہوا کرتے تھے۔ اس لیے وسیع علاقہ ان کے زیر تصرف تھا۔ گردش ایام کی وجہ سے لوگ یہاں سے نقل مکانی بھی کرتے رہے اور بعض ان میں سے دوسرے علاقوں میں آباد ہو کر بھی چوراسیہ کہلاتے تھے۔ ایک گاؤں بنام شام چوراسی ضلع امرتسر میں واقع ہے کہا جاتا ہے کہ یہاں کے راجپوت اسی چوراسی سے نقل مکانی کر کے وہاں آباد ہوئے۔

اسی صورت سے راجہ مذکور نے باون گاؤں راجپوت (بڈگوجر گوتھ) کو علاقہ کاٹھہ جو تحصیل دیوبند میں ہے دیے تھے۔ یہ علاقہ پہلے اسی نسبت سے باونی کہلاتا تھا اور ان راجپوتوں کے مورث اعلیٰ کا تعلق موضع بڈگاؤں سے تھا جو تحصیل دیوبند میں اب بھی موجود ہے اس حقیقت کو بعد تحقیق انگریزوں نے متعلقہ رپورٹ بندوبست میں تسلیم کیا ہے

جلال الدین محمد اکبر کے زمانے میں یہ پرگنہ تھا نواب ضابطہ خان نے اس کو اپنے زمانے میں سکرودہ سے ملا کر پرگنہ سکرودہ بنا دیا تھا جہاں اسی کی آبادی قدیم راجپوتوں پر مشتمل ہے مگر جب یہ پرگنہ تھا اس وقت سے مسلمان بھی اس میں آکر آباد ہو گئے۔ مسلمانوں کی اہمیت اس سے واضح ہے کہ اورنگزیب کی بنائی ہوئی مسجد اب تک اس

Marfat.com

موضع میں موجود ہے جس کو ۱۰۶۸ھ میں تعمیر کرایا گیا۔

کلیر:۔

جس مقام پر علاء الدین صابر کا مزار ہے اس کو کلیر کہتے ہیں وجہ تسمیہ کے متعلق کوئی روایت نہیں۔ قرب وجوار کے آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم میں یہاں شہر آباد تھا اور مضبوط قلعہ بھی تھا۔ عام روایت ہے کہ یہ راجہ کرن کی راجدھانی تھا جس سے مسلمانوں نے جہاد کیا اور قلعہ فتح ہوا۔ اس قلعہ کے برج پر ایک مزار امام صاحب کا ہے قلعہ تو برباد ہو گیا مگر اس برج پر مزار اور قلعہ کے آثار اب بھی نمایاں ہیں کتب تاریخ سے ایسے شواہد ملتے ہیں کہ محمود غزنوی اس راستہ سے گزرا۔ جب محمود غزنوی نے قنوج پر حملہ کا ارادہ کیا اس کو مخفی رکھنے کے لیے اس نے راجہ کشمیر سے جو اس کا باجگذار تھا پہاڑی اور دروں کے راستہ قنوج تک پہنچنے کے لیے رہنمائی چاہی راجہ مذکور نے بخوشی اپنے کارپردازان کے ذریعہ سلطان مذکور کی رہنمائی کی اور اس طرح سلطان کوہ ہمالہ کے راستہ سے نیچے اتر کر میدان میں اچانک پہنچ گیا۔ سلطانی لشکر پہلے کشمیر گیا اور وہاں سے لیہ جو سطح سمندر ۱۰۷۰۰ فٹ کی بلندی پر ہے اور پھر لداخ اور وہاں سے کوہ ہمالہ کا سلسلہ طے کرتے ہوئے نیپال کی مغربی سرحد پر جا اترا[۱] اگر متعلقہ نقشہ کو غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ علاقہ چکروتہ کے مغرب میں کوہ سوالک کے قریب ہے اس علاقہ میں قدیم مزارات اور قبریں اس کی مزید شہادت فراہم کرتی ہیں۔ کوہ سوالک کے دامن میں (موجودہ ضلع سہارنپور کی حدود میں) ایک ٹیبہ ہے جو ٹیبہ جمن جتی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ دراصل ایک ٹیبہ ہے جس کے اطراف میں گھنے جنگل ہیں مشہور ہے کہ قدیم زمانہ میں یہاں شیر رہتے تھے اس ٹیبہ کے نیچے ایک مزار ہے جس کا اصل نام تو معلوم نہ ہو سکا مگر مزار جمن جتی کا ہی مشہور ہے علاقہ کے لوگ اس کا بڑا احترام کرتے ہیں اور روایت یہ بھی ہے کہ اس مزار پر رات کو شیر آ کر اپنی دم سے جھاڑو دیتے ہیں۔ اس مقام سے بجانب مشرق تقریباً آٹھ میل ایک اور مزار ہے جو شاہ منصور کے نام سے مشہور ہے۔

---

[۱] آئینہ حقیقت نما۔ صفحہ ۲۲۹

اس اطراف میں اور بھی قبریں ہیں ۔امیر تیمور نے ۸۰۱ھ میں اس علاقہ سے گزرا۔ کہا جاتا ہے اس نے شاہ منصور کے مزار کی مرمت اور توسیع کرائی یہاں سے آٹھ نو میل کے فاصلہ پر کلیر ہے۔ اس پس منظر سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ راجہ قنوج کے باجگذار راجاؤں میں سے سب سے پہلے راجہ کرن نے محمود غزنوی کا مقابلہ کیا اور یہ قلعہ مفتوح ہوا۔ لوگ قلعہ اور شہر خالی کر کے چلے گئے۔ اور شہر ویران ہو گیا۔

علاؤ الدین صابر کلیری۔ بابا فرید گنج شکر کے بھانجے اور خلیفہ تھے۔ عبادت اور ریاضت سے نفس اتنا پاکیزہ ہو گیا تھا کہ ان کی ذات سے خدائی جلال ٹپکتا تھا۔ شیخ سے جب تربیت مکمل کر لی تو ان کو دہلی جانے کا حکم ملا۔ سند تقرری پر جمال ہانسوی جو بابا مذکور کے بڑے خلفاء میں سے تھے مہر تصدیق لگانے پر مامور تھے۔ علاؤ الدین صابر جب ہانسی پہنچے تو جمال ہانسوی سے مہر تصدیق لگانے کے لیے کہا۔ رات کا وقت تھا انہوں نے کہا صبح روشنی ہو جائے گی تو مہر لگا دوں گا۔ صابر صاحب نے اپنی شہادت کی انگلی بلند کی تو وہ روشن ہو گئی اور پھر مہر لگانے کے لیے اصرار کیا۔ جمال ہانسوی نے پھونک مار کر انگلی کی روشنی بجھا دی اور مہر لگانے سے انکار کر دیا۔ صابر مذکور واپس پاک پٹن آئے اور اپنے شیخ سے پورا قصہ بیان کیا۔ بابا فرید سمجھ گئے کہ جلالی ہونے کی وجہ سے صابر کا دارالسلطنت میں تقرر صحیح نہیں اس لیے دوبارہ سند تقرری کلیر کے لیے دی جس پر جمال ہانسوی نے مہر تصدیق لگا دی اور آپ کلیر میں آ گئے۔ زیادہ جذب کی حالت میں رہتے تھے اور اطراف و اکناف پر توجہ بالکل نہیں تھی۔ معتقدین اپنی حاجت لے کر آتے اور دیر تک انتظار کرتے رہتے جب ہوش میں آتے تو لوگ اپنی حاجت پیش کرتے آپ دعا فرماتے اور یوں لوگوں کی حاجت پوری ہو جاتی آپ کی زندگی کا بہت کم عرصہ سالک کی حالت میں گزرا ہے۔ اس لیے مریدین کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ شاید ہی ایک دو مرید ہوں۔ آپ کا انتقال ۱۲ ربیع الاول ۶۶۷ھ میں بمقام کلیر ہوا[۵]۔ یہ خلجی خاندان کا زمانہ حکومت ہے جنہوں نے کتاب و سنت کی تبلیغ کی طرف

۵۔ تذکرہ اولیائے پاک و ہند میں سن وفات ۶۹۰ھ لکھا ہے اور پیدائش ۵۹۲ھ ہرات میں ہوئی۔

Marfat.com

بہت کم توجہ دی اور نہ ہی ان کو بزرگان دین سے کوئی خاص لگاؤ تھا۔ اس لیے آپ کے معتقدین نے ایک مزار بنا لیا تھا جو عرصہ دراز تک نیم پختہ ہی رہا۔ مگر علاقہ میں شہرت بھی تھی اس لیے سالانہ عرس میں کثیر لوگ آتے تھے۔ خانقاہ کی موجودہ عمارات میں سے بیشتر نواب بھورے خاں نجیب آبادی کی بنوائی ہوئی ہیں۔ مزار کے صدر دروازہ پر ایک سنگتراشیدہ کتبہ لگا ہوا ہے جس پر مندرجہ ذیل اشعار کندہ ہیں:۔

خان معین الدین کہ بنا مستقیم باد　　ہم باب و ہم احاطہ درگاہ رالصبدق

آمد ندے از غیب کہ "اجر عظیم باد"　　در فکر سال عقل بجیب برد !

۱۲۳۱ھ

معلوم ہوتا ہے کہ نواب مذکور کا اصل نام معین الدین خان تھا۔ صابر کلیری کے متعلق قدیم ماخذ ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی۔ بمبئی میں جامع مسجد لائبریری۔ پبلک لائبریری اور نیشنل میوزیم لائبریری دیکھیں۔ دہلی میں بھی بہت سی لائبریریوں کی خاک چھانی۔ پاکستان کے تقریباً تمام مشہور لائبریری دیکھیں مگر لاحاصل۔ برٹش میوزیم لندن میں کچھ کتابیں ہیں مگر وہ بھی انیسویں صدی عیسوی کے آخری عشرہ میں طبع ہوئیں ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ علاؤ الدین احمد صابر کلیری۔　　از غلام احمد خاں آف جھجر
مطبوعہ ۱۸۹۶ء برٹش میوزیم کیٹلاگ نمبر ۱۶-۱۴۱۰،۶،۵۵

۲۔ علاؤ الدین احمد صابر کلیری۔　　از محمد حفیظ اللہ چشتی مطبوعہ ۱۸۹۷ء
کیٹلاگ نمبر (۳) ۵۴، ۱۴۰۹،

۳۔ علاؤ الدین احمد صابر کلیری　　از محمد یوسف صدیقی
مطبوعہ ۱۸۹۵ء کیٹلاگ نمبر (۲) ۳۳-۹-۱۴۰۹

۴۔ علاؤ الدین احمد صابر کلیری　　از عمر خان بہار پوری مطبوعہ ۱۸۹۸ء
کیٹلاگ نمبر (۱) ۲۰، ۱۱ ۹،۱۴۱۰

بابا فرید کا صابر کلیری کو اس علاقہ کے لیے سند تقرری دینا خالی از مصلحت نہیں ہو سکتا بزرگان دین کا یہ سدیہ رہا ہے کہ اپنے کامل مریدین کو دور دراز علاقہ میں بغرض تبلیغ بھیجتے تھے

Marfat.com

یہ علاقہ اس وجہ سے بھی بابا کی توجہ کا مرکز رہا ہو کہ یہاں ہر دوار ہونے کی وجہ سے زیادہ ضلالت اور گمراہی تھی گو کہ یہ روایت ہے کہ صابر مذکور کا دور قلیل عرصہ سالک کی حیثیت سے گزرا مگر یہ زیادہ قابل قیاس نہیں کیونکہ کسی مجذوب کو تبلیغ دین کے لیے دور دراز کے علاقہ میں مقرر کرنا بابا فرید کی بصیرت سے ممکن نظر نہیں آتا۔ بہرصورت از روئے قیاس یہ ممکن ہے کہ کچھ لوگ صابر مذکور کی توجہ سے دائرہ اسلام میں داخل ہوتے ہوں۔ اس علاقہ میں آبادی راجپوتوں کی تھی۔ گوجر تو اورنگ زیب کے زمانہ میں آئے۔ راجپوت مسلمانوں میں اس علاقہ میں رہنے والوں کے تین طبقہ ہیں۔ اول اولادہ جو سید جلال الدین عرف جہانیاں جہاں گشت کی توجہ سے مسلمان ہوئے اور اپنے آپ کو راجپوت پنڈیر کہلاتے ہیں دوم گاڑہ جن کا دعویٰ بھی یہی ہے کہ وہ راجپوت ہیں مگر کس زمانہ میں مسلمان ہوئے اس کا کوئی تعین نہیں کرتے سوم مجھوجھ ہیں یہ بھی راجپوت ہونے کے دعوے دار ہیں مگر دوسرے راجپوت ان کے اس دعویٰ کو تسلیم نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک یہ لوگ شاہان دہلی کے غلام تھے۔ اور ان کا مقام دوسرے راجپوتوں سے ادنیٰ ہے۔ ان کے مسلمان ہونے کا زمانہ بھی غیر متعین ہے باقی مسلمانوں کا زمانہ یقیناً بعد کا ہے یہ طے شدہ امر ہے کہ علاقے کے کچھ راجپوت صابر کلیری کی توجہ سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے کیونکہ ان کی وفات کے بعد مزار بنانا اور تواتر سے اس کی نگہداشت رکھنا سالانہ عرس منانا اس بات کی شہادت دیتا ہے۔ قومیت کا مسئلہ ہندوستانی مسلمانوں میں اٹھارویں صدی عیسوی میں داخل ہوا۔ اس وقت ان مسلمانوں نے جن کی نسلیں گزر چکی تھیں کس قوم سے وابستہ کیا اس کا تعین ممکن نہیں۔ اغلب گمان ہے کہ یہ لوگ گاڑوں میں شامل ہو گئے ہوں۔ کیونکہ اس نام سے ایک قوم بحیثیت اتحاد بین المسلمین کے اٹھارویں صدی عیسوی میں بنی۔

جھوجھہ:

ایک مسلمانوں کی قوم جو سنی حنفی ہیں صرف رڑکی تحصیل میں ہی ملتی ہے۔ اس کے علاوہ سہارنپور کی دوسری تحصیلوں میں ان کی آبادی نہیں ان کی اصل قوم کیا ہے اس میں مختلف روایات ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ بادشاہان دہلی کے غلام تھے۔ کسی نے کہا ان کا تعلق

Marfat.com

ہندوستان کی قدیم ادنیٰ قوم سے ہے یہ خود اپنے آپ کو راجپوت کہتے ہیں مگر وجہ تسمیہ کے متعلق ان کے پاس کوئی روایت نہیں ۔ فن کاشتکاری میں ان کی مہارت مسلمہ ہے بشکل و شباہت میں مقامی راجپوتوں سے مشابہ ہیں ان کی آبادی گاؤں میں ہے ۔ جو ایک دوسرے کے قریب ایک ہی علاقہ میں واقع ہیں شادی بیاہ آپس میں ہی کرتے ہیں ۔ ضلع کے دیگر اقوام کی طرح ان میں بھی کچھ تعلیم یافتہ لوگ ہیں ۔ مذہبی رجحان زیادہ ہے ہر گاؤں میں مسجدیں ہیں جہاں پر مذہبی تعلیم کا انتظام ہے ۔ رہن سہن کے طریقے گاؤں کی آبادی کا طرز شادی بیاہ کی رسوم بالکل ویسی ہی ہیں جیسی ضلع میں آباد دیگر مسلمان اقوام کی ہیں ۔ بعض انگریز حکام ضلع کے مطابق ان میں سے کچھ لوگ گاؤں میں بھی شامل ہیں ۔ مسٹر ڈبلیو کروک آئی سی ایس اپنی کتاب ٹرائب اینڈ کاسٹ آف نارتھ ویسٹرن پراونس اینڈ اودھ مطبوعہ ۱۸۹۶ء کے صفحہ ۲۹۱ پر لکھتا ہے کہ "جھوجہ مسلمان ہیں اور اغلب گمان ہے کہ یہ نو مسلم غلام ہیں" کتب تاریخ سے کچھ شہادتیں ملتی ہیں مگر ان کو محض غلام کہنا ان ماخذات کی روشنی میں درست نہیں فارسی کی کتب تاریخ میں لفظ "بندگان بادشاہ" کا انگریزی میں ترجمہ غلام کر دیا جو درست نہیں ۔

بندگان بادشاہ فیروز تغلق نے اشاعت دین کے لیے اور دین کو بدعات سے پاک کرنے کی بہت کوشش کی جن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ جب اس نے غیر مسلموں پر جذیہ عائد کیا تو یہ اعلان بھی کر دیا کہ جو شخص دین حنیف میں داخل ہو جائے اس سے جذیہ نہ لیا جائے سلطان مذکور اپنی کتاب "فتوحات فیروز شاہی" میں لکھتا ہے کہ ،

"ترغیب اہل ذمہ بسوئے دین ہدیٰ توفیق یافتم و باعلام گفتم ہر کہ از کفار کلمہ توحید گوید و دین اسلام پذیرد چنانکہ در دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آمدہ است جذیہ از و دور کنند صیت آں بگوش عالم رسید فرج فرج و جماعت جماعت ہنود آمدند و بشرف اسلام مشرف شدند و ہمچنین الیٰ یومنا ھذا از اطراف می آیند و ایمان می آرند جذیہ ایشاں دور می شود و بانعامات و تشریفات مخصوص می گردند"

مترجمہ : اہل ذمہ کو دین مبین کی طرف راغب کرنے کی مجھ کو توفیق ہوئی اور

Marfat.com

میں تے یہ اعلان کرادیا کہ کفار میں سے جو شخص کلمہ توحید پڑھ کر دین اسلام میں داخل ہو جائے جیسا کہ حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں آیا ہے۔ اس سے جزیہ نہ لیا جائے۔ جب یہ آواز مخلوق کے کانوں میں پہنچی تو ہندو فوج در فوج اور جماعت در جماعت آنے لگے اور دین اسلام میں داخل ہونے لگے۔ آج تک یہ سلسلہ جاری ہے کہ اطراف سے لوگ آتے ہیں اور دین میں داخل ہوتے ہیں ان سے جزیہ ہٹا لیا جاتا ہے اور انعام و اکرام کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

دوسری ترغیب اس نے یہ دی کہ ہندوؤں کے یتیم بچوں کو لے لیتا تھا ان کو مسلمان کر کے اعلیٰ تعلیم و تربیت کے لیے امراء اور رؤساء کے حوالہ کر دیتا جوان کو اپنی اولاد کی طرح تعلیم دلاتے اور سلطان کو پیش کر دیتے۔ سلطان ان سے بہت خوش ہوتا۔ ان بچوں کی اس قدر پذیرائی دیکھ کر دہلی اودھ اور دیگر اطراف کے ہندو اپنے بچوں کو سرکاری عمال کو پیش کر کے دربار سلطانی میں پہنچانے لگے اس صورت سے کثیر تعداد ایسے لوگوں کی ہو گئی جن کی اعلیٰ تربیت قرآن فقہ اور دیگر علوم میں مہارت کے بعد ان کو سرکاری ملازم رکھ لیا جاتا تھا ان میں اکثر امراء اور رؤساء کے منصب پر فائز ہوتے بعض ان میں سے ایسے عالم ہوئے کہ مکہ معظمہ میں جا کر قرآن سنایا اور پڑھایا اور بعض مدینہ منورہ میں فقہ اور دین کی تعلیم دینے پر مامور ہوئے[۵۱]
ہندوستان میں سلطان مذکور نے بکثرت مدارس اور خانقاہیں بنوائیں ان میں سے اکثر میں یہی لوگ علم کے فرائض انجام دیتے تھے۔ سرکاری کارخانے جن میں پارچہ جات اور دیگر سامانِ جنگ تیار ہوتا تھا وہاں بھی یہ لوگ بکثرت ملازم تھے۔ چونکہ یہ لوگ سلطان کے منظور نظر تھے اس لیے ان کو سرکاری محکموں میں بہت پذیرائی حاصل تھی ان کو "بندگان سلطان" کہا جاتا تھا[۵۲] شمس عفیف اس کی تفصیل ان الفاظ میں لکھتا ہے۔

"بعضے بندگان بر حکم و فرمان سلطان تسلیم بعضے امراء و ملوک می شدند

---

[۵۱] تاریخ فیروز شاہی شمس سراج عفیف صفحہ ۱۹۱
[۵۲] آئینہ حقیقت نما صفحہ ۵۷۲

Marfat.com

تا ایشاں را ادب و خدمت آموزند. امراء و ملوک آں بندگان را بر طریق فرزنداں می پرورند و طعام و جامہ و سر رشتن و ہنر آموختن و مقام خوردن و خفتن و غم خوارگی ایشاں بواجبی نگاہ می داشتند و ہر سالے ایشاں را پیش تخت می گزرانید و ادب و خدمت و ہنرہائے ایشاں پیش تخت عرضہ می داشتند۔ سلطان فیروز شاہ در باب آں امراء و ملوک چنداں مرحمت فی فرمودند کہ در تحریر نیاید"

ترجمہ: سلطان کے حکم اور فرمان کے مطابق بعض بندگان کو امراء اور ملوک کے سپرد کر دیا جاتا۔ تاکہ وہ ان کو ادب اور خدمت سکھائیں۔ یہ امراء اور ملوک ان بندگان کو اپنی اولاد کی طرح پرورش کرتے کھانا کھانے کپڑا پہننے اور سر لگانے کے آداب کھانے۔ سونے کے مقامات سے آگاہ کرتے اور ہنر سکھاتے۔ ان کی غم خواری اپنے اوپر واجب جانتے اور ہر سال ان کو شاہی دربار میں پیش کرتے اور ان کے ادب خدمت اور ہنر کے متعلق بادشاہ کو آگاہ کرتے۔ سلطان فیروز ان امراء اور ملوک پر اتنی مرحمت فرماتا کہ اس کا احاطہ تحریر لانا مشکل ہے۔

ہندو یتیم لڑکوں میں فیروز شاہ تغلق کی دلچسپی کی اصل وجہ اس کی راجپوت بیوی تھی جس کے بطن سے ولی عہد پیدا ہوا ان کو سلطنت کے اہم منصب عطا کرنے سے اس کے ولی عہد کو ایک گونہ تقویت بھی پیش نظر تھی۔

ان بندگان سلطان" کو اگر اسلامی شریعت کے نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو ان کا نسبی تعلق سلطان اور اس کی قوم سے بنتا ہے کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: مَولَى الْقَوْمِ مِنْهُمْ یعنی کسی قوم کے مولی کا تعلق اسی قوم سے ہے۔ عربی میں ایسے لوگوں کو مَولی کہا جاتا ہے۔ خلافت عباسیہ کے دور ۲۰۰ھ سے ۲۵۰ھ ایسے موالی بکثرت تھے جن کی بڑی شان تھی۔ جعفر بن یحیی بن خالد بن علی ہارون الرشید اور اس کی قوم کا مولی ہونے کی وجہ سے بڑا باعزت اور باشرف سمجھا جاتا تھا۔[1]

---

[1] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۱۵۴

Marfat.com

برطانیہ کا عروج اور انگریز حکومت کی کامیابی کا راز بھی تاج شاہی کے ملازمین ہیں جن کو بیورد کریٹ کہتے تھے حتیٰ کہ وائسرائے ہند بھی تاج شاہی کا ملازم تھا جس کو بادشاہان دہلی نے اپنے دربار میں کرسی دینے سے اس لیے گریز کیا تھا کہ وہ محض تاج شاہی کا ملازم ہے اور آزاد نہیں اور نہ ہی اس کا تعلق شاہی خاندان سے تھا اس کے باوجود انگریز حاکم اپنے آپ کو اس زمرہ میں داخل نہیں کرتے تھے اور مجموعی حیثیت سے مالکان ہند تصور کرتے تھے۔ اور ان "بندگان سلطان" کو جب اپنی زبان انگریزی میں داخل کیا تو ترجمہ "SLAVE" کر دیا جس کا اثر یہ ہوا کہ ہندوستان کی زبانوں میں ان کو غلام کہنے لگے۔

اس پس منظر میں یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ جھوجہ قوم کا تعلق ان بندگان سلاطین سے ہے جو اپنی اصل میں راجپوت ہیں اور اس طرح جھوجہ قوم کا یہ دعویٰ کہ وہ راجپوت ہیں پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتا ہے ان بندگان کا شیرازہ سلطنت تغلق کے ختم ہونے کے بعد بکھر گیا اور سرکاری منصب کی عدم دستیابی کی وجہ سے انہوں نے مختلف پیشے اختیار کر لیے کوئی اپنے علم و فراست کی بنیاد پر شیوخ اور سیدوں میں داخل ہو گیا کسی نے مغلوں کی ملازمت کر کے اپنے آپ کو مغل کہلانا شروع کر دیا بعض نے ان میں سے پیشہ کاشتکاری اختیار کیا یہ فن زمانہ قدیم سے اشراف کے لیے مخصوص ہے۔ ابن خلدون نے بھی صنعت فلاحی (زراعت) کو نمبر ایک پیشہ کا درجہ دیا ہے۔

پرگنہ رڑکی میں مسلمانوں کی زمینداری انیسویں صدی عیسوی کے آخر تک مسلمان راجپوت جن کے مورث اعلیٰ نے جوالا پور کی بنیاد رکھی۔ ۵۷۷۱ ایکڑ۔ شیخ زادہ ۱۲۷ ایکڑ گاڑہ ۶۷۲۵ ایکڑ جھوجہ ۲۸۸۰ ایکڑ۔ پٹھان ۱۲۷۳ ایکڑ مسلمان سائی ۲۳۸ ایکڑ اس پرگنہ میں دو گاؤں املی کھیڑہ اور سلیم پور ایسے ہیں جن کی آبادی دو ہزار نفوس سے زیادہ ہے۔ املی کھیڑہ برہمن اور رانی لنڈھورہ کی ملکیت ہے۔ کل آبادی ۱۹۰۱ء میں ۲۱۶۵ تھی جس میں سے صرف ۵۸۰ مسلمان تھے۔ سلیم پور جس کی آبادی ۱۹۰۱ء میں ۲۷۳۵ تھی جس میں سے صرف مسلمان ۱۶۵۲ تھے اس موضع میں پرائمری اسکول کے علاوہ لڑکیوں کے لیے بھی اسکول تھا۔ اس کے مالکان راجپوت پنڈیر مسلمان تھے کاشت کے لیے مناسب اراضی ہونے کی وجہ سے آبادی خوش حال تھی۔

Marfat.com

جیسا کہ اس سے پیشتر ذکر ہو چکا ہے کہ اس تحصیل میں جنگلات بہت زیادہ تھے جن کی وجہ سے آب و ہوا بھی غیر صحت بخش تھی اور قرب و جوار کی قابل کاشت اراضی بھی لوگ چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ ۱۸۳۹ء میں انگریز حکومت نے ایک پالیسی وضع کی جس کے تحت جنگل کے قطعات پیمائش کر کے ٹھیکہ پر دے دیئے۔ اس شرط کے ساتھ کہ جنگل صاف کر کے زمین کاشت کی جائے اور جو ٹھیکیدار عرصہ بیس سال میں اس جنگل کی گرانٹ کے تحت جنگلات صاف کر کے زمین کاشت کرے گا تو زمین اس کی ملکیت تصور ہوگی۔ اس پالیسی کے تحت بہت سے گاؤں آباد ہو گئے۔ اور جنگلات صاف ہو گئے۔

جوالاپور :۔

زمانہ قدیم میں اس مقام پر جہاں موجودہ قصبہ جوالاپور آباد ہے تین الگ الگ آبادیاں تھیں جو ایک دوسرے کے بہت قریب تھیں یکم بنام احمد پور خورد۔ دوم بھوگپور۔ سوم جمال پور[1] جلال الدین محمد اکبر کے زمانہ میں پرگنہ بنام بھوگپور تھا۔ یہ طالزی عملدار تک یہ پرگنہ بھوگپور عرف جوالاپور کہلاتا تھا۔ اس پرگنہ میں دو بڑے قصبے بنام کنکھل اور ہردوار ہیں۔ ہردوار کا قدیم نام مایا پور تھا۔ روایت ہے کہ حضرت سید جلال الدین جہانیاں جہاں گشت جو فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں شیخ الاسلام تھے۔ جب مایا پور آئے تو یہاں کا راجہ بنام دولی چند آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کو اولاد نہیں ہوتی تھی اس نے حضرت سے التجا کی اور اولاد کی تمنا ظاہر کی آپ کی دعا کی برکت سے اس کے یہاں تین لڑکے ہوئے جن کے نام بھوپال۔ بھوپت اور مان رکھے گئے۔ بڑا لڑکا بنام بھوپال حضرت کی دعوت اور توجہ سے مسلمان ہوا۔ آپ سے ہی بیعت کی اور دین اسلام کے متعلق علوم حاصل کیے۔ حضرت مذکور بھی اس سے بہت شفقت رکھتے تھے اور اکثر اپنے ہمسفر رکھتے تھے دربار شاہی میں بھی ایک دو مرتبہ پیش کیا۔ شاہی دربار سے سکونت کے لیے زمینات عطا ہوئی۔ اس کا اسلامی نام جمال خان تھا۔ اس نے جہاں سکونت اختیار کی اس کا نام جمال پور رکھا۔ یہی جمال پور بعد میں جوالاپور کہلانے لگا ملحقہ آبادی بنام احمد پور خورد مسلمانوں کی تھی جو اس سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔ مورخین کا گمان ہے کہ یہ لوگ حضرت علاؤ الدین صابر کلیری کی توجہ اور تبلیغ سے مسلمان ہوئے تھے۔ جمال خان نے شادی انہیں

---

[1] رپورٹ بندوبست ۱۸۶۰ء

Marfat.com

مسلمانوں میں کی جو اس کے ہم قوم راجپوت تھے اس کی اولاد بکثرت ہوئی جو اطراف میں اب بھی موجود ہے اور اپنے آپ کو رنگھڑ کہلاتے ہیں۔ بھوگپور کے رہنے والے بھی ہندو راجپوت تھے بعد میں یہ تینوں آبادیاں مل گئیں اور اب جوالاپور کے نام سے منسوب ہیں۔

۱۸۴۲ء میں جب مسٹر تھارنٹن نے ضلع سہارنپور کا بندوبست کیا اس وقت یہ راجپوت ۵۹ گاؤں کے مالک تھے لگان کی رقم بہت زیادہ تھی جو ان سے ادا نہ ہو سکی اور بعد کے بندوبست میں یہ گاؤں مقامی کاشتکاروں کو دے دیے جو ان پر کاشت کرتے تھے۔ انگریز افسران نے ان کی بڑی حق تلفی کی جس کے نتیجے میں یہ لوگ مفلسی کا شکار ہو گئے اور خاندانی شان و شوکت ان کے ہاتھ سے نکل گئی ان تمام گاؤں میں تھوڑا تھوڑا بسیب کاشتکاری ان کے پاس حصہ ہے جس سے گذر بسر کرتے ہیں۔

پرگنہ جوالاپور:۔ یہ پرگنہ گنگا کے کنارے واقع ہے اس کے مشرق میں ضلع بجنور ہے پرگنہ کی کل اراضی ۹۵,۱۱۷ ایکڑ یا ۱۴۹ مربع میل جس میں سے صرف ۲۱۰۰۰ ایکڑ کے قریب زیر کاشت ہے باقی یا تو بنجر ہے یا جنگلات ہیں۔ مغربی کنارے پر خاص طور سے بڑے گھنے جنگلات ہیں چھوٹے چھوٹے زرعی گاؤں جن کی تعداد انیسویں صدی عیسوی کے آخر تک ۱۱۵ تھی جن میں سے آٹھ گاؤں رانی لنڈھورہ کے تھے کاشتکار گوجر۔ چوہان۔ سائی گاڑہ راجپوت۔ کھتری اور شیخ ہیں۔ کنکھل کے ہندو فقیروں کے زیر کاشت تھوڑا سا رقبہ ہے ۱۹۰۱ء میں پرگنہ کی کل آبادی ۷۰۴۸۱ تھی جس میں سے ہندو ۵۲۸۹۵ اور مسلم ۱۸۵۴۵ تھے۔ اس میں جوالاپور کی آبادی ۱۴۲۶۲۔ ہردوار ۲۷۸۶۔ کنکھل ۹۱۹ یہی تین بڑے قصبے ہیں جب کہ باقی تمام زرعی گاؤں ہیں۔

پرگنہ کی آبادی کم ہونے کی وجہ ایک تو نظام آمد و رفت کا فقدان ہے۔ کاشتکار اپنی اجناس فروخت کے لیے یا تو بجنور لے جاتے ہیں یا پھر جوالاپور راستہ ناہموار اور درمیان میں ندی نالے بہت ہیں اس کے علاوہ کثیر علاقہ میں گھنے جنگلات ہیں جن کا سلسلہ پرگنہ روڑکی کے جنگلات سے جا ملتا ہے۔ گوجروں اور بنجاروں نے ان جنگلات میں ٹھکانے بنائے لئے تھے اور ڈاکہ زنی کرتے تھے جس سے

Marfat.com

علاقہ کے بہت سے گاؤں ویران ہو گئے تھے مشہور زمانہ سلطانہ ڈاکو انہیں جنگلات میں سے نکل کر واردات کرتا تھا جس کی گرفتاری کے لیے ایک انگریز بنام مسٹر ینگ خاص طور سے متعین ہوا تھا۔

پرگنہ کا کچھ علاقہ جو محفوظ دامون تھا اس میں کاشت ہوتی تھی جن کے زمینداروں کی ملکیت میں گاڑہ ۰۶۱ء۵ ایکڑ تھوجبہ ۷۶۴ ایکڑ مسلم راجپوت ۱۴۰۳ ایکڑ شیخ زادہ ۱۱۴ ایکڑ تھی حکومت برطانیہ کو جو لگان انیسویں صدی عیسوی کے آخر تک وصول ہوا اسکا تناسب یہ ہے ۱۸۲۵-۲۸ء میں ۳۲۲۰۹ روپیہ ۱۸۵۹-۶۲ء میں ۳۸۳۱۵ روپیہ ۱۸۶۴-۶۷ء میں ۵۰۱۷۵ روپیہ ۱۸۸۹-۹۰ء میں ۶۸۵۰۶ روپیہ۔

کنکھل:۔

یہ ایک قصبہ جوالا پور اور ہردوار کے درمیان میں واقع ہے اس کے مالکان اداسی فقیر ہیں جو سودی کاروبار بھی کرتے ہیں تحصیل رڑکی میں۔ زرعی زمین بھی ہیں یہاں کے رہنے والے زیادہ گوڑ برہمن ہیں جو ہردوار آنے والوں کی خدمت کرتے ہیں۔ اس قصبہ میں بہت سے اکھاڑے اور مندر ہیں اس قصبہ کی اہمیت ہردوار کی وجہ سے ہے اطراف میں کوئی قابل ذکر کاشت نہیں۔

کنکھل دریائے گنگا کے کنارہ ہے دریا سے مشرق میں ضلع بجنور ہے۔ جہاں پر ۱۸۵۷ء میں انگریز نے اپنا انتظام اٹھا لیا تھا اور تمام ملازمین سرکار بجنور چھوڑ کر چلے گئے تقریباً ایک ہزار آدمیوں کا لشکر گنگا عبور کر کے کنکھل اور ہردوار میں داخل ہوا۔ ہندوؤں کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا البتہ انگریزوں کے بنگلہ ڈاک خانہ اور تھانہ کو آگ لگا دی۔ ایک انگریز مسٹر راس جو محکمہ تار برقی کا ماہر تھا۔ اس کو پکڑ کر لے گئے مگر حسن خلق سے پیش آئے۔ کنکھل کے برہمن مالدار تھے انہوں نے اپنی پولیس بھرتی کر لی جس نے ان کی خوب حفاظت کی، انگریز حاکم ان سے بہت خوش ہوئے اور اس پولیس کے کچھ اخراجات انگریز حکومت نے ادا کیے۔ یہ لشکر کنکھل اور ہردوار سے آگے نہیں بڑھا اور واپس بجنور لوٹ گیا کلکٹر بجنور کے حکم سے جو افسران ضلع بجنور خالی کر کے کنکھل کے پل کے راستہ رڑکی

Marfat.com

پہنچے ان میں مندرجہ ذیل مسلمان تھے۔

سید احمد خاں صدر امین بجنور	۱۸۵۸ء
مولوی قادر علی تحصیلدار نگینہ	"
محمد رحمت خان ڈپٹی کلکٹر	"
میر قاسم علی تحصیلدار چاند پور	"
سید تراب علی تحصیلدار بجنور	"

باقی اور بہت سے رئیس ہندو بھی ان کے ساتھ آئے۔

ہردوار: یہ قصبہ کوہ ہمالیہ کے دامن میں اس مقام پر آباد ہے جہاں پر دریائے گنگا پہاڑوں سے نکل کر ظہور پذیر ہوتی ہے۔ ہندو دھرم میں یہ جگہ متبرک مانی جاتی ہے لوگ دور دراز سے آکر یہاں گنگا میں نہاتے ہیں ان کا گمان ہے کہ اس طرح نہلانے سے وہ گناہوں سے پاک ہو جاتے ہیں اس کی آبادی کے متعلق ہندوؤں کی روایت ہے کہ برہما کے بیٹے بنام وچھ نے اس کو آباد کیا اور وہی اس علاقہ کا پہلا راجہ تھا۔ اس نے چودھویں منوں کے راج میں ایک جشن برپا کیا جس میں سب دیوتا اور راجہ شامل ہوئے مگر اس نے اپنے داماد سری مہادیو جی کو نہیں بلایا جو اس کی لڑکی بنام مایا کا شوہر تھا۔ جب اس کی لڑکی کو یہ معلوم ہوا تو اس نے اپنے آپ کو آگ میں ڈال کر خودکشی کرلی۔ سری مہادیو جی نے یہ حال سن کر جنگ کا سامان کیا اور اس جنگ میں بہت سے آدمی مارے گئے اور راجہ وچھ بھی مارا گیا تب سری مہادیو جی نے اس کا نام مایاپوری چھتر رکھا یہاں پر ہر سال ایک بہت بڑا میلہ ہوتا ہے۔ روایتیں تو بہت ہیں کہ بھگوان۔ اگنی اور دوسرے دیوتاؤں نے یہاں پر ٹھکانہ کیا۔

یہاں کے پوجاری برہمن گوڑ ہیں جو کنکھل میں رہتے ہیں۔ سنیاسی گوشائیں اور بیراگی کے نام سے مشہور ہیں ۱۳۹۸ء۔ امیر تیمور اس علاقہ سے گزرا اور اس کے ہاتھوں کچھ ہندو مقتول ہوئے ۱۷۶۰ء میں کمبھ کے میلے کے وقت بیراگی اور گوشائیں فقیروں میں لڑائی ہوئی جس میں ہزاروں آدمی مارے گئے۔ ۱۷۹۵ء میں سکھوں نے ۵۰۰ آدمیوں کو قتل کر دیا[1]

---

[1] تاریخ بہار چند صفحہ ۹

Marfat.com

جب اورنگزیب اور اس کے بھائی دارا شکوہ میں تاج و تخت کے لیے جنگ ہوئی تو دارا شکوہ بہار میں تھا اس کا لڑکا سلیمان شکوہ اپنے باپ کے پاس جانے کے لیے ہردوار پہنچا تاکہ وہاں سے دریائے گنگا عبور کرے مگر اورنگزیب کے وفاداروں نے ناکہ بندی کردی۔ مجبوراً سری نگر کے جنگلات کی طرف نکل گیا۔ سری نگر کے زمیندار پرتھی سنگھ نے اس کو پناہ دی مگر بعد میں قید کر کے اورنگزیب کے پاس بھجوادیا۔ اس کے ساتھ اپنے لڑکے میدتی سنگھ کو کردیا۔ اورنگ زیب نے خوش ہو کر میدتی سنگھ کو دو ہزاری منصب عطا کیا اور اس کے باپ کے لیے خلعت بھیجی پرتھی سنگھ کی درخواست پر میدتی سنگھ کو دارالخلافہ دہلی میں متعین کر دیا[۵۱]

منگلور:۔

یہ قصبہ بہت قدیم ہے۔ راجپوتوں کے عروج کے زمانہ میں اس علاقہ کا راجہ وکرم دیتیا تھا اس نے یہ سرزمین ایک راجپوت سردار منگل سین کو آبادی کے لیے دی اس نے ایک گاؤں بنام منگلور اپنے نام کی مناسبت سے آباد کیا اور اپنے ہم قوم لوگوں کو جمع کر کے کاشتکاری شروع کی۔ اطراف میں گھنے جنگل تھے مسلمانوں کی حکومت جب دہلی میں قائم ہو گئی۔ تو اطراف کے لوگوں نے بڑے پیمانے پر ڈاکہ زنی اور قتل و غارت گری اختیار کی غیاث الدین بلبن جس کو رعایا کی خوش حالی اور امن وامان کا بڑا خیال تھا اپنی تخت نشینی کے دوسرے سال ۱۲۶۶ء اس علاقہ میں آیا اور قتل و غارتگری کی شورش کو دفع کر کے منگلور میں ایک قلعہ اور ایک مسجد بنوائی[۵۲] جو اب بھی مسجد شاہ ولایت کے نام سے مشہور ہے اور بعض سیاستدان اور امن پسند لوگوں کو فوج کی جمعیت کے ساتھ یہاں آباد کر کے حکم دیا کہ آئندہ قتل و غارت گری کرنے والوں کو قرار واقعی سزا دیں[۵۳]

---

۵۱ منتخب اللباب حصہ سوم صفحہ ۱۲۴
۵۲ ڈسٹرکٹ گزیٹر صفحہ ۲۷۳
۵۳ تاریخ فرشتہ ترجمہ فدا علی طالب جلد اول صفحہ ۲۸۹

Marfat.com

اسی زمانہ سے اس قصبہ میں مسلمانوں کی اکثریت ہے بعد میں کچھ صوفیا اور بزرگ بھی آئے اور انہوں نے تبلیغ دین کی جس کی وجہ سے علاقہ کے راجپوت بکثرت دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ جلال الدین محمد اکبر کے زمانہ میں پرگنہ کا صدر مقام تھا اور سرکاری عامل یہاں رہتا تھا اس نے قلعہ کو بھی پختہ کرادیا جو برطانوی راج تک قائم تھا۔ مگر انگریزوں نے اس کی اینٹیں نکال کر نہر کی تعمیر میں استعمال کر لی اور قلعہ ویران ہوگیا جس کے نشانات اب بھی موجود ہیں۔ قصبہ میں قاضی بھی مقرر کیا جس کی رہائش بھی یہیں تھی علاقہ کے شیخزادگان اور سید انہیں بزرگوں اور قاضیوں سے اپنی نسبت کرتے ہیں مگر ان کے کسی مشہور مورث اعلیٰ کا نام کتب تاریخ میں نہیں ملتا۔ محض زبانی روایات مشہور ہیں پرگنہ میں ان کی زمینداری کافی ہے مگر زیادہ زمینیں قاضی خاندان کی ہیں قاضی فدا حسین مرہٹوں کے زمانہ میں منگلور بھگوان پور اور روڑکی کے قاضی تھے۔ ان کا انتقال ۱۸۵۷ء سے پہلے ہو گیا تھا۔

قاضی فدا حسین اور ان کے خاندان کے متعلق قدیم ماخذات سے صرف ان کا قاضی ہونا ثابت ہوتا۔ ان کا کاظمی سید ہونے کا کہیں تذکرہ نہیں مگر ان کی موجودہ اولاد اپنے آپ کو کاظمی سید کہلاتی ہے۔ ان کے خاندانی رسم ورواج ان کے سید ہونے کی نفی کرتے ہیں پہلے عام مسلمان اور خاص طور سے اعلیٰ ذات یعنی برہمن سے جو لوگ مسلمان ہوتے تھے نکاح بیوگان کو بہت معیوب سمجھتے تھے۔ شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان نے نہ صرف نکاح بیوگان پر خود عمل کیا بلکہ دوسروں کو بھی اس کی ترغیب وتاکید کیا کرتے تھے۔ مولانا مملوک علی جو دہلی کالج میں عربی کے صدر مدرس تھے اور مولانا قاسم نانوتوی۔ رشید احمد گنگوہی۔ سر سید احمد کے استاد تھے۔ شاہ ولی اللہ کے خاندان سے خاص لگاؤ تھا۔ یہ مولوی رشید الدین خان دہلوی کے شاگرد تھے جو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ابن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے شاگرد تھے۔ اسی قریبی لگاؤ کی وجہ سے مولانا مملوک علی نے قاضی فدا حسین کی بیوہ بیٹی اصالت النساء سے نکاح کر لیا۔ جس کے بطن سے مولانا یعقوب علی پیدا ہوئے جو بعد میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم ہوئے۔ مذکورہ قاضی خاندان میں نکاح بیوگان کا تنفر برہمنوں سے بھی زیادہ قوی تھا اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ یہ نکاح ہونے کو تو ہو گیا مگر قاضی خاندان نے یہ سمجھا کہ ان کی ناک کٹ گئی

Marfat.com

اور آئندہ کے لیے شیوخ نانوتہ سے رشتے ناطے منقطع ہوگئے [۵۱] انگریزوں کے ابتدائی دور حکومت میں قاضی عنایت علی خلف قاضی فدا حسین منگلور، بھگوان پور اور روڑکی کے قاضی تھے [۵۲]

۱۸۵۷ء کی جدوجہد میں مانک پور کے ایک گوجر بنام امراؤ سنگھ نے اس علاقہ پر قبضہ کر لیا اور اپنے آپ کو راجہ کہلوانے لگا انگریزی فوج جب اس کے تعاقب میں پہنچی تو جنگلات میں روپوش ہوگیا۔

۱۹۰۱ء میں قصبہ کی آبادی ۷۶۳۰ تھی جس میں سے ۴۵۶۷ مسلمان اور ۳۰۵۹ ہندو تھے مسلمانوں میں پارچہ باف زیادہ تھے لکڑی کی صنعت بھی عروج پر تھی اور زیادہ کاروبار مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا۔ ۱۸۶۹ء میں بخار نے وبائی صورت اختیار کر لی تھی جس کی وجہ سے آبادی کا کافی حصہ ہلاک ہوگیا۔

پرگنہ منگلور :۔

اس پرگنہ کی کل اراضی ۸۲۶۷۷ ایکڑ تھی اور علاقہ ۱۲۲ مربع میل تھا اس میں کل زرعی گاؤں ۱۴۳ تھے کاشتکار پرگنہ۔ گوجر۔ جاٹ۔ جھوجہ۔ گاڑہ۔ سائنی۔ تگا۔ برہمن راجپوت اور شیخ تھے غالب اکثریت گوجروں کی تھی جن کا کاشتکاری میں تناسب ۴۳ فی صد تھا۔ رانی لنڈھورہ کی ملکیت میں ۱۴ گاؤں تھے۔ یہ پرگنہ بھی قدیم ہے۔ جلال الدین محمد اکبر کے زمانہ میں پرگنہ تھا اس میں تین بڑے گاؤں تھے۔ جن کا نام لنڈھورہ۔ جبرہیڑہ اور لبرہیڑی تھے۔ پرگنہ کی کل آبادی ۱۹۰۱ء ۸۰۱۹۷ تھی جس میں سے ہندو ۵۳۶۰۵ اور مسلمان ۲۶۱۴۵ تھے برطانوی حکومت کو جو لگان انیسوی صدی عیسوی کے آخر تک وصول ہوا اس کا تناسب اس طرح سے ہے :

۱۸۳۵-۴۱ء ۹۶۴۸۷ روپیہ ۱۸۵۹-۶۱ء میں ۹۶۹۹۲ روپیہ ۱۸۶۴-۶۶ء میں ۹۳۳۶۷ ۱۸۸۸-۹۰ء میں ۱۳۱۰۸۴۰ روپیہ۔

---

۵۱ مولانا محمد احسن نانوتوی، از ایوب قادری صفحہ ۴۰۔

۵۲ تاریخ سہارنپور صفحہ ۱۶۶

Marfat.com

لنڈھورہ:

اس گاؤں میں قدیم گوجر خاندان جس کے سربراہ راجہ رام دیال سنگھ تھے ان کی رہائش گاہ ہے۔ یہ خاندان بڑا قدیم ہے۔ اس خاندان کو بہت بڑی جاگیر جس کا علاقہ موجودہ بلند شہر میرٹھ۔ مظفر نگر اور سہارنپور میں تھا۔ اورنگ زیب نے دی تھی ان کے مورث اعلیٰ نے کوئی بڑا کارنامہ اورنگ زیب کی دکن کی مہم میں انجام دیا تھا جس کے عوض یہ جاگیر ان کو ملی۔ اور یہ لوگ دکن سے آکر اپنی جاگیر میں آباد ہوئے۔ ۱۸۵۷ء تک اس کا نام گجرات تھا۔ ان کا مورث اعلیٰ دھارا نگری دکن کا رہنے والا تھا جس کا نام سبھا سنگھ تھا۔ اس کا لڑکا چودھری منوہر سنگھ اس کا لڑکا لعل کنور اس کا لڑکا بدھ سنگھ اس کا لڑکا ناہر سنگھ اور اس کا لڑکا رامدیال سنگھ خاندان کے سربراہ ہوئے ہیں مرہٹوں کے زمانے میں ناہر سنگھ نے بہارنپور کے بہت سے دیگر گاؤں کو اپنے قبضہ میں لے لیا تھا۔ رامدیال سنگھ کو مرہٹوں نے راجہ کا خطاب دے کر سہارنپور کا عامل بنا دیا تھا۔ انگریزوں کے ابتدائی دور میں راجہ رام دیال سنگھ کے قبضہ میں ۸۲۷ گاؤں تھے مگر انگریز کلکٹر نے اس کی جائز ملکیت میں صرف ۵۰۵ گاؤں تسلیم کیے باقی گاؤں موروثی کاشتکاروں کو دے دیے۔ اورنگ زیب کا شاہی فرمان جوان کے پاس تھا اس کو تسلیم نہیں کیا۔ راجہ رام دیال سنگھ کے بعد اس خاندان میں کوئی اچھا منتظم پیدا نہیں ہوا۔ خاندان مقروض ہوگیا اور تمام جائیداد قرض کے عوض دوسروں کو منتقل ہوگئی۔ اس خاندان میں سے ایک شخص بنام باہل سنیاسی فقیر ہوگیا تھا۔ اس کا مقام اسی لنڈھورہ میں ہے اور خاندان کے تمام افراد اس کی پوجا کرتے تھے۔

جبرہیڑہ:

محمد شاہ بادشاہ دہلی کے زمانے میں جب علاقہ کی مال گزاری زیادہ ہوگئی تو بادشاہ کے حکم سے۔ نواب حاکم خان ناظم ضلع سہارنپور نے یہاں مکان اور قلعہ بنوا کر سکونت اختیار کی اور ایک مسجد ۱۷۸۴ء میں بنوائی قلعہ تو مسمار ہوگیا مگر اس کے نشانات باقی ہیں جب کہ مکان میں راجہ رام دیال سنگھ کا خاندان آباد ہے مسجد بھی موجود ہے ۱۹۰۱ء اس گاؤں کی آبادی ۳۴۷۹ تھی جس میں سے ہندو ۲۵۹۳ اور مسلمان ۸۲۷ تھے ماطراف میں بڑے گاؤں لبرہیڑی اور منڈلانہ ہیں جو بنیادی طور سے زرعی گاؤں ہیں یہاں کے زمیندار، کاشتکار، گوجر اور جاٹ ہیں

Marfat.com

مسلمانوں کی تعداد قدرے قلیل ہے۔ لبرہیڑی کی کل آبادی ۳۹۸۲ میں سے مسلمان صرف ۴۰۵ تھے۔ منڈلانہ کی کیفیت بھی ایسی ہی تھی۔ پرگنہ منگلور میں انیسویں صدی عیسوی کے آخر تک مسلمانوں کی زمینداری میں پٹھانوں کے پاس ۲۹۲ ایکڑ گاڑہ ۱۶۶۳ ایکڑ جھوجہ ۴۰۴ ایکڑ راجپوت ۸۹۴ ایکڑ سید ۱۲۰۷ ایکڑ شیخ زادہ ۲۳۶۴ ایکڑ اراضی تھی۔

بھگوان پور:۔

قصبہ بھگوان پور بنیادی طور سے ایک زرعی گاؤں ہے اس کی اہمیت محض پرگنہ ہونے کی وجہ سے زیادہ ہے ورنہ کوئی بازار اور تجارت قصبہ میں نہیں اس قصبہ کو راجپوت اور برہمنوں نے مشترکہ طور پر ۱۰۱۶ء میں آباد کیا۔ اس سے ملحق ایک گاؤں بنام شاہ پور پہلے سے آباد تھا۔ اب قصبہ میں مل کر اس کا حصہ بن گیا اور الگ نام باقی نہیں رہا۔ ۱۹۰۱ء اس کی آبادی مع گاؤں شاہ پور ۲۶۹۰ تھی جس میں سے ہندو ۱۷۳۶ اور مسلمان ۹۴۷ تھے۔

پرگنہ بھگوان پور:۔

اس پرگنہ میں کل قابل کاشت اراضی ۹۸۹۱۵ ایکڑ تھی جب کہ اس کا علاقہ ۱۵۴ مربع میل پر پھیلا ہوا تھا۔ پرگنہ میں جنگلات ایک وسیع رقبہ پر تھے جن کا انتظام حکومت کے اہلکار کرتے تھے پرگنہ کا شمالی علاقہ انتہائی غیر ترقی یافتہ تھا کیونکہ آب پاشی کے لیے پانی بہت گہرائی میں ملتا تھا جب کہ جنوبی علاقہ ترقی یافتہ تھا اور کاشت بخوبی ہوتی تھی۔ پرگنہ میں کل ۱۳۰ گاؤں تھے فن زراعت میں ماہر کاشتکار اراضی کی ملکیت راجپوت ۳۲ فی صد گوجر ۱۲ فی صد۔ تگا ۸ فی صد گاڑہ ۷ فی صد۔ غیر حاضر مالکان اراضی میں دو گاؤں خان صاحب محمد نعیم خان کیلاش پوری کے تھے اور ایک گاؤں۔ رائے پور پرگنہ مظفر آباد کے شیخوں کی ملکیت تھا۔ پرگنہ کی آبادی ۱۹۰۱ء میں ۷۰۴۱۲ جس میں سے ہندو ۴۳۹۶۶ اور مسلمان ۲۶۲۷۵ تھے۔ حکومت برطانیہ کو انیسویں صدی عیسوی کے آخر تک حاصل ہونے والے لگان کا تناسب کچھ اس طرح سے تھا۔

۱۸۳۵ء میں ۸۱۴۵۶ روپیہ ۶۱-۱۸۵۹ء میں ۸۲۰۶۳ روپیہ ۶۷-۱۸۶۴ء میں ۷۶۹۴۵ روپیہ ۹۰-۱۸۸۸ء میں ۱۰۲۴۳۰ روپیہ پرگنہ میں غالب اکثریت مالکان زمین کی

Marfat.com

راجپوت اور گوجر تھے جن کی ملکیت قطع نظر اس کے کہ وہ مسلمان ہیں یا ہندو مخلوط طریقہ سے درج تھی جب کہ دیگر مسلمانوں کی ملکیت میں شیخ ۱۲۲۲ ایکڑ۔ سید ۳۹۰۷ ایکڑ شیخ زادہ ۲۲۳ ایکڑ گاڑہ ۵۹۳۱ ایکڑ جھوجہ ۵۸۳ ایکڑ۔ مسلم تگا ۲۰۶ ایکڑ تھی اس پرگنہ میں بڑے گاؤں۔ سکروده۔ کھیڑی پنیالہ اور سری چندی جن کی آبادی دو ہزار افراد سے زیادہ تھی۔

سکروده نانوں خان اور کمال خان نے آباد کیا ان کے مورث اعلیٰ جوالا پور کے پنڈیر راجپوت تھے۔ کچھ عرصہ بعد ان دونوں بھائیوں میں نفاق ہوگیا نانوں خان کے دو بیٹے تھے نام طاہر خان اور بہلول خان۔ انہوں نے سکروده سے ترک سکونت کر کے کھیڑی اور سری چندی آباد کر لیا۔ جب کہ کمال خان کی اولاد میں فیروز خان اس کے دو لڑکے فتح محمد خان اور مومن خان مومن خان لاولد اور فتح خان کے چار لڑکے بنام جان محمد خان۔ خان محمد خان۔ بہادر خاں اور یوسف خان تھے۔ ان کی اولاد میں سے راؤ قطب الدین خان بڑا لائق اور قابل تھا۔ اس نے نواب ضابطہ خان کے زمانہ میں سکروده کے ۴۹ گاؤں ملا کر الگ ٹپہ بنالیا تھا۔ اس کا تعمیر کردہ نقار خانہ سکروده میں اب بھی موجود ہے۔ اس کے وارثوں میں سے راؤ امیر خان ۱۸۶۰ء کے عشرہ میں زندہ تھے یہ ٹپہ ۱۸۳۹ء میں انگریزوں نے ختم کر کے پرگنہ بھگوان پور میں شامل کر دیا تھا۔ ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کے اعتبار سے گاؤں کی آبادی ۳۰۷۰ تھی جن میں سے ۲۰۱۴ مسلمان تھے۔ گاؤں میں ایک مزار شاہ بجن صاحب کا مشہور ہے جس کا ہر سال ماہ ربیع الاول میں عرس ہوتا تھا[۵۸]۔ موضع سکروده میں اپر پرائمری اسکول میں طالبعلموں کی تعداد ۴۸ تھی۔

نانوں خان کے دو لڑکوں میں سے بہلول خان نے موضع کھیڑی آباد کیا جب کہ طاہر خان نے موضع سری چندی آباد کیا۔ دونوں گاؤں میں ان کی اولاد بکثرت آباد ہے نواب ضابطہ خان کے زمانہ میں کھیڑی۔ سری چندی خیل پور اور دیگر بہت سے گاؤں ملا کر ان راجپوتوں نے الگ ٹپہ بنالیا تھا جو انگریزوں نے ۱۸۳۹ء میں ختم کر کے پرگنہ بھگوان میں شامل کر دیا موضع

---

۵۸ تاریخ بہارنپور صفحہ ۱۷۹

Marfat.com

کھیڑی کی آبادی سنہ ۱۹۰۱ء ۲۲۰۴ تھی جس میں سے ۲۴۴ مسلمان تھے۔ کھیڑی میں لوور پرائمری اسکول میں طالب علموں کی تعداد ۲۷۔ سری چندی میں لوور پرائمری اسکول میں طالب علموں کی تعداد ۲۷ اور خیل پور میں بھی لوور پرائمری اسکول تھا جس میں طالب علموں کی تعداد ۱۱ تھی۔ سری چندی اور خیل پور کے راجپوت پنڈیرا اپنے آپ کو گاڑہ کہلاتے ہیں۔

Marfat.com

فصل چہارم

دیوبند

یہ قصبہ اسلامی درس گاہ کی نسبت سے دنیا بھر میں مشہور ہے اس کی قدامت کے متعلق سہارنپور ڈسٹرکٹ گزیٹر مطبوعہ ۱۹۰۹ء میں درج ذیل تحریر ہے :-

"P 224, Deoband is a place of great antiquity and is said to have been the residence of the Pandavas during their first exile, while the Musalmans assert that it was one of the first towns captured by Syed Salar Massood."

ترجمہ :- دیوبند انتہائی قدیم جگہ ہے کہا جاتا ہے کہ پانڈوں نے اپنے پہلے جلاوطن ہونے کے بعد اس کو اپنی قیام گاہ بنایا تھا جب کہ مسلمانوں کا کہنا ہے کہ یہ پہلا قصبہ ہے جس کو سید سالار مسعود نے فتح کیا۔

سید سالار مسعود سلطان محمود غزنوی کے رشتہ دار اور فوجی کمانڈر تھے ان کا مزار بہرائچ میں آج بھی مرجع خاص و عام ہے۔ اس قصبہ کے نام کے متعلق مختلف روایات ہیں جن کے نقل کی چنداں ضرورت نہیں۔

تاریخ دیوبند مؤلفہ محبوب رضوی کے مطابق دیوبند کے مندرجہ ذیل مزارات سب سے قدیم سمجھے جاتے ہیں جن سے مسلمانوں کی آمد اور یہاں پر تبلیغ وارشاد کا زمانہ کسی حد تک متعین کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ شیخ علاؤ الدین مشہور بشاہ جنگل باشں متوفی ۷۲۲ھ بمطابق ۱۳۲۱ء شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ اور شیخ سعدی شیرازی کے ہم درس اور خواجہ تاش تھے۔

ان کا شیخ شہاب الدین سہروردی کا خلیفہ اور شیخ سعدی شیرازی کا ہم درس ہونا قیاساً بھی صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ ان کی وفات کے وقت دہلی میں سلطان محمد تغلق کی سلطنت تھی جبکہ

Marfat.com

شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ سید نورالدین مبارک غزنوی شمس الدین التمش کے زمانہ میں شیخ الاسلام تھے۔ اور ۱۲۳۴ء میں ہندوستان آنے کے بعد انتقال ہوا[۵] سلطان شمس الدین التمش کو خلیفہ بغداد کی طرف سے سند حکومت ۶۲۶ھ بمطابق ۱۲۲۹ء کی ملی[۶] یوں درمیان میں تقریباً ایک صدی کا فاصلہ ہے۔ شیخ سعدی شیرازی کا زمانہ تو اور بھی اس سے قبل ہے۔

۲۔ شیخ شہاب الدین سنجاری مشہور بشاہ ولایت شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء پانی پتی سے بیعت تھے۔ ۷۸۰ھ بمطابق ۱۳۷۸ء کو وفات پائی۔

۳۔ قالو قلندر سن وفات ۸۲۵ھ ۱۴۲۱ء۔

۴۔ شیخ معز الاسلام:۔ ان کے زمانے کے متعلق صرف اتنا لکھا ہے کہ شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی کے شرف صحبت سے مستفیض ہوئے۔ مذکورہ شیخ بہاؤالدین کا زمانہ ۶۶۱ھ بمطابق ۱۲۶۲ء یا ۶۶۶ھ بمطابق ۱۲۶۷ء مذکور ہے۔ صدیقی شیوخ کا سلسلہ نسب دیوبند میں انہیں سے چلا۔ ان کا شیخ بہاؤالدین کا ہمسفر ہونا قرین قیاس نہیں ہے۔

۵۔ خواجہ ابوالوفاء:۔ ان کے زمانے کا تعین بھی نہیں ہے۔ شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء پانی پتی کے ابن عم ہیں جن کا زمانہ وفات ۷۶۵ھ ۱۳۶۳ء مذکور ہے۔ دیوبند کے عثمانی شیوخ انہیں کی اولاد میں سے ہیں خواجہ صاحب مذکور کا شجرہ بھی دیا ہے جس کی بناء صرف ایک روایت ہے۔

۶۔ سید محمد ابراہیم متوفی ۱۰۳۴ھ بمطابق ۱۶۲۴ء اس بزرگ نے سب سے پہلے دیوبند میں خانقاہ تعمیر کی جس میں تعلیم و تدریس اور تذکیر و تذکیہ کا کام جاری ہوا۔ شہنشاہ جہانگیر

---

[۵] سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات مؤلفہ خلیق احمد نظامی صفحہ ۱۰۹ اور
Sufi order in Islam, P. 22.

[۶] سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات مؤلفہ خلیق احمد صفحہ ۱۲۷ اور

Marfat.com

اور اورنگزیب نے وظائف اور جاگیریں دیں آگے صفحہ ۵۰ پر مذکور ہے کہ یہ خانقاہ اور اس میں بنے ہوئے مکانات تباہ ہو گئے اور آج کل "مسلمانوں کی ایک زراعت پیشہ قوم اس میں آباد ہے۔"

اس کے علاوہ چند قدیم عمارات کا تذکرہ جن کا سن تعمیر متعین نہیں۔ مذکورہ مزارات سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ یہ صاحب مزار تقریباً آٹھویں صدی ہجری میں اس قصبہ میں آئے مگر ان واقعات سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ مسلمان بھی اسی زمانے میں یہاں آکر آباد ہوئے شواہد موجود ہیں کہ شہاب الدین غوری کے زمانے میں مسلمان یہاں آکر سکونت پذیر ہوئے ان کی موجودہ نسل ممکن ہے کہ اس حقیقت سے آشنا نہ ہو۔

اس قصبہ کی تاریخ کا دوسرا ماخذ "تاریخ سہارنپور مؤلفہ منشی نند کشور" جس کے مطابق قصبہ کی قدیم ترین مسجد ۹۱۶ھ میں سلطان سکندر بن بہلول لودھی نے بنوائی۔ جب کہ اس کی آبادی کے متعلق تحریر ہے کہ سلطان محمود غزنوی نے اس کی بنیاد رکھی اور جب آبادی بڑھنے لگی تو برہمن مسلمان اور گوجر اس میں آکر آباد ہوئے۔ اطراف میں جنگل ہونے کے باعث قصبہ میں ڈاکہ زنی کے لیے ڈاکوؤں نے ٹھکانے بنا لیے۔ سلطان شہاب الدین غوری نے جب دہلی فتح کر لی تو اس کے علم میں ڈاکہ زنی کی واردات کا کثرت سے ہونا لایا گیا۔ مذکورہ سلطان کے حکم پر مرزا الوربیگ اور حسن بیگ اور حیات بیگ قوم مغل اس قصبہ میں آکر آباد ہوئے اور قزاقوں کو قتل اور گرفتار کیا بادشاہ کے حضور پیش کیا یہ قزاق معافی کے خواستگار ہوئے اور جائے سکونت کی درخواست کی بادشاہ نے قبول کیا اور موضع نور پور (جو اب دیوبند کی آبادی میں شامل ہو گیا ہے) اور چہارم حصہ موضع دیوبندان کے نام ہوا۔ اس سے پیشتر گوجر اس میں آباد تھے اور کاشتکاری کرتے تھے۔ یہ گوجر بھی بباعث کاشتکاری دیوبند کی زمینداری میں شامل ہوئے۔ بعہد جلال الدین اکبر یہ گوجر مسلمان ہو گئے اور عہدہ چودھرائی ان کے لیے مخصوص ہوا۔ مرہٹوں کے دور حکومت میں چودھری صابر بخش کو بہت عروج ہوا۔ اطراف کے چند گاؤں اور چہارم حصہ قصبہ دیوبند کا اس کے نام ہوا۔[1]

---

[1] تاریخ سہارنپور صفحہ ۱۶۰۔ ۱۶۱

Marfat.com

منشی نند کشور کی روایت کہ اس قصبہ کی آبادی سلطان محمود غزنوی کے ہاتھوں ہوئی کچھ درست نہیں معلوم ہوتی کیونکہ ڈسٹرکٹ گزیٹیر کے مطابق یہ قصبہ سید سالار مسعود کے ہاتھوں مفتوح ہوا۔ اس سے اس قیاس کو تقویت ملتی ہے کہ سلطان محمود غزنوی خود اس طرف نہیں آیا بلکہ سید سالار مسعود کو اس اطراف میں بھیجا۔ اور یہ کہ جب مذکورہ سپہ سالار مسعود آئے تو یہاں پر آبادی موجود تھی جس کو اس نے فتح کیا۔

گوجروں کے بارے میں اس سے پیشتر ذکر ہو چکا ہے کہ چھٹی صدی عیسوی میں وہ دوآبہ میں پہنچ چکے تھے اور اپنی آبادیاں قائم کر لی تھیں۔ دیوبند کے گرد و نواح کے گاؤں میں گوجروں کا موجود ہونا پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے۔ ڈسٹرکٹ گزیٹیر کی صفحہ ۱۹۹ کی مندرجہ ذیل تحریر اس کی مزید شہادت مہیا کرتی ہے۔

"The next day he proceeded to the three Gujar villages of Babupur, Fatehpur and Sampla Bakal."

ترجمہ: دوسرے دن وہ تینوں گوجروں کے گاؤں بنام بھوپور۔ فتح پور سانپلہ بقال گیا۔

ان واقعات سے اس قیاس کو تقویت ملتی ہے کہ دیوبند کو سب سے پہلے جن لوگوں نے بسایا اور آباد کیا وہ گوجر تھے۔ اطراف میں ان کے چھوٹے چھوٹے گاؤں آباد ہوئے مذکورہ تین گوجروں کے گاؤں بنام بھوپور۔ فتح پور۔ سانپلہ بقال دیوبند کے قرب و جوار میں واقع ہیں۔ ان گوجروں کا بااثر طبقہ جو دیوبند میں رہتا تھا جب مسلمان ہوا تو یہ لوگ بھی مسلمان ہو گئے اور اسی وجہ سے عہدہ چودھرائی ان کو ملا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ منشی نند کشور نے صابر بخش نامی ایک شخص کا ذکر ان چودھریوں کی آخری نسل کے بڑے متمول اور رئیس ہونے کے ضمن میں کیا۔ منشی نند کشور نے اپنی کتاب کا مسودہ ۱۸۶۸ء میں تیار کیا اس وقت یا تو مذکورہ صابر بخش موجود ہوں گے یا ان کے انتقال کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا ہوگا جو کسی شک کا باعث ہو اس لیے مؤلف نے دیوبند کے سرکردہ شخص کے طور پر اس کا ذکر کر دیا۔ مرہٹوں نے ۱۸۰۳ء میں معاہدہ زنجی گاؤں کے تحت علاقہ کا اقتدار ایسٹ انڈیا کمپنی کو منتقل کیا۔ ۱۸۰۳ء سے

Marfat.com

۱۸۱۷ء تک علاقہ کا انتظام بیگم شمرو کے حوالے رہا اور پہلا انگریز کلکٹر بنام مسٹر مور ضلع سہارنپور بشمول دہرہ دون اور مظفر نگر ۱۸۱۸ء میں مقرر ہوا۔ مذکورہ صابر بخش کا لڑکا بنام الٰہی بخش سر سید کا ہم عصر تھا اس نے کمپنی کی ملازمت اختیار کر لی۔ اس نے ایک شادی مقامی گوجروں میں کی جس سے ایک لڑکا بنام محمد لطیف پیدا ہوا۔

محمد لطیف کے تین لڑکے بنام محمد ہاشم۔ محمد کاظم۔ محمد قاسم۔ محمد ہاشم پولیس میں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ تھے جن کا ایک لڑکا بنام شوکت ہاشم پاکستان آکر انتقال کر گیا ان کی اولاد موجود ہے۔ ایک لڑکی بنام نوشابہ بیگم مولوی منفعت علی وکیل سہارنپور سے بیاہی گئی ان کی اولاد میں سے مشرف علی کراچی میں مقیم ہیں۔ محمد ہاشم نے دوسری شادی اپنے بھائی محمد قاسم کی بیوہ سے کی جس کے بطن سے ایک لڑکا بنام ریاض ہاشم اور اس کا ایک لڑکا ڈاکٹر رضوان ہاشم اور ایک لڑکی روحانہ ہاشم پاکستان میں مقیم ہیں۔ محمد کاظم کی کوئی اولاد زرینہ نہیں تھی چار لڑکیاں پیدا ہوئیں بنام رفعت زوجہ ہدایت اشرف۔ عشرت زوجہ شہاب اشرف فرحت زوجہ محمد احمد عصمت زوجہ وکیل اظہر جو سب پاکستان آگئے تھے۔ محمد قاسم کے دو بچے ہونے کے بعد نوجوانی میں انتقال ہو گیا تھا۔ ایک لڑکا بنام نیروز قاسم لکھنؤ میں آباد ہو گیا تھا اور وہیں انتقال ہوا جب کہ دوسری لڑکی فیروز بانو زوجہ اصغر حیدر تھی جس کے بطن سے تین لڑکیاں بنام جہاں آرا زوجہ مشرف علی۔ روشن آرا زوجہ صغیر احمد صدیقی نگہت آرا زوجہ محمد سعید خان پاکستان میں ہیں۔ جب کہ ایک لڑکا بنام محمد سعید بمبئی میں مقیم ہے۔

مولوی منفعت علی۔ بافوں والی ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے علی گڑھ میں تعلیم پائی اور سہارنپور میں کامیاب وکالت کی مولانا اشرف علی تھانوی کے مریدان خاص میں سے تھے۔ سہارنپور مسلم لیگ صدر اور یوپی اسمبلی کے رکن رہے۔ لیاقت علی خان کے ہم جماعت تھے جو اپنی وزارت عظمیٰ کے زمانے میں اکثر ان سے مشورے لیتے تھے اور بڑی قدر کرتے تھے۔ قائد اعظم محمد علی جناح کے قریب ترین ساتھیوں میں سے تھے۔ ان کا بڑا لڑکا بنام آصف علی ریلوے کے محکمہ میں اعلیٰ افسر تھا مگر نوجوانی میں انتقال ہو گیا ورثین

Marfat.com

ہیں دو لڑکے اور دو لڑکیاں چھوڑیں۔ اس کی بیوی مسمات جہاں آرا سے اس کے چھوٹے بھائی مشرف علی نے نکاح کر لیا۔

مولوی منفعت علی مذکور کی والدہ سانپلہ بقال پرگنہ دیوبند کے ایک زمیندار کی لڑکی تھی ان کی والدہ کی دوسری شادی موضع پانڈولی پرگنہ ناگل تحصیل دیوبند کے ایک زمیندار خاندان میں بیاہی گئی جس کے بطن سے چار لڑکے اور دو لڑکیاں پیدا ہوئی سب سے بڑے لڑکے منشی حبیب احمد نہایت متقی اور پرہیزگار تھے بچوں کو مفت تعلیم دیا کرتے تھے ۱۹۳۷ء میں انتقال کیا جب کہ سب سے چھوٹے لڑکے بنام حاجی محمد علی نے کافی عمر پائی اور ۱۹۸۸ء میں انتقال کیا۔ مزید تفصیل موضع پانڈولی پرگنہ ناگل میں دی جائے گی۔

مولوی منفعت علی کو علماء اور بزرگانِ دین سے بہت لگاؤ تھا۔ شیخ الحدیث مولانا زکریا۔ اپنی تصنیف یادِ ایام کے صفحہ ۲۱۹ پر لکھتے ہیں کہ مولوی منفعت علی صاحب سابق وکیل سہارنپور جو تقسیم کے بعد کراچی جا کر انتقال کر گئے۔ میرے والد قدس سرہٗ کی وجہ سے مجھ پر شفیق تھے" اور "آپ بیتی ۴ کے صفحہ ۵ پر لکھتے ہیں کہ "حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ[1] اپنی علالت کے زمانہ میں آخری دور میں بجائے مدرسے کے قیام کے مولوی منفعت علی وکیل مرحوم کے مکان پر قیام فرمانے لگے تھے۔ اس لیے کہ وہاں استنجے وغیرہ کی سہولت زیادہ تھی۔"

الٰہی بخش نے دوسری شادی دہلی کے رئیس خاندان میں کی جس کے بطن سے مذکور کے تین لڑکے ہوئے۔ محمد رفیق۔ محمد صادق۔ محمد حامد۔ تینوں نے ابتدائی تعلیم علی گڑھ میں پائی۔ محمد رفیق نے لندن سے بیرسٹری کی۔ اور بعد میں الٰہ آباد ہائی کورٹ کے جج ہوئے محمد رفیق۔ سید محمود پسر سرسید احمد خاں کے ہم جماعت تھے اور ان تین لڑکوں میں سے تھے جن کو سرسید احمد خاں بیرسٹری کی تعلیم کے لیے داخلہ دلانے کے لیے لندن لے کر گئے۔ قانون دان حلقوں میں بڑے عزت کا مقام رکھتے تھے دوسرے لڑکے محمد صادق ڈاکٹر تھے جب کہ

---

[1] ح ط: حکیم الامت سے مراد مولانا محمد اشرف علی تھانوی ہیں۔

Marfat.com

آنریبل جسٹس محمد رفیق صاحب جج ہائی کورٹ

مسٹر محمد رفیق ولد الٰہی بخش خان سابق جج ہائی کورٹ الہ آباد۔

Marfat.com

محمد ہاشم ولد محمد لطیف ولد الٰہی بخش ایک انگریز ایس۔پی۔
دیوبندی۔ ڈی۔ ایس۔ پی

Marfat.com

محمد قاسم ولد محمد لطیف ولد الٰہی بخش تمان دیوسنانی جن کا عین جوانی میں انتقال ہو گیا تھا

Marfat.com

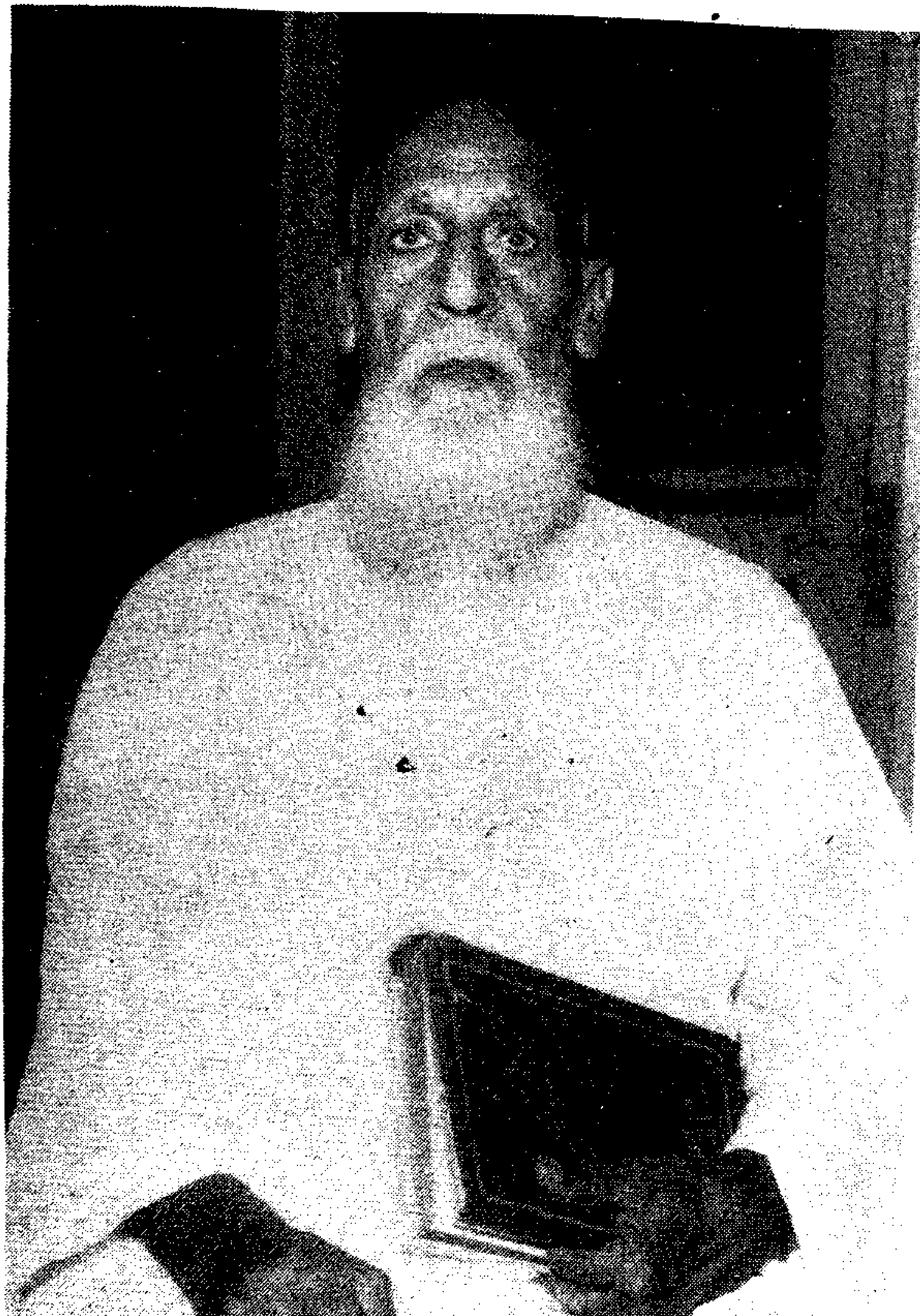

مولوی منفعت علی مرحوم صدر مسلم لیگ سہارنپور اور سابق ممبر یوپی اسمبلی مولانا اشرف علی تھانوی
کے مرید خاص اور محمد ہاشم ڈی۔ایس۔پی کے داماد۔

Marfat.com

محمد حامد وزیر آثار قدیمہ ریاست بھوپال میں تھے۔ جسٹس محمد رفیق کی شادی نواب لوہارو کے خاندان میں ہوئی۔ ان کے ایک لڑکا نام احمد رفیق حیدر آباد دکن میں سپرنٹنڈنٹ پولیس تھا۔ اور وہیں آباد ہو گیا جب کہ باقی دو لڑکیوں میں سے ایک کی شادی نواب ممتاز حسن خان دہلوی سے ہوئی جب کہ دوسری کی شادی میاں اعجاز احمد ڈائرکٹر ایگریکلچر پنجاب سے ہوئی۔ نواب ممتاز حسن خان کا ایک لڑکا بنام بریگیڈیر جسٹس حسن خان پاکستان فرنٹیئر سروس میں ہے۔ جب کہ میاں اعجاز احمد کے دو لڑکے۔ خالد اعجاز اور ہمایوں اعجاز اور دو لڑکیاں پروین اعجاز اور شیریں اعجاز پاکستان میں ہیں۔ (یہ معلومات اپنے ذرائع سے حاصل ہوئی ہیں)

الٰہی بخش خان برطانوی حکومت کی ملازمت پوری کرکے دہلی میں آباد ہو گئے تھے۔ اور ۱۸۹۲ء سے ۱۹۰۶ء تک دہلی میونسپل کمیٹی کے ممبر اور وائس چیئرمین رہے [۱]

مسلمان مغل حکومت کے زوال سے اخلاقی اور تعلیمی پستی کی طرف بڑی تیزی سے جا رہے تھے اس کے ساتھ ساتھ انگریزی حکومت کا رویہ بھی مسلمانوں کے لیے انتہائی نامناسب تھا تعلیم کے دروازے تقریباً تمام مسلمانوں پر بند تھے جہالت کی تاریکی بری طرح سے چھا رہی تھی مسلمانان دہلی کا صاحب ثروت طبقہ اس کو محسوس کر رہا تھا تعلیم کے مواقع فراہم کرنے کے لیے ایک انجمن مسلمانان دہلی نے قائم کی جس کا نام انجمن مؤید الاسلام تھا۔ اسی انجمن کے تحت فتح پوری مسجد اور دیگر علاقوں میں مدرسے قائم کیے گئے۔ یہ انجمن ۱۸۹۲ء میں قائم ہوئی اور اس کے بانی اور اولین سرپرست حکیم اجمل خان، حکیم ذاکر الدین حکیم غازی الدین، محمد اکرام اللہ اور الٰہی بخش خان تھے [۲]

مسلمانان دہلی کی سیاسی بصیرت بھی کم نہ تھی وہ یہ محسوس کر رہے تھے کہ انڈین نیشنل کانگریس میں ہندوؤں کا غلبہ ہے اور مسلمان اس میں شریک ہونا پسند نہیں کرتے۔ جیسا کہ سرسید احمد خان کہہ چکے تھے یہ ممکن نہیں کہ ہندو اور مسلمان ایک ہی تخت پر بیٹھ کر مشترک

---

[۱] Delhi between two Empires. P. 233.

[۲] Delhi between two Empires. P. 127.

Marfat.com

حکومت کریں اس لیے اکابرین دہلی نے مسلمانوں کے لیے الگ تنظیم کو ضروری سمجھا۔ اور ۱۹۰۲ء میں محمڈن کانفرنس دہلی میں منعقد کی۔ اس کانفرنس کی صدارت آغا خان نے کی اور اس کا اہتمام ایک کمیٹی نے کیا جس کے ارکان میں مولوی نذیر احمد، حکیم اجمل خان۔ ظہیر الدین شیخ۔ سید سلطان مرزا اور الٰہی بخش خان تھے[1] یہی کانفرنس بعد کے سالوں میں مسلم لیگ کے نام سے ابھری اور یہ دعویٰ کیا کہ مسلمان الگ قوم ہیں مسٹر محمد علی جناح کے زیر صدارت مسلم لیگ نے مسلمانان برصغیر کے لیے الگ وطن حاصل کرنے کی کامیاب جدوجہد کی۔

یہ بھی قابل توجہ ہے کہ شہاب الدین غوری کے حکم سے آباد ہونے والے مغلوں کی اولاد کے بارے مذکورہ محبوب رضوی اور منشی نند کشور نے کچھ نہیں لکھا جب کہ ان کی مؤلفہ کتاب سے یہ واضح ہے کہ دیو بند میں برہمن۔ گوجر اور شیخ زادگان اب تک آباد ہیں محبوب رضوی نے اشارتاً لکھا ہے کہ سید محمد ابراہیم کی خانقاہ تو تباہ ہو گئی مگر اس میں مسلمانوں کی ایک زراعت پیشہ قوم آباد ہے۔ یہ قوم آج کل "گاڑہ" کے نام سے موسوم ہے شاید اسی قباحت کی وجہ سے موصوف نے "زراعت پیشہ قوم" لکھنے پر اکتفا کیا۔ اسی قوم کے ایک فرد کا دعویٰ ہے کہ یہ لوگ اصل میں مغل ہیں جس کی شہادت میں وہ قدیم تمغے اور دستاویزات پیش کرتے ہیں۔ یہ قرین قیاس ہے کہ یہ لوگ مذکورہ مغلوں کی اولاد میں سے ہوں۔ اور قرب وجوار کے گاڑوں سے "بیاہ داری" کی وجہ سے گاڑے کہلاتے لگے ہوں۔ اور وہ جگہ جہاں پر سید ابراہیم نے خانقاہ تعمیر کی تھی انہیں کی ملکیت ہو اور جب خانقاہی نظام درہم برہم ہو گیا تو یہ لوگ اس جگہ پر قابض ہو گئے ہوں۔

محبوب رضوی نے چھ بزرگوں کا قدیم مزارات کے حوالے سے ذکر کیا ہے جن میں سے تین شیخ ایک قلندر ایک خواجہ اور ایک سید ہیں۔ دیو بند کے صدیقی شیوخ کا سلسلہ نسب کے مورث اعلیٰ شیخ معز الاسلام کو بتلایا ہے۔ مردم شماری رپورٹ ۱۸۶۵ء مطبوعہ الٰہ آباد ۱۸۶۷ء کی رو سے ضلع سہارنپور میں شیخ صدیقی کی تعداد ۲۰۰۰۰ نفوس ہیں

---

[1] Delhi between two Empires. P. 129.

Marfat.com

جب کہ شیخ انصاری ۲۰۰۰۰ شیخ قریشی ۲۰۰۹۶ شیخ فاروقی ۳۰۰۰ شیخ مثنی ۸۶۰۰ اس میں شیخ عثمانی کی تعداد کا ذکر نہیں ممکن ہے عثمانیوں نے بعد میں اپنی الگ قومیت بنائی ہو۔ قابل غور بات یہ ہے کہ شیخ معز الاسلام صرف دیوبندی صدیقوں کے مورث اعلیٰ ہیں یا تمام ضلع میں آباد صدیقیوں کے اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ وہ صرف دیوبندی شاخ کے مورث ہیں تو یہ لازم آتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کی بہت سی اولاد اس ضلع میں آکر آباد ہوئی نسب کی برتری کچھ مصدقہ نظر نہیں آتی سہارنپور کے ایک صدیقی خاندان کے بارے میں تحقیق سے پتہ چلا کہ اصل میں وہ کلال ہیں یہی صورت خواجہ ابوالوفا جن کو عثمانی شیوخ کا مورث ظاہر کیا گیا ہے کے ساتھ نظر آتی ہے مثلاً مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اپنی کتاب موسومہ "میرے والد ماجد اور ان کے مجرب عملیات" مطبوعہ کراچی کے صفحہ ۶ پر لکھتے ہیں:۔

"مجھے اپنے خاندان کا کوئی موثق اور باسند نسب نامہ ہاتھ نہیں آیا جس سے خاندان کے صحیح اور مستند حالات معلوم ہوتے۔ مگر شریعت نے ان معاملات میں سند متصل ہونے کی شرط نہیں رکھی بلکہ بڑے بوڑھوں کی زبان پر عام شہرت کو کافی سمجھا ہے جس کو فقہا کی اصطلاح میں تسامع کہا جاتا ہے میں نے اپنے خاندان کے بزرگوں سے بتواتر یہ بات سنی ہے کہ ہمارا خاندان حضرت عثمان غنیؓ کی اولاد میں سے ہے ان کا اصل وطن قصبہ چور اسی ہے جو قصبہ منگلور کے پاس دیوبند سے تقریباً تیس میل کے فاصلہ پر ہے"

آگے چل کر لکھتے ہیں کہ مغل سلطنت کے زوال کے وقت قصبہ چوراسی کے ہندوؤں نے فتنہ و فساد برپا کر دیا جس سے دل برداشتہ ہو کر ان کے جد امجد حافظ کریم اللہ دیوبند منتقل ہو گئے اصل واقعہ کچھ یوں ہے کہ ایک شخص بنام جیت سنگھ گوجر ڈاکہ زنی کیا کرتا تھا اس نے اپنے پاس خاصی تعداد میں مسلح جوان جمع کر لیے تھے نواب نجیب خان کو بادشاہ دہلی نے اپنی کسی مہم میں مدد کے لیے طلب کیا۔ نواب مذکور جیت سنگھ گوجر کو بھی ساتھ لے گیا اس مہم میں کامیابی ہوئی اور بادشاہ نے جیت سنگھ کو خطاب راجگی دے کر سہارنپور کا علاقہ اس کے حوالہ کر دیا۔ اس نے ۱۱۶۶ھ قصبہ جوالاپور اور چوراسی میں مسلمانوں کا سخت قتل عام کیا وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ مسلمانوں نے

Marfat.com

برہمنوں پر زیادتی کی تھی[1] اس قتل عام کی وجہ سے بہت سے مسلمان اس اطراف سے دیگر مقامات پر منتقل ہو گئے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ مفتی شفیع صاحب کے مورد ثی مکان واقع دیوبند کے قریب ایک اور خاندان آباد ہے جس کا ایک فرد بنام خان صاحب محمد رفیق برطانوی حکومت میں انجینئر کے عہدے پر فائض تھا ان کا خاندان بھی اسی زمانے میں جوراسی سے منتقل ہو کر دیوبند میں آباد ہوا۔ ان کا تعلق راجپوت برادری سے ہے مگر یہاں آنے کے بعد بیاہ داری بنام "گاڑہ" میں شامل ہو کر گاڑے کہلانے لگے۔ مذکورہ خان صاحب کے بیٹے علی جواد صاحب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ رہ چکے ہیں اور کراچی میں مقیم ہیں۔

اگر خواجہ ابوالوفا شیخ جلال الدین کبیر الاولیا پانی پتی کے ابن عم (چچازاد بھائی) ہیں تو یہ لازم آتا ہے کہ شیخ جلال الدین کی اولاد بھی عثمانی شیخ ہوں مگر علاقہ پانی پت کے متعلقہ گزٹیر یا رپورٹ مردم شماری سے وہاں پر کسی عثمانی کا ہونا ثابت نہیں ہوتا دیگر یہ کہ ایک بزرگ کے نام ساتھ خواجہ اور دوسرے کے نام کے ساتھ شیخ کا لاحقہ لگا ہوا۔ کتب تاریخ میں "خواجہ" کا لاحقہ عام طور سے غیر عرب بزرگوں یا رئیسوں کے نام کے ساتھ ملتا ہے۔

شیخ شہاب الدین۔ شیخ علاؤ الدین اور سید ابراہیم کی اولاد کے متعلق مذکورہ محبوب رضوی نے خاموشی اختیار کی اگر خواجہ ابوالوفاء اور شیخ معز الاسلام سے صدیقی اور عثمانی شیوخ کا مفروضہ تسلیم بھی کر لیا جائے اور تو باقی تین بزرگوں کی اولاد کا دیوبند میں ہی موجود ہونا لازم آتا ہے جب کہ حقیقتاً ایسا نہیں کیونکہ اس قصبہ کا کوئی باشندہ اپنے آپ کو ان سے منسوب نہیں کرتا۔ یہاں اس مسلمہ حقیقت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں میں ذات پات یا نسلی برتری کا کوئی تصور نہیں تھا البتہ پیشے کے اعتبار سے جو مسئلہ کفو کی بنیاد ہے شادی بیاہ کے سلسلہ میں کچھ پابندیاں ممکن ہے کہ ہوں۔

---

[1] تاریخ سہارنپور صفحہ نمبر ۱۴۱

Marfat.com

دیوبند میں بہت سی قدیم مساجد ہیں۔ "قلعہ کی مسجد"۔ یہ جامع مسجد میاں فیروز ولد ملک محمد ولد لطف اللہ افغان نے ۹۱۶ھ مطابق ۱۵۱۰ء میں تعمیر کرائی۔ دوسری مسجد "خانقاہ کی مسجد" ۹۶۵ھ مطابق ۱۵۵۷ء میں بکوشش جناب مرزا بیگ ولد خواجہ محب الحسن تعمیر ہوئی۔[۵۱]

لودھی خاندان کی بادشاہت ۸۵۵ھ مطابق ۱۴۵۱ء سے ۹۳۳ھ مطابق ۱۵۲۶ء تک ہندوستان پر قائم رہی۔ اس خاندان میں کل تین بادشاہ بنام بہلول لودھی، سکندر لودھی اور ابراہیم لودھی ہوتے قلعہ کی مسجد سکندر لودھی کے زمانے میں تعمیر ہوئی۔ لطف اللہ افغان بہلول لودھی کے زمانے میں دیوبند کا حاکم تھا۔ اس نے اپنی رہائش کے لئے محل اور دیوان بنوایا تھا۔ محبوب رضوی نے تاریخ دیوبند میں اس عمارت کی نسبت شیخ لطف اللہ عثمانی سے کی جو صحیح نہیں۔ شیخ لطف اللہ عثمانی کے متعلق لکھا ہے کہ وہ شاہجہان کے دور حکومت میں دیوان تھے۔ مغل نظام حکومت میں دیوان نمبر دو کا عہدہ دار ہوتا تھا اس سے اوپر صرف وزیر اعظم ہوتا تھا۔ جس کا منصب ہفت ہزاری تھا باقی دیگر عہدے دار شش ہزاری ہوتے تھے شاہجہاں کے دربار میں جو لوگ ان عہدوں پر فائز رہے ان میں سعد اللہ خان ہفت ہزاری منصبدار اور خلیل اللہ خان۔ جعفر خان۔ روح اللہ خان اور راناراج سنگھ شش ہزاری منصبدار تھے۔ ان میں سب نے بجز آخر الذکر ہندو کے جامع مسجد دہلی کی تعمیر میں حصہ لیا۔ سعد اللہ خان کا انتقال ۱۰۶۳ھ مطابق ۱۶۵۲ء میں ہوا۔ بادشاہ نے اس کے نابالغ لڑکے کو ہفت صدی منصب دیا۔ سعد اللہ خان نہایت دیندار۔ رعایا پرور انسان تھا۔ خافی خان مصنف منتخب اللباب نے لکھا ہے کہ اس کی حسن سیرت کی وجہ سے اس کی اولاد پچھتر سال تک خوش حال اور آسودہ رہی ورنہ دیگر منصبداران کی اولاد اتنے عرصے خوش حال نہیں رہی۔[۵۲]

---

۵۱ Annual Report of Indian Epigraphy 1967-68, Govt. of India, New Delhi. Pages D. 272, D. 273.

۵۲ منتخب اللباب حصہ دوم صفحہ ۲۹۱

Marfat.com

تمام ماخذات میں تلاش کیا مگر کسی جگہ شیخ لطف اللہ عثمانی کا منصب دار ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ ایک مخلوطہ بزبان فارسی بنام تذکرۃ الامراء مؤلفہ کیول رام ولد رگھناتھ قوم بانیا گردال متوطن قصبہ کاسنہ صوبہ شاہجہان آباد۔ برٹش میوزیم لنڈن میں موجود ہے۔ اس میں تمام امراء اور منصبداران عہد اکبر تا عالمگیر بڑی تشریح کے ساتھ لکھے ہوئے ہیں۔ اس کتاب میں بھی شیخ لطف اللہ نامی کوئی منصبدار نہیں۔ عمارت کی کہنگی اور شکستگی ظاہر کرتی ہے کہ اس کا زمانہ تعمیر خاندان لودھی کے زمانہ حکومت سے ہے۔ لطف اللہ افغان کے پوتے نے قلعہ کی مسجد تعمیر کرائی۔ یہ اس بات کی مزید شہادت فراہم کرتی ہے کہ اس کے اخلاف استنے مالدار تھے کہ مسجد اپنے خرچ پر بنوا سکیں اور یہ کہ یہ خاندان تعمیر مسجد تک دیوبند میں آباد تھا۔ ان اسباب کی بنا پر یہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ محل اور دیوان لطف اللہ افغان کے بنوائے ہوتے ہیں نہ کہ شیخ لطف اللہ عثمانی کے۔

خانقاہ کی مسجد کے متعلق تاریخ دیوبند میں لکھا ہے کہ اکبر کے ابتدائی عہد حکومت میں ایک بزرگ شیخ جیا صاحبؒ اجمیر سے دیوبند آئے اور یہیں مقیم ہو گئے۔ اکبر پر ان کی بزرگی کا خاص اثر تھا چنانچہ شیخ جیا صاحب کے قیام کے لیے مرزا بیگ ابن خواجہ محب علی بخشی کے ذریعے اکبر کے حکم سے خانقاہ اور مسجد شاہی مصارف سے تعمیر کرائی گئیں مسجد اب تک صحیح سالم موجود ہے مگر خانقاہ کی عمارت کا بہت کم حصہ باقی رہ گیا۔ شیوخ کے علاوہ اب اس میں متعدد غیر مسلم قومیں آباد ہیں" اکبر تیرہ سال کی عمر میں ۹۶۳ھ مطابق ۱۵۵۶ء میں تخت نشین ہوا کاروبار مملکت بیرم خاں اس کے اتالیق کی حیثیت سے انجام دیتے رہے جو ۹۶۷ھ مطابق ۱۵۶۰ء تک جاری رہے۔

ان حالات میں اکبر کا شیخ جیا کی بزرگی سے متاثر ہو کر ان کے لیے خانقاہ اور مسجد بنوانا قرین قیاس نہیں۔ ایپی گرافی رپورٹ سے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مسجد مرزا بیگ کی کوششوں سے تعمیر ہوئی یعنی اس میں دخل اس کی جد و جہد کا ہے نہ کہ کسی بادشاہ کے حکم کا یہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ مذکورہ مرزا بیگ نے چندہ وغیرہ کر کے مسلمانان قصبہ کے تعاون سے اس مسجد کو تعمیر کرایا ہو۔ بہر صورت تاریخ دیوبند میں درج مذکورہ واقعات

Marfat.com

کسی صورت سے درست نہیں۔ شیوخ کا اس خانقاہ کے احاطہ میں آباد ہونا بھی کوئی دلیل اس بات کی نہیں کہ شیوخ اسیں زمانہ قدیم سے آباد ہیں خاص طور سے جب کہ اس میں غیر مسلم تو میں بھی رہتی ہیں۔ مسلمان اور غیر مسلم آبادی کی قدامت کی بھی کوئی شہادت نہیں۔ ایسی مشترک آبادی عام طور سے بعد کے ایام سے تعلق رکھتی ہے۔

قصبہ دیوبند کی آبادی انیسویں صدی عیسوی کے اختتام تک بلحاظ مردم شماری رپورٹ حسب ذیل ہے:۔

سنہ ۱۸۴۷ء	۱۱۶۳۴	سن ہجری سنہ ۱۲۶۴ھ
سنہ ۱۸۵۳ء	۱۸۶۳۸	سنہ ۱۲۷۰ھ
سنہ ۱۸۶۵ء	۲۱۷۱۴	سنہ ۱۲۸۱ھ
سنہ ۱۸۷۲ء	۱۹۱۶۸	سنہ ۱۲۸۹ھ
سنہ ۱۸۸۱ء	۲۲۱۱۶	سنہ ۱۲۹۹ھ
سنہ ۱۸۹۱ء	۱۹۲۵۰	سنہ ۱۳۰۹ھ
سنہ ۱۹۰۱ء	۲۰۱۶۷	سنہ ۱۳۱۹ھ

سنہ ۱۸۵۳ء سے سنہ ۱۹۰۱ء تک آبادی تقریباً ایک جیسی رہی اور اس میں ایک قسم کا ٹھہراؤ ہے گزشتہ پچاس سال میں آبادی میں کوئی قابل ذکر اضافہ نہیں ہوا۔ جدول نمبر ا میں دیئے گئے اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ ضلع سہارنپور کی آبادی میں اسی عرصہ میں تقریباً ۴۸ فیصد کا اضافہ ہوا۔ یہ کیفیت قصبہ کی معاشی صورت حال کی عکاس ہے۔ لوگ تلاش معاش میں اِدھر اُدھر چلے گئے۔ دارالعلوم کے قیام سے بھی کوئی خاص اثر نہیں پڑا۔ قصبہ کی معیشت بنیادی طور سے زرعی رہی۔ پارچہ بافی کی صنعت جو اس قصبہ میں زمانہ ماضی میں عروج پر تھی رو بزوال رہی۔

تحصیل دیوبند:

اس تحصیل میں تین پرگنے۔ پرگنہ دیوبند۔ پرگنہ ناگل۔ پرگنہ رام پور تھے تحصیل کی

Marfat.com

کل اراضی ۱۳۱۶۱۴۴۲ ایکڑ اور علاقہ ۲۸۴ مربع میل تھا۔ ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کے مطابق تحصیل کی آبادی ۲۲۰۱۵۲ نفوس پر مشتمل تھی اس میں سے ہندو ۱۶۴۱۹۱ اور مسلمان ۵۲۱۹. ہندوں میں غالب اکثریت میں چار تھے جن کی آبادی ۲۶۲۲۲ ان کے بعد گوجر ۱۴۱۸۰ برہمن ۴۴ ۱۳۹ راجپوت جو خاص طور سے کاٹھ کے دیہاتوں میں آباد تھے۔ ۲۰۷۲ ۱۳ کہار اور بھنگی ۸۸۰ ۲۱۔ مسلمانوں کی تعداد کے لحاظ سے درجہ بندی اوّل تیلی۔ دوم گاڑہ۔ سوم جولاہہ۔ چہارم شیخ۔ پنجم مسلمان راجپوت ششم نائی۔ ہفتم مسلمان گوجر۔ ہشتم پٹھان اور نہم سیّد۔ معیشت بنیادی طور سے زرعی تھی جس میں آبادی کا ۴۹ فیصد حصہ مشغول تھا۔ پارچہ بافی کی صنعت کو بڑا عروج تھا اور کھدر کا کپڑا وسیع تعداد میں تیار ہوتا تھا۔ آبادی کا ۷ فی صدی حصہ اس کاروبار سے منسلک تھا۔ تحصیل سے مجموعی طور سے جو لگان حکومت کو انیسویں صدی عیسوی کے آخر تک وصول ہوا۔ اس کا تناسب یہ تھا۔ ۳۶-۱۸۳۵ء میں ۲۰۸۶۷۲ روپیہ ۶۰-۱۸۵۹ء میں ۲۰۹۰۹ ۳۱ روپیہ ۶۷-۱۸۶۶ء میں ۷ ۴۴ ۱۱۷ روپیہ اور ۹۰-۱۸۸۹ء میں ۳۴۴۲۹۴ روپیہ

پرگنہ دیوبند:۔

اس پرگنہ میں کل اراضی ۱۸۶۲۰۵ ایکڑ تھی اور علاقہ ۲۵ ۱ مربع میل تھا زمین کاشت کے لیے انتہائی موزوں تھی اس لیے ۸۵ فی صد رقبہ زیر کاشت تھا۔ اکثر زمیندار ان اپنی زمین خود کاشت کرتے تھے جس کا تناسب ۵۰ فی صد تھا۔ بڑے زمینداران جو خود کاشت نہیں کرتے تھے۔ خان بہادر محمد نعیم خان کیلاشپوری۔ رانی لنڈھورہ اور مہاجن تھے یہ قدیمی مالکان نہ تھے بلکہ قرض کے عوض ان کو زمینات حاصل ہو گئی تھی۔ کل گاؤں پرگنہ میں ۱۳۲ تھے۔ مختلف زمینداروں کی ملکیت کا تناسب راجپوت ۲۸ فی صد۔ مہاجن ۱۹ فی صد۔ تگا ۷ فی صد۔ شیخ ۱۱ فی صد گوجر ۱۰ فی صد۔ گاڑہ ۶ فی صد۔ راجوپور کے شیوخ کی ملکیت زیادہ تھی جب کہ دیوبند کے شیوخ قلیل رقبہ کے مالک تھے۔ پرگنہ کی آبادی ۱۹۰۱ء میں ۸۱۶۵۲ تھی جس میں سے ہندو ۴۶۴۲ ۵ اور مسلمان ۲۵۹۶۵ تھے۔ پرگنہ میں بڑے گاؤں راجوپور اور رنکھنڈی تھے۔ رنکھنڈی میں ہندو اکثریت

Marfat.com

ہیں تھے۔ زمانہ ماضی میں اس گاؤں میں ایک صوفی بزرگ کا قیام رہا انہوں نے اسلامی تبلیغ و تدریس کا سلسلہ جاری کیا جو ان کے بعد قائم نہ رہ سکا۔ ان کا نام شاہ عظیم الدین تھا ان کا مزار سنجتہ گاؤں میں موجود ہے اور سالانہ عرس میں ہزاروں لوگ جمع ہوتے تھے[1]

راجو پور دیوبند سے ۷ میل مشرق میں واقع ہے اس کے متعلق روایت یہ ہے کہ موضع محراب پور پرگنہ برچھپار ضلع مظفر نگر میں ایک خانقاہ تھی۔ راجو ایک صوفی اور درویش صفت عالم تھے وہ اس خانقاہ کے شیخ مقرر ہوئے بعد میں انہوں نے موضع شیخ پورہ (متصل سہارنپور) کے راجپوتوں میں شادی کرلی اور گاؤں بنام راجو پور اپنے نام کی نسبت سے چودہویں صدی عیسوی کے آخری نصف میں آباد کیا مذکورہ شیخ راجو کی اولاد کی تفصیل جو اٹھارویں صدی عیسوی تک ہوئی معلوم نہیں البتہ ایک شخص بنام مظہر علی خان عرف کپتان کلن راجہ اندور کی فوج میں ملازم تھا اپنے آپ کو شیخ راجو مذکور کی اولاد کہتا تھا۔ جب راجہ اندور کی انگریزوں سے صلح ہوگئی تو یہ ملازم انگریزوں کا ہوگیا۔ کسی جنگ میں اس کے پاؤں میں دو گولی لگی جو تادم مرگ نہیں نکل سکی۔ انگریزوں نے اس کی پنشن مبلغ نوے (۹۰) روپیہ مقرر کی۔ انگریز افسران سے تعلق کی بنا پر اس نے بہت سی زمینات خریدلی۔ قرض کا لین دین بھی کرتا تھا۔ اور جو مقروض اس کا قرض ادا نہیں کرسکتا تھا۔ اس کی زمین بذریعہ عدالت اپنے نام کرالیتا تھا۔ اسی وجہ سے پرگنہ کی زمینوں میں اس کا خاصہ حصہ تھا۔ اس کے چار لڑکے بنام۔ ضامن علی خان۔ نجابت علی خان امام علی خان اور قطب علی خان ہوئے سب کے سب ملازم انگریز سرکار کے تھے۔ ضامن علی خان میرٹھ کا شہر کوتوال تھا انگریز کلکٹر اس سے بہت خوش تھا۔ اور اکثر مقامات پر اس کو ساتھ لے گیا۔ نجابت علی خان کا لڑکا برکت علی خان حیدرآباد دکن جاکر ملازم ہوگیا اور وہیں سکونت اختیار کرلی۔ راجو پور کے ایک زرگر کا لڑکا بنام فتح سنگھ بڑا حسین و جمیل تھا۔ مادھو راؤ سندھیہ جب موضع لسوڑہ پرگنہ دیوبند میں مقیم تھا اس وقت اس نے اس فتح سنگھ کو سرراہ دیکھ لیا اور اپنے

---

[1] سہارنپور گزیٹیر صفحہ ۳۰۸

Marfat.com

پاس بلا کر ملازم رکھ لیا۔ اس کی بہت قدر کی اور خطاب کنور کا دے کر موضع راجو پور جھنگر پور ظہیر پور وغیرہ اس کی جاگیر میں دے دیے یہ شخص اپنی فضول خرچی کی وجہ سے مقروض ہو گیا اور تمام جائیداد نیلام ہو گئی اس کا ایک لڑکا مسلمان ہو گیا جس کا اسلامی نام امیر حسن تھا۔ مگر اپنے آپ کو شیخ کہلواتا تھا۔ اس کے دو سرے دو لڑکے بنام نند کشور اور بختیار سنگھ پر دیس میں جا کر ملازم ہو گئے سلہ پرگنہ دیوبند سے حاصل ہونے والا لگان انیسویں صدی عیسوی کے اختتام تک اس تناسب سے تھا ۱۸۳۵-۳۶ء میں ۱۰۱۶۷۹ روپیہ ۱۸۵۹-۶۱ء میں ۱۰۲۸۲۷ روپیہ ۱۸۶۶-۶۷ء میں ۹۹۵۷۲ روپیہ ۱۸۸۸-۹۰ء میں ۱۳۵۳۴۲ روپیہ۔

پرگنہ دیوبند میں جو مسلمان اپنی زمین خود کاشت کرتے تھے اور براہ راست لگان حکومت کو ادا کرتے تھے۔ ان کی زمین رپورٹ بندوبست ۱۸۶۷ء کے لحاظ سے یہ تھی۔ مسلمان تگا ۱۸۱۴ ایکڑ افغان ۴۰۴ ایکڑ مسلمان راجپوت ۱۶۷۳ ایکڑ مسلمان گوجر ۵۲۷ ایکڑ۔ شیخ ۱۲۲۳ ایکڑ۔ سید ۲۷۷ ایکڑ افغان ۵۷۰ ایکڑ۔ گاڑہ ۵۳۳۰ ایکڑ۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم کا آبائی پیشہ بھی زراعت تھا جس کی قدرے تفصیل مولانا مذکور نے اپنی کتاب موسومہ "میرے والد ماجد اور ان کے مجرب عملیات" میں دی ہے۔ دیگر یہ کہ ان کی کتاب سے پتہ چلتا ہے کہ ایک بزرگ بنام شاہ رمز الدین کا مزار بھی قصبہ میں موجود ہے اور ایک محلہ بھی ان بزرگ کے نام سے منسوب ہے مگر مزید حالات معلوم نہ ہو سکے۔ تاریخ دیوبند میں اس مزار کا ذکر نہیں اس مزار سے ملحقہ مسجد کی تاریخ تعمیر مولانا مذکور نے ۱۱۸۳ھ لکھی ہے۔ اس زمانے میں ان کے مورث اعلیٰ حافظ کریم اللہ حیات تھے مگر ان کے اخلاف کا کوئی تفصیلی علم نہیں اس محلہ میں مسلمان جن کا تعلق گاڑہ برادری سے ہے بکثرت آباد ہیں۔

پرگنہ ناگل :-

موضع ناگل ایک چھوٹا سا زرعی گاؤں ہے شاہراہ اور ریلوے اسٹیشن کے قریب ہونیکی

سلہ تاریخ سہارنپور صفحہ ۲۱۵

Marfat.com

وجہ اس کو پرگنہ کا صدر مقام بنا گیا۔ یہ نیا پرگنہ ہے انگریز سے پہلے کی حکومتوں کے زمانہ میں یہ پرگنہ نہ تھا۔ پرگنہ کی کل اراضی ۷۷۵۰۵ ایکڑ ہے اور علاقہ ۱۲۱ مربع میل زیر کاشت رقبہ ۸۵ فیصد تھا۔ اس پرگنہ میں کل ۱۲۳ گاؤں ہیں کوئی بڑا گاؤں سوائے موضع پانڈولی کے نہیں۔ زمینداران کی ملکیت کا تناسب گوجر ۲۹ فی صد۔ مہاجن ۲۲ فی صد۔ تنگا ۸ فی صد۔ راجپوت ۹ فیصد۔ کولی ۹ فی صد۔ برہمن ۶ فیصد گاڑہ ۴ فیصد تھا۔ ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کے مطابق پرگنہ کی آبادی ۶۲۸۷۲ تھی جس میں سے ہندو ۵۰۲۸۴ اور مسلمان ۱۲۴۳۱ تھے ۱۸۵۵ء کی مردم شماری کے وقت مسلمان زراعت پیشہ ۲۳۳۴ تھے غیر زراعت پیشہ مسلمانوں کی تعداد ۵۸۴۰ تھی۔ مسلمانوں کی ملکیت میں زرعی زمین اس طرح سے تھی۔ شیخ زادہ ۶۵ ایکڑ مسلمان گوجر ۴۴۳ ایکڑ مسلمان تنگا ۱۷۲ ایکڑ گاڑہ ۲۷۰۳ ایکڑ۔ انیسویں صدی عیسوی کے آخر تک جو لگان حکومت کو ملا اس کا تناسب یہ ہے: ۴۱-۱۸۳۵ء میں ۱۰۴۷۴۴ روپیہ ۶۱-۱۸۵۹ء میں ۱۰۴۷۴۶ روپیہ ۱۸۶۴-۶۵ء میں ۹۱۶۴۹ روپیہ ۱۸۸۸-۹۰ء میں ۱۱۹۱۷۷ روپیہ پرگنہ میں کاشتکار۔ زمیندار۔ گاڑہ گوجر۔ تنگا۔ کولی۔ برہمن اور راجپوت ہیں۔ یہ راجپوت بہت قدیم ہیں جو راجہ قنوج کے زمانے سے آباد ہیں۔ ان کی آبادی کو قدیم زمانہ میں باونی کہا جاتا تھا یعنی راجہ قنوج نے ان کو باون گاؤں دیے تھے۔ آج کل یہ علاقہ کاٹھ کہلاتا ہے۔

پانڈولی :

اس گاؤں میں آثار قدیمہ بہت ہیں۔ گاؤں کے مشرق میں ایک تکیہ ہے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ جب سلجوقی ترکوں کا اثر خلافت بغداد پر ہو گیا تو انہوں نے بکثرت خانقاہیں بنوائیں جن کے مصارف کے لیے کثیر اوقاف مقرر کیے۔ یہ خانقاہیں اسلام کی تبلیغ و تدریس کی اشاعت کی ذمہ دار تھیں خانقاہ کا سربراہ شیخ خانقاہ کہلاتا تھا۔ ان خانقاہوں کی ذیلی شاخ تمام مسلمان گاؤں میں قائم کی جن کو تکیہ کہا جاتا تھا۔ ان کے معائنہ کے لیے ابدال مقرر ہوئے۔ ان کے علاوہ کافی تعداد میں صوفیا قریہ قریہ اور گاؤں گاؤں پھرتے رہتے تھے جن کو ترک بابا کہا جاتا تھا۔ یہ لوگ کسی ایک جگہ قیام نہیں کرتے تھے۔ مذکورہ گاؤں پانڈولی میں جو تکیہ ہے اس میں دو مزارات ہیں بیسویں صدی عیسوی کے اوائل تک باقاعدہ عرس ہوتا تھا۔

Marfat.com

مزارات کچے ہیں اور کوئی قبہ اور عمارت نہیں ہے۔ اس تکیہ میں ایک مسجد تھی جو منہدم ہوگئی مگر اس کی اینٹیں اسی جگہ پڑی ہوئی ہیں۔ اینٹوں کی ساخت لمبائی میں زیادہ اور چوڑائی میں کم ہے جب کہ اونچائی دو انچ ہے اس سے زیادہ نہیں۔ اس قسم کی اینٹوں کا زمانہ مورخین نے چھٹی ساتویں صدی ہجری متعین کیا ہے۔ اسی گاؤں میں ایک محل کے آثار ہیں جس کی کچھ دیواریں اور سامنے کا بڑا ہاتھی دروازہ موجود ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک شخص بنام محمد بنجارہ نے اس کو تعمیر کرایا تھا راجگان جھنجانہ بنت وغیرہ جن کے زیر اثر یہ علاقہ تھا جب مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کھا گئے تو تمام ترک سکونت کر کے چلے گئے اور محمد بنجارہ مذکور نے اس علاقہ کی دوبارہ آبادی کی ساتویں صدی ہجری میں کوشش کی اس کے پاس باربرداری کے لیے بہت مویشی تھے جن کے ذریعہ غلہ کی تجارت کرتا تھا اور اس کا سامان تجارت پنجاب وغیرہ جاتا تھا۔ یہ گاؤں قدیم شاہراہ کے قریب واقع ہے جو پنجاب سے تجارت کے لیے موزوں ہے۔ اسی بنجارہ نے گاؤں میں ایک کنواں بنوایا تھا جس کے اطراف میں باغات لگوائے تھے۔ کنویں سے ایک کتبہ ملا ہے جس کی عبارت سوائے بسم اللہ الرحمن الرحیم کے پڑھی نہیں جا سکی۔ کیونکہ باقی عبارت بہت گھس گئی۔

پرگنہ ناگل میں گاڑوں کے مکمل گاؤں بنام طانسی پور۔ چھولی۔ نلہیڑہ۔ پانڈولی۔ اور بیلڑہ زنار دار جو ایک دوسرے کے قریب واقع ہیں۔ موضع چھولی اصل میں طانسی پور کی شاخ ہے جب کہ نلہیڑہ اور بیلڑہ پانڈولی کی شاخیں ہیں پانڈولی اور طانسی پور قدیم آبادیاں ہیں۔ ان کا تفصیلی ذکر اس کتاب میں دوسری جگہ ہو چکا ہے پانڈولی میں کچھ خاندان کاٹھ کے راجپوت گاؤں بنام مدنوں کی سے ترک سکونت کر کے یہاں آکر آباد ہوئے۔ ان میں ایک خاندان راجپوت خربندہ ہے قریب کے ایک گاؤں بنام قطب پور میں ہندو آباد ہیں اور راجپوت خربندہ کہلاتے ہیں۔ راجپوت خربندہ پرگنہ رام پور کے علاوہ کرنال اور رہتک میں بکثرت آباد ہیں۔ اسی خاندان کی ایک شاخ میں منشی احمد علی ہوئے جن کی نگرانی میں نہر گنگا مغربی تیار ہوئی جس سے دیوبند وغیرہ کے گاؤں کی آب پاشی ہوتی ہے ان کے زمانے میں پانڈولی اور نلہیڑہ کے گاؤں والوں نے ایک مجموعی ٹھیکہ لیا جس کو انہوں نے اپنے وسائل سے پورا کیا اور ٹھیکے کی رقم سے پانڈولی میں جامع مسجد بنوائی

Marfat.com

جس کے مینار اور قبہ جات کافی اونچے ہیں اور بہت دور سے نظر آتے ہیں۔ یہ مسجد ۱۹۰۱ء میں مکمل ہوئی یہ ٥ دوسرا جیھموں کا خاندان ہے۔ اس خاندان کے مورث اعلیٰ پوربیہ سے آ کر پہلے موضع سیہری تحصیل نکوڑ میں آباد ہوئے اس کے بعد پانڈولی میں آ گئے۔ انیسویں صدی عیسوی کے آخر میں اس خاندان کے تین افراد بنام مولوی عبدالصمد۔ مولوی عبداللطیف اور مولوی عبدالوہاب مشہور ہوئے ہیں۔ مولوی عبدالصمد قرآن۔ فقہ اور حدیث کا درس دیتے تھے جبکہ مولوی عبداللطیف

---

٥ مذکورہ منشی احمد علی کے خاندان میں سے مولوی نثار احمد سہارنپور میں وکالت کرتے ہیں اسی خاندان کی دوسری شاخ کے پاس ایک نامکمل شجرہ ہے جس کا سلسلہ موضع مدتوں کی حد تک تو منقطع ہے تاہم موضع پانڈولی میں یہ نامکمل شجرہ نور محمد سے چلتا ہے جس کے دو لڑکے بنام حبیب اللہ اور قادر بخش تھے۔ قادر بخش کی تیسری نسل میں اس وقت منصب علی خلیل احمد اور موسم علی ہیں جبکہ حبیب اللہ کا لڑکا بنام کریم بخش تھا ۱۸۷۰ء کے بندوبست پر اہل گاؤں کی طرف سے اسی کے دستخط بحیثیت لمبردار سرکاری رجسٹر پر ہیں۔ کریم بخش کے چار لڑکے بنام پیر محمد۔ حسین عرف سینا (جو اپنے باپ کے بعد لمبردار رہا) رحیم بخش۔ مولا بخش۔ پیر محمد کے تین لڑکیاں اور ایک لڑکا بنام قاسم تھا جو موضع بلڑہ میں سکونت پذیر ہوا۔ اس کی اولاد اب کوئی باقی نہیں ایک لڑکی کی شادی عبدالرحیم سے مانکی میں ہوئی۔ جبکہ دوسری کی شادی موضع تاجپورہ میں رحمت الٰہی سے ہوئی۔ اور تیسری مالنی پور میں خدا بخش کے ساتھ بیاہی گئی۔ حسین عرف سینا کے تین لڑکے خدا بخش (لاولد) ولی محمد (لاولد) اور رشید احمد جس کا لڑکا بنام احمد [illegible] اس کی اولاد اب موضع پانڈولی میں موجود ہے۔ رحیم بخش کی اولاد موضع بلڑہ میں موجود ہے۔ مولا بخش کے چار لڑکے بنام منشی حبیب احمد۔ ابراہیم (لاولد) عبداللہ (لاولد) حاجی محمد علی [illegible] منشی حبیب احمد کے پانچ لڑکے۔ اصغر احمد۔ اکبر احمد (لاولد) اشرف احمد (لاولد) ظفر احمد اور دو لڑکیاں لاہور میں ہیں) منفعت علی (لاولد) عبداللطیف (لاولد) اصغر احمد کا صرف ایک لڑکا بنام غلام محمد مصطفیٰ کراچی میں مقیم ہے۔ مولا بخش کی دو لڑکیاں موضع رسولی [illegible] میں بیاہی گئی۔

Marfat.com

مجذوب تھے۔ مولوی عبدالوہاب سالک تھے ان کے مرید کثیر تعداد میں تھے اکثر نواب کیلاشپور اور نواب پھانسو کے مہمان ہوتے تھے ان کا مزار کچا ہے اور موضع سلہری میں واقع ہے۔ مشہور ہے کہ اگر کوئی شخص اس مزار کی مٹی کا تعویذ بنا کر باندھ لے تو اس کا چوتھی کا بخار اتر جاتا ہے

تیسرا خاندان "باولوں" کا مشہور ہے جن کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ ایک کمبل پوش درویش ان کی بیٹھک میں آکر بیٹھ گیا اس وقت وہاں پر کوئی موجود نہ تھا۔ جب خاندان کا سربراہ آیا تو اس نے اس درویش کو دیکھ کر کہہ دیا کیا میاں باؤلے تو نہیں ہو۔ درویش ناراض ہو کر یہ کہتے ہوئے کہ باولا تو ہے وہاں سے چلے گئے۔ اس کے بعد شخص مذکور باولا ہو گیا اور آج تک اس خاندان میں کوئی نہ کوئی باولا ضرور ہوتا ہے۔ اس بزرگ نے جلہولی اور رطانی پور کے درمیان ایک باغ میں سکونت اختیار کی کہا جاتا ہے ان کو دو صد بیگھ زمین بادشاہ نے دی تھی ان کا مزار اسی مقام پر اب بھی موجود ہے۔

ایک اور غیر مصدقہ روایت ان بزرگ کی طرف یہ منسوب ہے کہ انہوں نے ایک مشکل کے وقت میں ابن بطوطہ کی جان بچائی تھی۔ ابن بطوطہ اپنے سفرنامہ میں ایک واقعہ کا ذکر کرتا ہے جس کے مطابق وہ ہندو ڈاکوؤں کے جنگل میں پھنس گیا وجہ اس کی یہ ہوئی کہ اس کے گھوڑے کا پاؤں پہاڑی کے ایک پتھر میں پھنس گیا اور وہ اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گیا اور ہندوؤں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا جو اس کو اپنے سردار کے پاس لے گئے سردار نے اس کو قتل کرنے کے لیے دو آدمیوں جو آپس میں باپ بیٹے تھے کے حوالے کر دیا۔ ابن بطوطہ نے خوشامد کر کے اپنی جان بچالی اور پیدل چل نکلا۔ کچھ دور چلنے کے بعد وہ تھک گیا اور اس کے قدم بھاری ہونے لگے۔ اس وقت ایک نحیف اور کمزور بزرگ نمودار ہوئے۔ اس بزرگ نے ابن بطوطہ کو اپنے کندھوں پر بٹھا لیا مگر ابن بطوطہ کو نیند آگئی اور جب آنکھ کھلی تو بزرگ غائب تھے اور وہ ایک گاؤں میں ایک مسلمان کے یہاں تھا۔ اس مسلمان نے اس کو کچھ سامان دکھایا جو بقول اس کے کسی مسافر کا اس کے پاس امانت تھا۔ ابن بطوطہ نے دیکھا تو پہچان لیا کہ یہ سامان اسی کا ہے۔ ممکن ہے مذکورہ بزرگ یہی ہوں چونکہ قرآئن اور مزار کی ساخت سے ان کا زمانہ محمد شاہ تغلق کا زمانہ معلوم

Marfat.com

ہوتا ہے جب کہ ابن بطوطہ بھی اسی زمانہ میں دہلی میں تھا۔

چوتھا خاندان بنام چندرائن ہے۔ اس خاندان کے افراد کا تعلق رانگھڑوں سے ہے اور ایک گاؤں بنام بھاٹیلہ سے آکر یہاں آباد ہوئے۔ ان خاندانوں کے علاوہ اور خاندان ہیں جن کی تفصیل معلوم نہیں ہو سکی مگر یہ سب موضع مڈوں کی سے آتے اسی گاؤں میں ایک واعظ فقیہ محدث اور عالم دین مولوی ابراہیم صاحب بیسویں صدی کے اوائل میں تھے انہوں نے تحصیل علوم دارالعلوم دیوبند سے کیا اور تعلیم وتدریس کے لیے ایک مدرسہ موضع ہیڑہ میں قائم کیا۔ ایک ہندو بنیہ کے دو لڑکے بھی آپ سے تعلیم حاصل کرتے تھے اور بالغ ہونے کے بعد وہ مسلمان ہو گئے۔ بڑے لڑکے کا اسلامی نام عبدالرحمٰن اور چھوٹے کا عبدالرحیم رکھا گیا۔ بڑے ہی صوم وصلوٰۃ کے پابند، متقی اور پرہیز گار اور زاہد مسلمان ثابت ہوئے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جو لوگ اس علاقہ میں قدیمی مسلمان خاندان کی اولاد ہیں ان سے صدہا مرتبہ بڑھ کر یہ دو صاحبان راسخ العقیدہ مسلمان پائے گئے۔ بعد میں سہارنپور میں سکونت اختیار کر لی تھی اور تجارت کرتے تھے جس میں اللہ نے بڑی برکت دی۔ سنا ہے کہ سہارنپور میں جس شخص نے پہلی کار خریدی وہ عبدالرحمٰن تھے۔

۱۸۰۴ء میں سکھوں نے سہارنپور پر حملہ کر دیا۔ انگریز افسران حملہ کی تاب نہ لا کر قلعہ بند ہو گئے سکھوں نے شہر میں لوٹ مار کی پھر دیوبند کی طرف رخ کیا وہاں پر دفاع کا کوئی بندوبست نہیں تھا اس لیے دیوبند میں غارت گری کرتے ہوئے مظفر نگر اور تھانہ بھون کی طرف نکل گئے۔ بیگم شمرو کی فوج نے مقابلہ کیا اور سکھ پسپا ہو گئے۔ واپسی میں انہوں نے ہنڈن ندی کے نزدیک اپنی فوج کو جمع کیا اس درمیان کرنل برن تازہ دم فوج لے کر سہارنپور پہنچ چکا تھا سکھوں کے ایک لشکر نے موضع پانڈولی کے زمینداروں سے خراج طلب کیا۔ ان کے انکار پر آمادہ پیکار ہوئے۔ پانڈولی کے شمال میں ایک اونچا ٹیلہ تھا جہاں پر گاؤں والوں نے مورچے بنائے اور سکھوں سے نبرد آزما ہوئے۔ بہت سے سکھ مارے گئے۔ اور باقی واپس لوٹ گئے۔ اسی دوران انگریزی فوج پہنچ گئی اور سکھوں سے بڑی جنگ ہوئی۔ انگریز فوج توپ اور دیگر نئے ہتھیاروں سے مسلح تھی۔ جس کی تاب نہ لا کر سکھ ایسے پراگندہ ہوئے کہ ان کی تنظیم

Marfat.com

بگڑ گئی سکھ سردار شیر سنگھ کی ٹانگ ٹوٹ گئی جس کو اٹھا کر یہ لوگ واپس جمنا عبور کر گئے ۔ یہ سکھ سردار بعد میں بوریہ میں جا کر مرگیا ؎

پانڈولی اور اطراف کے مسلمانوں نے اس قسم کے خطرے کے پیش نظر اپنے آپ کو خوب مسلح کر لیا تھا۔ اور ہر قسم کے حالات سے نمٹنے کے لیے تیار تھے ۱۸۵۷ء میں جب کاٹھ کے راجپوتوں نے علاقہ میں لوٹ مار شروع کی تو یہ چند گاؤں بالکل محفوظ رہے ۔ انگریز فوج دیوبند سے واپسی میں اس علاقہ سے گزری تو یہ علاقہ پرامن پایا۔ ان سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا گیا بلکہ انگریز افسران نے ان کی حکمت عملی کی تعریف کی ۔ اس گاؤں میں تعلیم یافتہ لوگ کافی تھے ۱۸۵۴ء میں جب حکومت نے ابتدائی تعلیم کے لیے گاؤں میں مدرسے کھولنے کی ہمت افزائی کی اور اساتذہ کی تنخواہ سرکاری خزانے سے ادا کرنے کا قانون بنایا تو اس گاؤں سے بہت سے لوگ استاد بھرتی کیے گئے ۔ خود اس گاؤں میں لوئر پرائمری اسکول کھولا۔ جس میں ۱۹۶۰ء کے عشرہ میں طالب علموں کی تعداد ۶۳ تھی جو تمام تحصیل دیوبند میں سب سے زیادہ تھی۔ اس کے علاوہ دینی علوم پڑھانے کے لیے ایک اور درس گاہ جو اہل گاؤں کے تعاون سے چل رہی تھی جس کے سرپرست مولوی عبدالصمد تھے علاقہ میں اس گاؤں کے لوگوں کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ ان میں سے نوجوان فوج میں بھرتی ہونے کے مستحق تھے ۔ منشی احمد علی فوج میں رسالدار تھے ۔ جنہوں نے افغان جنگ میں کارہائے نمایاں ادا کیے اور کئی فوجی اعزاز حاصل کیے ۔ بعد میں محکمہ انہار میں ملازم ہو گئے تھے ۔

قصبہ رامپور:۔

یہ قصبہ بہت قدیم ہے تیسری صدی عیسوی میں راجہ رام سنگھ نے اس کو آباد کیا اور ایک پختہ قلعہ بنوایا۔ جو اب مسمار ہو گیا ہے اور کوٹ کہلاتا ہے ۔ پہلے بنیادی طور سے ایک زرعی گاؤں تھا۔ راجہ رام سنگھ اپنے زمانے میں کافی علاقہ زیر تسلط رکھتا تھا اور قرب و جوار کے بہت سے گاؤں کا مالک تھا۔ محمود غزنوی کے دور حکومت میں یہ قصبہ سید سالار مسعود کے

؎ سہارنپور گزیٹر صفحہ ۱۹۶

Marfat.com

حکیم حاجی بہادر علیشاہ مرزا دوم

بعہدہ

منشی العلماء

حسب ضابطہ دستور مقرر صاحب بہادر محکمہ ۲ دسمبر ۱۸۸۶ء

ذوالفقار حسین سنگھ بہادر ہمراہ ۳۰ روپیہ

یکم جنوری بتاریخ ہذا روپیہ ماہوار مقرر

نمبر ۲۲ بتاریخ ۲ دسمبر ۱۸۸۶ء

منشی احمد علی پانی پتی کے نام ایک فارسی خط

Marfat.com

گاؤں کی ایک چوپال کا منظر۔

Marfat.com

ہاتھوں مفتوح ہوا کہا جاتا ہے کہ شیخ ابراہیم پیر جن کا مزار قصبہ میں واقع ہے سید سالار مسعود کے حکم سے یہاں سکونت پذیر ہوئے اور اسلام کی تبلیغ و تدریس کا کام سرانجام دیا۔ ان کی اولاد میں عرصہ دراز تک بہت سے شیوخ ہوئے ہیں اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھتے رہے ہیں ان کے مریدین بھی کثیر تعداد میں تھے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو شیخ زادگان کہلاتے ہیں قصبہ کی آبادی ۱۹۰۱ء میں ۵۹۲۵ تھی جس میں سے ہندو ۲۷۳۴ اور مسلمان ۲۵۸۹ تھے۔ صنعت کے اعتبار سے یہ قصبہ تمام ضلع میں نمایاں حیثیت رکھتا تھا۔ اس میں نمدہ جو گھوڑے کی سواری کے لیے اہم تھا اور شیشہ کی چوڑیاں بنتی تھی۔ دونوں اہم اشیاء دوسرے شہروں کو بھی جاتی تھی۔ ہندوؤں میں خوشحال جین مذہب کے پیروکار تھے۔ جنہوں نے ایک اعلیٰ قسم کا مندر بنوایا اور زر کثیر خرچ کیا۔ مسلمانوں میں شیخ زادگان کے علاوہ پٹھانوں کا ایک معزز خاندان بھی تھا جو ملازم پیشہ تھا۔ قصبہ کی ملکیت زیادہ تر مسلمانوں کے پاس تھے۔ سہارنپور ڈسٹرکٹ گزیٹیر کے صفحہ ۳۰۲ پر لکھا ہے کہ:۔

"Of the Musalmans, the most numerous are the Garas who own the town land. The latter are 3234 acres in extent and pay a revenue of Rs. 5675, while 185 acres are revenue free. Some 125 acres are under groves which surround the main site, and with numerous gardens give the place a picturesque"

مترجمہ: مسلمانوں میں کثیر تعداد گاڑوں کی ہے جو قصبہ کی زمین کے مالک ہیں جس کا رقبہ ۳۲۳۴ ایکڑ ہے اور ۵۶۷۵ روپیہ لگان ادا کرتے ہیں۔ اس میں سے ۱۸۵ ایکڑ معافی دوام اور ۱۲۵ ایکڑ پر باغات ہیں۔ جو اطراف قصبہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ باغات کی کثرت سے قصبہ کی خوبصورتی اور رونق میں اضافہ ہوا ہے۔

اسی قصبہ کا رہنے والا ایک شخص مسمی محمد ابراہیم خان شاملی کا تحصیلدار تھا۔ ۱۸۵۷ء کی شورش کے پیش نظر وہ شاملی کی حفاظت کے لیے اپنے بھائی بندوں اور دیگر دوستوں کو بھی شاملی لے گیا تھا۔ مگر تھانہ بھون اور اطراف کے لوگوں نے شاملی پر حملہ کیا مذکورہ ابراہیم خان کی جمعیت کم تھی اس لیے مقابلہ خوب کیا مگر مارا گیا۔ سرسید احمد خان نے رسالہ "لائل محمڈن آف انڈیا"

Marfat.com

مطبوعہ آگرہ ۱۸۶۲ء حصہ سوم کا اقتباس درج ذیل ہے:۔

"ابتدائے غدر سے اس افسر محمد ابراہیم خان تحصیل دار شاملی متوطن رام پور منہاران نے سرکار کی خیر خواہی اور قیام عملداری سرکار پر بہت چست کمر باندھی چست تھے رسالے کے سواروں نے جب بغاوت کی اور تحصیل شاملی پر قبضہ کرنا چاہا تو یہ افسر کمال بہادری سے بمقابلہ پیش آیا اور اپنی تحصیل کو باغیوں کے ہاتھ سے بچایا۔ جہاں تک ممکن ہوا انتظام گورنمنٹ میں مدد کی اور جس قدر لٹا ہوا مال گورنمنٹ اور حکام کا بعد میں دستیاب ہوا۔ سب کو برآمد کیا اور پہنچایا۔ آخر کار جب مفسدہ زیادہ ہو گیا اور انتظام کے لیے معتمد آدمی زیادہ درکار ہوئے تو اس افسر نے رام پور سے تمام اپنے خاندان کو شاملی بلوالیا۔ اور سب کو کار سرکار میں مصروف کیا۔ پچاس آدمی اس افسر کے خاندان معہ اکبر خان اس افسر کے بھائی کے شاملی میں تھے۔ جن میں سے اکثر بمقابلہ باغیان سرکار کی خیر خواہی میں مارے گئے اور خود اس افسر نے بھی خیر خواہی میں اپنی جان نثار کی زمانہ غدر میں انتظام ڈاک کا جاتا رہا اور پھر اس کا قائم کرنا اس زمانہ میں کچھ آسان امر نہ تھا اس افسر نے بموجب حکم کمانڈر انچیف بہادر کمال سعی و کوشش سے شاملی سے کرنال تک ڈاک قائم کی اور انتہا تک بخوبی جاری رکھی جس سے گورنمنٹ کو نہایت فائدہ انتظام میں حاصل ہوا۔"

یہ واقعہ ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کو ہوا۔ وجہ اس کی یہ بیان کی جاتی ہے کہ تھانہ بھون کے رئیس قاضی عنایت کے بھائی۔ عبدالرحیم بمعہ چند احباب کے بہارنپور گئے تھے۔ کسی کا ئستھ نے دشمنی کی بنا پر انگریز کلکٹر سے مخبری کر دی کہ یہ لوگ ہاتھی خریدنے آئے ہیں اور بعد میں دہلی جا کر جہاد میں شریک ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ کلکٹر نے بغیر چھان بین کیے ان تمام لوگوں کو پھانسی دے دی یہ خبر جب تھانہ بھون پہنچی تو اطراف و اکناف کے دیہاتوں اور دیوبند تک کے لوگ اس سے غیظ و غضب میں آ گئے اور مرنے مارنے کے لیے تیار ہو گئے۔ تھانہ بھون میں ایک مجلس مشاورت منعقد ہوئی جس میں حاجی امداد اللہ۔ حافظ ضامن مولانا شیخ محمد تھانوی۔ مولانا محمد مظہر نانوتوی۔ مولانا محمد منیر نانوتوی۔ مولانا رشید احمد گنگوہی۔ مولانا قاسم نانوتوی اور قاضی عنایت علی وغیرہ شامل ہوئے۔ مجلس مشاورت میں جہاد کا فیصلہ کیا گیا۔ مولانا شیخ محمد تھانوی

Marfat.com

جو ان سب میں زیادہ عالم تھے اور شاہ محمد اسحاق دہلوی کے شاگرد تھے اور میاں جی نور محمد جھنجھالوی سے بیعت تھے۔ انہوں نے جہاد کے خلاف رائے دی اور کہا کہ "جس لڑائی میں انتقام کا جذبہ موجود ہو اس کو جہاد نہیں کہا جا سکتا" ایک روایت یہ بھی ہے کہ مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی بعد میں اس رائے سے اتفاق کیا مگر مجلس مشاورت کی اکثریت نے جہاد کا فتویٰ دے دیا۔ چنانچہ حاجی امداد اللہ کو امیر جہاد بنا کر شاملی پر حملہ آور ہوئے اس جہاد میں حافظ ضامن مولانا رشید احمد گنگوہی مولانا قاسم نانوتوی اور مولانا محمد منیر نانوتوی شریک ہوئے انہیں ایام میں دہلی انگریزوں کے ہاتھوں مفتوح ہوئی۔ حاجی امداد اللہ تو مکہ چلے گئے مولانا رشید احمد گنگوہی کو چھ ماہ کی قید ہوئی مولانا قاسم نانوتوی کے وارنٹ گرفتاری جاری ہوئے مگر وہ روپوش ہو گئے قاضی عنایت علی پہاڑوں میں جا کر مفقود الخبر ہو گئے اور حافظ ضامن مارے گئے۔ اس کے علاوہ بہت سے دیہاتی جوان علماء کی رہنمائی میں جہاد کے لیے نکلے وہ بھی مارے گئے۔

سعادت یار خان رنگین کا لکھا ہوا رسالہ بنام اخبار رنگین پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی نے شائع کیا ہے اس کے صفحہ ۱۸ پر رامپور سے متعلق ایک دلچسپ حکایت ہے۔ جو درج ذیل ہے:۔

"خبر گزری کہ بہار پور کے قریب ایک افغانوں کا شہر ہے اس کو منہاروں کا رام پور کہتے ہیں اس میں یک جدی آدھے سنی آدھے شیعہ آباد ہیں مگر ہمیشہ ان میں باعث دین نزاع رہتی ہے۔ پر ہر ایک اپنے مذہب سے دلشاد ہے۔ ہر گاہ فرقہ سنیوں کا کچھ لکھنؤ میں زیادتی شیعوں کے سنیوں پر سنتے ہیں تو باہم نہایت غم کرتے ہیں اور آزردہ ہوتے ہیں اور جب فرقہ شیعوں کا کچھ رام پور جو افغانوں کا ہے اس میں زیادتی سنیوں کی شیعوں پر سنتے ہیں تو باہم مل کر ماتم کر کے روتے ہیں قصہ کوتاہ اب کے سال جو فرقہ شیعوں نے سنا کہ میاں صابر بخش پیرزادے نے امام باڑہ بنا کر تعزیہ داری اختیار کی اور میر محمدی صاحب جو بڑے مشائخ سنیوں کے تھے۔ انہوں نے محرم میں سر بازار مجلس اٹھا کر اور سینہ زنی اور ماتم داری کر کے اظہار کیا تو انہوں نے کمال اس بات کے شادی کی کہ سبحان اللہ ایسے دو مشائخ زبردست

Marfat.com

گروہ سنیوں میں سے اس مذہب کو اچھا جان کر داخل ہو کر ظاہر ہوئے اور فرقہ سنیوں کا یہ سمجھ کر خوش ہوا کہ الحمد اللہ دو چور ہم میں چھپے ہوئے لوگوں کو مرید کر کے گمراہ کرتے تھے ہم سے باہر ہوئے"

پرگنہ رامپور:

پرگنہ میں کل اراضی ۸۲۳۶۱ ایکڑ تھی جو ۱۲۹ مربع میل پر پھیلی ہوئی تھی۔ اس میں ۸۷ فی صد اراضی زیر کاشت تھی۔ راجپوت۔ گوجر۔ گاڑہ۔ سائنی۔ برہمن فن کاشتکاری میں زیادہ مہارت رکھتے تھے اور خوش حال تھے۔ اس پرگنہ میں ۱۳۸ گاؤں تھے زرعی اراضی میں ملکیت کا تناسب گوجر ۲۹ فی صد۔ راجپوت ۲۳ فی صد مہاجن ۱۶ فی صد گاڑہ ۱۵ فیصد شیخ ۵ فیصد۔ اس سے کم کی مقدار میں پٹھان، سید۔ تگا۔ جاٹ اور روڑ تھے۔ ۱۹۰۱ء کی مردم شماری میں کل پرگنہ کی آبادی ۷۵۶۲۸ نفوس پر مشتمل تھی جن میں سے ہندو ۵۹۹۶۵ اور مسلمان ۱۴۶۱۴ تھے۔ انیسویں صدی عیسوی کے آخر تک حکومت کو جو لگان ملا اس کا تناسب اس طرح سے تھا ۱۸۳۵ء میں ۱۰۲۲۴۹ روپیہ ۱۸۵۹ء میں ۱۰۱۶۱۷ روپیہ ۱۸۶۷ء میں ۱۲۰۲۲۷ روپیہ ۱۸۸۹ء میں ۱۴۲۱۲۱ روپیہ اس پرگنے کے راجپوت کاشتکاری کے علاوہ اچھی نسل کے گھوڑے بھی پالتے تھے اور ان کی تجارت سے ان کو بہت منافع تھا۔ برطانوی افواج کو خاصی تعداد میں گھوڑے جو فروخت کرتے تھے اسی وجہ سے انگریز افسران سے ان کے تعلقات زیادہ اچھے تھے مگر ان میں دختر کشی کی بری رسم تھی۔ ایک انگریز افسر جو ان کے بہت قریب تھا۔ اس کا بیان ہے کہ ان کے یہاں کوئی لڑکی نہیں ہے جس کی وجہ سے ان کی نسل ضائع ہونے کا خدشہ ہے۔ انگریزوں نے ایک قانون ۱۸۷۰ء میں بنایا جس کے تحت دختر کشی کی ممانعت کی گئی اور سخت سزا رکھی گئی جس کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ مگر ان کی نسل نسبتاً بہت کم ہے۔

رام پور کے قریب ایک اور قصبہ موسومہ نانوتہ ہے جو پرگنہ رامپور کا ہی حصہ ہے یہ قصبہ بہت ہی قدیم ہے کسی گوجر بنام نانو نے آباد کر کے نانوتہ نام رکھا۔ بعد میں مسلمان بھی اس قصبہ میں آکر آباد ہو گئے یہ مسلمان شاہان دہلی کے دربار میں عزت و احترام رکھتے

Marfat.com

تھے۔ سید احمد جن کا طرز زندگی درویشانہ تھا جلال الدین محمد اکبر کے زمانے میں تھے اور اسی زمانہ میں انتقال کیا ان کے بڑے لڑکے سید مصطفیٰ بھی اپنے والد کے نقش قدم پر قائم رہے اور اوقات درویشانہ رکھے۔ جہانگیر کے عہد حکومت میں ان کی بڑی عزت تھی ان کے دو لڑکے بنام سید نصیر الدین اور سید صابر علی تھے۔ سید نصیر الدین شاعری کا ذوق رکھتے تھے اور جو خود فوجدار سہارنپور میں آتا تھا اس کی بہت خاطر مدارات کرتے تھے۔ بہت سے مزارات خانقاہ اور عمارات کہنہ قصبہ میں موجود ہیں اور سید مصطفیٰ کا مقبرہ بنا ہوا ہے ان کی اولاد اب بھی قصبہ اور اطراف کے گاؤں میں موجود ہے مگر بڑی خستہ حال ہے[۵] اس قصبہ کی زمینیں پٹھان سید اور شیخ بھائی چارہ زمینداری کے تحت کاشت کرتے ہیں۔ اٹھارویں صدی کے آخر میں پنجاب کے سکھوں نے اس قصبہ کو تاخت و تاراج کیا اور سارا مال پونجی لوٹ کرلے گئے۔ اس قصبہ کے شیخ جن کا مورث اعلیٰ میران بڈھا ہے مالدار تھے یہی وجہ تھی کہ سکھوں نے اس طرف رخ کیا باشندگان قصبہ مفلوک الحال ہوگئے اور کچھ ان میں سے ترک سکونت کرگئے اسی وجہ سے قصبہ کی آبادی کم ہوتی چلی گئی۔ قرب و جوار میں یہ قصبہ "پھوٹا شہر" کے نام سے مشہور ہے[۶] رپورٹ بندوبست سنہ ۱۸ء کے صفحہ ۱۰۵ پر مندرجہ ذیل عبارت ملتی ہے:۔

> "There are two large towns in the pargana Rampur with 8464 inhabitants and Nanouta with 4887. Rampur is a tolerably thriving town with a considerable tract in grain and with not too overgrown a body of proprietors. But Nanouta is next to Lakhnoutie, the most miserable dilapidated town in the three Tehseels. It is peopled by ill conditioned Sayyeds and over reaching usurers, who had given the very name of the place a bad repute, so that to pronounce that name is deemed ill-omened, and no one talks of it by any other title than Phuta Shahar."

---

۵ تاریخ سہارنپور صفحہ ۲۶۔

۶ ڈسٹرکٹ گزیٹیر سہارنپور صفحہ ۲۹۸

Marfat.com

ترجمہ:۔ پرگنہ رام پور میں دو بڑے قصبے ہیں۔ رام پور جس کی آبادی ۶۴۴۸ اور نانوتہ آبادی ۴۸۰۷۔ رام پور کافی حد تک خوش حال قصبہ ہے کافی اراضی اجناس کے لیے زیر کاشت ہے اور مالکان کی تعداد بھی ضرورت سے زیادہ نہیں مگر نانوتہ تینوں تحصیلوں میں لکھنوتی کی طرح سب سے زیادہ مفلوک الحال اور خستہ قصبہ ہے۔ اس میں رہنے والے بدحال سید اور زیادہ منافع کھانے والے سود خور ہیں جن کی وجہ سے قصبہ کی شہرت انتہائی بری ہے لوگ اس کا نام لینے کو ہی برا شگون سمجھتے ہیں اور کوئی بھی ایسا نہیں جو اس کو "چھوٹا شہر" نہ کہتا ہو۔ مذکورہ رپورٹ بندوبست کے مطابق پرگنہ رام پور میں شیخوں کی ملکیت میں ۴۰۹۹ ایکڑ اور سیدوں کی ملکیت میں ۱۸۹۲ ایکڑ زمین تھی۔

بیسویں صدی کے اوائل میں جب دارالعلوم دیوبند کو ملک گیر شہرت حاصل ہوئی تب نانوتہ کا نام بھی خاصا مشہور ہو گیا کیونکہ مذکورہ دارالعلوم مولانا قاسم نانوتوی نے قائم کیا تھا وجہ شہرت سے قصبہ کا تعلق نہیں بلکہ شخصیات سے ہے دارالعلوم دیوبند کا اہتمام خاندانی مناسبت سے مولانا قاسم نانوتوی کے خاندان میں ہی رہا۔ یہ خاندان اپنے آپ کو حضرت ابوبکر صدیق کی اولاد سے ہونے کا دعوے دار ہے۔ ڈاکٹر ایوب قادری نے اس خاندان کی موہومہ روایات کے مطابق ایک شجرہ ترتیب دیا ہے جس کے مطابق ایک شخص بنام "میران بڈھے" نانوتہ میں آکر آباد ہوا اور اپنی بہادری اور شجاعت سے اطراف کے راجپوتوں کو حکومت دہلی کا مطیع کر دیا۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ اوائل مسلم حکومت سے ہی یہ علاقہ مضافات دہلی میں شامل رہا ہے اور راجپوتوں کی کسی شورش کا علاقہ میں واقع ہونا کتب تاریخ میں مذکور نہیں۔ اس کے علاوہ مذکورہ میران بڈھے کی آمد سے پیشتر نانوتہ میں سیدوں کا خاندان آباد تھا جو اپنے تقوی اور پرہیزگاری کی وجہ سے سلاطین دہلی کے قریب تھا۔ علاوہ ازیں قرب وجوار کے قصبات رام پور جھنجھانہ وغیرہ میں مسلم آبادی بکثرت تھی۔

میران بڈھے کی اولاد میں سے ایک شخص مولانا محمد ہاشم دور شاہجہانی میں مقرب دربار تھے اور ان کی اولاد میں تیسری پشت میں تین لڑکے بنام حکیم عبداللہ شیخ محمد عاقل اور شیخ

Marfat.com

علاؤ الدین ہوئے ۔حکیم عبداللہ کی تیسری نسل میں مولانا مملوک علی اور علاء الدین کی چوتھی نسل میں مولوی محمد قاسم ہوئے جب کہ شیخ عاقل کی اولاد نے شیعہ مذہب اختیار کر لیا تھا۔[۱] میران بڈھے کس دور میں نانوتہ آئے اس کا تذکرہ نہیں کیا اس کے علاوہ میران بڈھے سے مولوی ہاشم کا سلسلہ بھی مذکور نہیں ۔ نہ ان وجوہات کی نشاندہی کی جس کی بنا پر مولوی ہاشم کو میران بڈھے کی اولاد تسلیم کیا گیا ہے ۔میران بڈھے کے والد مظہر علی خان کا سلسلہ حضرت ابو بکر صدیق رض سے کیسے ملتا ہے اس کی بھی صراحت نہیں ۔ ان حالات میں یہ دعویٰ کہ یہ لوگ خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق کی اولاد میں سے ہیں اگر غلط نہیں تو متنازعہ ضرور ہے ۔

---

[۱] "مولانا محمد احسن نانوتوی" مؤلفہ یعقوب قادری صفحہ ۱۵۔

Marfat.com

فصل پنجم

سروٹ (مظفر نگر)

سروٹ جلال الدین محمد اکبر کے زمانے میں سہارنپور کا پرگنہ تھا۔ اسی تعلق کی وجہ سے مختصر سا بیان اس علاقہ کا کیا جاتا ہے۔ پورا ضلع مظفر نگر موضوع کتاب ہذا نہیں ہے۔ انگریزوں نے جب علاقہ کی تنظیم نو کی تو ۱۸۱۸ء شمالی علاقہ کو ضلع سہارنپور اور جنوبی علاقہ کو ضلع میرٹھ بنایا۔ ۱۸۲۵ء میں سہارنپور اور میرٹھ سے کچھ علاقے الگ کر کے ضلع مظفر نگر کا قیام عمل میں آیا۔

سروٹ ایک بڑا خوش حال قصبہ تھا جس میں بہت سے مسلمان شرفا خاندان آباد تھے جن میں علم وفضل تقوی اور پرہیز گاری میں نمایاں کئی افراد شامل تھے۔ جو لجد میں دوسرے قصبوں میں منتقل ہو گئے تھے۔ جن میں قابل ذکر ہستی مولانا رحمت اللہ خان ہیں جن کا خاندان کیرانہ میں منتقل ہو گیا تھا۔ ان کے والد خلیل اللہ ولد حکیم نجیب اللہ تھے۔ انگریزوں نے اپنے ابتدائی دور حکومت میں عیسائیت کی تبلیغ سرکاری سطح پر کی جس کی ابتدائی تحریک دہلی میں عربیک کالج کا بند کرنا اور عیسائی اسکول کا قیام تھا۔ آگرہ میں مناظرہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی ایک عیسائی پادری نام فرنڈس نے اس مناظرے میں شرکت کی جو انگریز کلکٹر کی زیر نگرانی منعقد ہوا فیصلہ یہ ہوا تھا کہ مسلمانوں کے عالم اور مذکورہ پادری اگر ایک دوسرے کو اپنے مذہب کی حقانیت کے متعلق قائل کر دیں تو شکست کھانے والے فتح پانے والوں کا مذہب اختیار کر لیں گے۔ مناظرے میں مولوی رحمت اللہ مذکور نے علماء اسلام کی نمائندگی کی اور پادری فرنڈس کو قائل کرا دیا کہ انجیل جس کی بنا پر عیسائیت قائم ہے اصل نہیں بلکہ مصنوعی ہے اور حضرت عیسیٰ کے زمانے کے بہت بعد لکھی گئی جب کہ قرآن مجید اپنی اصل حالت میں لفظ بلفظ موجود ہے۔ مذکورہ پادری نے معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے دین اسلام قبول نہ کیا اور ہندوستان سے چلا گیا مگر اس فتح کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت برطانیہ نے اپنی پالیسی بدل دی اور سرکاری سطح پر تبلیغ کا کام بند کر دیا گیا۔ اس میں اور بھی بہت سے عیسائی عالم اور مبلغ شامل تھے۔ جن کا تعلق برطانیہ کے علاوہ فرانس وغیرہ سے بھی تھا اور وہ اپنا تبلیغی کام

Marfat.com

اس لیے جاری رکھے ہوتے تھے کہ مسلمان دین سے ہٹ چکے ہیں اور غربت اور افلاس کا شکار ہیں اس لیے ان کو عیسائی بنانا آسان ہو گا۔ مگر اس مناظرہ میں مسلمانوں کی فتح نے ان کو مایوس کر دیا اور ان میں اکثر اپنے اپنے وطن کو واپس چلے گئے اور مولانا رحمت اللہ کی سعی و کوشش سے مسلمانان ہند ایک بہت بڑے فتنہ سے محفوظ ہو گئے[۱]

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مولانا رحمت اللہ نے کیرانہ سے اور مولوی امداد علی نے مظفر نگر سے علم جہاد بلند کیا۔ مولانا رحمت اللہ کی اعانت علاقہ کے مسلمان گوجروں نے کی جن کا سربر آوردہ چودھری عظمت اللہ تھا جب کہ مولوی امداد علی کی مدد کے لیے قریبی گاؤں سے حبیب اللہ اپنی جمعیت کے ساتھ آ گیا۔ انگریز کلکٹر اتنا خائف ہوا کہ ضلع سے انتظام اٹھا لیا اور علاقہ میں عملاً مولوی رحمت اللہ کی حکومت قائم ہو گئی۔

اس جنگ آزادی کے ناکامی کے بعد انگریزوں نے کیرانہ سے تمام مسلمانوں کو بیدخل کر دیا اور تھانہ بھون کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ مولانا مذکور کی تمام جائداد ضبط ہوئی اور ان کی گرفتاری پر ایک ہزار روپیہ کا انعام رکھا گیا۔ مگر مولانا مکہ مکرمہ ہجرت کر گئے۔ بنگال کی ایک نومسلم خاتون صولت النساء کی مالی مدد سے آپ نے مکہ میں ایک مدرسہ بنام مدرسہ صولتیہ قائم کیا جو آج تک قائم ہے[۲]

دوسرا قابل ذکر خاندان نواب عظمت اللہ کا ہے اس خاندان کا نسب نوشیروان بعوض کسریٰ بن قباد سے ملتا ہے۔ کسریٰ کی سلطنت فارس ۲۱ھ بمطابق ۶۴۲ء مسلمانوں کے ہاتھوں حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں ختم ہوئی۔ خاندان کے افراد بوجہ اس انقلاب کے آوارہ ہو گئے کچھ ان میں سے اطراف غزنی میں آ کر آباد ہو گئے امیر سبکتگین کا تعلق اسی خاندان سے تھا۔ محمود غزنوی نے جب لاہور فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا اس وقت نواب عظمت اللہ کا مورث اعلیٰ سامانہ میں موجودہ پٹیالہ کے اطراف میں ہے۔ جاگیر حاصل کر کے

---

[۱] جنگ آزادی ۱۸۵۷ء۔ ایوب قادری صفحہ نمبر ۵۲۶

[۲] جنگ آزادی ۱۸۵۷ء۔ ایوب قادری صفحہ نمبر ۱۸۴

Marfat.com

سکونت پذیر ہوا۔ یہ شخص سلطان محمود غزنوی کی فوج میں عہدہ دار تھا۔ اور اس کا نام ملک محمود خان تھا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا نواب غیاث الدین خان مسند نشین ہوا[۵۶]۔ اس کے بعد نواب محمد امین خان اس کے بعد نواب علی الدین خان۔ اس کے بعد نواب احمد سلطان خان اس کے بعد سلطان محمد شاہ خاں اس کے بعد نواب محمد سلطان خان اس کے بعد نواب محمد شرف الدین خان اس کے بعد نواب محمد ہادی خان اس کے بعد نواب جلال الدین خان اس کے بعد رکن الدولہ محمدی خان اس کے بعد نواب رکن الدولہ احمد علی خان اس کے بعد نواب رکن الدولہ عظمت علی خان یکے بعد دیگرے خاندان کے سربراہ کی حیثیت سے مسند نشین ہوئے۔ شاہان سلف میں بڑی عزت رکھتے تھے۔ مغل سلطنت کے زمانے میں ان کو جاگیر معافی دوام موجودہ ضلع منظفر نگر میں ملی تھی۔ جہاں پر ان کی سکونت تھی مرہٹوں کے دور حکومت میں پرگنہ چرتھاول وغیرہ ضلع منظفر نگر میں مزید ملے۔ انگریزوں کے ابتدائی دور حکومت میں نواب محمدی خان کو اس کی رضامندی سے کرنال میں چالیس ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر ۱۸۰۶ء میں عطا ہوئی جس کے عوض میں اس نے مرہٹوں کے دیے ہوئے پرگنے ضلع منظفر نگر میں انگریزوں کے حوالے کر دیے۔ نواب محمدی خان نے ۱۸۱۹ء میں کرنال میں انتقال کیا اور نواب احمد علی خان مسند نشین ہوئے جن کا انتقال ۱۸۶۷ء میں ہوا۔ اور نواب عظمت علی خان اس کے جانشین ہوئے۔ منظفر نگر کی معافی دوام کی جاگیریں اس خاندان کے پاس بدستور باقی رہی ۱۸۵۷ء میں سرکار کی خیر خواہی کی وجہ سے اس میں پندرہ ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر کا اضافہ ہوا۔ نواب زادہ لیاقت علی خان قائد اعظم محمد علی جناح کے دست راست اور آل انڈیا مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری اور پاکستان کے پہلے وزیر اعظم تھے۔ ان کا تعلق اسی خاندان سے تھا[۵۷]۔

تیسرا خاندان روہیلہ پٹھانوں کا ہے۔ نظام الملک خافی خان اپنی تصنیف موسومہ منتخب اللباب کے حصہ چہارم صفحہ ۳۹۶ پر لکھتا ہے کہ روہیلہ وہ افغان ہیں جو قریباً شوال

۵۷۔ تاریخ سہارنپور صفحہ ۲۵۲

Marfat.com

کے حملے کے خوف سے ہندوستان آ گئے تھے۔ ان کا سربراہ شہاب الدین روہیلہ تھا۔ اس کے دو لڑکے ہوئے بنام حسن خان اور شاہ عالم خان۔ حسن خان سے دوندے خان پیدا ہوا۔ جب کہ حافظ رحمت خان شاہ عالم کا لڑکا تھا۔

دوندے خان کے یہاں اولاد نرینہ نہ تھی اس کو جنگل میں ایک ڈیڑھ سالہ لڑکا ملا جس کی مردہ ماں اس کے پاس ہی پڑی تھی۔ اس نے اس کی پرورش کی اور متبنیٰ بنا لیا اس کا نام احمد علی خان تھا جو دوندے خان کے بعد اس کا جانشین ہوا۔ اسی نے پٹھانوں کی بستی جالنسٹھا اور جلال آباد آباد کیے جو ضلع مظفر نگر میں واقع ہیں۔ ریاست رام پور کے نوابان کا تعلق اسی کی اولاد سے ہے نجیب خان جو بعد میں نجیب الدولہ کے نام سے مشہور ہوا اور سہارنپور مظفر نگر وغیرہ اس کی جاگیر میں تھے۔ دوندے خان کے لشکر میں ملازم تھا۔ حافظ رحمت خان نے الگ ایک ریاست بنام روہیلکھنڈ قائم کی۔ نواب شجاع الدولہ نے جو کہ والی اودھ تھا انگریز گورنر جنرل لارڈ ہیٹنگ کی فوج کی مدد سے حافظ رحمت خان پر حملہ کیا اور فتح کرنے کے بعد اپنی ریاست میں ملا لیا۔ انگریز فوج نے بڑا قتل عام کیا اور بہت سے بے گناہ افراد کو قتل کرا دیا۔ اس قتل عام کی گونج برٹش پارلیمنٹ میں بھی سنی گئی اور ایک مائل کمیشن لارڈ ہیٹنگ کے خلاف تحقیقات کے لیے مقرر ہوا۔

دوندے خان اور حافظ رحمت خان دونوں مرزا مظہر جان جاناں کے بہت معتقد تھے۔ اور اس کی خدمت بجا لانا اپنے لیے اعزاز سمجھتے تھے۔ مرزا صاحب مذکور کا خط مطبوعہ صفحہ ۴۹ در کتاب موسومہ کلمات الطیبات مطبع مجتبائی دہلی حسب ذیل ہے جو اب حافظ رحمت کو لکھا گیا۔

"باعث تحریر آنکہ ظفر علی خان سلمہ خلف نواب اعتضاد الدولہ ارشاد خان بہادر نبیرہ نواب امین الدولہ مغفور است از اولاد امجاد حضرت شیخ الاسلام عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ و تربیت ظاہری و باطنی از فقیر یافتہ نسخہ سراپائی در صورت و معنی بصحبت رسیدہ موافق وعدہ حافظ رحمت خان صاحب کہ در بسولی در مجلس کتخدائی صبیہ دوندے خان درباب رفاقت در روزگار این خان برخوردار دادہ بودند قصد پیلی

Marfat.com

بھیت کردہ بنابریں تصدیق می دہم کہ بسبی دوستی ہائے قدیم والتفاتی کہ برفقیر مبذول است شفقتے کہ لائق بزرگیہائی آن مہربان باشد درحق این جگر گوشہ کہ مرا عزیز تر از جان است مبذول فرمایند۔"

ترجمہ: اس خط لکھنے کا باعث یہ ہے کہ ظفر علی خان ولد نواب اعتقاد الدولہ ارشاد خان بہادر اور نواب امین الدولہ اور مغفور کا بھانجا اور حضرت شیخ الاسلام عبداللہ انصاری کی اولاد میں سے ہے۔ ظاہری اور باطنی تربیت فقیر سے حاصل کرکے ظاہری اور معنوی کمال حاصل کیا۔ حافظ رحمت خان کے وعدہ کے مطابق جو کہ انہوں نے بسولی میں دوندے خان کی لڑکی کی منگنی کی مجلس میں کیا تھا جو اسی ظفر خان کے روزگار سے متعلق تھا مذکورہ خان پہلی بھیت کے لیے روانہ ہو گیا ہے اور میں تصدیق کرتا ہوں کہ قدیم دوستی اور التفات کے واسطے جو کہ آپ کو فقیر سے اس جگر گوشہ کے لیے جو مجھے جان سے عزیز ہے اس کی بزرگی کے مطابق مہربانی فرمائیں۔"

مرزا مظہر جان جاناں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ہم عصر تھے۔ آپ کے ہزاروں مرید پنجاب اور یوپی میں تھے۔ آپ کا سلسلہ نقشبندیہ تھا اور خلافت اور خرقہ سید نور محمد بدایونی سے حاصل کیا تھا جن کا سلسلہ دو واسطے سے حضرت مجدد الف ثانی تک پہنچتا ہے۔ نسب کے لحاظ سے آپ حضرت علی کی اولاد میں سے تھے۔ مذکورہ کتاب کلمۃ الطیبات کے صفحہ ۱۲ پر آپ کا خط ان الفاظ میں ہے۔

"نسبت ایں خاکسار بہ بست وہشت واسطہ بتوسط محمد بن حنفیہ بشیر مبشۂ کبریا علی مرتضیٰ علیہ الجنۃ والسلام می رسد۔ امیر کمال الدین نام یکے از اجداد فقیر در ہشت صدی ہجری بتقریبی از بلدہ طائف در مملکت ترکستان افتاد و با صبیہ یکے از حاکمان آن حدود کہ سردار الوس قاقشالاں بود وصلت دست داد۔ چوں او را پسرے نبود حکومت آن ناحیہ تعلق باولاد ایشاں گرفت وقتیکہ ہمایوں بادشاہ مملکت ہندوستان را از دست افاغنہ مستخلص گردانید ازاں

Marfat.com

خاندان دو برادر محبوب خان و بابا خان تمام راکہ بہ سہ واسطہ با امیر مذکور فی رسد همراہ آورد و احوال ہر دو در تاریخ اکبری مسطور است و نسب مادری این بزرگان بخانوادہ امیر صاحبقران می رسد و نسب فقیر بہ چہار واسطہ بباباخان منتہی می گردد

ترجمہ :- اس خاکسار کی نسبت اٹھائیس واسطوں سے محمد بن حنفیہ تک پہنچتی ہے جو کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لڑکے ہیں ۔ میرے اجداد میں سے ایک شخص بنام امیر کمال الدین طائف سے آٹھویں صدی ہجری میں مملکت ترکستان پہنچے اور وہاں کے حاکموں میں ایک سردار بنام الوس تا قتناں کی لڑکی سے نکاح کیا چونکہ سردار مذکور کے اولاد نرینہ نہیں تھی اس لیے وہاں کی حکومت امیر کمال کی اولاد کو ملی ۔ ہمایوں بادشاہ نے جب ہندوستان افغانوں سے فتح کیا تو اس خاندان کے دو بھائی بنام محبوب خان و بابا خان جن کا نسبی تعلق تین واسطوں سے امیر مذکور تک پہنچتا ہے اپنے ساتھ لے آیا ۔ ان کا تفصیلی حال تاریخ اکبری میں لکھا ہوا ہے ۔ والدہ کی طرف سے ان بزرگوں کی نسبت امیر صاحبقران کے خانوادے تک پہنچتی ہے اور اس فقیر کا نسبی سلسلہ چار واسطوں سے باباخان تک پہنچتا ہے ۔

آپ کے زمانے میں مرزا نجف خان دہلی میں وزیر اعظم تھا جس کا متعصب شیعہ ہونا ضرور ہے ۔ ظلم و استبداد میں بھی اس کا کوئی ثانی نہیں تھا ۔ مرزا مظہر جان جاناں اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ ؟

" حال مردم این شہر روزیکہ نجف خان آمدہ است از شاہ تا گدا تباہ است ۔

ترجمہ : جب سے نجف خاں آیا ہے اس شہر کے لوگوں کا حال شاہ سے گدا تک تباہ ہے ۔

اسی نجف خان کے ہم مذہب مغل زادوں نے تعصب کی بنا پر مرزا مظہر مذکور کی تذلیل کی اور دل کے قریب پسلی پر اس زور سے گھونسہ مارا کہ اسی صدمہ سے آپ ۱۱۹۵ھ بمطابق ۱۷۸۱ء کو انتقال کر گئے ۔ مصرعہ

Marfat.com

تا دلی صاحب دلے نامد بدرد ۔ ہیچ قومے را خدا رسوا نکرد

ترجمہ : اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اس وقت تک رسوا نہیں کرتا جب تک اس کے ہاتھوں کسی صاحب دل بزرگ کو تکلیف نہ پہنچے۔

۱۱۹۶ھ میں مرزا نجف خان کا انتقال ہوا اور یوں مسلمان قوم ذلت و رسوائی کی آخری حد کی طرف گامزن ہوئی۔

نواب دوندے خان نے چند گاؤں مرزا صاحب مذکور کو بطور نذرانہ دیے تھے چونکہ یہ جاگیر مظفر نگر میں واقع تھی اس لیے مرزا مظہر جان جاناں اور نواب دوندے خاں اور حافظ رحمت کا ذکر تفصیل سے کیا گیا۔ مرزا صاحب مذکور تے ان میں سے ایک گاؤں اپنے مرید خاص اور خلیفہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے نام کر دیا تھا۔ قاضی ثناء اللہ نے خود اپنی وصیت میں یہ تسلیم کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ[۱]

فقیر در سال تمام دہ من گندم و پنج شش روپیہ نقد بایشاں (صبیہ شریف) می داد ازیں قصور نشود و دہ بیگہ زمین چاہی والدہ والدہ دلیل اللہ از طرف خود برائے مرزا اللن وصیت کردہ بود بایشان می رسد و من از طرف خود بست بیگہ خام زمین چاہی مزروع از موضع تنگلر برائے ایشاں مقرر نمودہ بودم لیکن ایشاں قبضہ نکردند یک من گندم و یک روپیہ نقد در ماہیہ بایشاں می و ہم دریں ہم قصور نشود موضع تنگہ میراث جد پدری و جد مادری من نیست محض تصدق حضرت مرزا صاحب شہید است رضی اللہ عنہ۔

ترجمہ :۔ فقیر ہر سال دس من گندم اور پانچ چھ روپیہ نقد ان کو (صبیہ شریفہ) کو دیتا تھا اس میں کمی نہ کی جائے۔ اور دس بیگہ زمین چاہی دلیل اللہ کی والدہ اور والد کو مرزا صاحب نے اپنی طرف سے مرزا اللن کے لیے وصیت کی تھی یہ ان کو پہنچنا چاہیئے اور خود میری طرف سے بیس بیگہ خام زمین چاہی مزروعہ

---

[۱] کلمات الطیبات صفحہ نمبر ۱۵۵

Marfat.com

موضع ننگلہ میں سے ان کے لیے مقرر تھی مگر انہوں نے قبضہ نہ کیا۔ ایک من گندم اور ایک روپیہ ماہانہ نقد ان کو دیتا ہوں اس معاملہ میں بھی کمی نہ کی جائے۔ موضع ننگلہ میری پدری یا مادری میراث نہیں محض حضرت مرزا شہید کی طرف سے مجھ کو صدقہ میں ملی۔

نوٹ :۔ صبیہ شریفہ حضرت شاہ محمد عابد صاحب کی لڑکی تھی جس کی کفالت حضرت مرزا صاحب نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی۔ ان کے وصال کے بعد قاضی ثناء اللہ صاحب ان کے کفیل ہوئے مرزا لالن صاحب حضرت مرزا صاحب کے چچا زاد بھائی تھے اس لیے قاضی ثناء اللہ صاحب ان کی بہت تکریم کرتے تھے۔ موضع ننگلہ ضلع مظفر نگر میں ایک گاؤں ہے جو اب بھی آباد ہے۔

سروٹ :

جلال الدین محمد اکبر کے زمانہ میں پرگنہ تھا اور عمال حکومت وہاں پر سکونت پذیر تھے مسلمانوں میں سے بعض معزز گھرانے جن میں صدیقی شیوخ اور شیخ الاسلام عبداللہ انصاریؒ کی بعض اولاد بھی اسی مقام پر رہتے تھے۔ عثمانی شیوخ جن میں سے مولوی رحمت علی جن کا پہلے سے تذکرہ ہو چکا ہے بھی یہیں مقیم تھے۔ مولوی رحمت علی مذکورہ کا تعلق عثمانی شیوخ خاندان سے تھا جو بعد میں کیرانہ منتقل ہو گیا تھا۔ ان تمام مسلمانوں کی زمینداری مختلف مقامات پر تھی جن کا انتظام ان کے عمال کرتے تھے۔ اس کے علاوہ صنعت پارچہ بافی سے تعلق رکھنے والے کثیر مسلمان یہاں آباد تھے۔

شاہجہان کے دور حکومت میں مظفر خان۔ خان خاناں نے قصبہ سروٹ کے متصل ایک شہر کی ۱۶۳۳ء میں بنیاد رکھی اور اپنے نام کی نسبت سے اس کا نام مظفر نگر رکھا۔ لوگوں کو رغبت دلائی کہ سروٹ کو چھوڑ کر مظفر نگر آ کر آباد ہوں۔ چنانچہ تمام آبادی مظفر نگر میں منتقل ہو گی اور قدیم قصبہ سروٹ ویران ہو گیا۔ جس کے کھنڈرات اب بھی موجود ہیں۔ کچھ لوگ اپنی موروثی زمینات پر جا کر آباد ہو گئے۔ مذکورہ مظفر خان نے شہر میں صنعت و حرفت اور تجارت کے فروغ کے لیے بہت کوشش کی۔ یہ شہر علاقہ کی سب سے بڑی منڈی بن گیا

Marfat.com

ترجمہ: گاؤں کھڈہ جس کی آبادی گزشتہ مردم شماری (۱۹۰۱) میں ۱۴۱۲۴ تھی جس میں سے ۱۲۱۰ گاڑے تھے جن کی ملکیت میں گاؤں کا کچھ حصہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ گاؤں نواب عبداللہ خان جانسٹھ والے نے عالمگیر کے زمانے میں آباد کیا۔ مگر بظاہر یہ گاؤں اس سے بھی قدیم ہے۔ یہ گاؤں رام دیال سنگھ کی جاگیر میں شامل تھا۔ مگر ۱۸۱۳ میں اس کے انتقال کے بعد گاؤں میں رہنے والے سنگوں اور گاڑوں کے نام ہو گیا۔ سنگوں نے اپنی ملکیت پوری ضائع کر دی جب کہ گاڑوں نے تھوڑی سی ملکیت فروخت کی جو کہ چھپیر کے رہنے والے مہاجن نے خریدی گاڑے اپنی اصل ذات راجپوت ہونے کے دعوے دار ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ برگوجر گوتھ سے مسلمان ہوئے۔ گاؤں کا لگان ۱۸۲۵ء میں ۲۵۰۰ روپیہ تھا۔

اس گاؤں سے متصل ایک گاؤں بنام ننگلہ ہے جس کا ذکر مرزا مظہر جان جاناں کے ضمن میں ہو چکا ہے۔ اس میں آبادی بھی گاڑوں کی ہے۔ ضلع مظفرنگر میں گاڑوں کی آبادی ۱۸۹۱ء میں ۵۰۵۳ تھی جب کہ ۱۹۰۱ء میں ۵۹۹۱ تھی جس میں سے ۲۲۸۵ باغوں والی اور کھڈہ میں کی تھی باقی ۲۷۰۶ مختلف گاؤں بنام ننگلہ، دودھیڑو کلاں، گادلہ وغیرہ میں تھی۔ ان کا تعلق بھی راجپوت (بڑگوجر گوتھ) سے ہے۔ کیونکہ مظفرنگر میرٹھ علی گڑھ وغیرہ میں بڑگوجر گوتھ کے راجپوت بکثرت آباد ہیں نواب چھتاری جو ایک زمانہ میں یوپی کے گورنر رہے ہیں ان کا تعلق بھی راجپوت برگوجر گوتھ سے تھا۔

دودھیڑو کلاں کے ایک معروف وکیل بنام شیخ اشرف علی پاکستان آکر کسٹوڈین کے عہدہ پر فائز ہوئے اور بعد میں ڈیرہ غازی خان میں سکونت اختیار کر کے وکالت شروع کر دی تھی۔ نہایت متقی اور صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے کار کے ایک حادثہ میں انتقال ہوا۔ ان کی اولاد اب بھی ڈیرہ غازی خان میں مقیم ہے۔ ان کے ایک بیٹے شیخ ضیاء الدین اشرف وکالت کرتے ہیں۔ دوسرے بیٹے غالباً سیشن جج ہیں۔ ان کے بھائی اصغر علی صاحب فوج میں صوبے دار تھے۔ اور بھی ان کے کچھ رشتہ دار پاکستان میں ہیں اسی تحریر کا مقصد یہ ہے کہ دودھیڑو کلاں کے

Marfat.com

گاڑھے خوش حال اور تعلیم یافتہ تھے۔

موضع گاولہ کے رہنے والے۔ ڈپٹی عبدالرحیم علاقہ میں مشہور شخصیت تھے۔ بیسویں صدی کے کے اوائل میں محکمہ انہار میں ڈپٹی مجسٹریٹ تھے۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد اشاعت دین اور اصلاح قوم میں کارہائے نمایاں ادا کیے۔ حاجی علی محمد صاحب پانڈولوی نے ایک دینی مدرسہ کی بنیاد ریڑھی تاجپورہ[1] میں رکھی یہ دینی تحریک ۱۳۳۷ھ میں ایک چھپر کے مکان سے شروع ہوئی اور ۱۳۴۲ھ تک اس کے لیے پختہ کمرے دستیاب تھے اور مذکورہ ڈپٹی عبدالرحیم کی سرپرستی حاصل تھی۔ جن کا انتقال اسی مقام پر ہوا۔ مزار مدرسہ کے احاطہ میں بنا ہوا ہے۔ مرحوم دین میں بدعات اور فضول رسم و رواج کے بہت مخالف تھے۔ ایسی کسی تقریب میں شریک نہیں ہوتے تھے جہاں پر غیر شرعی رسم و رواج کا دور دورہ ہو۔ یہ مدرسہ مولانا حسین مدنی کی خاص توجہ کا مرکز تھا آپ باقاعدہ سالانہ اجتماع میں شریک ہوتے اور وعظ فرماتے۔ شیخ الحدیث مولانا زکریا اپنی تصنیف "یاد ایام" کے صفحہ ۱۸۰ پر اس کا تذکرہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

"ریڑھی تاجپورہ کے سالانہ جلسہ کا تو خاص مستمرہ دستور تھا کہ حضرت قدس سرہ شام کو چار بجے کی گاڑی (ریل) سے دیوبند سے تشریف لاتے۔ چائے نوش فرماتے۔ عصر کی نماز مدرسہ کی مسجد میں پڑھ کر کار میں ریڑھی جاتے۔ وہاں مغرب پڑھ کر ایک گھنٹہ آرام فرماتے اٹھنے کے بعد کھانا نوش فرماتے۔ یہ ناکارہ (مولانا زکریا) دستر خوان پر تو شریک ہوتا۔ لیکن کھانے میں شریک نہ ہوتا۔ اس لیے کہ رات کو کھانے کا معمول نہیں تھا۔ عشاء کے بعد مدرسہ کے جلسہ میں پورے بارہ بجے تک وعظ فرماتے۔ پورے بارہ بجے وعظ ختم کر کے تقریباً آدھ گھنٹہ مصافحوں میں لگتا اور کار میں مجھے بٹھا کر میرے دروازے پر چھوڑ کر اسی کار سے اسٹیشن تشریف لے جاتے۔ اور ڈیڑھ بجے کی گاڑی سے دیوبند اور علی الصباح مدرسہ کا سبق۔"

مولانا مدنی مرحوم کی برکت اور مدرسہ کی انتظامیہ کی سعی و کوشش سے اس مدرسہ کو بڑی ترقی ہوئی۔ ۱۹۸۳ء کی روداد کے مطابق مدرسہ میں اکیس اساتذہ ۶۷۵ طلبہ جن میں سے

---

[1] سہارنپور سے تقریباً ۱۰ میل شمال میں چکروتہ سڑک پر واقع ہے۔

Marfat.com

۵۰ء مقیم تھے۔ کتب خانہ میں چھ ہزار سے زائد کتابیں اور نصاب درس نظامی کی آخری منزل تک پہنچ گیا تھا۔ اور یوں ڈپٹی عبدالرحیم مذکور مرحوم کی کاوش درجہ بدرجہ ترقی پذیر ہے ۱۹۳۰ء کے عشرہ میں ڈپٹی صاحب مذکور انجمن گاڑہ کے صدر تھے۔

حبیب اللہ جو جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں اپنی جمعیت کے ساتھ مولانا امداد علی کی اعانت کو پہنچے تھے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد روپوش ہو گئے تھے مگر کچھ زمانے کے بعد اپنا نام صرف "بُلا" میں تبدیل کرکے اپنے گاؤں موضع باغوں والی میں آکر خاموشی سے زندگی بسر کرتے رہے۔ ان کے لڑکے حاجی عبداللہ اپنے آپ کو انصاری[له] عرف گاڑہ لکھتے تھے۔ ان کے پانچ لڑکے ہوئے نام منفعت علی۔ ضامن علی۔ عاشق علی۔ قاسم علی اشرف علی۔ منفعت علی کے دو لڑکے نام آصف علی اور مشرف علی۔ ضامن علی کے دو لڑکے نام خورشید علی اور حشمت علی اور تین لڑکیاں۔ عاشق علی کا ایک لڑکا نام شوکت علی اور ایک لڑکی قاسم علی کے دو لڑکے نام کاظم علی اور ناظم علی اور ایک لڑکی اشرف علی لاولد اسی خاندان میں سے ایام قدیم میں مکھیا مقرر ہوتا تھا۔

له مکھیا حشمت علی ولد ضامن علی ولد حاجی عبداللہ کا بیان ہے کہ شیخ الاسلام عبداللہ انصاری کی اولاد میں سے کچھ لوگ مرادآباد میں رہتے ہیں ان کے پاس مکمل شجرہ ہے جس کے اندراجات سے انہیں معلوم ہوا کہ مذکورہ شیخ الاسلام عبداللہ انصاری کی اولاد میں سے کچھ لوگ سرورٹ میں تھے جن کو شاہی زمانہ میں زمینات ملی ہوئی تھیں۔ جہاں پران کے بکثرت باغات تھے۔ مرادآباد شاخ کا ایک وفد تلاش بسیار کے بعد باغوں والی ۱۹۵۰ء میں آیا۔ چونکہ مکھیا حشمت گاؤں کے سرکردہ اور خاندان کے بڑے تھے ان سے ملا اور اپنے پاس شجرہ کے اندراجات سے اس بات کی تصدیق کی کہ ان کا تعلق اسی خاندان انصاریاں سے ہے جو مرادآباد میں رہتے ہیں۔ مرادآباد کے شیوخ انصاری کو بڑی عزت واحترام سے دیکھا جاتا ہے اور مالی حیثیت سے بھی کافی متمول ہیں۔ انہوں نے باغوں والی شاخ کی قدیم دستاویزات بھی دیکھیں اور اپنی دستاویزات سے ان کی تصدیق کی۔ مرادآباد والی شاخ نے یہ بھی بتلایا کہ ان کا بیعت کا سلسلہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے توسط سے نقشبندیہ مجددیہ سے ہے

Marfat.com

حاجی عبداللہ نے موضع باغوں والی میں ایک مدرسہ قائم کیا جس کا طرز تعلیم دیو بند کے نصاب پر مبنی ہے جو ایک سہ منزلہ وسیع عمارت میں قائم ہے جس میں درس گاہ طالب علموں کے اقامت گاہ کتب خانہ اور ایک بڑی مسجد ہے۔ انتظام مہتمم کے حوالے ہے جس کی نگرانی گاڑہ برادری کے سرکردہ ارکان کی کمیٹی کے سپرد ہے۔

Marfat.com

باب چہارم
فصل اوّل
دارالعلوم

مولوی قاسم نانوتوی ۱۸۵۷ء کی جدوجہد آزادی کے ناکام ہونے کے بعد نانوتہ سے ترک سکونت کر کے دیوبند میں آباد ہو گئے تھے۔ جہاں پر انکی سسرال تھی ۱۸۶۷ء میں مولانا مذکور اور رشید احمد گنگوہی اور دیگر معززین نے مل کر مدرسہ کی ابتداء کی۔ شروع میں مسجد چھتہ میں تعلیم و تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ مگر بعد میں مدرسہ کے لئے الگ عمارت تعمیر کر کے اس میں منتقل ہو گئے۔ مدرسہ کی انتظامیہ ایک مجلس مشاورت کے سپرد ہوئی مولوی قاسم کے اصول ہشتگانہ کے مطابق اس مجلس کا رکن صرف عالم ہی ہو سکتا تھا اور یہی مجلس مہتمم کا تقرر کرتی تھی مدرسہ میں تعلیم کے لئے باقاعدہ نصاب ترتیب دیا گیا۔

دارالعلوم سے متعلق کوئی تحقیق نایاب ہے۔ مولوی طیب کی ترتیب دی ہوئی ایک تاریخ دارالعلوم شائع ہوئی ہے مگر اس میں کوئی تحقیقی مواد نہیں۔ اصول ہشتگانہ نصاب تعلیم کے علاوہ دارالعلوم کی آمدنی اور خرچ یہاں کے فارغ التحصیل طلباء کی تفصیل کے علاوہ اس کتاب میں کچھ نہیں ملتا۔ البتہ ایک امریکن خاتون کی ایک تحقیق منظر عام پر آئی ہے جس میں دارالعلوم کے ہر پہلو اور ہر گوشہ پر تحقیق کی گئی اور محقق نے انتہائی محنت سے جو مواد جمع کیا اس کو بہترین سلیقہ سے سپرد قلم کیا ہے اس کتاب کا نام

Islamic Revival in British India- Deoband 1860-1900. By Barbra Baly Metcalf. Printed by Princeton University Press, New Jersy, U. S. A. 1982.

اس کتاب میں درج حقائق اور کچھ اقتباسات درج ذیل ہیں۔

علماء نے جب یہ محسوس کر لیا کہ برطانوی حکومت قائم اور مضبوط ہو گئی ہے اور اس سے اختلاف کرنا ان کے لئے مضر ہو گا اور یہ کروہ مراعات۔ عزت اور شرف جو ان علماء کو اسلامی حکومت میں حاصل تھا ان کو نہیں مل سکے گا تو ان علماء نے اپنا الگ تشخص قائم کرنے

Marfat.com

کی جدوجہد شروع کردی۔ جس کا پہلا قدم مدرسہ دیوبند تھا جس کے مقاصد بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"P. 92, The school from its inception was unlike earlier madrassahs, its founder emulating the British bureaucratic style of educational institutions."

ترجمہ: یہ مدرسہ سابقہ مدارس سے روز اول سے ہی مختلف تھا۔ اس کے قائم کرنے والوں کی نظر میں برطانیہ کی ان درس گاہوں کی ہم عصری کرنا تھا جہاں پر نوکرشاہی کے لئے تعلیم دی جاتی ہے۔ مقصد یہ کہ اشراف کی وہ اولادیں جو دربار سلاطین میں جاہ وحشمت حاصل نہیں کرسکتی۔ وہ اسلام کی تعلیم حاصل کریں۔ تاکہ باقی اقوام سے ممیز ہوں اور اپنا سماجی مقام باقی رکھیں۔ بانیان مدرسہ کو اس مقصد میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ اس کی بڑی وجہ مدرسہ کا مالی نظام تھا۔ جس کا انحصار عام مسلمانوں کے چندے یا زکوٰۃ خیرات کی رقوم پر تھا۔ اسی وجہ سے مدرسہ میں داخلہ کے لئے کسی برادری کی کوئی تخصیص نہیں تھی۔ اور عام مسلمان اس میں تعلیم کی غرض سے داخل ہوسکتے تھے۔

۱۸۹۰ء کے عشرے میں مدرسہ کی انتظامیہ اور قصبے کے رہنے والوں میں شدید اختلاف ہوگیا۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ اہل قصبہ کا مطالبہ تھا کہ انتظامیہ میں قصبے کے اہل وجاہت اور اہل ثروت لوگوں کو شامل کیا جائے جب کہ انتظامیہ اصول پسندانہ کے موقف پر سختی سے کاربند تھی۔ جس کی رو سے صرف عالم ہی انتظامیہ کا رکن ہوسکتا ہے۔ اختلافات کی خلیج وسیع تر ہوتی چلی گئی۔ دہلی، مظفر نگر اور سہارنپور کے علماء نے مصالحت کی کوشش کی۔ جو بالآخر ناکام ہوئی۔ اہل قصبہ نے بہت سے اشتہارات تقسیم کئے جن میں تحریر تھا کہ مدرسہ کی انتظامیہ نے اس وقت اسے اپنی نجی جاگیر بنا لیا ہے۔ انتظامیہ کے دو رکن سگے بھائی ہیں۔ جب کہ ان کے چار لڑکے مدرسہ میں استاد ہیں۔ لوگوں سے اپیل کی گئی کہ مدرسہ کو چندہ نہ دیا جائے۔ سہارنپور کے کلکٹر کو بھی مداخلت کے لئے درخواست دی گئی۔ رشید احمد گنگوہی اپنی کوششوں میں ناکامی کے بعد مستعفی ہو

Marfat.com

گئے۔ جو ان ایام میں مدرسہ کے سرپرست تھے۔ ضلع کلکٹر سے کہا گیا کہ انتظامیہ برطانوی حکومت کی وفادار نہیں۔ مولانا ذوالفقار علی جن کو ملکہ کے دہلی دربار میں کرسی اور خلعت حاصل کرنے کا اعزاز حاصل تھا۔ برطانوی حکومت سے وفاداری کا اعلان کیا۔ اور ضلع کے انگریز کلکٹر کو دعوت دے کر دیوبند بلوایا۔ انگریز کلکٹر نے اردو میں تقریر کی اور انتظامیہ کی وفاداری کو شک و شبہ سے بالاتر قرار دیا۔ مذکورہ کتاب کے صفحہ ۱۲۰ کی عبارت درج ذیل ہے۔

"Moulana Zulfiqar Ali in particular addressed himself to the charge of disloyalty. He declared that as a "salt eater" of the Government, he personally took responsibility for the school's loyalty."

ترجمہ:۔ مولانا ذوالفقار علی نے خاص طور سے برطانوی حکومت کے وفادار نہ ہونے کے دعویٰ کو غلط قرار دیا اور اعلان کیا کہ حکومت کے نمک خوار ہونے کی حیثیت سے وہ مدرسہ کے وفادار ہونے کا ذمہ لیتے ہیں۔

مولانا ذوالفقار علی سرکاری ملازم اور محکمہ تعلیم میں ڈپٹی انسپکٹر رہ چکے تھے دارالعلوم کا مسلک ولی اللٰہی ہونا تو مسلم ہے۔ مگر حضرت شاہ ولی اللہ سلسلہ نقشبندیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ جب کہ دارالعلوم کا مسلک کسی ایک سلسلہ سے نہیں تمام طریقے مجموعی حیثیت سے ان کے پسندیدہ ہیں۔ زیارت قبور اور مشہد ان کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ تصور شیخ کا طریقہ مولانا رشید گنگوہی تک تو مذکور ہے۔ مگر ان کے بعد کے لوگوں میں اس کا ذکر نہیں۔ غرض یہ کہ حضرت شاہ ولی اللہ کے مسلک کے نصف حصہ یعنی ترویج دینی علوم دین کے ہی قائل ہیں بیعت و ارشاد تزکیہ نفس اور ذکر کے مشاغل ان علماء میں مفقود ہیں۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے۔ کہ یہ علماء مسلمانوں میں "قوم" کے تخیل کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک اشراف میں صرف شیخ، سید، مغل، پٹھان ہی شامل ہیں۔ باقی عام مسلمانوں کو اشراف میں شامل نہیں کرتے۔ یہ خود ساختہ تخیل

Marfat.com

صوفیاء کی تعلیمات کے منافی ہے۔ جن کی بیعت کرنے کے لئے صرف مسلمان ہونا ہی شرط ہے اور برادری اور قوم سے بالاتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ علماء احساس برتری کا بری طرح سے شکار ہیں اور اپنے آپ کو سماجی سطح پر اعلیٰ اور ارفع سمجھتے ہیں۔ صوفیاء کی تعلیمات میں کسر نفسی اور عجز کا پہلو غالب ہے جب کہ علماء میں ایک طرح کی انانیت کا عام طور پر ظہور ہوتا ہے۔ البتہ دارالعلوم کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جس نے عام مسلمانوں کی اصلاح اور تزکیہ نفس کا کام سرانجام دیا۔ اس میں سرفہرست مولانا اشرف علی تھانوی ہیں۔ ان کا ایک قصہ زبان زد عام ہے۔ وہ یہ ہے کہ "حضرت کے ایک جاہل مرید مسجد میں وضو کر رہے تھے۔ جن سے وضو میں کوئی غلطی سرزد ہوگئی ایک دوسرے مرید جو عالم ہونے کے دعویدار تھے۔ انہوں نے اس جاہل مرید کو ڈانٹ دیا اور صحیح وضو کرنے کو کہا۔ حضرت تھانوی مسجد میں موجود یہ دیکھ رہے تھے۔ آپ نے عالم صاحب کو اپنے پاس بلایا اور پوچھا۔ تمہارا اس طریقہ سے پیش آنا۔ اس مرید کی اصلاح کی غرض سے تھا۔ یا اپنے علم کی نمائش مقصود تھی۔ چونکہ حضرت کا قلب اس کی طرف متوجہ تھا۔ اس لئے کوئی بہانہ نہ بنا سکا۔ اور کہنا پڑا کہ علم کی نمائش مقصود تھی۔ آپ نے حکم دیا کہ آج سے چھ مہینے تک تم مسجد میں آنے والے نمازیوں کے جوتے سیدھے کیا کرو گے۔ تاکہ تمہارے نفس میں جو غرور پیدا ہو گیا ہے اس کی اصلاح ہو۔ مذکورہ محقق نے دارالعلوم کے قیام سے صدی کے آخر تک جن لوگوں نے مدرسہ کی مالی اعانت کی تھی ان کے گاؤں، قصبہ اور شہر کا نقشہ تیار کر کے شامل کتاب کیا ہے جو صفحہ ۲۳۷ پر واقع ہے اس نقشہ کے مطابق مندرجہ ذیل مقامات ضلع سہارنپور اور مظفر نگر میں واقع ہیں۔ یہی وہ آبادیاں ہیں۔ جہاں سے ابتداء میں دارالعلوم کی مالی اعانت کی گئی۔

سہارنپور	نکوڑ	انبہٹہ	گنگوہ	رامپور	تینتروں	پانڈولی
پہاڑپور	کیلاش پور	ہرڑہ	بھگوان پور	روڑکی	منگلور	کھجوروالا
نانگل	لنڈھورہ	گوردھن پور	دودھلی	دیوبند	تھانہ بھون	گڑھی پختان

Marfat.com

بڈولی تساؤلی کیرانہ کاندھلہ بنت چرتھاول نسکار پور
حسین پور شاہ پور باغرہ مظفرنگر مسرورپور جانسٹھ کھتولی مزاپور

مذکورہ ذرائع سے جو مالی اعانت بصورت نقدی ماہانہ یا سالانہ بنیاد پر کی گئی صرف اسی کا خاکہ مصنف کتاب نے تیار کیا۔ جس کے لئے اس نے دارالعلوم کے قدیم رجسٹروں اور رسیدوں کا تفصیلی جائزہ لے کر بلحاظ نام ہر گاؤں ایک کیٹلاگ تیار کیا۔ جس کی بنیاد پر نقشہ مذکورہ تیار ہوا۔ اس اعانت میں اجناس وغیرہ شامل نہیں جو قرب وجوار کے مسلمان فصل کے وقت دارالعلوم کو دیتے تھے۔ علاقہ کے لوگوں میں عام روایت مشہور ہے۔ کہ ابتدائی ایام میں قرب وجوار کے مسلمان گاؤں کی عورتیں جب روٹی پکانے کے لئے آٹا نکالتی تھیں تو بقدر خوراک ایک فرد کے آٹا خشک الگ کر کے دارالعلوم دیوبند کے لئے محفوظ کر لیتی تھیں اس طرح جب تمام گاؤں سے مناسب مقدار میں آٹا جمع ہو جاتا۔ تو لوگ دارالعلوم میں پہنچا دیتے تھے جس سے مطبخ کی تمام ضروریات پوری ہو جاتی تھیں۔ اس قسم کی اعانت کو اگر نقدی کی صورت میں تبدیل کر لیا جائے۔ تو اطراف کے کچھ مزید گاؤں کا اضافہ ناگزیر ہو گا۔

اٹھارویں صدی عیسوی میں مسلمانان ہند نہ صرف سیاسی انحطاط کا شکار ہوئے بلکہ ان میں دینی حمیت اور بھائی چارہ کی فضا بھی مکدر ہو گئی۔ ایک دوسرے پر برتری کے اظہار کے نئے نئے طریقے ایجاد ہوئے۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کو بھی اپنی طرح چار قوموں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ یعنی سید، شیخ، مغل، پٹھان اس قسم کی قومیت کو خود مسلمانوں نے بھی اپنا لیا۔ عوام تو جہالت کی وجہ سے ایسی حماقتوں کا شکار ہو ہی جاتے ہیں۔ مگر خواص بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ علماء دین کے لئے تو یہ اور بھی معیوب ہے بانیان دارالعلوم دیوبند کا اس فضول قسم کی قومیت سے گہرا ربط اور مسلمانوں میں نسلی برتری کی بنا پر اشراف اور ارذال کا فرق ایک انوکھی چیز ہے۔ جس کی نشاندہی متکاف نے کی۔ اس کی کتاب کے صفحہ ۲۳۸ سے اقتباس درج ذیل

Marfat.com

PAGE 238

THE ULAMA AND THE ASHRAF

The ulama have sometimes been thought to be an "under world" who influenced only the lower classes, and who were cut off from a "collaborating class" of government officials and big landlords. In fact, almost the opposite appears to have been the case. They themselves were ashraf and primarily influenced their counterparts. Like others of the ashraf, the ulama claimed descent from outside India: as sayyids, the descendants of the prophet himself; as shaikhs, the offspring of the prophet's companions; and as Mughals and Pathans, the descendants of the immigrant rulers and settlers of medieval India. They shared the ideology that these four hierarchically ordered groups or "qaum" were the social elite, and they guarded this status not only by marriage within the "qaum" but within the family. They held themselves superior to indigenous converts, particularly those of low occupational castes, but they often accorded high-caste converts the courtesy of the title of shaikh. The claim to foreign descent in the case of the ulama bolstered their religious authority, for it implied proximity to the prophet or to areas where he flourished.

This particular definition of social status was unique to India. It was formalized only in the eighteenth century as one of the many developments that fostered the coherence of Muslim society apart from the state. These categories, like Hindu castes, served to demarcate a community and preserve its culture during periods of alien rule. Religious leadership, an important component of that culture, was one of the specific responsibilities of the newly defined ashraf, for, as Muhammad Qasim wrote in the proceedings of the school at Deoband, "God entrusted religious learning to these four qaum."

Marfat.com

ترجمہ:-

علماء اور اشراف

علماء کے متعلق ایک زمانہ میں یہ خیال تھا کہ ان کا تعلق باطنی دنیا سے ہے۔ ان کے زیر اثر ادنیٰ درجہ کا وہ طبقہ ہے۔ جو جاگیر دار، سرکاری عہدے دار اور دیگر مراعات یافتہ طبقہ سے الگ ہے حقیقت حال اس کے برعکس معلوم ہوتی یہی لوگ اشراف تھے جنہوں نے بنیادی طور سے اپنے ہم عصروں کو متاثر کیا۔ دوسروں کی طرح علماء کا بھی دعویٰ ہے کہ نسلی طور سے ان کا تعلق ہندوستان سے باہر کے لوگوں سے ہے۔ جیساکہ سید جن کا نسب رسول اللہ صلعم سے ملتا ہے۔ یا شیخ جو نسلی طور سے صحابہؓ کرام کی اولاد ہیں۔ مغل اور پٹھان جو باعتبار نسل ان کی اولاد ہیں۔ جو ترک سکونت کر کے ماضی میں ہندوستان بحیثیت حاکم کے آئے اور یہیں آباد ہو گئے۔ یہ اس اصول سے متفق ہیں کہ نسلی برتری کے یہ چار طبقہ یا سماجی طور سے اعلیٰ اور ارفع ہیں اور اپنی اس حیثیت کو قائم رکھنے کے لئے اپنی قوم بلکہ اپنے ہی خاندان میں شادی بیاہ کرتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے آپ کو ان لوگوں سے اعلیٰ سمجھتے ہیں۔ جن کا تعلق مقامی آبادی سے ہے۔ خاص طور پر ادنیٰ پیشہ سے گروہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ مگر لبسا اوقات اعلیٰ ذات کے لوگوں کو دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد احتراماً شیخ بھی کہتے ہیں۔ علماء کا یہ دعویٰ کہ ان کا نسلی تعلق بیرون ہند سے ہے۔ ان کی مذہبی حیثیت کو مقبول بنانے کے لئے بہت مددگار ثابت ہوا۔ خاص طور سے ان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس سرزمین سے تعلق جہاں سب سے پہلے اسلام کی شمع روشن ہوئی۔

ہندوستان میں سماجی برتری کی یہ خاص تعریف اپنی مثال آپ ہے۔

Marfat.com

اٹھارویں صدی عیسوی میں اس وقت مرتب کی گئی۔ جب مسلم سوسائٹی میں مسلم حکومت کے زوال کی مناسبت سے بہت سے اقدام کئے گئے۔ بدیسی حکومت کے دوران ان تفریقات نے ہندو ذاتوں کی طرح کسی ایک طبقہ کی ثقافت کو محفوظ رکھنے کا کام دیا۔ مذہبی پیشوائی اس ثقافت کا اہم جزو ہے اور یہ خاص ذمہ داری اس نئی متعارف کردہ قوم اشراف کے لئے مخصوص ہے۔ جیسا کہ محمد قاسم نے مدرسہ دیوبند کی روداد میں لکھا ہے۔ کہ اللہ نے مذہبی تعلیمات کے لئے ان چار قوموں کو مخصوص کر لیا ہے[۱]

نفس مضمون سے یہ واضح ہے کہ علماء نے مقبولیت حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو رسول اللہ صلعم اور صحابہ کرام سے نسلی طور سے وابستہ کیا مگر مدرسہ کی کامیابی محض اس مفروضہ پر منحصر نہیں تھی۔ کیونکہ جس معیار کے اساتذہ کی مدرسہ کو ضرورت تھی۔ وہ اس محدود نسلی فرقہ میں کمیاب تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دارالعلوم کے قابل ترین اساتذہ میں مولانا حسین احمد مدنی سرفہرست ہیں۔ ان کی وجہ سے مدرسہ کو شہرت ملی اور بہت سے کامیاب عالم ان کے شاگرد رہے ہیں۔ مگر محض قابلیت کی بناء پر ان کا مدرس ہونا ممکن نہ تھا۔ حتیٰ کہ ان کو "سیدوں" کے زمرے میں شامل کر کے مقام اتا دیا گیا۔ اس موضوع پر بھی مٹکاف نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ صفحہ ۲۴۶ کا متن بمعہ ترجمہ درج ذیل ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے۔ کہ سید ہونے کے لئے نسلی رشتہ کا ہونا ضروری نہیں۔ اسلامی شریعت کا علم، شائستہ زبان اور رہن سہن کے صاف ستھرے طریقے کی بناء پر بھی آل رسول صلعم کے زمرے میں شامل کیا جا سکتا ہے

PAGE 246

This was true even for those students, the so-called "ghairqaum", who were not even recognized as ashraf. If religious education served the ashraf by giving them employment commensurate with their high birth, it gave these students the opportunity to

---

[۱] بحوالہ دارالعلوم دیوبند روداد سالانہ ۱۲۹۰ھ، ۷۴-۱۸۷۳ء صفحہ ۱۱

Marfat.com

make a new claim to respectability. At the school they acquired not only training for a profession but the style of appropriate behavior that distinguished the well born. Through close association with their teachers over a period of several years they learned aristocratic qualities of hospitality, refined taste, and cultured language. The autobiography of Sayyid Husain Ahmad Madani, one of the most celebrated Deobandis of this century, itself offers clues that members of his own family were enabled through religious training to gain recognition as sayyid despite common belief that they were weaver in origin. His father had craved the status of a religious leader. He claimed to be a sayyid, called himself a maulawi, and, on the basis of a dream, took the title of Khalifah of Maulana Fazlu'r-Rahman Ganjmuradabadi. The kind of respectability he sought eluded him, for although he so hated the English that he dreamed of excrement when he began to study their language, he was reduced to taking employment in a government primary school. He ultimately found some measure of personal contentment by emigrating to Medina. But his greatest satisfaction came from educating his three sons at Deoband.

All three were prepared by the school to obtain employment of both religious value and social respectability. In the Hijaz they were initially faced with desperate poverty but ultimately, despite the prejudice against "Hindis", all three became known as excellent teachers. Husain Ahmad even attracted Arab students because of his method of preparing lessons in advance so that he appeared to know the books by heart. One of his brothers tutored the children of Indian merchants from throughout the Middle East. Because of these scholarly activities, the family received modest stipends from the Nawab of Bhawalpur, whose wazir was a disciple of Rashid Ahmad, and from the Begum of Bhopal. The sons later re-

Marfat.com

turned to India, two continuing their careers of religious teaching, one entering the Department of Public Instruction. Deoband-educated, Arabia-returned, and settled outside their natal village, their claim to being sayyid was no longer challenged. They valued that status, for, as Husain Ahmad wrote, ultimately only belief and behaviour mattered but both were facilitated by birth, and "one should rejoice in high birth as one rejoices in having a flawless body."

ترجمہ :۔ یہ صحیح ہے کہ "غیر قوم" کے وہ طالب علم جن کا شمار اشراف میں نہیں۔ مذہبی علوم حاصل کرنے کے بعد معزز ہونے کے دعویدار ہو سکتے تھے۔ جیسے کہ اعلیٰ النسل سے وابستہ لوگ مذہبی تعلیم کی بنیاد پر معقول ملازمت حاصل کر لیتے تھے۔ کیونکہ مدرسہ میں سالہا سال گزارنے کے دوران یہ لوگ نہ صرف مذہبی تعلیم و تربیت حاصل کر لیتے تھے۔ بلکہ شاہانہ رہن سہن کے طریقے اور ثقافت اور زبان میں شائستگی بھی ان کو حاصل ہو جاتی تھی۔ سید حسین احمد مدنی اس صدی کے مشہور دیوبندی کی سوانح عمری سے پتہ چلتا ہے۔ کہ ان کا خاندان محض مذہبی تعلیمات کی وجہ سے ہی "سید" تسلیم کیا گیا۔ باوجودیکہ ان کا تعلق اصل میں پارچہ باف خاندان سے تھا۔ ان کے والد نے اپنے آپ کو مذہبی پیشوا ہونے کی حیثیت سے تسلیم کرانے کی کوشش کی۔ اپنے آپ کو سید اور مولانا کہتے تھے اور محض ایک خواب کی بنا پر مولانا فضل الرحمان گنج مراد آبادی کے خلیفہ ہونے کے دعویدار ہوئے۔ اس عزت و احترام کی خواہش ان کے باطن میں موجود تھی۔ انگریزی سے ان کو نفرت تھی۔ جب انہوں نے انگریزی تعلیم حاصل کرنے کی کوشش کی تو خواب کے ذریعہ ان کو منع کر دیا گیا اور پھر حکومت کے پرائمری اسکول

Marfat.com

میں ملازمت اختیار کر لی۔ بالآخر مدینہ ہجرت کرنے سے ان کو سکون
حاصل ہوا۔ ان کو سب سے زیادہ اطمینان اس بات پر تھا کہ ان
کے تینوں لڑکوں نے دیوبند میں تعلیم حاصل کی۔

مدرسہ نے ان تینوں کو ایسا تیار کیا کہ مذہبی تعلیم اور ثقافتی ذمہ داری کے عنوان میں ان کو بہتر ملازمت حاصل ہو سکے۔ حجاز میں ان کو ہندی ہونے کی وجہ سے ایک گونہ تعصب کا مقابلہ کرنا پڑا اور شدید مفلسی کے ایام بھی گذارے بالآخر تینوں اچھے استاد کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ حسین احمد نے عرب طالب علموں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ کیونکہ ان کو بہت سی کتابیں حفظ یاد تھیں اور اسباق پہلے سے تیار کر لیتے تھے ان کے ایک بھائی نے ہندی تاجروں کے بچوں کو پڑھانا شروع کر دیا ان کی ان تعلیمی کارگذاریوں کی وجہ سے نواب بھوپال اور بیگم بھوپال نے اس خاندان کے لئے معقول وظیفہ مقرر کر دیا۔ بھوپال کے وزیر رشید احمد گنگوہی کے مرید تھے۔ یہ تینوں ہندوستان واپس آ گئے۔ ان میں سے دو نے تو مذہبی تعلیم کا شغلہ جاری رکھا جب کہ تیسرے نے محکمہ تعلیم میں سرکاری ملازمت اختیار کر لی۔ ان حضرات نے جو دیوبند میں تعلیم یافتہ اور سرزمین عرب سے واپس آئے تھے۔ اپنی بود و باش کے لئے اپنے آبائی گاؤں سے الگ جگہ منتخب کی اب ان کا سید ہونے کا دعویٰ مسلمہ تھا اور کوئی اس پر انگلی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ اس حیثیت کی ان کی نظر میں بڑی وقعت تھی۔

حسین احمد نے لکھا ہے کہ عقیدہ اور طرز زندگی بہت اہم ہیں۔ مگر اعلیٰ نسبی کی وجہ سے ان کا حصول آسان ہو جاتا ہے۔ "آدمی کو اپنی اعلیٰ نسبی پر خوش ہونا چاہیئے۔ جیسے جسم میں عمدہ اعضاء کی وجہ سے خوش ہوتا ہے"[۱]

مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی نے اپنی تصنیف جو موسومہ "معیار العلما" میں علماء کے لئے ضروری علامات کا ذکر کیا ہے جن کی رو سے علماء میں قرآن شریف

۱ے حوالہ نقش حیات از حسین احمد مدنی۔ ا، صفحہ ۱۸

Marfat.com

اور احادیث کی تفسیر فقہہ اور فتاوی جاننے کے علاوہ خوف و خشیت الہی کا ہونا ضروری ہے اور یہ کہ علماء کو اتحاد بین المسلمین کا علمبردار ہونا چاہیئے۔ مگر بعض علماء ہندو مذہب میں برہمن کی قدر و منزلت سے متاثر نظر آتے ہیں۔ صفحہ نمبر ۱۰۴ پر تحریر ہے کہ۔

بلند مرتبہ علماء اور فقہا بھی دانستہ یا نادانستہ طور پر برہمنوں کی ڈگر پر چل نکلے اور علم دین کو اپنی ملکیت بنانے پر آمادہ نظر آنے لگے۔ سب سے زیادہ وجوب تقلید شخصی سے امداد لی گئی پھر اکابر پرستی کو لازم قرار دیا گیا۔

Marfat.com

فصل دوم

علمائے ربانی اور علمائے ظاہر

تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں شیعت کی ابتدا ہوئی۔ آل بویہ اور فاطمیوں نے جب بغداد اور مصر پر اقتدار حاصل کر لیا۔ تو انہوں نے شیعت کو فروغ دیا اور حضرت علیؓ کی ذات میں غلو سے کام لیا۔ انہوں نے طائفے منظم کیے جو اس مسلک کی تبلیغ و تدریس کرتے تھے اور جگہ جگہ مجالس قائم کرکے حضرت علیؓ کی ذات سے مصنوعی قصے وابستہ کرتے۔ اسی زمانے میں بہت سی غیر مستند روایتیں مشتہر ہوئیں۔

پانچویں صدی ہجری میں فاطمیوں کو مصر سے غازی صلاح الدین ایوبی نے ۱۱۷۱ء / ۵۶۷ھ اور آل بویہ کو سلجوقی ترکوں نے بغداد ۱۰۵۵ء / ۴۴۷ھ میں ختم کیا۔ سلجوقی ترکوں نے ذکر واذکار حضرت علیؓ کی جگہ میلاد نبوی کی مجالس کی ترغیب دی صوفی سلسلے جنیدی ۲۹۸ھ / ۹۱۰ء میں اور بسطامی ۲۶۰ھ / ۸۷۳ء میں قائم ہوئے۔ ان کی سرپرستی سلجوقیوں نے کی اور ان کے زیر نگرانی مدرسے اور خانقاہیں قائم کیں۔ ان سے بہت سی شاخیں نکلیں جو تمام عالم اسلام میں پھیل گئیں۔ اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا کام بنیادی طور سے انہیں خانقاہوں نے انجام دیا۔ بسطامی سلسلہ کو خراسانی بھی کہتے ہیں۔ عجم کے تمام ممالک میں اسی کی شاخیں ہیں۔

ہندوستان میں سہروردی سلسلہ سب سے قدیم ہے۔ حمید الدین ناگوری، نور الدین مبارک غزنوی، نجم دہلوی اور بہاؤ الدین زکریا ملتانی، حضرت شہاب الدین سہروردی کے خلفائے میں سے تھے۔ نور الدین مبارک غزنوی، سلطان شمس الدین التمش کے زمانے میں شیخ الاسلام تھے۔ قادریہ سلسلہ، شاہ محمد غوث گوالیاری اور شیخ محمد غوث اوچھ کے ذریعہ ہندوستان میں آیا۔ نجم الدین کبری کا تعلق بھی سلسلہ سہروردیہ سے تھا۔ مگر ان سے مزید چھ سلسلے نکلے۔ سلسلہ ہمدانیہ ان میں سے ایک ہے یہ سلسلہ ہندوستان میں سید علی ابن

Marfat.com

شہاب الدین ابن محمد ہمدانی نے کشمیر میں قائم کیا۔ ان کے مریدوں میں سے تین سو صوفی ان کے لڑکے میر محمد کے حکم سے ہندوستان آئے۔ اور سات سو صوفی امیر تیمور کے ساتھ آئے۔ نقشبندی سلسلہ کے بانی حضرت بہاؤالدین نقشبندی ہیں۔ جن کا قیام تاشقند میں تھا۔ ان کے مرید حضرت خواجہ باقی باللہؒ ہندوستان میں آئے۔ جن سے احمد فاروقی سرہندی نے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ قطب الدین عرف شاہ ولی اللہ اور مرزا مظہر جان جاناں جو ہمعصر تھے۔ ان دونوں کا تعلق بھی سلسلہ نقشبندیہ سے تھا۔

انیسویں صدی عیسوی میں دنیائے اسلام پر مغرب کا غلبہ ہو گیا مسلمانوں کی مرکزیت ختم ہو گئی۔ ترکوں اور عربوں میں حد درجہ تعصب بڑھ گیا۔ اسی زمانے میں وہابی تحریک شروع ہوئی۔ جس نے سب سے پہلے مسئلہ اجماع اُمت کا انکار کیا۔ صوفیا کے نزدیک قربِ خداوندی بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ممکن نہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک رسائی۔ صحابہ اکرام، اولیاء اللہ کے واسطے سے ہے اس لئے ہر مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ کسی واسطے یا سلسلے سے وابستہ ہو جائے۔ دنیائے اسلام میں ایک زمانہ میں یہ مشہور تھا کہ جس مسلمان کا کوئی پیر و مرشد نہیں اس کا پیر شیطان ہے۔ وہابی تحریک نے اس کا انکار کیا۔ ان کے نزدیک اللہ اور اس کے بندے کے درمیان کسی واسطے کی ضرورت نہیں۔ صرف احکام شریعت پر عمل کرنا کافی ہے۔ مزارات کی زیارت شرک ہے۔ مدینہ منوّرہ میں جو مزارات ترکوں نے بنوائے تھے۔ ان کو منہدم کرا دیا۔ کربلا میں امام حسینؓ کا مزار بھی ۱۸۰۲ء منہدم کرا دیا۔ ان وجوہات کی بنا پر عجمی مسلمانوں میں خاص طور سے بڑا غیظ و غضب اور ہیجان برپا ہو گیا۔ [۱] ھ

اسلام میں تبع تابعین کے زمانے کے بعد سے ہی علماء کے دو مخصوص حلقے ہو گئے تھے ایک صوفیائے اکرام، دوسرا علماء ظاہر، علمائے ظاہر کا تعلق ابتدا سے ہی سلاطین

---

[۱] Sufi orders in Islam, Oxford 1971, by J. Spencer Trimingham.

Marfat.com

امراء۔ روساء اور مسلمانوں کے اعلیٰ اور رئیس طبقہ سے رہا۔ جہاں ان کو سرکاری ملازمتیں اور مراعات حاصل تھیں۔ مگر صوفیائے ایسے طبقوں سے تعلق سے گریز ہی کرتے تھے سولہویں صدی عیسوی میں جب ہندوستان میں مغل، ایران میں صفوی۔ اور باقی مسلم دنیا میں عثمانی سلطنت قائم ہوئی۔ تو علماء ظاہر کا نوکر شاہی پر تسلط اور غلبہ ہوگیا۔ اور صوفیاء کا تعلق خانقاہوں اور عامۃ المسلمین سے رہ گیا۔ بعد کے ایام میں نظام خانقاہی اپنی اصلیت کھو بیٹھا۔ اور صوفیاء اور شیوخ کی اولاد نے اس کو موروثی بنا لیا۔

شاہ ولی اللہ، مرزا مظہر جان جاناں اور مرزا نجف خان (وزیر اعظم دہلی) نہ صرف ہم عصر ہیں بلکہ تینوں کی سکونت دہلی میں تھی۔ نادر شاہ نے جب ایران پر قبضہ کر لیا۔ تو تمام امراء اور روساء کو قید کر لیا۔ سنیوں کی حمایت کی اور شیعہ عمال حکومت کو برطرف کر کے سنیوں کو مقرر کر دیا۔ اسی زمانے میں مرزا نجف خان پندرہ سال کی عمر میں ہندوستان آیا پہلے علی وردی خان نواب بنگال کی ملازمت کی پھر شجاع الدولہ نواب اودھ کا ملازم ہوگیا اور آخر میں شاہ عالم نے اس کو وزیر اعظم بنا لیا۔ نادر شاہ کی ایران میں شیعہ مخالفت اس کے ذہن میں تازہ تھی۔ اس نے بہت سے ایرانیوں کو ہندوستان بلوا کر ملازمت دی اور شیعہ مسلک کی کھل کر تبلیغ کی۔ سنیوں کی جاگیریں اور مراعات ضبط کر لیں اور جو شخص شیعہ مسلک اختیار کرتا اس کو انعام واکرام کے علاوہ جاگیریں اور دیگر مراعات دیتا۔ دہلی کے عوام میں اس کے اس طرز عمل سے ایک ہیجان پیدا ہوگیا۔ بسا اوقات شیعہ سنی فتنہ و فساد بھی کھڑا ہوا۔ شیعہ سنی بحث کے نتیجہ میں جامع مسجد میں ایک قتل بھی ہوگیا تھا شیعہ اور سنی عقائد میں بنیادی اختلاف مسئلہ خلافت ہے۔ شیعہ عقیدے کے مطابق خلافت موروثی ہے اور حضرت علیؓ کا حق ہے۔ جبکہ سنی اس کو منتخب ادارہ سمجھتے ہیں۔ جس کو مسلمان منتخب کر کے اس کی بیعت کر لیں وہی جائز خلیفہ تھے۔

شاہ ولی اللہ نے فقہ اور شریعت کی تعلیم حرمین شریفین میں حاصل کی۔ اور ۱۱۴۵ھ میں واپس دہلی آئے۔ اور صوفیانہ ذکر و فکر کے مشاغل اختیار کئے۔ مگر جب آپ نے دہلی کی یہ حالت دیکھی تو فقہ و شریعت کی ترویج کے لئے دست قلم استعمال

Marfat.com

کیا آپ نے شیعہ عقیدے کے رد میں ازالۃ الخفا عن خلافت الخلفا دو جلدوں میں تحریر کی۔ چونکہ شیعوں نے بہت سی غیر مستند حدیثیں مشتہر کر دی تھیں۔ اس لئے آپ نے مستند حدیثوں کی تعلیم کی طرف توجہ دی۔ مولانا عبدالحق محدث دہلوی۔ اکبر اور جہانگیر کے زمانے میں تھے۔ ان کے کتب خانے میں مستند حدیثوں کا جامع ذخیرہ موجود تھا۔ آپ نے ان سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ آپ کے شاگردوں نے احادیث کی طباعت کا اہتمام کیا۔ خانوادہ ولی اللہی کے شاگردوں سے میں مفتی صدرالدین آزردہ اور مولانا مملوک علی دہلی کالج میں استاد تھے۔ اس کالج کو ۱۸۲۷ء سے انگریزوں کی مالی اعانت حاصل تھی۔ عزیز احمد مولف کتاب موسومہ

'Islamic modernism in India and Pakistan"

کے صفحہ ۲۲ پر لکھتا ہے کہ :-

"Mamlook Ali joined as teacher of Wahabi thought in Delhi College."

ترجمہ: "مملوک علی نے وہابی خیالات کے استاد کی حیثیت سے وہی کالج میں ملازمت اختیار کر لی"

مولانا قاسم نانوتوی اور دیگر بانیان دارالعلوم دیوبند مولانا مملوک کے شاگرد تھے۔ سرسید احمد بھی مولانا مملوک علی کے شاگرد تھے۔ مگر ان پر ان کی والدہ کا زیادہ اثر تھا۔ جو شاہ غلام علی سے بیعت تھیں[1] شاہ غلام علی مرزا مظہر جان جانان نقشبندی مجددی کے خلفاء میں سے تھے۔ سرسید نے میلاد نبوی پر ایک عام فہم کتاب لکھی جو میلاد خوان عام مجالس میں پڑھتے تھے

---

[1] Islamic Revival in British India, P. 515

Marfat.com

فصل سوم

دارالعلوم دیوبند کا مسلک اور نصاب

"علمی حیثیت سے یہ ولی اللہی جماعت مسلکاً اہل سنت والجماعت ہے۔ جس کی بنیاد کتاب وسنت اور اجماع وقیاس پہ قائم ہے اس کے نزدیک تمام وسائل میں اولین درجہ نقل وروایت اور آثار سلف کو حاصل ہے۔ جس پہ پورے دین کی عمارت کھڑی ہے۔"

"روایات کے مجموعہ سے حنفی فقہ کی روشنی میں شارع علیہ السلام کی غرض وغایت کو سامنے رکھکر تمام روایات کو اسی کے ساتھ وابستہ کرتا ہے۔ اور سب کو درجہ بدرجہ اپنے اپنے محل پر اس طرح چسپاں کرتا ہے کہ وہ ایک ہی زنجیر کی کڑیاں دکھائی دیں۔"

(ماخوذ از تاریخ دارالعلوم دیوبند۔ صفحہ ۲۲)

مذکورہ تاریخ دارالعلوم کے مصنف مولوی محمد طیب صاحب صفحہ ۱۸ پر لکھتے ہیں

"مدعیان عقل واجتہاد کی طرف سے آزادی فکر، عدم اتباع سلف اور نیچیریت کا فتنہ عقل محض کا سہارا لیکر دین میں داخل ہونے لگا تو اس نے عقلی دلائل پیش کر کے کامیاب مدافعت کی۔"

دارالعلوم کا ذریعہ تعلیم اردو، فارسی اور عربی ہیں جن کا الگ نصاب ہے۔ درجہ عربیہ کا گیارہ سالہ نصاب جس میں صرف ونحو، عربی ادب فقہ منطق علم کلام، پہلے سات سالوں میں اور بعد کے چار سال میں قرآن مجید کی تفسیر اور احادیث ہیں۔ نسائی۔ ابن ماجہ ترمذی، بخاری، ابو داود، مسلم، طحاوی، موطاء امام مالک، موطا امام بیضاوی، درجات فارسی کا پانچ سالہ نصاب جس میں فارسی ادب فقہ اردو۔ و۔ فارسی۔ تاریخ اسلام جغرافیہ ہندی۔ حساب وغیرہ۔ قراۃ وتجوید کا دو سالہ نصاب، اردو، دینیات کا چار سالہ نصاب (جلد دوم)

Marfat.com

صنعت، حرفت تجارت، نصاب میں داخل نہیں۔ موجودہ زمانے کے مروجہ علوم بھی خارج از نصاب ہیں۔ نذر و نیاز۔ مزارات کی زیارت اور عرس میں شریک ہونا ممنوع ہے۔ سابقہ بزرگان دین اور صوفیائے کرام کے تصرف کے منکر ہیں۔ ایک ہی امام کی تقلید ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص حنفی ہے۔ تو کسی مسئلہ میں امام شافعی وغیرہ کے فتویٰ پر عمل نہیں کر سکتا۔ کسی ایک عالم کا فتویٰ قابلِ تقلید ہے۔ فقہ میں ہر مسئلہ پر علمائے سابق کی تقلید لازمی ہے۔ (اسی لئے لوگ علمائے دیو بند کو مقلد کہتے ہیں)

دارالعلوم جب دیو بند میں قائم ہوا۔ اس زمانہ میں دو بڑے جید عالم دین اس اطراف میں تھے۔ اوّل مولوی احمد علی سہارنپوری جنہوں نے ترمذی کی شرح لکھی اور دہلی میں مطبع احمدیہ قائم کیا۔ دوم مولوی عبدالرب جو بہت بڑے واعظ اور عالم دین تھے۔ ان کی کوششوں سے سہارنپور اور دیو بند میں جامع مسجد تیار ہوئی۔ جو شہر کی سب سے بڑی مسجدیں ہیں۔ دونوں ہی علم وفضل کے اعتبار سے مولانا قاسم نالوتوی سے بلند پایہ تھے۔ مگر دونوں ہی کا اس تحریک میں شامل ہونا ثابت نہیں

مولوی عبدالقادر لدھیانوی ابن حکیم حافظ عبدالوارث جن کا تعلق آرائیں قبیلہ سے تھا عظیم عالم اور صوفی تھے۔ شاہ عبداللہ جے راج پوری سے بیعت تھے اور انہیں سے خرقہ خلافت ملا۔ سید احمد شہید بریلوی کی جماعت سے گہرا تعلق تھا۔ امیر کابل شاہ زمان الملک ان کا مرید تھا۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں سرگرم عمل رہے سقوط دہلی کے بعد پٹیالہ کے ایک غیر معروف گاؤں میں سکونت پذیر ہو گئے تھے اور وہیں انتقال ہوا۔ ان کے بڑے لڑکے بمعہ افراد خاندان کابل چلے گئے تھے اور پھر واپس نہیں آئے۔ چھوٹے بیٹے مولوی عبداللہ جو علم وفضل میں کامل تھے۔ سہارنپور میں آکر آباد ہو گئے۔ اور علمی مشاغل جاری رکھے قادیانیت کا سد باب کیا۔ قادیانی ان کے خوف سے سہارنپور نہیں آتے تھے۔ ۱۳۱۱ھ میں انتقال کیا ان کا ذکر بھی باوجود اتنے بڑے عالم ہونے کی تحریک دیو بند میں نہیں ملتا۔[۱]

---

[۱] جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ایوب قادری صفحہ ۵۹۱

Marfat.com

مولوی محمد طیب مذکورہ تاریخ دارالعلوم کے صفحہ ۱۲ پر لکھتے ہیں۔

"چند نفوس قدسیہ نے بالہام خداوندی اپنے دل میں ایک خلش اور کسک محسوس کی یہ خلش علوم نبوت کے تحفظ دین کو بچانے اور اس کے راستے سے ستم رسیدہ مسلمانوں کو بچانے کی تھی۔ وقت کے یہ اولیاء اللہ ایک جگہ جمع ہوئے اور اس بارہ میں اپنی اپنی قلبی واردات کا تذکرہ کیا۔ جو اس پر مجتمع تھیں کہ اس وقت بقائے دین کی صورت بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ دینی تعلیم کے ذریعہ مسلمانان ہند کی حفاظت کی جائے اور تعلیم و تربیت کے راستہ سے ان کی بقاء کا سامان کیا جائے اور اس کی واحد صورت یہ ہے کہ ایک درسگاہ قائم کی جائے۔"

آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:۔

"یہ لوگ رسمی قسم کے رہنما اور لیڈر نہ تھے۔ بلکہ خدا رسیدہ بزرگ اور اولیاء اللہ وقت تھے۔ اور ان کی یہ باہمی گفت و شنید کوئی رسمی قسم کا مشورہ یا تبادلہ خیال نہ تھا بلکہ تبادلہ الہامات تھا جیسا کہ میں نے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ مہتمم سادس دارالعلوم دیوبند سے سنا کہ وقت کے ان تمام اولیاء اللہ کے قلوب پر یک وقت یہ الہام ہوا کہ اب ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ و بقاء کی واحد صورت قیام مدرسہ ہے۔ چنانچہ اس مجلس مذاکرہ میں کسی نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ حفظ دین و مسلمین کے لئے مدرسہ قائم کیا جائے۔ کسی نے کہا مجھے کشف ہوا ہے۔ کہ ایک مدرسہ قائم کیا جائے۔ کسی نے کہا میرے قلب پر وارد ہوا ہے۔ کہ مدرسہ کا قیام ضروری ہے۔ کسی نے بہت صریح لفظوں میں کہا کہ مجھے منجانب اللہ الہام کیا گیا ہے۔ کہ ان حالات میں تعلیم دین کا ایک مدرسہ قائم ہونا ضروری ہے۔ ان اہل اللہ کا اس تبادلہ واردات کے بعد قیام مدرسہ پر جم جانا درحقیقت عالم غیب کا ایک مرکب اجماع تھا۔ جو قیام مدرسہ کے بارے میں منجانب اللہ واقع ہوا۔"

مذکورہ چند نفوس قدسیہ کا نام بنام ذکر نہیں۔ بظاہر ان سے مراد دارالعلوم کے اولین اراکین مجلس شوریٰ ہیں۔ جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

Marfat.com

(۱) حاجی عابد حسین (۲) مولانا محمد قاسم نانوتوی (۳) مولانا مہتاب علی ،
(۴) مولانا ذوالفقار علی (۵) مولانا فضل الرحمٰن (۶) منشی فضل حق ،
(۷) شیخ نہال احمد ،

مذکورہ بالا حضرات کے لئے نفوس قدسیہ، اولیاء اللہ، اولیاء وقت کے خطابات استعمال کئے۔ جس سے مدرسہ کے مسلک "اکابر پرستی" کی طرف واضح اشارہ ملتا ہے۔ قرآن کریم میں حضرت یوسفؑ اور ان کے ساتھ قید میں جانے والے دو آدمیوں کے خواب کا ذکر ہے۔ حضرت یوسفؑ نے اپنا خواب اپنے والد کو بیان کیا۔ جس کی تعبیر حضرت یعقوبؑ نے دی۔ اسی صورت سے دیگر دو آدمیوں اپنا خواب حضرت یوسفؑ کو پیش کیا۔ جنہوں نے اس کی تعبیر بتلائی۔ خود فرعون مصر نے جو خواب دیکھا تھا۔ اس کی تعبیر حضرت یوسفؑ نے دی۔ الغرض اپنے خواب کی تعبیر از خود دینا کہیں مذکور نہیں۔ جبکہ متذکرہ بالا حضرات نے اپنے خوابوں کی تعبیر خود ہی کرلی۔ دیگر یہ کہ الہامات کے بارے میں علماء سلف کا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ الہام مخصوص ہے۔ بعض پیغمبروں کی ذات تک اسی لئے تمام کتب سماوی بجز قرآن کے مجید کے الہامی کتابیں کہلاتی ہیں۔

دار العلوم کے قیام کے چند سال بعد ہی لوگوں میں یہ مشہور ہوگیا تھا۔ کہ بانیان دار العلوم دیوبند، وہابی اور مقلد ہیں۔ چنانچہ بعض حلقوں سے اس پر سخت ردِ عمل کا اظہار کیا۔ سقوط دہلی کے بعد مسجد فتح پوری ۱۸۶۰ء میں لالہ چینی لال کو ۲۹۶۵۰ روپے کے عوض فروخت کردی گئی تھی۔ ۱۸۷۷ء میں لارڈ لیٹن جب وائسرائے ہوا تو اس نے لالہ چینی لال کے وارثین جو اس مسجد میں سکونت رکھتے تھے کو اس کے عوض اطراف دہلی میں دو گاؤں دیکر مسجد خالی کرالی۔ اس وقت دہلی میں مسلمانوں کے سرکردہ عالم مولانا احراری اور حاجی قطب الدین تھے۔ کمشنر دہلی نے مسجد بعض علماء کی سرپرستی میں دینے کا ارادہ کیا۔ مولانا احراری نے کمشنر کو لکھا کہ "وہابی سرادگی بنیوں کی طرح ہیں[1]

---

[1] Delhi between two Empires, P.54.

اس لئے مسجد ان کے حوالے نہ کی جائے۔ کمشنر نے مرزا الٰہی بخش کے پوتے کی سربراہی میں کمیٹی بنا کر اس کے حوالے یہ مسجد کر دی۔[۱] دیوبندی مسلک کے لوگوں کی مخالفت کا یہ پہلا واقعہ ہے۔

---

[۱] Delhi between two Empires, P.54.

Marfat.com

فصل چہارم
ولی اللہی مسلک کا دوسرا رخ

شاہ ولی اللہ کی ملکی سیاست پر بھی گہری نظر تھی۔ مرہٹوں کی شورش انگریزوں کی ہوس اقتدار سکھوں کی قتل و غارتگری اور بادشاہ دہلی کی بے سروسامانی نے آپ کو بے چین کر دیا تھا۔ آپ کی کوشش تھی کہ مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی جائے۔ ان کی باقاعدہ تربیت کی جائے۔ اور اسلحہ سے لیس کیا جائے۔ مگر وسائل کی کمی کی وجہ سے یہ سب کچھ نہ ہو سکا بہرصورت آپ نے جہاد کی ترغیب جاری رکھی۔ جب مرہٹوں نے کثیر علاقہ پر اقتدار حاصل کر لیا۔ اور دہلی پر ان کی یورش کامیاب ہوئی تو شاہ عالم دہلی چھوڑ کر بے سروسامانی کی حالت میں احمد آباد چلا گیا۔ شاہ ولی اللہ نے جب محسوس کیا کہ امام المسلمین کے بغیر مسلمانوں کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ تو شاہ احمد ابدالی کو دعوت دیکر ہندوستان کے مسلمانوں کی اعانت کے لئے تیار کیا۔ شاہ ابدالی جب اپنی فوج کے ساتھ آیا تو نواب نجیب الدولہ اور نظام الملک نے اس کا بھرپور ساتھ دیا۔ جبکہ نواب شجاع الدولہ بددلی کے ساتھ شریک ہوا۔ شاہ ابدالی نے مرہٹوں کو شکست دی۔ شاہ عالم کو دہلی بلوا کر تخت نشین کیا اور نواب نجیب الدولہ کو وزیر اعظم مقرر کیا۔ شاہ ابدالی کا ارادہ تھا کہ وہ شجاع الدولہ جس کی وفاداری کے متعلق وہ مشکوک تھا۔ اپنے ساتھ لے جائے اور کسی دوسرے سنی امیر کو اس کی جگہ مقرر کر دے مگر نجیب الدولہ کے مشورہ کے باعث اس نے اپنا ارادہ ترک کر دیا اور واپس چلا گیا۔

خانوادہ ولی اللہی نے شاہ ولی اللہ کے انتقال کے بعد بھی تحریک جہاد جاری رکھی۔ سید احمد بریلوی جن کا قریبی رشتہ خاندان ولی اللہی سے تھا ۱۲۰۱ھ ۱۷۸۶ء کو بریلی میں پیدا ہوئے۔ شاہ ابوسعید جو شاہ ولی اللہ کے خلفائے طریقت

Marfat.com

میں سے تھے آپ کے جد مادری تھے۔ ابتدائی تعلیم شاہ محمد اسحاق سے حاصل کی۔ مگر علوم ظاہری کی طرف زیادہ لگاؤ نہ تھا۔ صفائے باطنی زیادہ عزیز تھی اس لئے صوفیوں اور درویشوں کی خدمت میں رہنا زیادہ پسند کرتے تھے نور محمد جھنجانوی جو حاجی امداد اللہ کے شیخ طریقت تھے۔ سید احمد بریلوی کے ہم عصر تھے۔ آپ نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے بیعت کی۔ اور انہیں کی تحریک سے جہاد کے لئے منصوبہ بندی کی[1] اس تحریک میں لوگوں کو شامل کرنے کے لئے تمام ہندوستان خصوصاً شمالی ہند کا سفر کیا۔ سہارنپور، دیوبند، منگلور تھانہ بھون نانوتہ جھنجانہ گئے۔ اسی زمانے میں آپ نے بیعت عام لی۔ دیوبند سے سہارنپور کے درمیان میں واقع تمام گاؤں کے مسلمان آپ سے بیعت ہو گئے۔ اور جہاد کے لئے آپ کی معاونت کا وعدہ کیا۔ خطیر رقم چندے میں دی۔ (موضع پانڈولی سہارنپور اور دیوبند کے درمیان ایک گاؤں ہے۔ وہاں پر قیام کر کے اطراف کے گاؤں والوں سے بیعت لی)

جب سید احمد مذکور نے جہاد کا ارادہ مصمم کر لیا۔ تو جہاد کے آغاز کے لئے صوبہ سرحد کے قبائلی علاقے منتخب کئے۔ مختلف لشکر ترتیب دیے۔ اور صوبہ سندھ اور بلوچستان کے دشوار گزار راستوں سے ہوتے ہوئے پشاور پہنچے۔ پہلا لشکر جس کو جہاد کا آغاز کرنا تھا اس کے امیر شیخ ولی محمد مقرر ہوئے۔ اس لشکر میں سہارنپور سے تعلق رکھنے والے لوگ (۱) حفیظ اللہ دیوبندی (۲) سید حامد علی جھنجانوی (۳) محمد حسین سہارنپوری (۴) کریم بخش سہارنپوری (قرب و نواح میں گاؤں کے رہنے والے تھے) (۵) عبدالرحیم جانسٹھی ابتداء میں اس جماعت مجاہدین کو بڑی کامیابیاں ہوئی۔ حتیٰ کہ رنجیت سنگھ نے تجویز پیش کی کہ دریائے سندھ کے ماوراء کے علاقے وہ سید صاحب کو دینے کو تیار ہے مگر آپ نے یہ تجویز قبول نہیں کی اور کہلا بھیجا کہ جماعت مجاہدین کو ہوس ملک گیری

---

[1] بریلی سے بالاکوٹ محمد احمد عثمانی صفحہ ۱۱۹

Marfat.com

نہیں۔ وہ خالصتاً راہ اللہ میں سربکفن نکلے ہیں۔ اور جب تک تمام ہندوستان کے مسلمانوں کو۔ امام المسلمین میتسر نہیں آجاتا۔ وہ اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے۔ خانوادہ ولی اللہی کے ایک متقی اور پرہیزگار فرزند شاہ اسماعیل بھی آپ کیساتھ تھے۔ ان دونوں بزرگوں کی شہادت مقام بالاکوٹ پر ۱۸۳۱ء مطابق ۱۲۴۶ھ میں ہوئی۔ ان کے بعد امیر جہاد شیخ عطا محمد ہوئے۔ ان کے مشیر مولوی نصیرالدین منگلوری اور پیر مبارک جھنجانوی تھے۔ مولوی نصیرالدین منگلوری اور شیخ ولی محمد کی شہادت کے بعد مولوی سید نصیرالدین دہلوی امیر مقرر ہوئے۔ یہ سید ناصرالدین تھانیسری کی کی اولاد میں سے تھے۔ اور شاہ رفیع الدین محدث دہلوی کے نواسے تھے۔ انہوں نے ۱۸۳۵ء میں ہجرت کی۔ ۱۸۴۶ء میں رنجیت سنگھ کا اقتدار انگریزوں کے ہاتھوں ختم ہوا۔ یہ تمام علاقہ برطانوی سلطنت کا حصّہ بن گیا۔ مگر مجاہدین کی جدوجہد جاری رہی۔ مولوی نصیرالدین کے بعد مولانا ولایت علی امیر مقرر ہوئے۔ ان کا تعلق زبیری خاندان سے تھا۔ انگریزوں نے کچھ مراعات دی تو انہوں نے ۱۸۴۷ء میں ہتھیار بندی ختم کر دی۔ اور ۱۸۵۲ء میں انتقال ہوا۔ ان کے بعد مولانا عبداللہ امیر مقرر ہوئے۔ ان کی زیر نگرانی جماعت مجاہدین نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں حصّہ لیا۔ یہ تحریک سقوط دہلی کے بعد ختم ہو گئی۔ اور ان کے بہت سے ارکان پر انبالہ وغیرہ میں مقدمات چلائے گے بہت سوں کو سزائیں ہوئیں ؎

محب اللہ موضع کھدّہ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے تھے۔ میاں جی محی الدین چشتی اور میاں جی نظام الدین چشتی بڈھانہ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے تھے۔ مولوی محمد حسین امروہ مہاران ضلع سہارنپور کے رہنے والے تھے۔ شاہ اسماعیل اور مفتی الٰہی بخش کاندھلوی سے تحصیل علوم کیا تھا۔ یہ چاروں اصحاب سید صاحب کے مریدان خاص میں سے تھے۔ اور ان کے ذمّے اہم انتظامی امور کئے جاتے تھے۔ میاں جی محی الدین چشتی شاہ خراسان کے پاس سفارت لیکر گئے تو محب اللہ ان کے ساتھ تھے۔

؎ ۱۔ جماعت مجاہدین اور سرگزشت مجاہدین از غلام رسول مہر۔

Marfat.com

فصل پنجم

ولی اللہی مسلک کا تیسرا رخ (تصوف)

شاہ ولی اللہ جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے نقشبندیہ کے سلسلہ سے بیعت تھے۔ ان کے مرید بہت تھے خلفاء کی تعداد بھی کثیر تھی مگر صوفیا کے سلسلہ میں نام ونمود سے احتراز کیا جاتا ہے اس لئے بیشتر کے حالات معلوم مکتوب نہیں پنجاب میں آپ کے خلفاء کثیر تعداد میں تھے جن سے یہ سلسلہ آج تک جاری ہے ان لوگوں نے صرف صوفیانہ طرز عمل تک اپنے کو محدود رکھا اور علمی درس گاہ قائم نہیں کی۔ آپ کے چار لڑکے۔ شاہ عبدالغنی مجددی۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی شاہ رفیع الدین محدث دہلوی۔ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی۔ یہ چاروں سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ سے بیعت تھے۔ شاہ عبدالعزیز کے مرید سید احمد بریلوی جن کے مرید کثیر تعداد میں تھے اور خلفا بھی بہت تھے شاہ عبدالغنی مجددی کے لڑکے شاہ اسماعیل مجاہدین کی جماعت میں شریک تھے اور سید احمد بریلوی کے مرید تھے۔ شاہ عبدالغنی مجددی کے بھی بہت لوگ مرید تھے۔

خانوادہ شاہ ولی اللہی نے علم وفقہ کی اشاعت کے ساتھ ساتھ اپنا تعلق صوفیاء کی جماعت سے رکھا۔ اور لوگوں کو باطنی فیوض پہنچائے اس سلسلے کے مورث اعلیٰ احمد فاروقی سرہندی کا عرس باقاعدہ ہوتا ہے اور ان سے تعلق رکھنے والے تمام اکابر اس میں شریک ہوتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے متعلق مرزا مظہر جان جاناں فرماتے ہیں کہ ان کا مذہب حنفی تھا۔ اور طریقت میں وہ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ سنت کی پیروی کرتے تھے کلمات الطیبات کے صفحہ ۸۳ پر لکھتے ہیں کہ

> حضرت شاہ ولی اللہ محدث رحمۃ اللہ علیہ طریقہ جدیدہ بیان نمودہ اند و در تحقیق اسرار و معرفت وغوامض علوم طرز خاص دادہ اند بایں ہمہ کمالات و علوم از علماء ربانی اند مثل ایشاں محققان کہ جامع اند در علوم ظاہر و باطن و علم نو بیان کردہ اند چند کس گذشتہ باشند اولیائے خدمت رامی شناسم و

Marfat.com

بانہا ملاقات می شود اماں اظہار ایشان مرضی الہٰی نیست"

ترجمہ:۔ حضرت ولی اللہ محدث علیہ الرحمۃ نے جدید طریقہ سے نئے انداز میں بیان فرمایا اور اسرار و معرفت کے طریقے اور نکتہائے علوم ظاہری کو نئے اسلوب سے بیان کیا۔ اس کے باوجود وہ علمائے ربانی کے طریقے پر ہیں۔ ان جیسے محقق جو علوم ظاہر و باطن کو نئے اسلوب سے بیان کرتے تھے چند اصحاب پہلے بھی گذرے ہیں۔

اولیائے خدمت کو پہچانتا ہوں ان سے ملاقات بھی ہوتی ہے مگر ان کا اظہار اللہ تعالیٰ کی مرضی نہیں۔

حضرت مرزا مذکور نہ صرف اولیائے وقت میں سے تھے بلکہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ کچھ اولیا۔ باطنی اور غیر محسوس طریقے پر نظم کائنات کے لئے خدا کی طرف سے مقرر ہیں جبکہ ان کے بیان سے ظاہر ہے کہ مرزا صاحب ان کو پہچانتے ہیں اور ان سے ملاقات بھی کرتے ہیں مگر ان کے راز ظاہر کرنا اللہ تعالیٰ کی مرضی نہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانیت کے لئے مبعوث ہوئے۔ جن کی ہدایت سے حق و باطل کی تمیز ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر جو لوگ بیعت ہو کر ایمان لائے۔ سب سے پہلے ان لوگوں نے آپ کی صحبت مقدسہ اختیار کی اور بقدر استعداد باطنی آپ کے نور ہدایت و کمالات ولایت سے اپنے قلوب کو منور کیا۔ جیسے آئینہ آفتاب کے مقابل ہو کر منور ہو جاتا ہے۔ اور پھر بقدر مقدور قرآن مجید اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات طیبہ سے استفادہ ظاہری کیا۔ آپ صلی اللہ کی صحبت میں ریاضت۔ مجاہدہ۔ ہجرت اور جہاد کیا اور یوں کمال ترقی کر کے اجرام فلکی میں داخل ہوئے ان اصحاب کرام کو ہم وقت تائید خداوندی حاصل تھی۔ اسی لئے ان کا مقام افضل ترین ہے۔ اور کوئی دوسرا مسلمان ان کے مقام پر نہیں پہنچ سکتا۔ اسلام اکمل ترین طریقے سے ان میں موجود تھا جس میں شریعت۔ طریقت اور حقیقت سب ہی شامل تھیں۔ اسلام ان تمام طریقوں کا احاطہ کرتا ہے اور ایک کو دوسرے سے الگ نہیں کرتا۔

Marfat.com

حضرت مرزا مذکور اس کو ان الفاظ میں واضح فرماتے ہیں۔

"می گویند کہ درمیان شریعت وطریقت یا شریعت وحقیقت تضاد است ایں از غلط فہمی آنہاں است۔ معنی شریعت، طریقت وحقیقت نہ فہمیدہ اند۔ شریعت در لغت بمعنی راہ است۔ لہٰذا راہ عام شارع رامی گویند در اصطلاح اہل اسلام شرع عبارت است از جمیع "مَا جَاءَ بِهِ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم کردا ہے است موصل بخدا وموصل بجنت وہمیں است صراط مستقیم"۔ [1]

ترجمہ:۔ لوگ کہتے ہیں کہ شریعت وطریقت یا شریعت وحقیقت میں تضاد ہے یہ ان کی غلط فہمی کی بنا پر ہے۔ شریعت۔ طریقت اور حقیقت کے معنی نہ سمجھے شریعت کے لغوی معنی راستہ کے ہیں۔ اس لئے راستہ وہ ہے جو سب کے لئے کھلا ہوا اور عام راستہ ہو۔ اہل اسلام کی اصطلاح میں شریعت سے وہ تمام احکام وعمل مراد ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے۔ یہی راستہ خدا سے واصل ہونے اور جنت حاصل کرنے کا سبب ہے اور یہی صراط مستقیم ہے۔

اسی ضمن میں قرآن شریف کی چند آیات کا مفہوم بیان کیا کہ اللہ تعالی کا حکم ہے کہ اے مسلمانوں تمہارے لئے شریعت مقرر کردی گئی اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کردی گئی کہ شریعت کا اتباع کرو اپنے دین پر درست اور صحیح طریقے پر قائم رہو اور اسی کے مطابق عمل کرو۔ آپس میں فرقہ بندی نہ کرو۔ اپنی توجہ خلوص ویکسوئی کے ساتھ وحدہٗ لاشریک کی طرف رکھو جس چیز سے منع کیا گیا ہے اس سے باز آجاؤ اور جس کا حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کرو۔ خوف وخشیت خداوندی کو دل میں پیدا کرو۔ تمہاری دوستی اور دشمنی محض خدا کے لئے ہونی چاہیئے۔

---

[1] کلمات الطیبات صفحہ ۱۳۴

ظاہری شریعت اور باطنی حقیقت

شریعت کا ظاہری پہلو وہ ہے۔ جس پر عمل کرنے کی تعلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے اللہ تعالیٰ نے دی اور یہ چار چیزوں پر مبنی ہے۔ اول اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا زبان سے اقرار اور قلب سے اعتقاد دوم جو چیزیں قرآن و حدیث سے ثابت ہیں ان کو صدق دل سے تسلیم کرنا اور ان پر عمل کرنا۔ سوم تحسین اخلاق۔ جیسے توبہ۔ زہد۔ اتقیٰ۔ توکل۔ قناعت۔ صبر۔ شکر اور ان کے مانند دیگر اشیاء۔ چہارم۔ تمام قوائے جسم سے کام لیتے ہوئے کتاب و سنت پر عمل کرنا۔ جیسے نماز۔ روزہ۔ حج۔ کسب حلال۔ زکوٰۃ وغیرہ۔ اسی صورت سے طریقت یا حقیقت کی بھی تین قسمیں ہیں۔ اول۔ حقیقت اعتقاد جو علمی استدلال سے بالاتر ہو۔ اللہ تعالیٰ کی واحدانیت پر ایسا یقین جس کے سامنے ہر چیز فنا ہے۔ نہ کہ وہ وحدانیت جو کثرت کی ضد ہے وحدت کی یہ معرفت عقل واستدلال سے بالاتر ہے اور بغیر نور کشف کے اس کا یقین ممکن نہیں۔ دوم اخلاق حمیدہ کا اصول اور اخلاق ذمیمہ سے پرہیز۔ اخلاق حمیدہ جیسے۔ حکمت شجاعت۔ عفت۔ عدالت۔ اور اخلاق ذمیمہ جہالت، جبن (بزدلی) شرہ بازی (شہوت رانی) ظلم وغیرہ مراد ہیں۔ قصہ مذکور ہے کہ شیخ بوعلی سینا کے ہم عصر ایک ولی اللہ کا اتفاق شیخ مذکور سے ملنے کا ہوا۔ اس ملاقات کے نتیجے میں ولی مذکور نے کہا کہ "سینا اخلاق ندارد" جب شیخ بوعلی نے سنا تو اس نے اپنی ایک کتاب جس کا مضمون اخلاقیات تھا ان کو بھیجی اور کہلا بھیجا کہ اس موضوع پر میں نے اور بھی کتابیں لکھی ہیں۔ اس کتاب کو دیکھ کر اس ولی اللہ نے فرمایا "من نگفتہ ام کہ اخلاق نمی داند۔ بلکہ گفتہ ام کہ اخلاق نمی دارد۔ دانستن چیزے دیگر است واتصاف بداں چیزے دیگر" (یعنی میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ اخلاق نہیں جانتا بلکہ میں نے کہا تھا اخلاق نہیں رکھتا اخلاق جاننا ایک چیز ہے جبکہ اخلاق حمیدہ سے متصف ہونا دوسری چیز ہے سوم اعمال و عبادات میں تمام قوائے جسمانی کا انہماک۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ "اَنْ تَعْبُدَ رَبَّکَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ" یعنی اللہ تعالیٰ کی عبدیت کا

Marfat.com

اظہار اعمال اور عبادات میں اس طرح سے ہو جیسے کہ اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے۔ اس کی آنکھیں غمناک ہوں دل میں خوف و خشیت ہو۔ دماغ میں غور و تدبر دوسرے انسانوں کے لئے شفقت اور محبت نفس میں عاجزی اور انکساری وغیرہ مندرجہ بالا اصول شریعت ظاہری اور طریقت کو یکجا اور متحد کر کے "شریعت اسلامی" کہا جائے گا۔

محض زبان سے واحدانیت اور رسالت کا اقرار۔ ظاہری فرائض کی ادائیگی اور حرام سے بقدر مقدور پرہیز۔ قرآن و حدیث کی لغوی اور ظاہری شرح۔ یہ سب شریعت کی ظاہری صورتیں ہیں جبکہ طریقت اور حقیقت ان کا باطنی پہلو اور روح ہیں۔ جسم بغیر روح کے محض ایک خاک ہے اولیاء اللہ اپنے مریدوں کو پہلے شریعت سکھاتے ہیں پھر طریقت اور حقیقت پر پختہ کرتے ہیں تا کہ وہ اس زمرے میں آجائیں جس کے لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے
أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ

ترجمہ:۔ وہی لوگ حقیقی مومنین ہیں ان کے رب کے پاس ان کے لیئے مدارج مغفرت اور اعلیٰ قسم کا رزق ہے۔

Marfat.com

فصل ششم

مسلک ولی اللّٰہی کا چوتھا رخ (سلسلہ مشائخ سے نسبت)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناں کو اپنے خطوط میں ان الفاظ میں عام طور سے مخاطب فرمایا کرتے تھے۔ "ان قیم طریقہ احمدیہ داعی سنت نبویہ را دیر گاہ داشتہ مسلمین را متمتع و مستفید گردانا" دیگر "آں قیم طریقۃ احمدیہ خصوصًا و طریقہ صوفیا عمومًا" دیگر "متع المسلمین با فادات قیم الطریقۃ الاحمدیہ و ردعا ریاض الطریقۃ بتوجہات النفس الزکیہ"۔ ان کلمات سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کی نظر میں مرزا صاحب کی کیا قدر اور ان کے خیالات مرزا صاحب سے کتنے ہم آہنگ تھے۔ ایک جگہ حضرت شاہ ولی اللہ۔ مرزا صاحب مذکور کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

"تحریر شاہ ولی اللہ در صفت مرزا صاحب"، "آنچہ قدر الشیان یا مردم می دانیم شما چہ دانید۔ احوال مردم ہند بر ما مخفی نیست کہ خود مولاد منشاء فقیر است و بلاد عرب را نیز۔ دیدہ ایم و سیر نمودہ احوال مردم ولایت از ثقات آنجا شنیدہ ایم و تحقیق کردہ کہ عزیزے کہ بر جادۂ شریعت و طریقت و اتباع کتاب و سنت ہم چنیں استوار و مستقیم باشد و ارشاد طالبان شانی عظیم و نفسے قوی وارد۔ دریں جزو زمان مثل الشیاں در بلاد یافتہ نمی شود مگر در گذشتگان۔ بلکہ در ہر جزو زمان وجود ایں چنیں عزیزان کمتر بودہ است چہ جائے ایں زماں کہ پُر فتنہ و فساد است"

ترجمہ (شاہ ولی اللہ کی تحریر مرزا صاحب کے اوصاف کے بارے میں) لوگوں میں جان کی قدر و منزلت ہے اس کو ہم ہی جانتے ہیں تم کیا جانو۔ ہندوستان کے عوام کے حالات ہم سے پوشیدہ نہیں۔ جو کہ اس فقیر (شاہ صاحب) کی جائے پیدائش و پرورش گاہ ہے۔

Marfat.com

عرب کے شہر بھی دیکھے اور ان کی سیر کی اولیاء اللہ حضرات کے احوال وہاں کے ثقہ لوگوں سے سنے اور تحقیق کئے ہیں۔ جن کے مطابق عزیز (مرزا صاحب) شریعت و طریقت کے راستوں اور کتاب و سنت کی اتباع میں بڑی مضبوطی سے استقامت رکھتے ہیں۔ حصول ہدایت کے طالبوں کے لئے بہت کافی اور طاقتور نفس کے مالک ہیں۔ زمانے کے اس حصہ میں ان جیسا شہروں اور قصبوں میں نہیں ہے۔ سوائے ان بزرگوں کے جو ماضی میں گذرے بلکہ زمانے کے ہر دور میں اس قسم کے اولیاء اللہ کا وجود بہت ہی کم ملتا ہے چہ جائیکہ اس دور میں جو فتنہ و فساد سے بھرا ہوا ہے۔

صوفیاء کے ان سلسلوں کا ذکر کرتے ہوئے جن سے شاہ صاحب نے فیض حاصل کیا اور جن کی اتباع ظاہری اور باطنی طریقے سے آپ نے کی۔ اور علم و عرفان کی جو دولت آپ کو حاصل ہوئی اور جس ذریعہ سے حاصل ہوئی یوں فرماتے ہیں کہ:

"دراخذ اشغال طریقت و صحبت متصل تا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اقوائے در اتصال من طریقہ نقشبندیہ است۔ و در نسبت باطن اقتدائے من بطریقہ جیلانیہ است۔ زیرا کہ اصل در طریقہ نقشبندیہ حفظ صورت ذہنیہ حضرت حق است در مدرکہ ہر آدمی اشارتے بآنجناب واقع است و آں صورت اجمالیہ ذہنیہ حضرت حق است و ایں طائفہ آں را واسطہ گرفتہ اند تا برآں مواظبت کنند۔ و ہر وقت کہ خواہند ازاں انتقال کنند بحقیقۃ الحقائق واصل در طریقہ جیلانیہ تہذیب روح و سر است تا چوں مہذب شدند بر وقت کہ آں را اعمال کنند معرفت تجلی اعظم میسر شود۔ در سجادہ و خلافت و بشارت سلف بحال خلف راقوی نزدیک من طریقہ چشتیہ است و اقوی نزدیک من باعتبار دلیل کتاب سنت واشبہ باصول طریقہ جنیدیہ طریقہ سہروردیہ است۔ اگرچہ

فقیر را مناسبت باطرق بسیار است اما ایں چہار چیز از یں چہار طریقہ استفادہ کردہ ام۔ جزی اللہ عنا اہلہا خیر الجزا۔ وفائدہ دیگر زائد از جواب می گویم کہ در بعض اوقات مراقبہ حاضر کردہ شد برمن اجداد مراتا حضرت عمر رضی اللہ عنہ در جبین ہر یکے نورے یافتم کہ باں نور غالب شدہ است و ریاست پیدا کردہ بر جمعے کہ دو صد کس باشند یا زیادہ۔ واں را متوارث یافتم ابًا عن جدٍ و آں باصطلاح ما نقطہ بحث است۔ اگرچہ گاہے باعتبار دنیا باشد و گاہے باعتبار دیانت و علم و دیدم کہ آن نور بطریق وراثت نسبت بمن انتقال کردہ است"۔ لہ

ترجمہ:- طریقت اور صحبت کے وہ اسباب جن کے ذریعہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک رسائی ہوئی میں نے طریقہ نقشبندیہ سے منسلک ہوکر حاصل کیے۔ جبکہ میری باطنی نسبت میں طریقہ جیلانیہ کا اتباع ہے یہ اس وجہ سے کہ طریقہ نقشبندیہ میں اللہ تعالیٰ کی ایک اجمالی ذہنی صورت ہے (تصور شیخ) اور یہ لوگ اس واسطے کو اپنے ذہنوں میں مضبوط کر لیتے ہیں اور اپنے ذہن کو جب چاہیں حقیقت الحقائق کی طرف متوجہ کر لیتے ہیں۔ اور طریقہ جیلانیہ میں روح اور سر بستہ رازوں کی تہذیب ہے۔ حتیٰ کہ جب روح مہذب ہوجاتی ہے اس وقت جو بھی اعمال ان سے سرزد ہوتے ہیں تو اعلیٰ قسم کا نور ان کے قلوب پر دار ہوتا ہے بزرگان سلف کی توجہ اپنے بعد کے لوگوں کی طرف۔ سجادہ نشینی، خلافت اور بشارت کے نقطہ نظر سے مجھے جو پسند ہے اس لئے اس سلسلے میں طریقہ چشتیہ منسلک ہوں۔ کتاب و سنت اور طریقہ جنیدیہ کے اصولوں کے مشابہ میرے نزدیک قوی ترین سلسلہ طریقہ سہروردیہ

لہ کلمات الطیبات صفحہ ۱۶۰۔

Marfat.com

ہے۔ اگرچہ فقیر (شاہ صاحب) اور بھی بہت سے طریقوں سے واقفیت اور مناسبت رکھتا ہے۔ تاہم میں نے مذکورہ بالا چار چیزیں انہیں چار طریقوں سے حاصل کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہماری طرف سے جزائے خیر دے۔ مزید برآں بعض اوقات مراقبہ کی حالت میں میری ملاقات میرے آباء و اجداد۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک ہوئی۔ ہر ایک کی پیشانی پر میں نے ایسا نور جلوہ افروز دیکھا جو اپنے نور اور دبدبے کے لحاظ سے دو سو آدمیوں یا اس سے زیادہ کی جماعت بھی پیدا نہیں کر سکتی۔ اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ یہ میراث باپ سے بیٹے کو منتقل ہوتی رہی ہے جو اصطلاحاً میرے نقطہ نظر سے بحث طلب ہے کیونکہ کبھی اس کا رخ دنیا کی طرف ہوتا تھا اور کبھی دیانت اور علم کی طرف میں نے یہ بھی دیکھا کہ وہ نور وراثت میرے اندر سرایت کر گیا۔

صوفیاء اور علماء ربانی کے مسلک میں یہ عقیدہ شامل ہے کہ انسان بشری جسم کے فنا ہونے کے بعد "وجود موہوب" میں موجود ہوتا ہے۔ خاص طور سے وہ لوگ جو قرب خداوندی اپنی بشری زندگی میں حاصل کر لیتے ہیں وہ اپنی تمام صفات باقیہ کے ساتھ قائم رہتے ہیں اور ان کا تصرف جاری رہتا ہے۔ اسی وجہ سے عرس اور زیارت مقبرہ و مزار کے قائل ہیں۔ مولانا روم کے مندرجہ ذیل اشعار اس کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔

موسیٰ اندر درخت آتش دید سبز تر شد آں درخت از نار
شہوت و حرص مرد صاحب دل ایں چنین دان و این چنین انکار

ترجمہ: حضرت موسیٰ نے درخت کے اندر آگ کو دیکھا۔ مگر یہ درخت اس آگ کے باوجود زیادہ سرسبز ہو گیا۔ اولیاء اللہ کی (فطری شہوت و حرص) کو اس طرح سمجھو کہ جب وہ ان سے اپنی زندگی میں کنارہ کش ہو گیا اور اس کے برعکس سے انکار کر دو۔

شاہ ولی اللہ رح بھی اس عقیدے سے متفق ہیں اور فرماتے ہیں کہ حکماء اور صوفیا

Marfat.com

کے نزدیک نفس انسانی میں تین قوتیں ہیں اول نفس بہیمہ دوم نفس سبعیہ سوم نفس نطیقہ انسان ابتدائے حال میں ان میں سے کسی ایک یا دوسے مغلوب ہوتا ہے۔ اور جب شریعت کو قبول کرکے عقل کو اس کے تابع کرلیتا ہے اور مجاہدہ اور ریاضت کے ذریعہ سے اوصاف بہیمہ اور سبعیہ سے چھٹکارا حاصل کرلیتا ہے اور اس کا نفس محض شرح کے احکام پر عامل ہوتا ہے تو اس کا ایمان مکمل ہوجاتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ "لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ۔" (یعنی کسی شخص کا ایمان مکمل نہیں ہوتا جب تک اس کی خواہشات اس کے تابع نہیں ہوجاتی جو میں لے کر آیا ہوں) اور لکھتے ہیں کہ "چوں ازیں مقام ترقی واقع شود و محبت حضرت حق و۔ دوام توجہ باو لازم گرفتہ مغلوب آں باشد۔ اورا بستی نماند الا اتصال بے کیفت وہمیں معنیٰ فانی شد در حق و باقی گشت بحق" (یعنی جب انسان اس مقام سے ترقی کرکے اس کی تمام توجہ اللہ تعالیٰ کی محبت وعشق میں منہمک ہو اور وہ اللہ کے عشق سے مغلوب ہوجائے تو وہ باقی نہیں رہتا بجز اتصال بے کیف کے ساتھ۔ اسی کو فانی فی اللہ کہتے ہیں اور وہ باقی رہتا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ) پس اس حالت میں اس کے موجود ہونے کو وجود موہوبہ کہا جائیگا

فقہی مسائل میں آپ کسی ایک امام کے پیرو کار نہیں بلکہ فرماتے ہیں کہ حتی الامکان تمام مشہور مذاہب کو جمع کرکے ان پر حسب ضرورت عمل کرتا ہوں۔ اس لئے کہ از روئے کتاب و سنت تمام مذاہب درست اور صحیح ہیں۔ البتہ فتویٰ کا جہاں تک تعلق ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر مذہب کے علوم سے نوازا ہے اس لئے فتویٰ سائل کے مذہب کی بنیاد پر دیتا ہوں۔ اس لئے کہ سائل کے ذہن وشعور میں پہلے ہی ایک مذہب قائم ہے اور کسی امام کا معتقد ہے اس لئے اگر اس کو فتویٰ دوسرے امام کی فقہ پر دوں گا تو اس کے دل میں تردد ہوگا۔[1]

حضرت مجدد الف ثانی کے نظریہ "وحدۃ الشہود" اور ان کے متقدمین کے نظریہ

---

[1] کلمات الطیبات صفحہ ۱۶۱۔

Marfat.com

"وحدۃ الوجود" کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:۔

"دو چیز مشہود می شود۔ ذات کہ نور دقیق است و صفات در زید۔ فرس وحجر وغیرہ مشہود می شود و در آں میاں بنظر دقیق ذات ہم مشہود می گردد۔ آں نیز از شعبہائے وحدۃ الوجود است کہ حقیقت وجود۔ در رنگہائے مختلف کہ ظل قابلیات ذات وجود است وہمہ مشہود و ظاہر است۔ آنچہ بر لوح ضمیر شان مشہود شدہ ہمہ موافق مکاشفات صوفیہ محققین است غلطی واقع نشدہ وایں ہمہ سیر لطیفہ حفیفہ است"

(یعنی۔ دو چیز مشہود وظاہر ہوتی ہیں۔ اول ذات حق جو کہ نور دقیق ہے دوم اس کی صفات جیسے۔ زید۔ گھوڑا۔ اور پتھر یہ بھی وحدۃ الوجود کے شعبے ہیں۔ کیونکہ کسی موجود کا وجود مختلف رنگوں کا مرہون منت ہے جن کا مشہود وظاہر ہونا ذات حق کے وجود اور قدرت کے سائے ہیں۔ جو کچھ صوفیاء) کے پاک وصاف ضمیر پر ظاہر و مشہود ہوتا ہے وہ سب صوفیائے محققین کے کشف کی وجہ سے ہے اور عین موافق ہے اس میں کوئی غلطی نہیں یہ لطیفہ حفیفہ کے کمالات ہیں) حضرت شاہ صاحب لطیفہ حفیفہ کے حصول کو اہم درجہ دیتے ہیں۔ راہ سلوک طے کرنے کے بعد جب صوفی اس مقام پر پہنچتا ہے تو ذات حق کا مشاہدہ بغیر اس کی صفات کے کرتا ہے۔ ایسے صوفی کو عارف باللہ اور اس راستہ کو صراط مستقیم کا نام دیتے ہیں فرماتے ہیں کہ

"بعض مشاہدات متعلقہ بلطیفہ حفیفہ واخفیٰ رسید در برابر آں شکر الٰہی بجا آوردہ شد ایں راہ را کہ می روند ہماں صراط مستقیم است کہ اکابر اہل عرفاں رفتہ اند ہیچ دغدغہ خاطر ایشاں را مشوش نسازد در حالت ادنیٰ صفتے از صفات مبداء ولا نحے از لوازم ذات ازمنزلہ ضوء بہ نسبت آفتاب کہ برنگہائے مختلفہ بر آمد۔ ثانیاً ذات مبداء

Marfat.com

را بغیر ملاحظہ صفات دیدند کہ در مظاہر مختلفہ ظہور نمودہ فقیر این ہر دو حالت را منسوب بلطیفہ حفیفہ می کنند"۔

(یعنی بعض مشاہدات جن کا تعلق لطیفہ حفیفہ اور اخفی سے ہے مجھ کو ملے۔ ان کے حصول پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا لازم ہے۔ یہ راستہ جو آپ نے اختیار کیا یہی صراط مستقیم ہے کہ اکابر اہل عرفان اسی راستہ پر گامزن تھے۔ ان کے قلوب پر کسی قسم کا شک و شبہ نہ تھا یہی حالت ایک صفت سے ہے جس کا تعلق پیدا کرنے والے کی صفات اور لوازمات میں ایک لازم پر مبنی ہے۔ اس کی ذات ایسی روشنی کے مانند ہے۔ جو سورج کے سامنے مختلف رنگوں کی طرح نمودار ہوتی ہے۔ دوم ذات خالق کو بغیر صفات کے ملاحظہ کرنا۔ جس میں مختلف مظاہر کا دخل نہ ہو۔ فقیر (شاہ صاحب) ان دونوں حالتوں کی نسبت لطیفہ حفیفہ کی طرف کرتا ہے۔)

Marfat.com

فصل ہفتم

مسلک ولی اللّٰہی کا پانچواں رخ کلام عارفانہ

حضرت شاہ ولی اللہ نے مقامات معرفت کو اشعار میں ظاہر کیا حرمین شریفین میں قیام کے زمانے میں عربی میں شعر کہے۔ آپ کا فارسی کا کلام بھی بڑا بلیغ اور مدلل ہے تصوّف کے بعض پیچیدہ مسائل اور اصطلاح تصوف کی تعبیر وتشریح نہایت عمدہ طریقے سے فرمائی۔ کچھ اشعار درج ذیل ہیں جو آپ کے ذوق کامل کے آئینہ دار ہیں۔ تصوف کی اصطلاح اور نکتہائے دقیق جن پر یہ اشعار کہے گئے مجملاً ذکر کیئے جائیں گے۔

۱۔ روح کے فنا فی اللہ اور ذات حق میں جذب ہونے کی طرف اشارہ کرتے کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

دلے دارم زخود خالی حبابش می تواں گفتن ۔۔۔ درو کیفیتے جوش شرابش می تواں گفتن

وجود بے نمود معنیٔ ما دیدنی دارد ۔۔۔ درین نیرنگہا بوئے گلابش می تواں گفتن

سویداء دل ما یابی اندر پیچ وتاب ۔۔۔ نقوش عالم ام الکتابش می تواں گفتن

فرو پاشید از ہم کثرت موہوم چوں شبنم ۔۔۔ زفیض معنیٔ ما آفتابش می تواں گفتن

آخری دو بیت میں اشارہ ہے بحر بہت کی طرف جو کہ ایک صوفی اصطلاح ہے۔

۲۔ غیب الغیب سخت حیرت کا باعث ہوتی اور راہ سلوک میں حیرت لازم۔ اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

بزلف پیچ در پیچ کسے گم کردہ ام خودرا ۔۔۔ خموشی در دل شبہائی کردم چہ می کردم

دلے پر درد۔ جان افکار و پارتند خودارم ۔۔۔ جہاں را۔ پُر زیار یہانی کردم چہ می کردم

۳۔ ہمت واستقلال سے راہ سلوک میں مشغول رہتے ہیں مدارج ضرور حاصل ہوتے ہیں اس طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ۔

غم تحصیل و بار شغل و درد عزل می بنیم ۔۔۔ جنون ترک منصبہائی کردم چہ می کردم

۴۔ عارف کی نظر میں لذات محسوسہ کی ہر لذت کے مثالی معنیٰ ہیں جو حقیقت کی طرف

Marfat.com

لے جاتے ہیں اس طرف اس شعر میں اشارہ ہے۔

کے بائل ہمی ساز دکسے بارگل ہمی بازد — اگر من یاد آں لبہا نمی کردم چہ می کردم

۵۔ وہ معانی و مطالب جن کا تعلق شرح یعنی قران و حدیث سے نہیں ان میں تقلید شخصی جائز نہیں ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ،

مے تحقیق را، از خم مشربہا بروں دیدم — خروج از قید مشربہا نمی کردم چہ می کردم

۶۔ توحید راہ سلوک کی شرط اعظم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ۔

حجاب وصل مطلوب است دل بستن بمطلبہا — ایمن گر ترک مطلبہا نمی کردم چہ می کردم

۷۔ سالک کی توجہ حقائق کی طرف مبذول کرانے کے لئے فرماتے ہیں کہ۔

ناگریز تو منم اے بے نظیر — رو مگرداں بعد ازیں از ناگزیر

من ترا مشفق ترم از صد پدر — در من آویز و مرا محکم بگیر

غیر من گر با تو با بستر بود — آں وبال است و عذاب است و سعیر

اتصال با فنا یا فنا فی اللہ ہونا روح و معرفت کا ایک دوسرے کو جذب کرنے سے ممکن ہے جس کو صوفیا کی اصطلاح میں لطیفہ حقیقہ کہتے ہیں اس حالت کو ان اشعار میں بیان فرماتے ہیں۔

جان من در ہجر یار بسوخت — من عذاب الہجر۔ اجرنی یا مجیز

بے قرارم روز و شب بے روئے یار — باز بنما روئے یارم یا قدیر

اندرونم بے جمالش تار شد — کے شود یا رب بوصلش مستنیر

اے برادر بعد ازیں ہشیار باش — فرق کن در میان شیر و شیر

سا مے کرمے کن کہ ہوش خود افتم — من بار خوردم خود از ہوش خود افتم

مثل مے بجوشاں کہ غم پدر افتد — جوشے زدہ بر خود از جوش خود افتم

از ہر بن یم جوشدمے دیگر — از فرط تمائل ز آغوش خود افتم

زیں تیز زبانی آزردہ دلم من — خوش آنکہ زمانے خاموش افتم

تا بکے محنت مہجوری و دوری بکشم — تا زمین وطنم سوئے وطن باز روم

Marfat.com

تا بکے محنت مہجوری و دوری بکشم — نازنین وطنم سوئے وطن باز روم
تا بکے بستہ زنجیر تعلق باشم — آہوئے از ختنم سوئے ختن باز روم
بوئے جان می رسد از باد یمن در دو جہاں — شاہ ملک تمیم سوئے یمن باز روم

وہ علوم جن کا ماخذ شرع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ان میں مشغول و منہمک ہونا سلوک کے منافی ہے مندرجہ ذیل اشعار اسی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

علمے کہ نہ ماخوذ ز مشکوٰۃ نبی است — واللہ کہ سیرابی از آں تشنہ لبی است
جائے بود جلوہ حق حالم و قت — تابع شدن حکم فرد بوالہبی است
دانی کہ چہ بود نہج قدیم اے دلدار — شغل دل تو ظاہر و باطن یا یار
ایں راشوی از درس عوارف عارف — وآں فن دیگر یاد بگیر از احرار

ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور محبت حق مغفرت کے لئے ضروری ہیں اور راہ سلوک اس کے بغیر طے نہیں ہو سکتی اس طرف اشارہ ان اشعار سے ملتا ہے۔

در مذہب ما ہست ز اسباب غرور — ذکرے کہ بود حاصل از انوار حضور
در حاشیہ نفی شو از خلق نفور — در جانب اثبات برو سوئے غفور
مستی و ولہ شرط طریق افتاد ست — بے مست شدن کار کسے نکشادست
در ذکر خفی جہر تخیل کردن — شرط است و ز استاد طریقم یاد ست
خواہی کہ مے صرف محبت نوشی — باید کہ بتقلیل علائق کوشی
دل را ز خیالات جہاں صرف کنی — چشم از صور جملہ عالم پوشی

آخری دو ابیات سے اشارہ سلوک کے ایک طریقے کی طرف جس کو "نظر بر قدم" کہتے ہیں۔
ہمیشہ یاد الٰہی میں مشغول رہنا شرط تصوف ہے اشعار مندرجہ ذیل میں اشارہ اسی طرف ہے۔

در عشق تو از جملہ جہاں بگذشتم — وز ہر چہ بجز یاد تو دان بگذشتم
مقصود من بندہ بجز وصل تو نیست — اندر طلبت از دل و جان بگذشتم
دائم دل من پیش تو حاضر باشد — چشم برخ خوب تو ناظر باشد
در مذہب ما شرک جلی ست صریح — گر سوئے دگر خطرہ خاطر باشد

Marfat.com

دانی چہ بود سہل کثیر البرکات　　در مشرب اہل دل وجود عدمات
تحصیل عدم بداں بسعی مانع　　در نفی خواطر و در سد جہات

دل ہر قسم کے وسوسے اور خطرات سے پاک ہونا چاہیئے اس وقت ذکر فائدہ مند ثابت ہوگا اس کیفیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ۔

خوش آنکہ بانوار وضو رنگین ست　　زیرا کہ طہارت ز اصول دین است
تنویر دل و نفی خواطر خواہی　　قوی ذریعہ وصولش این ست

طائفہ اہل دل کی نظر تحصیل عدم وازل۔ اور خطرات پریشان سے باز رکھنے کے لئے کیمیا کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کا اظہار ان اشعار میں فرماتے ہیں۔

تحصیل عدم اگر ندانی کردن　　باید نظر اہل فنا را جستن
ایں داء عضال ز دوا کے بہ ازین　　در حکمت اہل دل نخواہی دیدن

مشائخ اور علماء ربانی بیعت کرکے ان سے تربیت حاصل کرنے پر زور دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ۔

آنانکہ ازاد ناس ہیچی رستند　　با بجہ انوار قدم پیوستند
فیض قدس از ہمت ایشاں بجو　　دروازۂ فیض قدس ایشان ہستند
آں ذات کہ از قید جہت بیرون ست　　از حیطہ اسما و صفت بیرون ست
ہر مرتبہ زان ذات نشانے دارد　　ہر چند ز تعیین سمت بیرون ست
ہر مدرکہ شد مظہر آں یار عجیب　　ظاہر شدہ از صورتش آثار عجیب
در لوح ار ثبت کنی صورت او　　پیدا شود از لوح دل اسرار عجیب
قوی بکتابت احرف موصوف　　جمع اش تلاوت اسماء معروف
شخصے کہ ازیں قوم قدم پیش نہاد　　گشت است بایں صورت ذہنی مشغوف

مندرجہ بالا تین ادبیات میں طریقہ نقشبندیہ کا اظہار کیا گیا ہے جن کا خاص طریقہ یہ ہے کہ حضرت حق کی صورت ذہینیہ مرید کو سکھاتے ہیں جس کے ذریعہ اس کو معرفت حق تمثیل صورت میں حاصل ہوتی ہے (تصور شیخ) اور اس صورت ذہنی اور وجود خارجی۔ چنانچہ

Marfat.com

مکتوبی اور ملفوظی تاثیر تمام اہل اللہ کی دعوت میں شامل ہے جبکہ وجود ذہنی کی تاثیر نقشبندیہ سلسلہ سے مخصوص ہے۔

توحید الٰہی اول و آخر۔ ظاہر و باطن کے عقیدے پر ذیل کے اشعار سے روشنی ڈالتے ہیں۔

اے دوست توئی دیدۂ بینائی من — شنوائی و دانائی و گویائی من
عشقم تو و ہم تو دل غمدیدہ من — اندر دل غمدیدہ شکیبائی من

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی چند دیگر نظموں سے اقتباس بھی پیش کیا جاتا ہے جو ان کی افتاد طبع اور بلاغت کا آئینہ دار ہے۔ اور علماء ظاہر کے لئے جو ان کے مسلک پر چلنے کے دعویدار ہیں۔ یہ اقتباسات ایک سبق کا درجہ رکھتے ہیں۔

فراغت یافتم از حج و عمرہ — چوں احرام سر کوئی تو بستم
چوں دیدم روئے زیبائے توجانا — ز تشویش وجود خویش رستم
بیا ساقی بدہ جام شرابی — کہ مخمور صبوح الستم

محبت نام جوش طبع و میل نفس اگر باشد — سر اہل محبت در دو عالم گاو خر باشد
ز نارک طبع غیر از خود نمائیہا نمی آید — درخت بید را دیدیم دائم بے ثمر باشد
بوسعت مشربان رنگ تعلق در نمی گیرد — اگر نقشے زنی بر روئے دریا بے اثر باشد
صفائی طبع می خواہی ز صحبت دامن اندر کش — کہ آب دور از مردم ہمیشہ با صفا باشد
مزاج صاف طبعا نرا بجز غربت نمی سازد — مکدر گرد د آب چوں بیکجا وطن گیرد
ہرزہ گردی مانع نور دل ست اے ہوشمند — سیل تا نشست یکجا باطنش صافی نشد

نظم کے چند اشعار۔

دوائے درد من بر جمیع اضداد تو می نازم — نمک ریز دل مجروح من ہستی و مرہم ہم
جہان و جاں فدائے وضع شوخ شہر آشوبت — قیامت می نمائی و دم عیسیٰ و مرہم ہم
توئی اول توئی آخر توئی ظاہر توئی باطن — توئی مقصود اہل دل توئی مشتاق ہمدم ہم
زیک منبع دریں جا مختلف فوارہ می جوشد — مزاج حرص قارون زہد ابراہیم ادھم ہم

Marfat.com

نجارے از زمین خیزد و باد جو در آمیزد | گہے باراں ریزاں ست گاہے برف شبنم ہم
کدامے طرفہ نیرنگی در بن کا شانہ سردادی | کہ عالم پائے کوب ار دست عشقت گشت و آدم ہم
نخستین بادہ کا ندر جام کردند | مزاجش عکس آن گلفام کردند
ہویدا شد در امکان صورت حق | بآں صورت جہاں را۔ رام کردند
ہمی بایست تفصیلے ازاں روئے | مکارم را بما اتمام کردند
شراب وحدت از خمخانۂ غیب | مرا صبح ازل در کام کردند
چوں غلطیدم ز مستیہا بہر سو | حریفاں مستی از من دام کردند
حقیقت را کہ مستور از نظر بود | بما مشہود خاص و عام کردند
پس آنگہ موج دریا باز گردید | باتمام فنا اکرام کردند
این رمزے دقیقے با تو گویم | بخود آغاز و نیز انجام کردند

حضرت ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو موجودہ ہندوستان میں علوم کا منبع مخرج تسلیم کیا جاتا ہے۔ آپ واقعی جامع کمالات تھے اور آپ کا ہم پلہ کوئی نہ تھا مسلمانوں اور اسلام کی جو خدمت آپ نے کی وہ قابل قدر ہے۔ آپ کے مسلک کا ہر پہلو سے جائزہ شامل کیا گیا جہاں تک ممکن ہوا اور ماخذات نے مدد کی۔ اس کے باوجود بھی یقیناً کچھ اور پہلو بھی ہوں گے جہاں تک رسائی نہ ہو سکی اس لئے اس جائزے کو مکمل اور حتمی نہیں کہا جا سکتا اور نہ ہی مولف اس کا دعویٰ کرتا ہے۔

چونکہ علمائے دیوبند اس کا دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کی جماعت مسلکاً ولی اللہی جماعت ہے۔ اس لئے راقم نے حتی المقدور حضرت شاہ صاحب کی شخصیت سے وابستہ جو مسلک ہیں ان کو بیان کیا ہے۔ تاکہ قارئین خود فیصلہ کر سکیں کہ علمائے دیوبند کی جماعت شاہ صاحب مذکور کے کسی پہلو پر کاربند ہے یا تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے۔

Marfat.com

فصل ہشتم
فرنگی محل اور دارالعلوم دیوبند

فرنگی محل لکھنؤ میں ہے۔ اصل میں یہ فرانسیسی ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازمین اور کاروبار کے لئے بنا تھا۔ جب وہ چھوڑ کر چلے گئے۔ تو اورنگ زیب نے ملا قطب الدین جو دہلی چھوڑ کر لکھنؤ میں سکونت پذیر ہو گیا تھا کو تعلیم گاہ بنانے کے لئے معافی دوام میں دے دیا۔ ملا قطب الدین کا ایک لڑکا فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں شامل تھا۔ ملا۔ قطب الدین نے اس میں مدرسہ قائم کیا اور فارسی، عربی، حساب وغیرہ کی تعلیم کا بندوبست کیا۔ ملا قطب الدین کے لڑکے ملا نظام الدین نے نصاب تعلیم میں توسیع کی اور مقالات عربی، صرف ونحو، قیاس، فلسفہ، حساب، فقہ قرآن وحدیث کی تفسیر درس نظامی کے طریق پر رائج کی۔ یہاں سے فارغ التحصیل طلباء کو سرکاری ملازمت آسانی سے مل جاتی تھی۔ کیونکہ مغل بادشاہان اور نواب اودھ اس درسگاہ کی سند کو بڑی قدر سے دیکھتے تھے۔ نواب اودھ شیعہ ہونے کے باوجود ایرانیوں کو ملازم رکھنے کے لئے اس درسگاہ کی سند کو ضروری سمجھتا تھا۔ چونکہ کاروبار مملکت فارسی زبان میں تھا۔ اس لئے یہ درسگاہ فارسی خط وکتابت، دستاویزات اور دیگر امور میں طالب علموں کو عمدہ تربیت فراہم کرتی تھی۔ اس میں شیعہ اور سنی دونوں ہی تعلیم حاصل کرتے تھے اور درسگاہ کے مسلک کے لحاظ سے ایسی کوئی تمیز نہیں تھی۔ اسی طرز پر بلکہ اسی درسگاہ کی شاخ کی حیثیت سے انگریزوں نے ایک مدرسہ عالیہ کلکتہ ۱۷۸۰ء میں قائم کیا۔ جس سے انگریزوں کو نچلے درجہ میں ملازمتیں حاصل کرنے کی آسانی ہو گئی کیونکہ سرکاری زبان ہر سطح پر فارسی تھی۔ جو انگریزوں کی حکومت تک جاری رہی۔ ۱۸۳۲ء میں فارسی کی جگہ اردو نے لے لی اور بعد میں انگریزی نے فرنگی محل کا مسلک خالصتاً علمی نہ تھا۔ دارالعلوم دیوبند کے برعکس اس کا مسلک صوفی اور عالم دونوں پر محیط تھا

Marfat.com

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جنہوں نے علم دین کی شمع کو روشن رکھا۔ (زمانہ [illegible])

Marfat.com

سرسید احمد خاں جنہوں نے ہندوستانی مسلمانوں کے تشخص کو اجاگر کیا۔

Marfat.com

اٹھارویں صدی عیسوی میں اس درسگاہ سے فارغ التحصیل ایک بہت بڑے صوفی اور عالم گزرے ہیں۔ جن کا نام سید السادات عبد الرزاق بانسوی تھا۔ بعد میں اس خاندان کو بہت عروج ہوا۔ عبد العلی قاضی دہلی مقرر ہوئے۔ جبکہ ان کے دوسرے بھائی حافظ رحمت خان کی ریاست میں بڑے عہدہ پر فائز ہوئے۔ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی بڑے صوفیاء میں سے تھے۔ ان کے مرید بکثرت تھے۔ ان کا تعلق بھی فرنگی محل سے ہی تھا۔ ان کا انتقال ۱۸۹۵ء میں ہوا۔ دوسری اہم شخصیت سید نظیر احمد دہلوی کی تھی۔ جن کا انتقال ۱۹۰۲ء میں ہوا[1] ان کے یہاں مزارات کی زیارت اور عرس میں شرکت ممنوع نہیں تھی۔ جہاد کے سلسلے میں یہاں کے علماء نے خاموشی اختیار کی۔ اٹھارویں صدی میں شیعہ مذہب کی زیادہ اشاعت ہوئی اور مذہبی تعصب بڑھا۔ نواب اودھ نے امروہہ کے سیدوں کو بہت نوازا۔ انیسویں صدی میں شیعہ فرقہ نے اپنے امام باڑہ اور مساجد الگ بنالی۔ مجالس میں تبرا شروع ہوا۔ سنیوں نے مدح صحابہ کی مجلسیں قائم کیں۔ جن کی وجہ سے فتنہ و فساد برپا ہوا۔ اسی زمانے میں فرنگی محل کی شہرت اور وقعت کم ہوگئی۔

اس پس منظر میں دار العلوم دیوبند اور فرنگی محل میں کوئی زیادہ اختلاف نہیں دار العلوم کا طرز فکر تنگ ہے۔ جبکہ فرنگی محل کا وسیع کیونکہ اس میں شیعہ طالب علم بھی شریک ہو سکتے تھے۔

---

[1] Islamic Revival in British India P. 41.

Marfat.com

فصل نہم

دارالعلوم اور اہل حدیث

دارالعلوم دیوبند کے قیام کے کچھ عرصہ بعد ایک نیا فرقہ اہل حدیث کا وجود میں آگیا۔ بظاہر تو کوئی ایسے عوامل نہیں تھے۔ جن کی وجہ سے یہ فرقہ قائم ہو۔ سوائے اس کے کہ کچھ لوگ دارالعلوم کے مسلک سے متفق نہیں تھے۔ اور دارالعلوم کے رویہ میں قطعی لچک نہیں تھی اور ان کا سخت رویہ اس فرقہ کے اختراع کا موجب بنا۔ مٹکاف نے اس کی وجوہ یہ بیان کی کہ :۔[1]

"Ahl-i-hadees strongly opposed the position of "Taqleed shakhsi" fostered by Deobandis that insisted that people adhere not only to the rulings of single school of Law but to interpretations of those rulings by a single Alim."

ترجمہ :۔ اہل حدیث نے شخصی تقلید کی سخت مخالفت کی۔ جو کہ صرف دیوبندیوں کی اختراع تھی۔ جو ایک ہی امام کی فقہ پر عمل کرنے کے سختی سے قائل تھے۔ یہی نہیں بلکہ اس فقہ کے تحت کسی ایک شخص کا فتویٰ قابل تقلید تھا۔

اس فرقہ کے سب سے بڑے لیڈر حافظ عبداللہ غازی پوری تھے۔ جو اس کے صحیح ہونے کی دلیل میں اپنے ایک خواب کا سہارا لیتے ہیں کہتے ہیں کہ انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ کہ ایک بہت بڑے مجمع میں موجود لوگوں سے مصافحہ کر رہے ہیں۔ اور جب ان کا نمبر آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] ۔ Islamic Revival in British India, P. 271.

Marfat.com

ان کو سینے سے لگا لیا۔ ا رفرمایا کہ تمہارا طریقہ صحیح ہے۔ نواب بھاولپور صدیق علی خان صاحب نے اس فرقہ کی سرپرستی کی بہت سی کتابیں اس کے دفاع میں لکھی یہ نواب اصل میں کوئی جدی پشتی نہیں۔ بلکہ ایک غریب آدمی تھا پہلے وزیراعظم کی لڑکی سے شادی کی اور بعد میں نواب کی بیوہ سے۔ سلہ

اہل حدیث کا دوسرا اہم نقطہ اختلاف وہ حدیثین جو تیسری صدی ہجری تک جمع کی گئی اور جس پر اسی وقت سے چاروں آئمہ کے تابعین کا اجماع ہے۔ اور یہی حدیثین فقہ اسلام کی بنیاد ہیں۔ تمام فتاویٰ کا دارومدار انہیں احادیث پر ہے مگر اہل حدیث ان کے صحیح و جائز ہونے کے منکر ہیں۔ یہ لوگ ان میں کچھ اضافہ کے بھی قائل ہیں مگر اس اضافہ کے جواز میں کوئی دلیل قطعی پیش نہیں کرتے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطبات مختلف اوقات میں دیئے ان کا مجموعہ بھی جو غیر مصدقہ ہے ان کے نزدیک حدیث کا درجہ رکھتا ہے۔ دین کے ارکان اور حنفی مسلک میں بھی دیوبندیوں سے کوئی قابل ذکر اختلاف نہیں سوائے اس کے کہ نماز میں سورۃ فاتحہ کے ختم پر "آمین" باآواز بلند کہتے ہیں۔ جبکہ دیوبندی ایسا نہیں کرتے دوسرے "قیام نماز" میں ٹانگیں چوڑی کر کے کھڑے ہوتے ہیں۔ جبکہ دوسرے مسلک کے لوگ ایسا نہیں کرتے۔ ان دونوں فروعی اختلافات پر دونوں فرقوں نے اتنا پروپیگنڈہ کیا۔ کہ شہر شہر، قصبہ قصبہ، گاؤں گاؤں ان کے نمائندے تقریر کرتے پھرتے تھے عوام نے ان فروعی اختلافات کو جزو ایمان سمجھ لیا۔ اور کئی شہروں میں نوبت فتنہ و فساد تک پہنچ گئی۔ ہر فرقہ کے پیروکار اس کوشش میں تھے۔ اپنی اپنی مسجدیں بھی الگ الگ بنالیں اور ایک فرقہ کا آدمی دوسرے فرقے کی مسجد میں نماز بھی نہ پڑھے عرف عام میں دیوبندیوں کو مقلد اور اہل حدیث کو غیر مقلد کہتے تھے۔ بنارس کی مسجد میں "آمین" باآواز بلند کہنے پر جھگڑا ہو گیا حکومت کو مداخلت کرنا پڑی کلکٹر نے یہ مسجد ۱۸۸۴ء میں دیوبندیوں کو دیدی۔ سول جج نے اپیل کے نتیجہ میں دونوں فرقوں کو نماز پڑھنے کی اجازت دیدی۔ معاملہ الٰہ آباد ہائی کورٹ میں پہنچا تو جسٹس

سلہ Islamic Revival in British India, P. 269.

Marfat.com

محمود نے بڑا مدلل فیصلہ لکھا ہے کہا اور حکم دیا کہ مساجد عبادت گاہیں اور ان میں سب مسلمانوں کو نماز پڑھنے کا حق ہے قطع نظر اس کے کہ اس کا تعلق کس فرقہ سے ہے۔[1] اہل حدیث جہاد کو اس کے لغوی معنی میں لیتے ہیں کہ صرف اتباع شریعت کے لئے جدوجہد کرنا ہی جہاد ہے۔

اہل حدیث مسلک کے پیروکاروں میں سید بیس فی صد بڑے خاندان جیسے نواب، رئیس، جاگیردار وغیرہ دس فی صد مغل اور اودھ کے نوابین اور روساء دس فی صد، سرکاری عہدے دار، اعلیٰ ملازم وغیرہ پچیس فی صد، باقی عوام الناس جو زیادہ تر مذکورہ خاندانوں اور رئیسوں کے زیر اثر ہیں۔[2]

مقلد اور غیر مقلد کا اختلاف دہلی میں بھی ہوا۔ دونوں گروہوں میں اتنا جوش تھا کہ فتنہ وفساد کا خطرہ ہو گیا۔ دہلی انتظامیہ نے کسی متوقع فساد کو رد کرنے کی از حد کوشش کی۔ کمشنر دہلی نے دونوں گروہوں کے سرکردہ رہنماؤں کو اکٹھا کیا اور ایک قابل عمل سمجھوتہ ۱۸۸۲ء میں کرا دیا۔ جس کی وجہ سے ممکنہ فساد کو روک دیا گیا۔

اہل حدیث کے اکثر اکابرین نے خانوادہ ولی اللہی سے تحصیل علوم کی۔ مولانا شوکت علی جونپوری، سید احمد بریلوی کے خلفاء میں سے تھے۔ جنہوں نے اعظم گڑھ کے اطراف میں اہل حدیث کی اشاعت کی۔ بنارس کے اہل حدیث عالم شیخ عبدالحق محدث، شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کے شاگرد تھے اور شاہ اسماعیل کے ساتھ حج کو گئے تھے۔ بنارس میں دوسرے اہل حدیث عالم سید جلال الدین احمد جعفری ہاشمی تھے۔ جنہوں نے علم حدیث شاہ اسماعیل سے حاصل کیا۔ علی گڑھ میں شاہ عبدالجلیل سید احمد بریلوی کے مرید اور شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی کے شاگرد تھے۔ ان کے لڑکے محمد اسماعیل، مولانا قاسم نانوتوی کے شاگرد تھے۔ مگر بعد میں اہل حدیث کے

---

[1] Islamic Revival in British India, P. 285.

[2] تراجم علمائے حدیث ہند دہلی ۱۹۳۷ء از ابو یحییٰ امام خان نوشہروی۔

Marfat.com

بڑے مبلغ ہوئے درا نپور میں سید حیدر علی اور سید محمد علی کی دونوں خانقاہوں نے
اہل حدیث کی تبلیغ کی۔ سید نا ظر حسین، شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی کے شاگرد تھے
اور دہلی کے اہل حدیث عالموں میں ان کا مقام سب سے بلند ہے۔ [1]

---

[1] Islamic Revival in British India, P. 276.

Marfat.com

فصل دہم

دار العلوم دیوبند اور فرقہ بریلوی

انیسویں صدی عیسوی کے آخر میں فرقہ بریلوی کا ظہور ہوا۔ اس کے بانی مولانا احمد رضا خاں بریلوی ہیں۔ جو ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے۔ اس فرقہ کی غرض و غائیت کے متعلق مشکاف صفحہ ۲۶۵ پر لکھتی ہے ۔

"The Brelvi Ulama did not emerge out of a desire to transform standards of practice and belief but rather out of opposition to the other two groups. They held fast to Hanafi Laws broadly interpreted, and a custom-laden style of sufism, closely tied to the pirs of medieval tombs.

The community they defined was more tied to particular shrines, and fixed occasions, and tended to be rural rather than urban. True to their accept of hierarchy they accepted the existence of the colonial authority apparently without question."

ترجمہ: بریلوی علمار کا مسلک۔ قدیم رسم و رواج اور عقائد کی اصلاح پر مبنی نہ تھا۔ بلکہ موجودہ دو گروہوں سے اختلاف کا آئینہ دار تھا یہ لوگ حنفی عقائد کے سختی سے پابند تھے۔ انہوں نے صوفیانہ رسم و رواج سے متاثر ہو کر اس میں وسیع مفہوم پیدا کیا۔ پیروں اور مزارات سے قریبی تعلق استوار کیا۔ جس فرقہ کی انہوں نے نمائندگی کی اس کا تعلق کسی نہ کسی خاص مزار اور اس کے سالانہ عرس سے تھا۔ جن کی اکثر آبادی دیہاتوں میں تھی نہ کہ شہروں میں۔ چونکہ یہ لوگ موروثیت کے قائل تھے۔ اس لئے نوآبادی نظام (انگریزی حکومت) کو بلا حیل و

Marfat.com

بحث منظور کر لیا۔ صفحہ ۲۹۶ پر مزید لکھتی ہے کہ

"Confrontation and refutation were indeed the motive of much of their work. Their targets were other Muslims rather than Arya Samajist or Christians."

ترجمہ:۔ مقابلہ اور رد و انکار ان کی تصانیف کا اصل مقصد تھا۔ ان کی توجہ کا مرکز دوسرے مسلمان فرقے تھے۔ نہ کہ آریہ سماج یا عیسائی۔

مولانا احمد رضا خان کا تعلق روہیلہ پٹھانوں سے تھا۔ جن کو بادشاہانِ سلف کی طرف سے جاگیریں ملتی رہیں۔ پہلے لاہور اور پھر دوآب میں اور آخر میں بریلی میں۔ ان کے جدامجد مولوی رضا علی خان کی شہرت کا باعث ان کی پاکدامنی اور عالم فقہ ہونے کی وجہ سے تھے۔ ان کے والد مولوی تقی علی خان متوفی ۱۸۸۰ء قادری سلسلہ سے بیعت تھے اور شاہ آل رسول مارہروی ان کے پیر تھے۔ شاہ برکت اللہ قادری جن کا مزار مارہرہ میں خاص و عام کی توجہ کا مرکز ہے اور جن کا وصال ۱۷۲۹ء میں ہوا۔ مولانا احمد رضا خان کے زمانے میں اس مزار کے سجادہ نشین شاہ آل رسول تھے۔ جن کا مجموعی حیثیت سے اس خاندان پر گہرا اثر تھا۔ علمائے بریلوی کا خانوادہ ولی اللہی سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کے حصول علم کا منبع مولانا فضل رسول بدایونی اور مولانا فضل حق خیرآبادی ہیں۔ مولانا احمد رضا خان، مولوی فضل حق خیرآبادی کے شاگرد تھے۔ جو سرکار انگریزی میں آفس سپرنٹنڈنٹ تھے۔ فرنگی محل سے فارغ التحصیل تھے۔ ان کے بہت سے شاگرد سرکاری ملازم تھے۔ مولانا احمد رضا خان کے ہم جماعت مولانا ارشاد حسین تھا ان کا شمار بڑے پیروں میں تھا۔ وہ نواب رام پور کے پیر تھے جو اپنے خاندان میں واحد سنی تھا باقی تمام شیعہ ہوئے۔ مذکورہ بالا تمام افراد کا تعلق قادریہ سلسلے سے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ علماء بریلوی میں گیارہویں کی رسم کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور ان کے پیروکار اس رسم کو بڑی دھوم سے مناتے ہیں۔

مولانا احمد رضا خان کی تحریر و تقریر کا محور "نور محمدی" ہے۔ ان کا عقیدہ ہے

Marfat.com

کہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نور کا پرتو ہے۔ جو تخلیق کائنات سے پہلے موجود تھا۔ یہی نور وجہ تخلیق کائنات ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطہ ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے چاند، سورج سے روشنی حاصل کر کے دنیا کو منور کرتا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود نور مجسم تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف حاضر و ناظر ہیں۔ بلکہ آپ کو حقیقت روح اور غیب کا پورا علم حاصل تھا کائنات کی ہر شے آپ کی مطیع ہے۔ ان کے مسلک میں درود و اسلام کی خاص اہمیت ہے۔ اور دعا میں "یا رسول" کہنا ان کے یہاں مروج ہے۔ کوئی ولی بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ کے خدا شناسا نہیں ہو سکتا اور تمام اولیاء اللہ کو یہ میراث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ملی جن کا فیض اب بھی جاری ہے اور ہمیشہ جاری رہے گا۔ اولیاء اللہ اپنے مزار اور مقبرہ میں لوگوں کی باتیں سنتے ہیں۔ ان کی کرامات اور تصرف بالکل ویسے ہی باقی ہے۔ جیسے ان کی زندگی میں تھے۔ روایت ہے۔ کہ ایک بچہ جس کی والدہ فوت ہو چکی تھی۔ بہت رو رہا تھا۔ مولانا احمد رضا خان نے فرمایا کہ اسکی والدہ پر عذاب ہو رہا ہے۔ اس لئے یہ بچہ رو رہا ہے۔ ایک شیخ نے ستر ہزار مرتبہ درود شریف پڑھ کر اس خاتون کو بخش دیئے۔ جس سے عذاب مل گیا۔ علمائے بریلی کا عقیدہ عملیات اور تعویذات پر بہت پکا ہے۔ علماء دیوبند کسی حد تک اس سے متفق ہیں۔ جب کہ اہل حدیث بالکل تسلیم نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک وہابیوں کے بھی دو فرقے ہیں۔ ایک وہابیہ شیطانیہ، دوسرا وہابیہ کنابیہ۔ مولانا احمد رضا کے والد نے ایک مدرسہ مصباح العلوم ۱۸۷۲ء میں قائم کیا۔ جب کہ مدرسہ شمس الہادی ۱۹۱۵ء میں خود مولانا نے قائم کر کے سولہ ہزار روپے وقف کئے۔ ایک دار العلوم نعمانیہ لاہور میں ۱۸۸۷ء میں قائم ہوا۔

دیوبندی اور بریلوی علماء کے عقائد۔ مولانا روم کی تعلیمات کی روشنی میں

(ماخوذ از مثنوی مولانا روم)

نور مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے وجہ کائنات کے بارے میں مولانا روم

Marfat.com

فرماتے ہیں کہ

(۱) آن چناں کز صیقل نور مصطفےٰ
صد ہزاراں نوع ظلمت شد ضیاء

ترجمہ:۔ جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کے صیقل سے ہزاروں قسم کی تاریکیاں روشنی بن گئیں۔

(۲) از جہود و مشرک و ترسا و مغ
جملگی یک رنگ شد زاں لسپ الغ

ترجمہ:۔ یہودی، مشرک، نصاریٰ اور مجوسی دان پر ایمان لا کر سب کے سب اس دلیر بزرگ کی بدولت یک رنگ ہو گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کی تخلیق سبب کائنات کی تخلیق کے بارے میں فرماتے ہیں۔

۱۔ با محمد عشق پاک جفت
بہر عشق اورا خدا لولاک گفت

۲۔ گر نبودے بہر عشق پاک را
کے وجودے دادمے افلاک را

ترجمہ:۔ عشق پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ عشق ہی کی بدولت خداوند تعالےٰ نے آپ کو "لولاک" کا خطاب دیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب سے فرماتا ہے۔ اگر تم عشق پاک کے لئے پیدا نہ ہوتے تو میں کائنات کو کب پیدا کرتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ماہتاب کے نور سے اور صحابہ کرامؓ کو ستاروں سے تشبیہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

۱۔ مصطفےٰ از بہر ہلال با شرف
رفت بہر عیادت آن طرف

۲۔ در پئے خورشید وحی آں مہ دواں
واں صحابہ در پیش ہم چوں اختر دواں

۳۔ ماہ می گوید کہ اصحابی نجوم
للسُّرٰی قُدْوَۃٌ وَ لِلطَّاغِیْ رُجُوم

حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت ہلالؓ (ایک صحابی تھے۔ کی عیادت کے لئے ادھر تشریف لے گئے ۲۲؍ ماہتاب رسالت آفتاب وحی کے ہمراہ چلا جا رہا تھا۔ اور صحابہؓ آپ کے پیچھے ستاروں کے مانند

Marfat.com

تھے۔ (۳) اسی لئے اس رسالت ماہتاب کا قول ہے۔ کہ میرے صحابی ستاروں کی مانند ہیں۔ جو صراط مستقیم کے متلاشیوں کے لئے راہرو اور پیشوا ہیں۔ جب کہ سرکشوں کو سنگسار کرنے والے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اکرم الانبیاء اور تمام پیغمبروں کے افضل ہونے کے بارے میں فرماتے ہیں۔

۱۔ مصطفےٰ زین گفت کآدم وانبیاء — خلف من باشد در زیر لوا

۲۔ بہر این فرمود است آن ذوفنون — رمز نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ

ترجمہ: اسی لئے حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدم اور باقی انبیاء (قیامت کے دن) جھنڈے کے سایہ میں میرے پیچھے ہوں گے۔ (۲) اسی لئے جامع کمالات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رمز کی تشریح فرما دی کہ ہم پیدائش میں آخری ہیں جب کہ درجہ اور مقامات کے لحاظ سے سب سے مقدم ہیں۔

مولانا روم فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے پر کائنات کے ہر ذرہ شجر و حجر، شمس و قمر غرضیکہ ہر چیز میں ایک نئی روح آگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت سے خوشی اور جدائی سے اضطراب محسوس کرتے تھے۔ نباتات، جمادات اور حیوانات سب کے سب آپ کو سلام کرتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی دایہ حضرت حلیمہ مکہ شریف لے کر آئیں تو آپ کعبۃ اللہ سے کہیں غائب ہو گئے۔ جب یہ خبر حضرت عبدالمطلب کو پہنچی تو بہت پریشان ہوئے اور کعبۃ اللہ میں بہت گڑ گڑا کر دعا کرنے لگے۔ آپ کو غیب سے آواز آئی۔ جس کو مولانا ان اشعار میں ادا فرماتے ہیں۔

۱۔ طفل تو گرچہ کہ کودک خو بدہ است — ہر دو عالم خود طفیل او بدہ است

۲۔ ما جہانے را باو زندہ کنیم — چرخ را در خدمتش بندہ کنیم

ترجمہ: (اے عبدالمطلب) اگرچہ تمہارا بچہ۔ بچوں کی سی خصلت والا ہے مگر دونوں عالم اس کی بدولت پیدا ہوئے ہیں (۲) ہم

Marfat.com

ایک جہان کو اس پر ایمان لانے کی وجہ سے نئی زندگی بخشیں گے۔ کرۂ کائنات کو اس کی خدمت کے لئے غلام بنا دیں گے۔

کائنات کے خدمت گذار اور غلام ہونے کی دلیل میں فرماتے ہیں کہ

۱۔ چوں قمر امر بشنید و شگافت — پس دو نیمہ گشت و بر چرخ شتافت

۲۔ چوں ستون نالید از ہجر نبی — باخبر گشتند از آں شیخ و صبی

۳۔ چوں درخت و سنگ کا ندر ہر مقام — مصطفیٰ را کرد ظاہر السلام

ترجمہ۔ جیسے چاند نے بھی جب حکم سنا تو بخوشی دو ٹکڑے ہو کر آسمان پر برملا ظاہر ہوا (۲) جیسے ستون (حنانہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجر سے رویا۔ جس کے رونے کو سب بڑے چھوٹے نے سنا (۳) جیسے شجر و حجر ہر مقام پر حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بظاہر سلام کرتے تھے۔

مولانا عارف کامل کی مریدی کو شرح صدر اور خدا تک رسائی کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ چونکہ عارف کا سلسلہ درجہ بدرجہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک ہے۔ جو تمام علوم نبوی کے ماخذ اور منبع ہیں فرماتے ہیں کہ۔

۱۔ قبلۂ عارف بود نور وصال — قبلۂ عقل مفلسف شد خیال

۲۔ پس پر اندر کر بپاپیر ہائے شیخ — تا بہ بینی عون لشکر ہائے شیخ

ترجمہ:۔ عارف کامل کی توجہ نور الٰہی اور اس کے وصال کی طرف ہے جب کہ عقل کے پیروکار فلسفی کی توجہ کا مرکز صرف خیال ہے (۲) خبردار شیخ کامل کی توجہ کے بغیر بلند درجات کی طرف پرواز کی کوشش نہ کرنا۔ تا آں کہ تو شیخ کامل کے گوناگوں لشکروں کی معاونت حاصل کرے اور ان کے کرشمے خود دیکھ لے۔

مولانا عارف کامل اور شیخ کے فیوض اور تصرفات کا ان کی وفات کے بعد بھی

Marfat.com

جاری رہنے کے قائل ہیں۔ فرماتے ہیں کہ شیخ بایزید بسطامی نے اپنی حیات میں پیشین گوئی کی تھی کہ میرا ایک مرید بنام ابوالحسن خرقانی میری وفات کے بہت دن بعد پیدا ہو گا۔ چنانچہ ابوالحسن خرقانی آپ کے وصال کے بہت بعد پیدا ہوئے اور جب یہ پیشنگوئی سنی تو برابر حضرت بایزید کی قبر پر حاضری دیتے اور ان کو انشراح قلب ہوتا۔ ایک دن انتہائی برف باری کی وجہ سے ابوالحسن خرقانی بایزید کا مزار نہ تلاش کر سکے تو ان کو آواز سنائی دی کہ "یہاں آؤ ہم یہاں ہیں" مولانا روم کی تعلیمات کا مرکزی نقطہ "خلوص و ریاضت" ہے مولانا مذکورہ کی مثنوی کسی بھی درسگاہ کے نصاب میں نہیں۔ اکبر اپنے زمانے کے تمام عمال کو ترغیب دیا کرتا تھا کہ وہ مثنوی کا مطالعہ ضرور کریں۔

Marfat.com

فصل یازدھم

ندوۃ العلما اور دار العلوم دیوبند

انگریزوں نے نواب نظام الملک حیدرآباد دکن کو تجویز پیش کی وہ بادشاہ بن جائیں اور شیعہ فرقہ کی نمائندگی کریں۔ مگر اس نے انکار کر دیا۔ نواب غازی الدین حیدر نواب اودھ کو انگریزوں نے راضی کر لیا اور اس نے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ دربار قائم کیا۔ جس میں وائسرائے کو کرسی دی گئی۔ عام طور سے یہ تسلیم کر لیا گیا کہ بادشاہ اودھ شیعوں کا نمائندہ ہے۔ جب کہ بادشاہ دہلی میں سنیوں کا۔ لکھنؤ میں مجالس عزا و تبرا قائم ہونے لگی۔ سنیوں نے مجالس مدح صحابہ کے نام سے قائم کرنا شروع کر دی۔ ان باہمی اختلافات کی وجہ سے اکثر نوبت فتنہ و فساد تک پہنچی۔ شیعہ، سنی، دیوبندی بریلوی۔ اہل حدیث کے اختلافات نے بعض اہل دل مسلمانوں کو ان اختلافات کو ختم کر کے ملت اسلامیہ کو متحد کرنے کی طرف متوجہ کیا۔ چنانچہ ایک مجلس مشاورت مدرسہ فیض عام کانپور میں قائم ہوئی۔ جس میں ندوۃ العلماء کے قیام کا فیصلہ کیا گیا۔ سید محمد علی جو مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی کے خلیفہ تھے اور نقشبندیہ مجددیہ سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے اس ادارہ کی بنیاد رکھی۔ اس کے اغراض و مقاصد تمام مسلمانوں کو متحد کرنا اور سب کی طرف سے حکومت وقت کے سامنے نمائندگی کرنا۔ نصاب تعلیم میں انگریزی پڑھانا بھی شامل تھا۔ مولانا شبلی جو مولانا محمد فاروق چریا کوٹی کے شاگرد تھے اور علی گڑھ میں استاد تھے اس کے پہلے سرپرست ہوئے۔ یہ ادارہ ۱۸۹۱ء میں قائم ہوا اس کی سرپرستی میں ایک یتیم خانہ ۱۸۹۵ء میں لکھنؤ میں قائم ہوا۔ انتظامیہ سات رکنی مجلس الملک پر قائم تھی جس میں سرکاری ملازمین اور رؤساء شامل تھے۔ ابتداء میں شیعہ، دیوبندی اور اہل حدیث نے اتفاق کیا۔ مگر بریلوی فرقہ مولانا احمد رضا خان، عبدالقادر بدایونی اور نظیر احمد نے

Marfat.com

سخت مخالفت کی۔ سرکردہ علماء میں مولانا عبدالحئی اور مولانا فضل الرحمان شیروانی تھے
مالی وسائل کا دارومدار چندے پر تھا۔ مسلک حکومت وقت کے ساتھ وفاداری،
انگریزی تعلیم کی وجہ سے انگریز حکومت نے بھی اس ادارہ کے ساتھ تعاون کیا
اور ایک قطعہ زمین لکھنو میں مفت فراہم کیا۔ اس پر جو عمارت تعمیر ہوئی اس کا سنگ بنیاد
یوپی کے لیفٹیننٹ گورنر نے ۱۹۰۸ء میں رکھا[1]

اس زمانے تک ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنی درسگاہیں اور تعلیمی ادارے
خاندان۔ ذات اور برادری کی بنیاد پر بکثرت قائم کر لئے تھے۔ انہوں نے اس نئے
ادارے کی ضرورت کو کوئی اہمیت نہیں۔ مولانا نانوتوی کا قول۔ کہ دینی تعلیم کے لئے
شیخ، سید۔ مغل اور پٹھان قومیں مخصوص ہیں۔ پہلے مذکور ہو چکا ہے۔ ندوۃ العلماء
کے متعلق بھی اس قسم کی رائے گشت کرنے لگی۔ مولانا شبلی کا تعلق راجپوت راٹھور
خاندان سے تھا۔ انہوں نے اس ادارے کی سالانہ روئیداد ۹۶-۱۸۹۵ء کے صفحہ
۱۳ اور ۱۹ پر لکھا ہے کہ "سید شیخ یا عرب ہونا کوئی وجہ امتیاز نہیں۔ قابل عزت و
احترام وہ شخص ہے جو علم رکھتا ہے۔ تمام مسلمان علماء کے حقوق عزت واحترام کے لحاظ
سے برابر ہیں" بعد کے ایام میں مولانا شبلی نے اپنے استاد مولانا محمد فاروق چریا کوٹی
پر تنقید شروع کر دی تھی۔ جس کی وجہ سے ان کو ندوۃ العلماء کو چھوڑنا پڑا۔ اور ایک ادارہ
بنام دارالمصنفین اعظم گڈھ میں قائم کیا۔ جس میں بہت سی کتابوں کے اردو تراجم
ہوئے اور بہت مفید کتابیں تصنیف ہوئیں۔ مصنفین میں مولانا سید سلمان ندوی، مولانا
ابوظفر ندوی وغیرہ شامل ہیں۔

اس ادارے سے سب سے پہلے شیعہ الگ ہوئے اور بعد میں اہلحدیث، دیوبندیوں
سے کسی حد تک رابطہ قائم رہا۔ مگر اکابرین دیوبند میں سے کسی نے اس ادارے کے
جلسہ میں شرکت نہیں کی۔

---

[1] Islamic Revival in British India, P. 346.

Marfat.com

فصل دوازدھم

دار العلوم دیوبند اور فرقہ اہل قرآن

انیسویں صدی عیسوی کے آخر میں مولانا عبداللہ چکڑالوی نے ایک فرقہ اہل قرآن کے نام سے لاہور میں ایجاد کیا۔ اس فرقے کے اغراض و مقاصد صرف دیوبندیوں اور اہل حدیث کی مخالفت اور ضد تھی۔ اس فرقے کے نزدیک قرآن مجید وحی الٰہی ہونے کی وجہ سے قابل تقلید ہے اور احادیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انسانی اور خاکی پہلو ہونے کی وجہ سے قابل تقلید نہیں اور نہ ہی ان احادیث کا واسطہ قرآن مجید سے ہے۔ انہوں نے اپنی نماز کے طریقے الگ متعین کئے۔ اذان دینے کو منع کیا۔ نماز کی رکعتوں میں ردو بدل کی۔ رکوع میں صرف ایک ٹانگ جھکاتے تھے۔ صدقہ کی احادیث سے بھی انکار کیا۔ عید کی نماز نہیں پڑھتے تھے اور نہ ہی نماز جنازہ کو مانتے تھے۔ اس فرقے کا حلقہ اثر صرف پنجاب تک محدود تھا۔ مولانا محمد حسین بٹالوی نے اس فرقے کے اعتقادات و عمل پر اعتراض کیا اور عبداللہ چکڑالوی کو مناظرے کی دعوت دی۔ یہ مناظرہ لاہور میں منعقد ہونا تھا۔ مگر عوام میں فرقہ اہل قرآن کے خلاف بہت جوش تھا اور حکومت کو عبداللہ چکڑالوی کی جان کی حفاظت کے لئے اقدامات کرنے پڑے۔

بیسویں صدی عیسوی میں پرویز نامی ایک شخص اس فرقہ کی اشاعت و تبلیغ کا باعث بنا۔ یہ شخص سرکاری ملازم تھا۔ اس نے قرآن کی تفسیر بھی اپنے نقطہ نظر سے لکھی۔ اور عربی کو ترک کر کے اردو میں نماز پڑھنے کی ترغیب دی اور بھی بہت سی تصانیف مذکورہ پرویز سے منسوب ہیں۔ یہ فرقہ اب بھی موجود ہے مگر اس کے پیروکار بہت کم تعداد میں ہیں۔

Marfat.com

فصل سیزدھم

دارالعلوم دیوبند اور علی گڑھ

علی گڑھ کا بنیادی مسلک انگریزی تعلیم تھی۔ اس لئے اس کا مختصر سا پس منظر بیان کرنا ضروری ہے۔ برٹش ایسٹ اینڈ کمپنی ۱۶۰۰ء میں قائم ہوئی۔ اس کا مقصد ہندوستان سے تجارت میں فروغ تھا ۱۶۹۸ء میں اس کمپنی کو کلکتہ کے قریب تین گاؤں کی زمینداری حاصل ہوئی۔ جہاں پر تجارتی کوٹھیاں قائم ہوئیں ۱۷۶۵ء تک اس کمپنی نے بنگال اور بہار کو اپنے قبضہ اثر میں لے لیا تھا اور ان کے سیاسی عزائم کھل کر سامنے آگئے تھے۔ اس وقت اس کمپنی کے پاس ہندوستان میں سب سے زیادہ دولت تھی اور بادشاہ ہندوستان کا خزانہ خالی تھا اور قحط الرجال تھا۔ سرکاری مناصب پر بہت سے انگریز اور ایرانی قابض تھے۔ انگریزوں کو من حیث القوم ہندوستانی لوگ اپنے سے زیادہ تعلیم یافتہ، ہنرمند اور منظم سمجھتے تھے۔ شاہ عالم ثانی نے ان حالات کو دیکھتے ہوئے انگلستان کے حالات معلوم کرنے کا ارادہ کیا اور مرزا ابو طالب خان کو اپنے ذاتی نمائندے کی حیثیت سے انگلستان بھیجا۔ یہ پہلا ہندوستانی تھا جو لندن گیا[۱] مرزا ابو طالب خان نے لندن میں حالات کا بغور جائزہ لیا۔ وہاں کی سوسائٹی، تعلیم گاہیں اور فنی ادارے دیکھے۔ اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ انگریزوں کی ترقی ان کی زبان یا مذہب کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے اتحاد نظم وضبط، فنی تعلیم اور طرز فکر میں یگانگت، تجارتی معاملات میں دیانت اور ایمانداری پبلک کمپنیوں کا قیام اور ان میں عوام الناس کی سرمایہ کاری، شرح سود انتہائی مناسب اور اپنے بادشاہ کی غیر معمولی عزت کی وجہ سے ہے۔ اساتذہ تعلیم پر انتہائی توجہ دیتے ہیں اور نئے علوم جس ذرائع سے بھی حاصل ہوں۔ ان کا اپنی زبان میں ترجمہ کر کے

---

[۱] Islamic Modernism in India and Pakistan, P. 6

Marfat.com

شاگردوں کو اس انہماک کے ساتھ سکھاتے ہیں کہ وہ ان علوم میں ماہر ہو جاتے ہیں۔ طب اور دیگر فنون میں نئی ایجادات کی طرف خاص توجہ ہے اور بہت سی ایسی ایجادات کیں جو دنیا کے دوسرے ممالک میں نہیں۔ شاہ عالم ثانی نے ان کا بغور مطالعہ کیا۔ مگر ان کو وسائل کی کمیابی کی وجہ سے روبعمل نہ لاسکا۔ ہندوستان میں ان کے مدمقابل کوئی منظم طاقت نہ تھی چنانچہ ۱۸۵۷ء میں کمپنی کا قبضہ تقریباً تمام ہندوستان پر ہو گیا اور کمپنی کو ختم کر کے ملکہ برطانیہ نے اقتدار سنبھال لیا۔

علی گڑھ تحریک کے بانی سر سید احمد خان تھے۔ جو نسلاً مغل تھے۔ عربیک کالج دہلی میں تعلیم پائی۔ مولانا مملوک علی شاگردوں میں سے تھے۔ مگر وہابی خیالات سے متاثر نہیں ہوئے۔ اپنی والدہ سے زیادہ متاثر تھے۔ جو شاہ غلام علی سے بیعت تھیں۔ شاہ غلام علی حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے خلیفہ تھے۔ مرزا مظہر علی جان جاناں کا تعلق نقشبندیہ مجددیہ سلسلہ سے تھا اور ان کے مریدوں اور خلفاء کی تعداد کثیر ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مولانا نعیم اللہ بھڑائچی وغیرہ ان کے خلیفہ تھے۔ پاک دامنی اور صوفی طریقے میں یہ لوگ مشہور تھے۔ سر سید کے نانا بھی اسی سلسلہ سے بیعت تھے۔ اور کمپنی میں اعلیٰ عہدے دار تھے۔ شاہ غلام علی مسلمانوں میں رسم و رواج، ذات پات کی تفریق اور تقلید محض کے مخالف تھے۔ سر سید احمد خان کی ایک کتاب "جلالۃ القلوب بالذکر المحبوب" ۱۸۴۲ء میں شائع ہوئی۔ یہ عام فہم میلاد نبوی کی کتاب جو میلاد خواں عام مجالس میں پڑھتے تھے۔ صوفی فروہ اور نقلی صوفیوں کے رد میں کتاب "کلمات الحق" لکھی اور عارف کامل اور اس کی بیعت کی ترغیب دی۔ مولانا اسماعیل کی طرح تقلید سے انکار کیا۔ قرآن و حدیث کی تعبیر زمانہ کے لحاظ سے کرنے کے حق میں تھے تاکہ حالات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ لوگ اپنی زندگی کو نئی روشنی کے تحت شریعت کے مطابق بنا سکیں۔

آئین اکبری، تزک جہانگیری اور تاریخ سرور شاہی لکھی ان کی معرکۃ الآرا تصنیف آثار الصنادید ہے۔ جس میں دہلی کے آثار قدیمہ مغل دربار کے علماء کا تفصیل

Marfat.com

ذکر ہے۔ امام غزالی کی کتاب کیمیائے سعادت کا ترجمہ کیا اور اپنے ہم عصر علماء کو اس قسم کے تراجم کرنے کی ترغیب دی۔ دہلی کالج کی وجہ سے ان کا واسطہ انگریزوں سے پڑا اور ان سے متاثر ہو کر کمپنی کی ملازمت اختیار کر لی۔ بجنور میں صدر الصدور رہے گو کہ مزاج میں اسلام کے گہرے اثرات تھے۔ اس لئے انگریز کی ملازمت بادل نخواستہ اختیار کی تھی جو ۱۸۵۷ء میں ختم ہو گئی۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کی حمایت کی اور اپنی جان کی بازی لگا کر بہت سے انگریزوں کی جان بچائی۔ مگر سقوط دہلی کے بعد انگریزوں نے جو مظالم کئے اس سے بڑے مغموم تھے۔ دہلی جو ان کا وطن تھا اور جس سے ان کو محبت تھی تباہ کر دی گئی تمام رؤسا، اور امراء کے مکانات کی اینٹ سے اینٹ بجا دی مسلم خاندانوں کو نہایت ذلت کے ساتھ شہر بدر کیا گیا ان کی جاگیریں ضبط کر لی گئیں۔ بادشاہ دہلی کو ذلیل کیا گیا۔ سر سید احمد خان کی والدہ کے ملازم اور ان کے ماموں کو ان کی نظروں کے سامنے قتل کیا گیا۔ ان کی والدہ اس صدمے کے باعث طبعی موت مر گئی۔ ان حالات کے پیش نظر حجاز ہجرت کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر جب ان کو یقین ہو گیا کہ برٹش حکومت اپنے ظلم اور بربریت اور غرور کے باوجود مضبوط و مستحکم ہو گئی اور یہ کہ یہ حکومت اپنے مندرجہ بالا عیوب کے باوجود اچھی حکومت بنانے اور چلانے کی صلاحیت رکھتی ہے تو اس کا ساتھ دینے کا ارادہ کر لیا۔ ان کی نزدیک مسلمانوں کی فلاح اسی میں تھی کہ اس نئی حکومت کے وفادار رہیں اور مراعات حاصل کریں اپنے دین کی حفاظت کریں۔ اسلامی طریقے پر کاربند رہیں ۱۸۵۷ء کے بعد ان کی تمام تر کوشش اس پر مرکوز ہو گئی کہ انگریزوں کو یہ یقین دلائیں کہ مسلمان ان کے وفادار ہیں اور یہ کہ ان کو حکومت کی ملازمتیں دے کر اپنے اقتدار کو مستحکم کر سکتے ہیں اس سلسلے میں انہوں نے لائل محمڈن کے عنوان سے کئی جلدیں لکھیں۔ مسلمانوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی عیسائی اور مسلمان اہل کتاب ہیں اور ان کے ساتھ کھانا کھانا جائز ہے "تبیین الکلام" کے نام سے بائیبل کا اردو ترجمہ کیا۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کی وجوہات پر ایک مدلل

Marfat.com

مضمون لکھا اور اس کی وجہ یہ بتلائی کہ انگریز نسلی برتری کے پوری طرح سے شکار تھے۔ نوجوان انگریز افسر فوج کے سپاہیوں سے سجدہ کراتے تھے اور انگریز حاکموں کو عوام سے کوئی رابطہ نہ تھا۔

اپنی زندگی کے گذشتہ تجربات اور فکری عمق کی بنا پر سر سید احمد خاں اس نتیجہ پر پہنچے کہ مغربی طاقت کا سرچشمہ سائنسی تحقیق ٹیکنیکل مہارت اور نئی نئی ایجادات اور اختراع میں مسلمان اگر ان فنون کو حاصل کرلیں تو اپنی کھوئی ہوئی عظمت دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں اور یہ فنون انکے دین میں بھی کسی رکاوٹ کا سبب نہیں اپنے دین پر قائم رہتے ہوئے یہ علوم حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ مگر ان کا حصول بغیر انگریزی زبان سیکھنے کے ممکن نہیں دہلی کالج میں کسی حد تک سائنسی تجربات اور علوم سکھائے جاتے تھے۔ سر سید احمد خان نے ۱۸۶۶ء میں سائنٹیفک سوسائٹی دہلی میں قائم کی۔ جس نے بعض سائنسی علوم کی کتابوں کے اردو میں ترجمے کئے اور کچھ سائنسی تجربات بھی کئے مگر مجموعی حیثیت سے اس میں خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی یہی سوسائٹی بعد میں علی گڑھ تحریک میں تبدیل ہو گئی محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا انعقاد کیا۔ جس میں اعلیٰ سرکاری عہدے دار مسلمانوں کے علاوہ بعض انگریز افسران نے بھی تعاون کیا۔ اس میں انگریزی زبان اور ادب مسلمانوں کو پڑھانے کی سفارش کی گئی۔ تاکہ انگریزی زبان میں مہارت حاصل کرنے کے بعد سائنس کی کتابوں کا مطالعہ آسان ہو جائے اور اس طرح مسلمان سائنسی علوم حاصل کر کے ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکیں۔ سر سید احمد خان نے دوسرے مسلم اکابرین کی طرح مسلم معاشرہ کا مطالعہ کیا اور محسوس کیا مسلمانوں میں بہت سے رسم و رواج جو اسلام کی روح کے منافی ہیں سرایت کر چکے ہیں۔ ان کی اصلاح کی غرض سے ایک رسالہ 'تہذیب الاخلاق' کے نام سے ۱۸۷۰ء میں لکھا اس کے مضامین اسی طرز پر تھے۔ جس طرز پر بعد کے ایام میں مولانا اشرف علی تھانوی نے بہشتی زیور لکھا۔ مگر اس میں درج بعض مضامین کی وجہ سے نیم مولوی قسم کے لوگوں نے ان کو نیچری کہنا شروع کر دیا۔ اسی زمانے میں انہوں نے قرآن مجید کی تفسیر لکھی۔ مگر اس تفسیر میں عقائد

Marfat.com

کے بجائے بعض جگہ عقلی استدلال سے کام لیا۔ جیسے حضرت موسیٰ کے واقعہ میں دریا کے شق ہونے کی وجہ یہ بیان کی۔ اس وقت دریا موسمی حالات کی وجہ سے جسے "جوار بھاٹا" کہتے ہیں خشک ہو گیا تھا اور اسی قسم کے استدلال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعہ معراج شریف کے بارے میں لکھ دیا جن کی وجہ سے یہ تفسیر متنازعہ ہو گئی

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے فیصلوں کی روشنی میں ۱۸۷۵ء میں محمڈن اینگلو اورنٹیل کالج علی گڑھ میں قائم کیا۔ جس کے پرنسپل مسٹر آؤلڈ مقرر ہوئے۔ جس میں انگریزی زبان و ادب کے علاوہ قانون اور انجینئرنگ کے شعبہ بھی تھے۔ مذہبی تعلیم کو ضروری مضامین کی حیثیت حاصل تھی۔ طالب علموں کو ارکان دین پر عمل کرنے کے لئے سختی سے کام لیا جاتا تھا۔ کالج کا لباس شیروانی اور ترکی ٹوپی مقرر ہوا۔ پرنسپل مسٹر آرنلڈ بھی یہی لباس پہنتا تھا اور اکثر مسجد میں جا کر لڑکوں کی نماز میں شمولیت کا اندازہ کرتا اور ان کی حاضری لیتا۔ حکومت نے اس ادارہ کی مالی اعانت کی اور کالج کی توسیع کے لئے نئی عمارت کا اہتمام کیا لارڈ لیٹن جو اس وقت وائسرائے تھے انہوں نے ۱۸۷۷ء میں اس کا سنگ بنیاد رکھا۔ اسی زمانے میں علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا۔

اب تک ملک میں جتنی درسگاہیں مسلمانوں نے بنائی ان میں سے اس کالج نے ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ جس کی بہت مخالفت کی گئی۔ مخالفین میں سر فہرست حاجی اللہ بخش شیر بدایونی سب جج اور حاجی امداد العلی ڈپٹی کلکٹر سر فہرست تھے حاجی اللہ بخش کا تعلق بریلوی فرقہ سے تھا اور مارہرہ میں قادری سلسلہ کی خانقاہ سے خاص عقیدت رکھتے تھے۔ حاجی امداد العلی اہل حدیث تھے جنہوں نے ۱۸۷۵ء میں کالج کے قیام کے وقت ایک مضمون شائع کیا۔ جس میں لکھا کہ کالج کے طالب علم مغربی طرز زندگی اختیار کریں گے اور مغربی عیسائیت ان کے عقائد پر اثر انداز ہو گی یہ لڑکے گرکھا پائجامہ کی جگہ کوٹ پتلون پہنیں گے اپنے نام بھی انگریزوں کی طرح رکھنے لگیں گے یہ نہیں کریں گے اور اس طرح اسلام اور اسلامی ثقافت کو نقصان پہنچے گا۔

Marfat.com

مولانا قاسم نانا توی اور رشید احمد گنگوہی نے بھی اس درسگاہ کی مخالفت کی ایک ہمہ گیر تحریک کے بانی تھے جو سرسید احمد خان کو چندہ دینے کی مخالفت کی غرض سے بنائی گئی تھی۔ علمائے فرنگی محل غیر جانب دار رہے۔ بریلوی فرقے کے لوگ بھی مخالف تھے۔ ان مخالفین کی وجہ سے سرسید کو بہت مشکلات پیش آئیں۔ لوگوں نے بعض مقامات پر ان کی بہت تذلیل کی۔ حتیٰ کہ ان کی داڑھی پکڑ کر کھینچا گیا۔ مگر یہ اپنے مسلک میں مستقل مزاجی سے قائم رہے۔ جھولی پھیلا کر لوگوں سے چندہ مانگنے سے بھی گریز نہیں کیا۔

سرسید احمد خان نے اس ادارہ میں انگریزی کے علاوہ دینی اور شرعی تعلیمات کا اہتمام کیا۔ اور دینی تعلیم کے لئے ایک نصاب وضع کرنے کی غرض سے ایک کمیٹی ۱۸۷۳ء میں تشکیل دی۔ جس میں مخالفین کو دعوت دی گئی۔ جس میں مذکورہ حاجی علی بخش بدایونی اور حاجی امداد اللہ کے علاوہ مولانا قاسم نانا توی اور مولانا یعقوب نانا توی بھی شامل تھے۔ مگر مولانا قاسم اور مولانا یعقوب دونوں نے ہی شرکت سے انکار کر دیا۔ جب کہ حاجی اللہ بخش نے اپنے پہلے رویہ کو ترک کر کے اس ادارے کی حمایت کی اور بعد میں چندہ جمع کرنے کی مہم میں بھی شریک رہے۔ اس ادارے میں سب سے پہلے عربی کے پروفیسر مولانا محمد اکبر کاندھلوی مقرر ہوئے جو ۱۸۸۶ء تک اس عہدے پر قائم رہے ان کے بعد مولوی محمد عبداللہ، مولوی قاسم نانا توی کے داماد ۱۸۹۳ء میں سنی لڑکوں کو مذہبی تعلیم دینے کے لئے مقرر ہوئے۔ مولانا الطاف حسین حالی شروع سے ہی سرسید احمد سے متفق تھے اور اس ادارے کے لئے بہت کوشش کی انہوں نے ۱۸۸۶ء میں مسدس حالی لکھی۔ دیوبندی اور بریلوی دونوں فرقوں کو قدامت پسند قرار دیا۔ دوسرے قابل ذکر شخص ڈپٹی نذیر احمد ہیں۔ جنہوں نے اس ادارے کے لئے سرسید احمد کی کوششوں کا بھرپور ساتھ دیا۔ انہوں نے بہت سے افسانے لکھے۔ جو بہت مقبول ہوئے ان کا خیال تھا کہ موجودہ زمانے کے پیش نظر سود کا شرعی قانون معطل کر دیا جائے۔ کیونکہ بینکاری کا نظام سود پر قائم تھا۔ اور اس سے گریز ممکن نہ تھا۔ جہاد کے بارے میں ان کا نقطہ نظر یہ تھا۔ کہ جہاد اپنے تحفظ کے لئے ضروری ہے۔

Marfat.com

کسی انتقامی جذبے اور ہوس اقتدار کے لئے جہاد کرنا جائز نہیں۔ علی گڑھ کے ادارے میں داخلہ تمام ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے عام تھا۔ قطع نظر اس کے کہ طالب علموں کا تعلق شیعہ یا سنی، آغا خانی، بوہری وغیرہ سے ہے اور نہ ہی کسی ذات برادری کی تخصیص تھی۔ دوسری مسلم درس گاہوں کے علماء نے انیسویں صدی عیسوی کے اختتام تک کسی سیاسی تحریک میں حصہ نہیں لیا اور نہ ہی کسی سیاسی بصیرت کا اظہار کیا اس کے برعکس علی گڑھ کے ادارے نے سیاسی حیثیت سے مسلم تشخص کو ابھارا
لشکاف صفحہ ۳۳۵ پر لکھتی ہے کہ

"At Aligarh where exposure to Western Training and institution clearly stimulated a concern with Muslim teaching and Muslim identity."

ترجمہ:۔ علی گڑھ مغربی درس گاہوں اور ان میں تربیت دینے کا مثالی ادارہ تھا۔ اسلامی تعلیمات اور مسلم تشخص کو اجاگر کرنے میں اس ادارے کے اثرات بہت واضح اور نمایاں تھے۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ لارڈ میکالے جب ہندوستان میں ایک نئی تعلیمی پالیسی لے کر آیا۔ تو اس نے اس کا مقصد یہ بیان کیا تھا کہ "ہم ہندوستان میں ایک ایسی قوم پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ جو رنگ و نسل کے اعتبار سے ہندوستانی ہو، مگر علم و عقل اور سوچ و فکر کے اعتبار سے انگلش ہو۔ ہندوستان میں تو اس پالیسی پر کوئی خاص رد عمل نہیں ہوا۔ مگر انگلستان کے اخبارات نے اس کی مخالفت کی۔ ان کا موقف تھا کہ اگر ایسی قوم تیار ہو گئی۔ تو اقتدار میں شرکت کا مطالبہ کرے گی۔ میکالے نے اس تنقید کا یہ جواب دیا کہ اگر ہندوستانی قوم انگریزوں کی طرح معاشی طور پر خود کفیل اور انگلش طریقہ سے حکومت چلانے کے قابل ہو جائے تو انگلستان کے لئے اس سے بڑی کامیابی کوئی نہیں۔

میکالے کے پیش نظر برٹش پالیسی کے وہ مضمرات تھے جو مسٹر ایس گوپال نے اپنی کتاب۔ برٹش پالیسی ان انڈیا ۱۸۵۸ء تا ۱۹۰۵ء کے مندرجہ ذیل صفحات پر

Marfat.com

ان الفاظ میں بیان کئے

"P. 222, The noblest purpose of an alien administra-
"on was to prepare for its own withdrawal."

ترجمہ:۔ بیرونی ممالک سے تعلق رکھنے والی حکومت کا پاکیزہ ترین مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ وہ اپنی واپسی کی تیاری کرے۔
ایک دوسرے وائسرائے کی رائے صفحہ ۷۵ پر یوں لکھتا ہے کہ۔

"That when we go, if we are ever to go we may have a good name and a clean Bill of Account behind us."

ترجمہ:۔ جب ہم واپس جائیں۔ اگر ہمیں کبھی جانا ہی پڑا تو ہمیں لوگ اچھے کاموں کی وجہ سے یاد کریں اور ہمارے نام کے ساتھ کسی بڑی غلطی کا ارتکاب نہ ہو اور ہمارے ہاتھ بالکل صاف ہوں۔

انگریزوں کے ہندوستان سے جانے کے چالیس سال بعد بھی یہ اثرات ہندوستان اور پاکستان پر نمایاں ہیں۔ یہ سرسید احمد خان کی بصیرت تھی جس نے مسلمانوں میں کم از کم ایک طبقہ ایسا بنا دیا جس کی سوچ ہمہ گیر تھی اور جو تمام مسلمانوں کو اپنے احاطہ اثر میں رکھتے ہوئے ایسے لوگوں کو جنم دیا۔ جنہوں نے اپنی حکومت خود چلانے کی اہلیت کا پورا ثبوت دیا

Marfat.com

فصل چہاردہم

علمائے دیوبند اور ہندوستانی سیاست

۱۷۴۰ء تک بنگال بہار، مدارس اور دکن کے دوسرے علاقہ خود مختار ہو چکے تھے۔ انگریزوں کی تجارتی کوٹھیاں کلکتہ میں مضبوط قلعہ کی شکل اختیار کر چکی تھیں اور یوں کلکتہ سیاسی سازشوں کا مرکز بن گیا تھا۔ نواب بنگال و بہار علی وردی خان کے انتقال کے بعد سراج الدولہ اس کا جانشین ہوا۔ انگریزوں نے سازش تیار کر رکھی تھی۔ کہ علی وردی خان کے مرنے کے بعد بنگال اور بہار پر قبضہ کر لیں گے اس سازش میں ہندو برابر کے شریک تھے۔ سراج الدولہ ان حالات سے غافل نہ تھا۔ اس نے کلکتہ پر حملہ کر کے انگریزوں سے خالی کرا لیا۔ اور اس کا نام علی نگر رکھ دیا۔ انگریز قریب کے جزیرے میں پناہ گزین ہو گئے۔ لارڈ کلائیو جس کا قریبی تعلق ہندوؤں سے پہلے ہی سے استوار تھا۔ اس نے ایک منصوبہ کے تحت سازش کی۔ تاکہ سراج الدولہ کو اقتدار سے الگ کر سکے اور میر جعفر کو اس وعدے کے ساتھ کہ اس کو نواب بنا دے گا۔ اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس منصوبہ کے اہم کردار۔ رائے درلاب جو نواب کا وزیر مال تھا۔ رام نرائن گورنر پٹنہ اور نندا کمار گورنر ہگلی (کلکتہ) تھے۔ سراج الدولہ کی فوج کے کمانڈر کو بھی ساتھ ملا لیا۔ جب کلائیو کو ہر طرح سے اطمینان ہو گیا۔ تو اس نے حملہ کر دیا۔ سراج الدولہ کی فوج نے بغیر لڑے ہی ہتھیار ڈال دیئے۔ اور سراج الدولہ مقتول ہوا۔ ایک سکھ تاجر بنام امیچند نے میر جعفر اور کلائیو کی سازش میں اہم کردار ادا کیا۔ اور یوں ہندوؤں کی مدد سے بنگال اور بہار انگریزوں کے قبضہ میں آ گیا۔ لارڈ ڈ ہیٹنگ نے شجاع الدولہ نواب اودھ سے دوستی کر لی۔ اور اودھ انگریزوں اور دہلی حکومت کے درمیان بفرزون بن گیا۔ ادھر بمبئی کے انگریز گورنر نے مرہٹہ پیشوا اور ہولکر سے معاہدہ دوستی کر کے اس علاقہ پر قبضہ

Marfat.com

کرلیا۔ ۱۸۱۷ء میں راجپوتانہ کی ہندو ریاستوں جودھپور، جے پور وغیرہ سے اور پنجاب میں مہاراجہ پٹیالہ سے انگریزوں کے معاہدہ دوستی ہو گئے تھے۔ ۱۸۰۳ء میں مرہٹہ سندھیہ کا جنرل ایک فرانسیسی بنام پیرون تھا۔ انگریزوں نے اس سے سازش کر کے سندھیہ کو شکست دے دی۔ اور یوں شمالی ہند پر ستلج تک ان کا قبضہ ہو گیا۔ ستلج کا مغربی علاقہ لاہور، ملتان اور کشمیر امیر کابل کی حکومت میں شامل تھا۔

نادر شاہ نے افغانستان پر ۱۷۳۷ء میں قبضہ کر لیا تھا۔ اور ۱۷۴۷ء میں مقتول ہوا۔ اس کا کمانڈر احمد شاہ ابدالی افغانستان کا خود مختار بادشاہ بن گیا۔ جس کا دارالسلطنت کابل میں تھا۔ لاہور، ملتان کشمیر اور سندھ اس کی حکومت میں شامل تھے۔ اس کا انتقال ۱۷۷۲ء میں ہوا۔ اور اس کا لڑکا تیمور شاہ اس کی جگہ تخت نشین ہوا۔ جس کا انتقال ۱۷۹۳ء میں اور اس کا لڑکا زمان شاہ اس کی جگہ تخت پر بیٹھا۔ انگریزوں نے خفیہ سازش کے ذریعہ برکت زئی پٹھانوں کو اس کے خلاف کر دیا۔ انہوں نے زمان شاہ کو معزول کر کے اس کے بھائی شاہ شجاع کو امیر بنا لیا۔ مگر انگریزوں کے خفیہ اداروں نے اس کو بھی پسند نہ کیا۔ اور پٹھانوں کو اکسایا کہ امیر پٹھان ہونا چاہیئے۔ چنانچہ برکت زئی پٹھانوں نے امیر دوست محمد کو جو ہرات کا گورنر تھا۔ امیر تسلیم کر لیا۔ شاہ شجاع نے اپنے حقوق کے لئے آواز بلند کی اور یوں افغانوں میں دو طبقہ ہو گئے۔ ایک امیر دوست محمد کے ساتھ اور دوسرا شاہ شجاع کے ساتھ۔ ان اختلافات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے۔ انگریزوں نے رنجیت سنگھ کو جو ایک معمولی زمیندار کا لڑکا تھا۔ سامان فراہم کیا۔ اور پنجاب میں پنجابی قومیت کا زبردست پروپیگنڈہ کیا۔ اس بنا پر رنجیت سنگھ نے کابل سے علیحدگی اختیار کر کے اپنی آزاد حکومت قائم کر لی۔ یہ اصل میں سکھ حکومت نہ تھی۔ بلکہ اس کی بنیاد پنجابی قومیت (نیشنلزم) پر تھی۔[1] جس میں ہندو اور مسلمان بھی شریک تھے۔ ایک معاہدہ کے ذریعہ رنجیت سنگھ کی حکومت کی حدود لاہور تک قائم ہوئی۔ رنجیت سنگھ نے انگریزوں کو فیروزپور میں چھاؤنی قائم کرنے

---

[1] Oxford history of modern India, by P. Spear, P. 169.

Marfat.com

کی اجازت دے دی۔ رنجیت سنگھ کی فوجوں میں کثرت مسلمانوں کی تھی۔ اور اس کے کچھ وزیر بھی مسلمان تھے۔ اور یوں انگریزوں نے افغانستان اور ہندوستانی کے درمیان بفرزون قائم کر دیا۔ شاہ شجاع کو ۱۸۱۸ء یقین دلایا کہ تم رنجیت سنگھ کی حمایت سے اپنا کھویا ہوا اقتدار حاصل کر لو گے۔ تو وہ افغانستان چھوڑ کر پنجاب آگیا۔ جہاں پر رنجیت سنگھ نے اس سے کوہ نور مشہور ہیرا۔ قبضہ میں لے کر انگریزوں کو دے دیا۔ اور شاہ شجاع نے ان برے حالات میں انتقال کیا۔ افغانستان میں اس قسم کے بدتر حالات کے پیش نظر انگریزوں نے ۱۸۸۰ء میں حملہ کر دیا۔ اور کابل پر قبضہ کر لیا۔ مگر اس قبضہ کو قائم نہ رکھ سکے۔ اور ۱۸۸۱ء میں اپنی فوجوں کو واپس بلا لیا۔ اور حبیب اللہ کو امیر مقرر کر آئے۔ جس نے عالمی جنگ اوّل کے دوران یہ اعلان کر دیا۔ وہ غیر وابستہ رہے گا۔ ۱۹۱۶ء میں ترک اور جرمن وفد نے ایک منصوبہ کے تحت کابل کا دورہ کیا۔ اس وفد میں ایک ہندی مسلمان برکت اللہ بھی شامل تھا۔ منصوبہ یہ تھا۔ کہ حبیب اللہ افغان فوج لے کر ہندوستان میں داخل ہو جائے تو اس کو ہندوستان کا بادشاہ تسلیم کر لیا جائے گا۔ انگریزوں کے کچھ ہندو ایجنٹ افغانستان میں مقیم تھے۔ جن کے ذریعہ اس منصوبہ کا علم انگریزوں کو ہو گیا اور انہوں نے حبیب اللہ کے خلاف سازش کر کے اس کو قتل کرا دیا۔ اور اس کے لڑکے امان اللہ کو امیر مقرر کرا دیا۔ امان اللہ نے بھی انگریزوں کی زیادہ معاونت نہیں کی۔ بلکہ خیبر پر حملہ کر دیا۔ امان نے ۱۹۲۲ء میں ایک معاہدہ کے تحت ڈیورنڈ لائن کو افغانستان اور ہندوستان کی سرحد تسلیم کر لیا۔ مگر امان اللہ کے خلاف سازش شروع کر دی۔ مشہور زمانہ کرنل لارنس ایک عالم اور اسلام کا عقیدت مند ہونے کے لبادہ میں افغانستان گیا اور وہاں کے ملاؤں کو امان اللہ کے خلاف کر دیا۔ چنانچہ ۱۹۲۹ء امان اللہ معزول ہوا۔ اور نادر شاہ کے خاندان کا ایک شخص بنام برکت اللہ امیر مقرر ہوا۔ جو ۱۹۴۷ء تک رہا۔ اس کے بعد ظاہر شاہ امیر بنا۔ ؎[1]

؎[1]: The Frontiers 1839-1947, by Maj. Gen. J. G. Elliot.

ہندوستان میں انگریزی اقتدار کا مورث اعلیٰ لارڈ کلائیو تھا جس کا فلسفہ "لڑاؤ اور حکومت کرو" پر مبنی تھا۔ مسلمانوں سے اس کو سخت نفرت تھی۔ اسی لئے ان کو "مور" کہتا تھا۔ یہی فلسفہ انگریزوں کی حکومت میں کلیدی حیثیت کا حامل تھا۔ انہوں نے نہ صرف مسلمانوں اور ہندوؤں میں منافرت پیدا کی بلکہ ہندوؤں کو بھی گروہوں میں تقسیم کر کے لڑواتے رہے یہی صورت مسلمانوں کے ساتھ تھی۔ ان کے بہت سے فرقوں کی ہمت افزائی کی جو مخالفت اور مخاصمت کا باعث بنے۔ دہلی میں ہندوؤں اور جینیوں میں ۱۸۰۷ء ۱۸۱۶ء، ۱۸۳۴ء میں جینیوں کے جلوس نکالنے پر فسادات ہوئے۔ جس میں ہندو اور جین مت کے پیروکار بہت سے زخمی ہوئے۔[1]

دہلی کے کوتوال انگریز مجسٹریٹ مقرر کرتا تھا۔ اس کا مقرر کیا ہوا۔ آخری کوتوال شہر گنگا دھر نہرو تھا۔ اس کے بعد کوتوال کی جگہ میونسپل کمیٹی بن گئی تھی۔ گنگا دھر نہرو کا لڑکا موتی لال نہرو اور اس کا لڑکا جواہر لال نہرو تھا۔ ۱۸۷۰ء میں دہلی میں اینگلو سنسکرت کالج قائم ہوا۔ جس کا ذریعہ تعلیم ہندی تھا۔ گنگا دھر نہرو اس کے قائم کرنے والوں میں سرفہرست تھے۔ اس کے بعد سے ہی اردو، ہندی بحث چل پڑی تھی۔ چونکہ مسلمانوں کے تمام مدارس میں ذریعہ تعلیم اردو تھا۔ ۱۸۸۰ء کے عشرے میں یہ بحث تمام شمالی ہندوستان اور پنجاب تک پھیل گئی۔ ہندو لیڈروں نے اپنے ہم مذہب لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی۔ کہ ان کی ثقافت الگ ہے اور ان کی زبان ہندی۔ اس نے ہندوستان کی سیاست پر بہت گہرے نقوش مرتب کئے۔ موتی لال نہرو نے جس کی خود مادری زبان اردو تھی۔ اس تحریک میں اہم کردار ادا کیا جس کی وجہ سے ہندوؤں کا مطمح نظر مسلمانوں سے متعلق تکسر تبدیلی ہو گیا۔ اس تحریک میں در پردہ انگریز خفیہ ہاتھوں نے بھی بہت کام کیا۔ جس سے ہندوؤں میں مسلمانوں کے خلاف بڑا تعصب پیدا ہوا۔ ۱۸۹۸ء میں دہلی میں قحط پڑ گیا۔ اطراف واکناف کے لوگ

---

[1] Delhi between two Empires, P. 10.

Marfat.com

بھی دہلی پناہ کی غرض سے کثیر تعداد میں آ گئے۔ انگریز حکومت نے کوئی خاطر خواہ مدد نہیں کی۔ جس کی وجہ سے ہندو اور مسلمان دونوں ہی انگریزوں کے خلاف متحد ہو گئے۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کو عید کے موقع پر مبارک باد دی۔ مسلمانوں نے ہندوؤں کے ہولی تہوار میں شرکت کی۔ اور گائے ذبح کرنے کی ہمت شکنی کی۔ اس کا اثر شمالی مغربی صوبہ جات کے شہروں پر بھی ہوا۔ انگریز ان حالات سے خوفزدہ ہوئے اور لال قلعہ میں محصور ہو گئے۔ مگر ان کے بعض معتمد ہندو ایجنسیوں نے ان کی مدد کی۔ اور اردو ہندی کی بحث کا سہارا لے کر بعض مقامات پر ہندو مسلم فساد کرا دیئے۔ جن میں بہت سے مسلمان مارے گئے۔ جس سے اس اتحاد کی فضا خراب ہو گئی۔ انگریزوں نے ہندوؤں میں نیم فوجی قسم کے دستہ تیار کرنے کی ہمت افزائی کی۔ اور ہندو مسلم فسادات کو ہوا دی جس سے مسلم اقلیتی صوبوں میں بہت سے مسلمان مارے گئے۔ اور اس طرح ہندو بکثرت انگریزوں کے حمایتی بن گئے۔ اور ہندوستان کی سیاست پر ان کا حلقہ اثر مسلمانوں کی نسبت زیادہ ہو گیا اور مسلمان تنہا رہ گئے۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں ہندوستان کے مسلمانوں کو امیر افغانستان سے بہت توقع تھی۔ جہاں پہلے ہی کچھ مسلمان ہجرت کر کے جا چکے تھے۔ مگر انگریزوں نے اپنے ہندو خفیہ کارندوں کے ذریعہ امیر افغانستان سے رابطہ قائم کیا۔ اس کو دس ہزار پونڈ ماہانہ دینے مقرر کئے تاکہ وہ ہندوستان کے معاملات میں دخل نہ دے[1] سقوط دہلی کے بعد انگریزوں کی تمام ہمدردیاں ہندوؤں کے ساتھ تھی اور مسلمان ان کے ظلم و بربریت کا نشانہ بنے لاکھوں کی تعداد میں مسلمان ستلج سے لیکر مشرقی یوپی تک پھانسی پر لٹکائے گئے۔ ان کے مکانات مسمار کر دیئے اور جائیدادیں ضبط کر لی گئیں۔ اس ہندو مسلم تفریق کا اثر سنجیدہ مسلمانوں نے محسوس کیا۔ ان کو یہ یقین ہو گیا کہ ہندو مسلمانوں کا ساتھ ہرگز نہیں دیں گے۔ بلکہ ان کو ختم کرنے کی کوشش کریں گے۔

---

[1] British policy in India, by S. Gopal, P. 40.

Marfat.com

انڈین نیشنل کانگریس کا پہلا سیاسی اجلاس ۱۸۸۵ء میں ہوا۔ اور دوسرا ۱۸۸۸ء میں جس میں ہندوؤں نے ہر صوبہ سے آکر شرکت کی۔ مسلمانوں کی نمائندگی بمبئی کے ایک بوری فرقہ سے تعلق رکھنے والے بدرالدین طیب جی نے کی۔ سرسید احمد خان نے اس موقع پر بیان دیا۔ کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا ایک ہی سیاسی جماعت میں شامل ہونا قرین مصلحت نہیں اور بالکل ناممکن ہے۔ کہ یہ دونوں ایک تخت پر بیٹھ کر مشترکہ حکومت کریں۔ کیونکہ حالات اس نہج پر پہنچ چکے ہیں۔ کہ ہندو اپنی بالادستی چاہتے ہیں۔ جو مسلمان کبھی بھی منظور نہیں کریں گے۔ [1] مسلمان اب بھی ایک معتدل اور انصاف پسند حکومت قائم کرنے کے اہل ہیں۔ کیونکہ ان کے پاس وحی الٰہی کی کتاب ہے۔ جو عوام الناس کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے نازل کی۔ جبکہ ہندوؤں میں کوئی یکسانیت نہیں ان کا نظام عدل ذات پات کی الجھنوں میں پھنسا ہوا ہے، تاریخ گواہ ہے، کہ بمبئی کے مرہٹہ ماضی میں پیشوا اور ہولکر کے تحت انگریزوں کے اتحادی تھے۔ جبکہ دوسرے مرہٹے، سندھیہ کے تحت انگریزوں سے برسرپیکار رہتے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں کے الگ سیاسی تشخص کو علی الاعلان اجاگر کیا گیا۔ جس سے مسلمانوں میں ایک قسم کی سیاسی بیداری پیدا ہوئی۔ ۱۹۰۲ء میں دہلی میں محمڈن کانفرنس کا قیام اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی۔ جس کے نتیجہ میں بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا۔ جس کی بنیاد دو قومی نظریہ پر تھی یعنی ہندوستان میں صرف دو قومیں آباد ہیں۔ ایک ہندو اور دوم مسلمان۔ اور مسلمانوں نے اپنے لئے الگ وطن کا مطالبہ کیا۔ اور ہندوستان کو مسلم آبادی کے تناسب سے تقسیم کرنے کی اسکیم حکومت کو پیش کی۔ علی گڑھ کے اساتذہ اور طلباء نے اس میں قابل قدر حصہ لیا۔ اور دو قومی نظریہ سے تمام ہندوستان کے مسلمانوں کو روشناس کرایا۔ اس تحریک میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے طلباء کی کاوشوں کو بڑا دخل ہے۔

علامہ اقبال کے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس الٰہ آباد ۱۹۳۰ء کے صدارتی

---

[1] British policy in India' P. 158.

خطبہ کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں۔

۱۔ مسلمانوں میں ذات۔ برادری کی تقسیم کے خلاف علامہ نے فرمایا کہ "

"And the growth of racial consciousness may mean the growth of standards different and even opposed to the standards of Islam."

ترجمہ:۔ مسلمانوں میں ذات برادری کا شعور ایسے مقاصد کو جنم دے گا۔ جو اسلامی عقائد اور مقاصد کی ضد ہیں۔

۲۔ اسی ضمن میں اپنے ذاتی خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

"To address this session of All India Muslim League you selected a man who is not despaired of Islam as a living force for freeing the outlook of man from its geographical limitations."

ترجمہ:۔ اس آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس سے خطاب کرنے کے لئے آپ نے ایسے شخص کا انتخاب کیا۔ جو اسلام کو ایک زندہ قوت تسلیم کئے جانے سے مایوس نہیں۔ اسلام انسان کو جغرافیائی حدود و قیود سے آزادی دینے کا حامی ہے۔

۳۔ مسلم لیگ کے مطالبہ تقسیم ہند اور مسلمانوں کی الگ ریاست کی تائید میں کہتے ہیں۔ کہ

"The muslim demand for the creation of a Muslim India within India is, therefore perfectly justified."

ترجمہ:۔ مسلمانوں کا ہندوستان میں الگ مسلم ریاست کا مطالبہ قطعی طور سے جائز اور مناسب ہے۔

۴۔ اسی مطالبہ کی مزید حمایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

Marfat.com

"I therefore demand the foundation of a consolidated Muslim State in the best interest of India and Islam."

ترجمہ :۔ اس لئے میں مطالبہ کرتا ہوں کہ مجموعی مسلمانوں کی ایک الگ حکومت ہندوستان اور اسلام کے لئے ایک بہترین اور نجات کا راستہ ہے۔

۵۔ مسلمانوں کی قیادت کے لئے ایک ایسی شخصیت کے خواہاں تھے جو اسلام کی روح اور تعلیمات سے بدرجہ اتم شناسا ہوں۔ اور قیادت کے تمام جوہر اس میں موجود ہوں۔ اس ضمن میں فرماتے ہیں کہ۔

"The first is the want of personalities, Sir Malcolm Haily and Lord Irwin were perfectly correct in their diagnosis when they told the Aligarh University that the community had failed to produce leaders. By leader I mean men who, by Divine gift or experience possess a keen perception of the spirit and destiny of Islam, alongwith an equally keen perception of the trend of modern history. Such men are really the driving force of people, but they are God's gift and cannot be made to order."

ترجمہ :۔ پہلی بات شخصیات کی عدم دستیابی ہے۔ سر میلکوم ہیلی اور لارڈ اروِن نے صحیح تشخیص کی تھی۔ جب انہوں نے علی گڑھ یونیورسٹی سے کہا کہ مسلم طبقہ کوئی قائد پیدا کرنے میں ناکام رہا۔ قائد یا لیڈر سے میری مراد ایسی شخصیت سے ہے۔ جو اپنی خداداد صلاحیت ریاضت و مجاہدہ کے تجربات کی روشنی میں اسلام کی روح اور مقام کے متعلق صحیح تخیل کی حامل ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کو جدید تاریخ کے

Marfat.com

متعلق صریح واقفیت ہو۔ ایسا شخص اس طاقت کا سرچشمہ ہوگا۔ جو عوام کو اپنی طرف مائل کرے۔ اور ان کی رہنمائی کرے۔ ایسے اشخاص خدائی عطیہ ہوتے ہیں۔ جو جدوجہد اور کسب سے پیدا نہیں کئے جا سکتے۔[1]

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء اس جدوجہد کا مرکزی کردار جنرل بخت خان تھا جس نے میرٹھ چھاؤنی سے بہت سے نوجوان سپاہیوں کے ساتھ خروج کیا۔ اس میں ہندو اور مسلمان دونوں ہی شریک تھے۔ مگر مذکورہ جنرل کی ہندوؤں اور انگریزوں نے بڑی کردار کشی کی اس کو وہ مقام تاریخ میں نہیں دیا گیا۔ جس کا وہ مستحق تھا حتیٰ کہ اس کو جنرل کم بخت خان کا نام دیا گیا۔ مذکورہ جنرل کا نقطہ نظر یہ تھا کہ انگریزوں کو جدال و قتال کے ذریعہ سے ہی ملک سے نکالا جا سکتا ہے۔ اور آزادی اسی صورت سے ممکن ہے۔ اسی طریقہ کار سے ہند میں ہندوستانیوں کی مستحکم حکومت قائم ہو سکتی ہے۔ آزادی بھیک مانگنے سے نہیں ملے گی۔ کچھ علمائے اسلام نے اس کو مذہبی رنگ دیکر جہاد کا اعلان کیا۔ جس پر لبیک کہتے ہوئے عام مسلمانوں نے اپنی جان کے نذرانے پیش کئے بعض علماء بھی شریک جہاد تھے۔ شرعی نقطہ نگاہ سے جہاد کا یہ مسلمہ اصول ہے۔ کہ جہاد شروع کرنے کے بعد اس کا ترک کرنا جائز نہیں مجاہد کے لئے دو ہی راستے ہیں۔ شہادت یا فتح۔ علامہ ابن تیمیہ جن کی تعلیمات ہندوستان کے تمام علماء اسلام کے لئے مشعل راہ ہیں۔ خود جہاد میں شریک ہوئے اور شہادت پائی۔ سید احمد بریلوی نے جہاد ترک نہ کیا اور شہادت پائی۔ باوجود یہ کہ رنجیت سنگھ نے ان کو کچھ علاقہ دینے کی پیش کش کی تھی۔ اس کے برعکس علماء ہند جنہوں نے جہاد کا فتویٰ دیا۔ اور جہاد میں شریک ہوئے جہاد کو ترک کر کے روپوش اور مفقود الخبر ہو گئے۔

یہ تحریک بظاہر تو کامیابی حاصل نہ کر سکی۔ مگر اس نے برطانوی راج کے ایوانوں کو ہلا دیا۔ برٹش پارلیمنٹ اور ہندوستان کے انگریز حکمران اس حتمی نتیجہ پہ پہنچے کہ ان کی حکمرانی

---

[1] Thoughts and Reflections of Iqbal, by Syed Abdul Waheed.

Marfat.com

علامہ اقبال مسلم لیگ کے اجلاس الہ آباد سے خطاب

Marfat.com

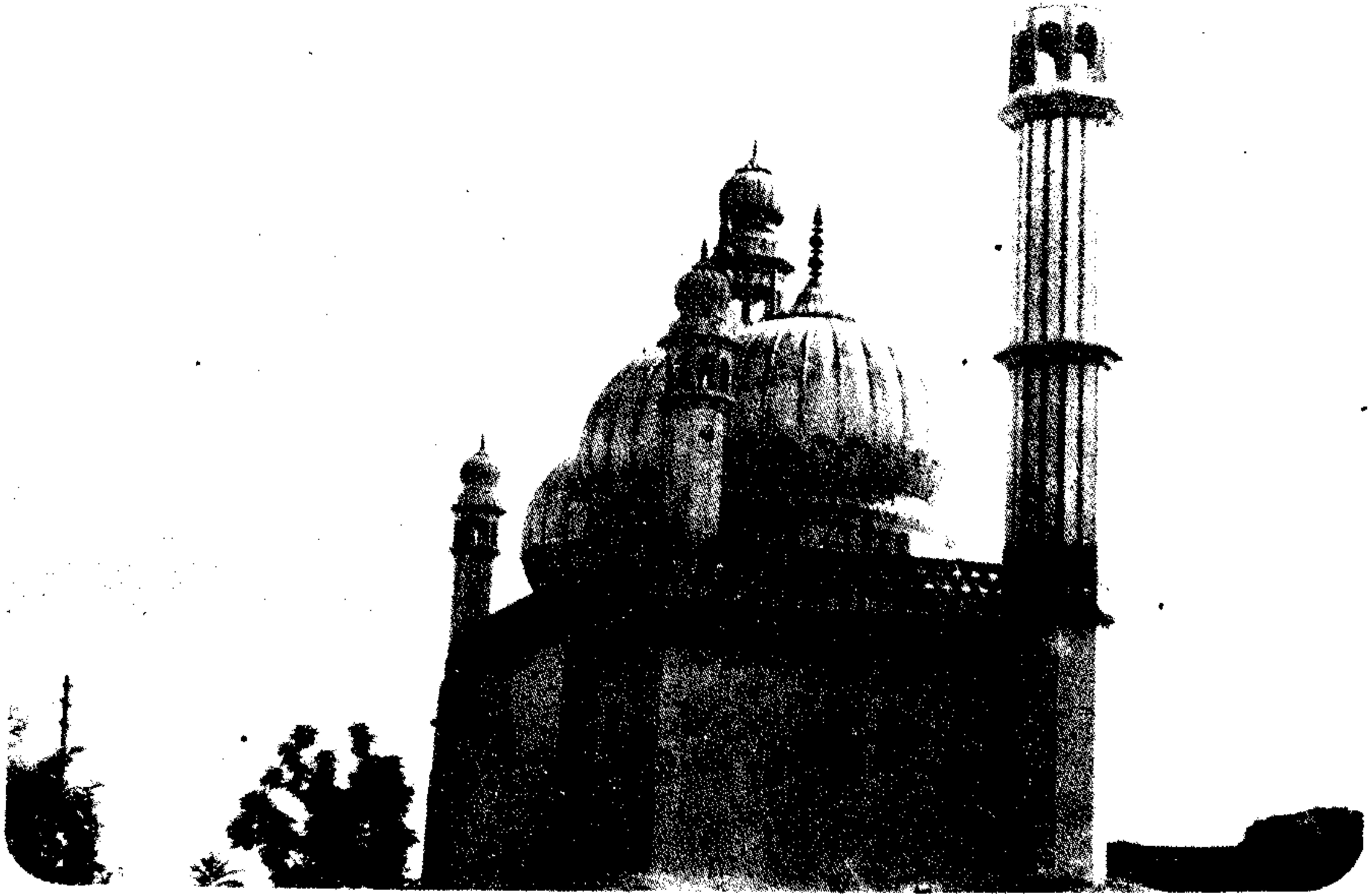

موضع پانڈولی ضلع سہارنپور کی جامع مسجد۔

Marfat.com

ہندوستان پر زیادہ دیر نہیں چل سکے گی۔ مگر ان کی کوشش اس امر پر مرکوز ہو گئی۔ کہ حکومت ہندوؤں کے حوالے کرنے کی تدابیر کی جائیں۔ اور مسلمانوں کو نہ صرف الگ رکھا جائے۔ بلکہ اقتدار میں بھی شرکت کا موقع نہ دیا جائے۔ اگر ہندوؤں کے پاس اپنا کوئی نظام حکومت ہوتا تو انگریز اس پالیسی ہیں کامیاب ہوتے۔ مگر بدقسمتی سے ہندوؤں میں یہ اہلیت نہ تھی۔ ہسٹری آف برٹش انڈیا از جیمس مل کے مندرجہ اقتباس ان حالات کی کھلی نشاندھی کرتے ہیں۔

"In case of religion hindus have many Gods, their approach to matter of administration of justice is biased having based on caste system, their civilization was crude and imperfect, they in short, had no unity of thoughts or action, the British were at war with Scendia yet at peace with Peshwa and Holker, they have discipline among their rank in art of war, they know nothing, they could assemble without any discipline, these reasons have encouraged the conqueror from outside."

ترجمہ :۔ جہاں تک ہندوؤں کا معاملہ ہے۔ ہندوؤں کے بہت سے خدا ہیں۔ نظام عدل میں ان کا رویہ جانبدارانہ ہے۔ جو ذات پات کے سلسلے میں مقید ہے۔ ان کی تہذیب پست اور نامکمل ہے قصہ مختصر ان میں عملی اور خیالی کوئی اتحاد نہیں۔ ہندو سندھیہ برطانیہ کے ساتھ جنگ کر رہا تھا۔ جبکہ اس کے ہم قوم پیشوا اور ہولکر برطانیہ کے اتحادی تھے۔ فنون جنگ کے بارے میں ان میں کوئی نظم و ضبط نہیں۔ یہ قطعی لاعلم ہیں۔ بغیر کسی تنظیم کے مجمعے لگا لیتے ہیں انہی وجوہات کی بنا پر ان ہندوؤں نے باہر سے آنے والے لوگوں کو ہندوستان فتح کرنے کی دعوت دی۔

دیوبندی فرنگی محلی اور ندوی علماء نے ایک سیاسی جماعت جمعیت العلماء ہند

Marfat.com

کے نام سے ۱۹۱۹ء میں قائم کی۔ جس کا بنیادی مقصد کانگریس کی اتحادی جماعت کی حیثیت سے کام کرنا تھا۔[1] مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد کا مذکورہ بالا مختصر سا خاکہ اسی لئے پیش کیا گیا۔ کہ ان عوامل کا جائزہ لیا جائے۔ جن کی وجہ سے علمائے اسلام نے کانگریس سے وابستگی اختیار کی۔ مولانا حسین احمد مدنی، مولانا عبید اللہ سندھی اور مفتی کفایت اللہ اس جمعیت کے قابل ذکر لیڈر ہیں۔ یہ سب بنیادی طور سے کانگریسی تھے۔ مولانا عبید اللہ سندھی نے افغانستان میں انڈین نیشنل کانگریس کی شاخ کھولی۔ سندھ ساگر اکیڈیمی بنائی اور مولانا حسین احمد مدنی کئی بار جمعیت العلماء ہند کے صدر رہے۔ مفتی کفایت اللہ جمعیت العلماء ہند کے سب سے پہلے صدر تھے۔[2] مولانا حسین احمد مدنی نے اس جماعت میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کی تقریروں کا مرکزی نقطہ ہمیشہ انگریزوں کی مخالفت، انگریزی تعلیم سے بیزاری ہوا کرتا تھا۔ انگریز سے اتنی نفرت اور بیزاری کے باوجود کانگریس سے اتحاد ایک متضاد شے ہے۔ کانگریس کے اکابرین اور لیڈروں کے متعلق ایس گوپال۔ اپنی کتاب برٹش پالیسی ان انڈیا کے صفحہ ۱۴۰ پر لکھتا ہے کہ :-

"So all congressmen who were the creation of Great Britain of British learnings, history and literature and with British system of rule they stand or fall."

ترجمہ :- اسی طرح تمام کانگریسی عظیم برطانیہ کی پیداوار ہیں۔ برطانوی تعلیم۔ تاریخ اور ادب سے وابستہ ہیں۔ برطانوی طرز حکومت سے ان کا عروج و زوال منسلک ہے۔

کانگریس کا مسلک انگریزوں کے ساتھ مفاہمت تھا۔ یہ افہام و تفہیم کے ذریعہ انگریز سے اقتدار حاصل کرنا چاہتے تھے۔ عالمی جنگ دوم میں جب وائسرائے

---

[1] :- Islamic modernism in India and Pakistan, P. 135.

[2] :- تاریخ دارالعلوم دیوبند صفحہ ۶۵-۶۶

Marfat.com

ہند نے یکطرفہ اعلان جنگ کر کے اتحادیوں کا ساتھ دیا۔ تو ہندوؤں نے اس کی کوئی مخالفت نہیں کی۔ بلکہ کانگریس نے تعاون کیا۔ شاید اس وجہ سے کہ انگریزوں نے یقین دہانی کرا دیتی تھی۔ کہ جنگ میں فتح حاصل کرنے کی صورت میں ہندوستان کا اقتدار کانگریس کے حوالے کر دیا جائے گا۔ گاندھی کا رویہ انگریزوں کے ساتھ ہمدردانہ اور نرم تھا اور اس کا انداز آزادی کی بھیک مانگنے کے مترادف تھا۔ اس کے برعکس سوبھاش چندر بوس کی سوچ ہندو مسلم کی قومیت سے بالاتر تھی۔ وہ تمام ہند میں رہنے والے لوگوں کو ہندوستانی سمجھتا تھا۔ اور اقتدار میں سب کی شرکت کا خواہاں تھا۔ اس کا امر پر پختہ یقین تھا کہ بھیک کے ذریعہ ملی ہوئی۔ آزادی میں انگریز بلاواسطہ شریک حکومت ہونگے۔ اس لئے آزادی لڑ کر حاصل کی جائے۔ اور عالمی جنگ چھڑ جانے کی وجہ سے یہ موقع مناسب ہے کہ انگریزوں کو ہندوستان سے نکال دیا جائے۔ اسی بنا پر اس نے جنگی حکمت عملی تیار کی۔ اور انڈین نیشنل آرمی تشکیل دی۔ جس میں ہندو اور مسلمان دونوں ہی شریک تھے۔ مگر گاندھی اس حکمت عملی کے خلاف تھا۔ سوبھاش چندر بوس نے جاپان کے تعاون سے کچھ کامیابیاں بھی حاصل کی۔ جزیرہ سنگاپور اور ملحقہ دیگر علاقے انگریزوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ وہ جاپان سے کسی باقاعدہ معاہدہ کے تحت ہندوستان پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا تھا۔ کہ جاپان جاتے ہوئے راستہ میں ایسا غائب ہوا۔ کہ اس کا پتہ نہ چل سکا۔ کہا جاتا ہے۔ کہ اس کے اس انجام میں کانگریس کا بڑا دخل تھا۔

مولانا اشرف علی تھانوی کا مسلک ہندوستانی سیاست کے بارے میں علمائے دیوبند سے مختلف تھا۔ وہ مسلم لیگ کے ہم خیال اور اس کے مقاصد سے متفق تھے ان کے مریدوں نے تحریک پاکستان کے لئے کارہائے نمایاں انجام دے جنرل ضیاء الحق (صدر پاکستان) کے والد بھی ان کے مرید تھے۔ ایک موقع پر حضرت مذکور نے اپنے ایک مرید خاص مولوی منفعت علی وکیل سہارنپور، یوپی اسمبلی کے انتخاب منعقدہ ۱۹۲۷ء میں حصہ لینے کی اجازت دی۔ اور فرمایا کہ مسلم لیگ کے ٹکٹ پر انتخاب لڑنا جہاد سے کم نہیں۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے ۱۹۳۸ء کے اجلاس منعقدہ پٹنہ کے موقع

Marfat.com

پر حضرت مذکور نے ایک پیغام قائد اعظم محمد علی جناح کو بھیجا۔ جس میں کہا گیا تھا۔ کہ اجلاس میں شریک تمام مسلمان نماز با جماعت ادا کر کے حصول پاکستان کے لئے دعا کریں جس کا جواب قائد اعظم نے یہ دیا۔ کہ اگر میں لوگوں کو نماز کے لئے لکھوں گا۔ تو مختلف مذہبی فرقے اپنی اپنی نمازیں الگ الگ پڑھیں گے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ مخالفین پروپیگنڈہ کریں گے۔ کہ مسلمانوں میں خود اتحاد نہیں۔ جو تحریک کے لئے مشکلات کا باعث ہو سکتا ہے۔ مولانا اشرف علی مذکور نے یہ جواب سن کر فرمایا کہ مسٹر جناح واقعی فن سیاست کا ماہر ہے۔ اور مسلمانوں کو اس کی صلاحیت سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔

"تحریک پاکستان کے لئے مولانا اشرف علی تھانوی کی خدمات" کے عنوان سے ایک مضمون احسان بخش صابری کا تحریر کردہ روزنامہ "مشرق" کی ۱۸۔ اکتوبر ۱۹۸۶ء کی اشاعت میں چھپا تھا۔ اس مضمون سے چند اقتباسات درج کئے جاتے ہیں۔

"مجھ سے اکثر مجالس میں آج کل کانگریس اور مسلم لیگ کے سلسلے میں سوالات کئے جاتے ہیں اور کئی اصحاب جناح صاحب کے بارے میں بھی مجھ سے پوچھتے رہتے ہیں۔ میری عرض ہے۔ کہ مسلم لیگ کی قیادت جناح صاحب کے ہاتھ میں ہے۔ گو جناح صاحب اتنے پابند صوم و صلوٰۃ نہیں۔ لیکن سیاست میں مسلمانانِ ہند میں قابل ترین شخصیت مانے جاتے ہیں۔ مخالفین بھی مانتے ہیں۔ کہ جناح صاحب سرکاری آدمی نہیں ملک و قوم یعنی مسلمانانِ ہند کی آزادی کے لئے ان کے دل میں انتہائی تڑپ ولولہ اور جذبہ ہے اس لئے برطانوی حکومت کے مقابلے اور کانگریس کے مقابلے میں بھی انہوں نے ہمیشہ مسلمانانِ ہند کی بہتری کے لئے آواز بلند کی ہے۔ جناح صاحب کے متعلق کئی کم فہم مسلمان یہ غلط پروپیگنڈہ کر رہے ہیں۔ کہ وہ جاہ پسندی کے لئے یہ سب کام کر رہے ہیں۔ ایسا غلط پروپیگنڈہ کرنے والوں کو شرم آنی چاہیئے۔ اگر جناح صاحب جاہ پسند ہوتے تو کسی خطاب اور کسی عہدے کے لئے کوشش کرتے جس کا ملنا۔ ایسے قابل شخص کے لئے بہت ہی سہل تھا۔ لیکن جناح صاحب نے کبھی بھی اس کی خواہش نہیں کی۔ وہ مخلص اور دیانتدار مسلمان ہیں۔ اور مسلمانانِ ہند کے قابل ترین لیڈر ہیں۔ ان کی کوشش یقیناً کامیاب ہوگی؟

Marfat.com

باری تعالیٰ مسلمانوں کے لئے علیحدہ ریاست کے قیام کا سہرا انشاء اللہ جناح صاحب کے سر باندھیں گے۔ میں نے اپنے تمام خلفاء متبعین اور مریدین کو کہہ دیا ہے۔ کہ ہر بات میں جناح صاحب کا ساتھ دیں۔ مسلم لیگ اور جناح صاحب کی حمایت کے سلسلہ میں ایک فتویٰ اپنی کتاب میں لکھ چکا ہوں۔"

"کئی کم فہم اصحاب مجھ سے سوال کرتے ہیں۔ کہ مسلم لیگ کے کئی زعما متقی نہیں اس لئے ان کے حق میں آپ نے کیوں ایسا فتویٰ دیا۔ ان کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ میرے فتوے کے الفاظ یہ ہیں کہ اگر ایسی سیاسی جماعت یعنی آل انڈیا مسلم لیگ شرعاً متقی نہ بھی ہو۔ مگر اسلام کی حفاظت اور مخالفین اسلام کی مدافعت اس کا مقصود ہو جیسا کہ اس وقت زیادہ غرض اس سیاسی تنظیم کی یہی ہے جو متعصبین آزادی ہند کے بعد ہندوستان کو ہندوؤں کا غلام بنانا چاہتے ہیں۔ اور ہندوستان سے اسلام کو مٹانا چاہتے ہیں ان دشمنوں کے مقابلے میں ہم آل انڈیا مسلم لیگ کی حمایت کریں تاکہ اسلام اپنے اصول وشعائر کے لحاظ سے ہندوستان میں باقی تو رہے خواہ اس سیاسی جماعت کے افراد میں اختلاف مذاہب بھی ہو۔ لیکن ایک مقصد کے خاطر باہمی اختلاف مذاہب اور فرقہ بندیوں کو علیحدہ رکھ کر ہم سب کلمہ گو ایک مقصد پر جمع ہو جائیں۔ تو متقی نہ ہونا۔ ایسی حالت اختلاف میں مانع تعاون نہیں ہو سکتا۔"

"آل انڈیا کانگریس کے کرتا دھرتا خوش وخرم تھے کہ دارالعلوم دیوبند کے ساتھ منسلک علماء ان کی صف میں شامل ہیں۔ لیکن جب مولانا اشرف علی تھانوی اور اُن کے خلفاء کو مسلم لیگ کی طرف جاتے دیکھا تو ان کے گھروں میں صف ماتم بچھ گئی۔ اس سے قبل ایک مسلم لیگی صحافی اور عالم دین مولانا مظہر الدین ایڈیٹر الامان دہلی کو اسی پاداش میں ایک غنڈے کے ذریعہ شہید کروایا جا چکا تھا۔ اب مولانا اشرف علی تھانوی کو بھی قتل کی دھمکی کے خطوط آنے شروع ہو گئے۔"

"مجھ سے سوالات پوچھے جا رہے ہیں کہ مسلم لیگ کے امیدوار کو ووٹ دیا جائے

Marfat.com

یا کانگریس کے امیدوار کو ایک مسلمان کے لئے کانگریس کے حالات کا معلوم ہونا۔ اور پھر علماء سے استفساد کرنا حیران کن ہے۔ قرآن کریم کی آیت کا ترجمہ ہے۔

"اے ایمان والو۔ نہ ٹھہراو دوست اپنے غیروں کو وہ کمی نہیں کرتے تمہاری خرابی میں ان کی کوشش تو اس بات میں ہے کہ تمہارے پاؤں پر زیادہ سے زیادہ تکلیف پڑے۔ دشمنی ان کی زبان سے ظاہر ہے اور منافقانہ بغض ان کے سینے میں چھپا ہوا ہے۔"

اس لئے موجودہ حالات میں میری رائے ہے کہ جو شخص کانگریس کی حمایت سے ممبری کا مساعی ہے وہ کبھی بھی مسلمانوں کا خیر خواہ نہیں ہو سکتا۔ اس کی موافقت اور اس کے لئے سعی کرنے کو میں اہل اسلام کے لئے مضر سمجھتا ہوں۔ کسی مسلمان کا یہ کہنا کہ کانگریس کو ووٹ دینا موجب ثواب ہے اور مسلم لیگ کو ووٹ دینا موجب عذاب ہے محض دعویٰ بے دلیل بلکہ خلاف دلیل سخت جسارت اور بے باکی ہے جس سے تو بہ واجب ہے۔"

"حق تعالیٰ نے مجھ پر انعام فرمایا مجھے کشفاً معلوم ہوا ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح کو حق تعالیٰ کامیابی سے نوازیں گے۔ ۱۹۴۰ء کی قرارداد پاکستان انشاءاللہ فتح ہوگی میرا یہ مرض الموت ہے۔ میں اس سے جانبر نہ ہو سکوں گا۔ اگر میں مزید زندہ رہتا تو تحریک پاکستان کے لئے خود کام کرتا۔ مشیت ایزدی یہی ہے کہ مسلمانوں کے لئے علیحدہ خطہ زمین بنے۔ قیام پاکستان کے لئے جو کچھ ہو سکے کر گزرنا۔ مخالفین کو بھی تحریک پاکستان کے لئے دعوت دیتے رہنا۔ تم دونوں عثمانیوں میں سے ایک عثمانی میرا جنازہ پڑھائے گا اور دوسرا عثمانی قائداعظم کا جنازہ پڑھائے گا۔ مگر قائداعظم تب فوت ہوں گے جب پاکستان صفحہ مشہود میں آچکا ہوگا۔"

مذکورہ بالا گفتگو مولانا شاہ اشرف علی تھانوی نے اپنے بھانجوں یعنی مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا شبیر احمد عثمانی سے فرمائی۔ آپ کا انتقال ۱۹ جولائی ۱۹۴۲ء کو ہوا۔ اور مولانا ظفر احمد عثمانی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جبکہ قائداعظم محمد علی جناح

Marfat.com

کی نمازِ جنازہ مولانا شبیر احمد عثمانی نے پڑھائی۔

جمعیت العلمائے ہند جس کے صفِ اوّل کے لیڈران کا تعلق دارالعلوم دیوبند سے تھا۔ ان کا کانگریس سے اتحاد کن عوامل پر تھا۔ یہ اجتماع ضدین کیوں کر اور کیسے واقع ہوا۔ یہ سربستہ راز منکشف نہ ہو سکا۔

Marfat.com

باب پنجم

فصل اوّل

علمائے متقدمین کے نزدیک کن علوم کی تعلیم و تبلیغ مسلم امت کیلئے ضروری ہے

دین اسلام کی روشنی جب سرزمین عرب سے نکل کر تمام دنیا کو منور کرنے لگی تو عجمی اقوام میں اس وقت یونانی فلسفہ اور عقلیات کا گہرا اثر تھا۔ غنوصیت اور رہبانیت بھی موجود تھیں۔ اور جا بجا ان کے صومعہ آباد تھے۔ غنوصیت کا مطمع نظر یہ تھا کہ تمام تر حقیقتیں اور سچائیاں تزکیہ باطن اور ریاضت سے حاصل ہیں ان میں کسی نبی یا ولی کا کوئی دخل نہیں۔ مسلمانوں کے لیئے اس قسم کے خیالات کا ابطال کوئی مشکل نہیں تھا۔ اس لیئے رہبانیت اور غنوصیت کو اسلام میں کوئی مقام حاصل نہ ہو سکا۔ البتہ یونانی عقلیات کا ترجمہ عربی میں بنوامیہ کے زمانے میں ہو چکا تھا اس لئے منطق اور یونانی فلسفہ نے اسلام کو متاثر کیا۔ قران کریم کا اسلوب بیان۔ دلائل کا انداز۔ علم و ادراک کی حوصلہ افزائی تسخیر و تفہیم کائنات کی دعوت وہ عوامل تھے جنہوں نے مسلمانوں میں ذوقِ تحقیق پیدا کیا۔ بعض علما نے تفہیم دین کے لیئے منطق اور عقلیات کو اپنایا اور جگہ جگہ بحث و مناظرے کی محفلیں قائم ہونے لگیں اور منطقی طرز پر فکر و استدلال سے صواب و خطا کے درمیان خط امتیاز کھینچے جانے لگے۔ جس کے نتیجہ میں بہت سے فرقے جیسے۔ جبریہ۔ قدریہ۔ معتزلہ۔ اشاعرہ وغیرہ پیدا ہو گئے۔ اس منطق کے فروغ نے بالخصوص فقہ اور نحو کو بہت متاثر کیا فقہ میں دلالت الفاظ کی باریک بحث عام خاص کی تفریق۔ اصل اور فروع کے قاعدے تمام منطقی رنگ لئے ہوئے ہیں۔ مثلاً قیاس۔ علت۔ حکم وغیرہ پر منطقی چھاپ بہت نمایاں ہے۔ بعض علما دستے۔ علوم عقلی اور یونانی فلسفیانہ خیالات کو علم نحو میں داخل کر لیا۔ اور اسم۔ کلمہ۔ وغیرہ کو حدود اور تعریف میں محصور کرنا چاہا اور یوں علم نحو میں ایک لا متناہی

Marfat.com

سلسلہ چل نکلا۔ ایک اسم کی بیس سے بھی زیادہ تعریفیں کرنی پڑی۔ بعض علما نے منطق اور عقلی استدلال کا استعمال اعتدال اور قران و حدیث کے دائرے میں رہتے ہوے کیا جس کی شریعت میں اجازت ہے مگر بعض حد اعتدال سے گزر گئے حتیٰ کہ الہیات میں بھی عقل سے کام لینا شروع کر دیا۔ اور اس طرح علماء کے دو طبقے بن گئے جیسے بو علی سینا اور فارابی۔ جن کو علمائے اہل سنت نے زندیق کہا۔

علمائے اہل سنت نے منطق اور عقلی استدلال کو اعتدال کے دائرے میں رہتے ہوئے استعمال کیا۔ اور اس کی مدد سے قران حدیث سے فقہ کی تدوین کی یہ وقت کی اہم ضرورت تھی۔ اور نظام عدل کو استوار کرنے کی ضرورت تھی۔ خلفاء اور سلاطین اسلام نے اس فقہ کی تعلیم کا اہتمام کیا تاکہ مفتوحہ علاقوں قاضی، مفتی، اور فقیہہ فراہم ہو سکیں۔ مگر علم فقہ کے ساتھ ساتھ دوسرے مروجہ علوم بھی سکھائے جاتے تھے۔ جو کسب معاش کے لیئے ضروری تھے علمائے متقدمین کے نزدیک علوم کا حصول کیوں ضروری ہے کن علوم کی امت کو ضرورت ہے اس پر ایک سرسری جائزہ آئندہ صفحات میں پیش کیا جائے گا۔ تاکہ موجودہ حالات میں یہ تعین کیا جا سکے کہ ہمارے دینی مدارس اس ضرورت کو پورا کرتے ہیں یا نہیں اور طالبان علم کو محض وعظ و تذکرے کی تربیت سے کیا فوائد مرتب ہوئے ہیں۔ کہیں یہ مزید فرقہ بندی کے اسباب نہ ہوں

علامہ ابن تیمیہ جن کی تصانیف کو وہابی تحریک کا اہم جزو قرار دیا جاتا ہے سنہ ۶۶۱ھ مطابق ۱۲۶۳ء میں پیدا ہوئے ان کی پیدائش ایسے شہر میں ہوی جہاں شیعہ سنی اختلاف ہمیشہ سے ہے دیگر یہ کہ اس زمانے میں خلافت ختم ہو چکی تھی اور مسلمانوں میں مرکزیت باقی نہ تھی صلیبی جنگیں تاتاریوں کی یورش نے اسلام کے علمی خزانے کو بڑا نقصان پہنچایا۔ ان حالات میں علامہ مذکور نے قلم اٹھایا۔ اسلامی علمی دنیا میں پہلی شخصیت قرار دی جا سکتی ہیں جس نے۔ تفسیر۔ حدیث۔ فقہ اصول نحو عقلیات اور علم کلام پر کتابیں لکھیں ان کی تصانیف کی تعداد پانچ سو تک بتائی جاتی ہیں۔ فقہ حنبلی اور علم کلام جس کو امام احمد بن حنبل نے پیش کیا صحت و صواب کے لحاظ سے علامہ کے نزدیک سب

Marfat.com

سے اعلیٰ اور ارفع ہیں دوسرا نظام فقہی یا کلامی انکی نظیر پیش نہیں کرتا تصوف کے خلاف تھے۔ بعض محققین کے نزدیک علامہ مذکور قران وحدیث کی تفسیر میں حد درجہ حرفیت پسند تھے اور الفاظ کے لغوی معانی پر اکتفا کرتے تھے۔ ان کی تفسیر سے اللہ تعالیٰ کی صفات میں بشریانی جھلک نظر آتی ہے۔[1]

علمائے ربانی۔ یا صوفیاء کے نزدیک وجدان ایک منبع کی حیثیت رکھتا ہے جہاں فکر واستدلال، عقلی دلائل سائنسی معلومات تھک کر بیٹھ جاتی ہیں وہاں وجدان حقائق اور معارف کو پالیتا ہے۔ تاہم صوفیا کے نزدیک کشف ووجدان کو صحیح سمت میں قائم رکھنے کے لیئے شیخ طریقت کی ضرورت ہے جو اس کے کشف کو شیطانی خلل سے بچائے رکھتا ہے۔ علم وعرفان سے یقین محکم حاصل ہوتا ہے جو واصل باللہ ہونے کے لیئے بنیادی ضرورت ہے۔ اس لیئے اس زمانے سے قریب ترین ماضی میں ایسے علمائے ربانی کے اقوال جو مطبوعہ ہیں۔ ان میں سے کچھ اقتباسات بھی شامل کتاب ہیں۔

صوفیائے اور علمائے ربانی کے صرف ان علوم پر اکتفا کیا گیا جن کا تعلق ایمان سے ہے۔ واحدانیت اور رسالت ایمان کے دو جز ہیں۔ علامہ ابن تیمیہ اور ان کے متبعین کے نزدیک رسالت کے توسط سے جو شریعت کتاب وسنت کی شکل میں بعد کے لوگوں تک پہنچی اس کی اطاعت میں خلوص اور امر ونواہی پر توجہ ذریعہ نجات ہے۔ اب ان میں مزید کسی وسیلہ یا وساطت کی ضرورت نہیں۔ علمائے دار العلوم دیوبند اور مولانا مودودی اس مسلک میں سرفہرست ہیں۔ علمائے ربانی کے نزدیک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔ وجہ تخلیق کائینات ہیں اور تمام فیوض وبرکات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے ہی حاصل ہونگے۔ جیسا کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے "وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ" اور دوسری جگہ ارشاد ہے کہ "فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ" ابتغو اس اتباع اور وسیلہ سے مراد لیتے ہیں کہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے حد درجہ عشق ومحبت ہو۔ مسلمان کے ذہن تخیل میں یہ بات واضح ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

([1] تعلیقات ابن تیمیہ۔ محمد حنیف ندوی لاہور)

Marfat.com

کا فیض جاری ہے۔ اور یہ کہ وسیلہ اور وساطت پر غیر متزلزل ایمان و اعتقاد ضروری ہے اس کے بغیر ایمان مکمل ہوگا نہ عمل قابل قبول ہوگا۔ اطباع شریعت اور شیخ طریقت (جو نائب رسول ہیں) کی تربیت سے رویت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہو گی۔ جس کو ان کی اصطلاح میں "فتح" کہتے ہیں اس کے بعد علوم تکوینی ثمرات کے طور سے ملیں گے تاکہ سالک کے ایمان میں اضافہ ہوتا چلا جائے اور اُس کو عین الیقین حاصل ہو جائے۔ مسلمان کی منزل رویت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس کے بعد واصل بالحق ہو سکتا ہے۔ بعض احادیث کی تفسیر اور کلمہ توحید کی توضیح جو ان علمائے ربانی سے منسوب ہے جن کا تعلق ہند و پاکستان سے باہر کی دنیائے اسلام سے ہے۔ بیان کی جائیں گی تاکہ مقامی فرقہ بندی کی چھاپ سے بالاتر رہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ علمائے دارالعلوم دیوبند کے ذریعے۔ ایمان و اعتقاد کی جن جزئیات کی تعلیم دی جاتی رہی اور ان کی جو تفسیر و تعبیر کی گئی وہ صحیح بھی ہیں؟ اگر ان میں کچھ خلل ہے تو ایمان و اعتقاد کی بنیادوں کو متاثر کرے گا۔

علم کا حصول مسلمانوں کے لئے کیوں ضروری ہے۔

علامہ محمد بن اسعد دوانی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قول "کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں"، اور قرآن مجید ہی کی دوسری آیت کہ "اللہ وہ ہے جس نے تم کو زمین پر خلیفہ بنایا" اور تیسری آیت "ہم نے پیش کی امانت آسمانوں پر۔ زمین پر اور پہاڑوں پر پس انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے۔ اور انسان نے اسکو اٹھا لیا۔ بے شک وہ بڑا ہی ظالم اور جاہل ہے" اس امانت اور خلافت سے اگر مراد محض عقل ہے تو ملائکہ انسانوں کے ساتھ عقل میں شریک ہیں۔ اور اگر انسان کا مکلف ہونا مراد ہے تو جن بھی مکلف ہیں پھر انسان کے ساتھ مخصوص کیا۔ اس کی وجہ خود اللہ تعالیٰ نے فرما دی کہ انسان ظالم اور جاہل ہے۔ جو عدل اور علم کی ضد ہیں۔ یعنی انسان میں مادہ رکھا گیا ہے کہ وہ علم حاصل کرے اور عدل کی روشنی پھیلائے۔ ظلم نتیجہ ہے تاریکی اور اندھیرے کا اور جبکہ عدل کا ثمرہ نور اور روشنی ہے۔ لکھتے ہیں کہ

Marfat.com

۱۰۰ ولاً در ابتدا از وجود از مرتبہ جمادی بمرتبہ نماد از مرتبہ نما لمبرتبہ حیوانی رسیدہ وازآنجا بدرجہ انسانی انجامیدہ وچوں بحلیہ اعتدال مزاج تعدیل قوائے جسمانی ونفسانی متحلی گردد من حیث البیان ونفس شبیہ یا جرام سماوی باشد" ؎

(ترجمہ) (پہلے یہ جمادات کے مرتبہ میں تھا پھر ترقی کر کے نباتات میں آیا اور وہاں سے عروج کر کے حیوانی مقام پہ پہنچا جہاں اپنے انجام کے طور سے درجہ انسانی میں داخل ہوا اور جب اس کا مزاج اور قوائے جسمانی ونفسانی معتدل اور مظبوط ہو گئے اور نطق و بیان کی قوت آگئی اور نفس پہ غالب آگیا تو آسمانی مخلوق سے مشابہ ہو گیا)

انسان جب اپنی تخلیق مذکورہ بالا سے گزر گیا جو طبعی تھا جس پر اس کا کوئی اختیار نہ تھا۔ مگر اب وہ اس مقام پر پہنچ گیا جہاں اس کو اختیار ہے کہ اپنے سے نیچے درجے یعنی حیوانات میں داخل ہو جائے یا ترقی کر کے ملائکہ سے بھی بڑھ جائے مولانا روم اسی "اختیار" کو امانت فرماتے ہیں۔ کیونکہ یہ اختیار اس کو ذی عقل ہونے کی وجہ سے حاصل ہوا ہے نظامی عروضی سمرقندی لکھتے ہیں کہ ۔

" ایں ہمہ تفوق را بجہ رسید بدانکہ معقولات را بشناخت وبتوسط معقولات خدائے را بشناخت وخدائے بچہ شناخت بدانکہ خود را بشناخت " مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ ۔ پس ایں عالم بہ سہ قسم آمد یک قسم آنست کہ نزدیک است بعالم حیوان چوں بیابانیان وکوہیاں کہ خود ہمت ایشاں نرسد کہ تدبیر معاش کنند بجذب منفعت ودفع مضرت باز یک اہل بلاد ومدائن اند کہ ایشاں را تمدن وتعاون واستنباط حرف وصناعات بود۔ وعلوم ایشاں تا انواع باقی ماند۔ باز یک قسم آنند کہ ازیں ہمہ فراغتے دارند۔ لیلاً ونہاراً، سراً وجہاراً کار ایشاں آن باشد کہ ماں کہ ایم واز چہ در وجود آمدہ ایم وپدید آمندہ ماکیست یعنی ازچہ در وجود آمدہ ایم وپدید آرندہ ماکیست یعنی کہ از حقائق اشیا بحث کنند ودر آمدن خویش تامل وازرفتن تفکر

؎ اخلاق جلالی صفحہ ۱۸

Marfat.com

کہ چگونہ آمدہ ام و کجا خواہم رفت بعد ازیں قسم دو نوع یکے نوع آں اند کہ بہ استاد و بہ تلقف و تکلف و خواندن و نشستن بجہد ایں ماموں رسند۔ و ایں نوع را حکما و خوانند باز نوع آنند کہ بے استاد و بنشستن بمنتہاے ایں فکرت برسند و ایں نوع را انبیاء خوانند۔ و خاصیت نبی سہ چیز است یکے آنکہ علوم داند تا آموختہ دوم آنکہ از وے و فرداً خبر دہد نہ از طریق مثال و قیاس۔ و سوم آنکہ نفس او را چنداں قوت بود کہ ہر جسم کہ خواہد صورت ببرد و صورت دیگر آرد۔ ایں تو اند الّا آنکہ او را لعالم ملائکہ مشابہتے بود۔"

ترجمہ: اس قسم کی فوقیت انسان کو کیسے ملی۔ اس لیے کہ معقولات کو پہچانا اور معقولات کے ذریعے خدا کو پہچانا۔ اور خدا کو کیسے پہچانا اس لئے کہ اس نے اپنے نفس کو پہچانا۔ جس شخص نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے خدا کو پہچانا۔ اصل (انسان) کی تین قسمیں ہیں اول وہ کہ جو حیوان کے نزدیک ہے جیسے جنگلی پہاڑی وحشی جن میں اتنی ہمت نہیں کہ اپنی معاش کی فکر کریں۔ یا اپنے نفع کی چیز حاصل کریں اور نقصان دہ چیزوں سے دور رہیں۔ دوسری قسم میں وہ لوگ داخل ہیں جو شہروں قصبوں اور اجتماعی آبادی میں رہتے ہیں یہ لوگ سماج تمدن کے ذریعہ ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں۔ صنعت و حرفت ایجاد کرتے ہیں اُن کے علوم دوسروں تک پہنچتے ہیں اور باقی رہتے ہیں تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو اپنے اوقات فراغت میں گزارتے ہیں۔ اور رات دن خفیہ و ظاہرہ تدبر و تفکر کرتے رہتے ہیں کہ ہم کون ہیں کس وجہ سے وجود میں آئے اور ہمیں پیدا کرنے والا کون ہے؟ یعنی ہم کیونکہ پیدا ہوئے اور کس نے پیدا کیا۔ یعنی کائنات کی ہر چیز میں غور فکر کرتے ہیں۔ یعنی اپنی موت و حیات۔ زندگی کا مقصد کیا ہے اور موت کے بعد ہمیں کس چیز کا سامنا ہوگا ان تمام باتوں میں اپنی عقل و فکر سے کام لیتے ہیں ان کو حکما کہتے ہیں۔ پھر ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو کسی استاد سے تحصیل علوم کرکے اپنے مقصد میں لگ جاتے ہیں اور دوسرے وہ جو بغیر استاد کے تمام علوم پر عبور رکھتے ہیں۔ بلکہ ان کو انبیاء کہتے ہیں۔ نبی کی خاصیت تین ہیں۔ اول یہ کہ علوم جانتے ہیں بغیر کسی انسان سے سیکھے دوم یہ کہ ماضی اور مستقبل کی اطلاع دیتے ہیں بغیر کسی مثال و قیاس کے۔ سوم یہ کہ ان

Marfat.com

کی ذات اور نفس میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ جسم و صورت کو چھوڑ کر جس جسم و صورت کو چاہیں اختیار کر لیتے ہیں۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ ان کو ملائکہ سے مشابہت ہو

متذکرہ بالا متقدمین کی رائے میں انسان اپنی پیدائش کے اعتبار سے عدم علم کی کیفیت میں پیدا ہوتا ہے، مگر اس کیفیت سے عروج کا مادہ اس کے اندر موجود ہے۔ چنانچہ شرع و عقل کے لحاظ سے اپنے آپ کو حیوان سے بہتر کرنے کے لیے حصول علم ضروری ہے اس لیے اس کا تعلیم حاصل نہ کرنا مذموم ہے کیونکہ انسان کی فضیلت اس کے علم کی وجہ سے عالم کا منتہائے نظر جادہ مستقیم ہے جیسے جیسے اس کا علم ترقی کرتا جائیگا وہ اپنی منزل کی طرف گامزن ہو کر اس کے قریب ہوتا جائے گا اس کے برعکس اگر اس نے علم حاصل کرنے کی کوشش نہ کی تو اس کی جہالت میں اضافہ ہوتا جائے گا اور عدم علم کی وجہ سے فضائل کی معرفت حاصل نہ کر سکے گا اور رذائل سے غافل ہوگا اور وہ قوتیں جو اس کے مقتضائے فطرت میں سے ہیں ناکارہ ہو کر حیوانات میں شامل کر دیں گی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ کہ "اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلّ" یعنی وہ لوگ حیوانوں کے مانند ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ) اور حدیث ہے کہ "اَلنَّاسُ عَالِمٌ مُتَعَلِّمٌ وَالْبَاقِیْ ہَمَجٌ" (یعنی انسان دو قسم کے ہیں عالم یا متعلم باقی سب مکھیاں ہیں)

چنانچہ پہلا علم انسان کے لیے شرف عدالت ہے جو ظلم کی ضد ہے۔ عدل کا تقاضا ہے کہ باعتبار عقل و نقل، انسان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر پختہ یقین رکھے جو ہر قسم کے وہموں سے پاک ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک ماننا سب سے بڑا ظلم ہے۔ یہ وحدت اس معنیٰ میں نہیں جو کثرت کی ضد ہے۔ بلکہ وحدت وہ ہے جس کے سامنے ہر چیز فنا ہے حضرت محمد بن الحنیف کا قول مسطور ہے کہ "اَللّٰہُ تَعَالٰی وَاحِدٌ لَا بِالْعَدَدِ وَلَا کَالْاٰحَادِ" یعنی اللہ تعالیٰ یکتا ہے، مگر ایسا یکتا نہیں کہ شمار کر سکیں اور نہ احاد کی جو کثرت کی ضد ہے)

وحدت کی یہ معرفت عقل کے ادارک سے بالاتر ہے اور نور کشف کے علاوہ اس کا یقین ممکن نہیں اسی لئے فرمایا کہ "یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ" یعنی نور کشف حاصل کرنے کے بغیر متزلزل ایمان لانا ضروری ہے۔ چونکہ یہ علم صادق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ

Marfat.com

عالم انسانیت کو پہنچا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان بھی اسی صداقت کا جزو ہے۔ اس لیئے کلام صدق کا پہنچانے والا بھی صادق ہو گا۔

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ کچھ علوم کسبی ہیں جب کہ باقی علوم لدنی۔ علوم کسبی سے مراد حکمت بالغہ اور دوم قدرت فاضلہ، حکمت بالغہ سے مراد کمال علمی ہے۔ جب کہ قدرت فاضلہ سے مراد کمال عملی مگر علمائے متقدمین اس پر متفق ہیں کہ "حکمت" میں عمل بھی داخل ہے اور اس کی دلیل وہ نص قران مجید "وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ٥ (یعنی جس کو حکمت دی گئی اسکو خیر کثیر حاصل ہوا۔ سے کرتے ہیں اس کی مزید تشریح۔

حدیث شریف :- اَلْعِلْمُ بِدُوْنِ الْعَمَلِ وَبَالٌ وَالْعَمَلُ بِدُوْنِ الْعِلْمِ ضَلَالٌ۔

ترجمہ :- علم بغیر عمل کے وبال ہے اور عمل بغیر علم کے گمراہی) سے فرماتے ہیں۔ اس لیئے حکمت کے بہت سے شعبے ہیں جو درج ذیل کسبی علوم میں آتے ہیں جن کا حصول ہر مسلمان پر ضروری ہے اور مسلمان طالبان علم کے لیئے ان کا نصاب میں شامل، دین و دنیا دونوں کی فلاح کا باعث ہو گا۔

اول :- قران حدیث کا علم۔ اس میں متقدمین عربی زبان و ادب اور آثار صحابہ اکرام کو شامل کرتے ہیں کیونکہ عربی ادب دنیا کا قدیم ترین اور مہذب ترین ادب ہے فصحائے عرب اپنے اس اثاثے کی وجہ سے غیر عرب لوگوں کو عجمی (گونگے) کہتے تھے قران کریم کی فصاحت ایجاز لفظ اور اعجاز معنی میں ہے۔ اسی لیے فصحائے عرب نے جب قران کریم کی آیات سنی تو ان میں سے اکثر نے یہی کہا کہ "یہ قول بشر نہیں" قران کے معنی اور تشریح بعض صحابہ اکرام نے عرب شعراء کے کلام سے کی ہے۔ یہی صورت حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے صحابہ اکرام میں اس کی مکمل معرفت تھی اور ان کا عمل بھی عین مطابق حدیث تھا۔ اس لیے آثار صحابہ کا جاننا ضروری ہے فقہ کا ماخذ چونکہ کتاب سنت ہیں اس لیے علم فقہ اسی علم کا ایک حصہ ہے اور وہ تمام امراء

Marfat.com

جو متقدمین نے نقہ کے لیے وضع کیے ہیں شامل ہیں۔

دوم ا۔ علامہ نظامی عروضی سمرقندی کے نزدیک جو علوم فقط سلطنت اور سلطانی اور اس کے معاونین کے لیے ضروری ہے ان میں دبیری (انشاپردازی) اہم ہیں چونکہ خط وکتابت حکومت اور اس کے عمال کے درمیان یا پھر ایک حکومت اور دوسری حکومت کے درمیان یا پھر اغراض تجارت وغیرہ کے لیے ضروری ہیں اس لیے یہ علم جاننا ضروری جس کے ذرائع۔ علم الغات۔ زبان وادب ہیں۔ کیونکہ عرب فصحائے کا قول ہے کہ خَیرُ الکَلَامِ مَا قَلَّ وَدَلَّ۔ یعنی بہترین کلام وہ ہے جو قلیل اور مدلل ہے۔ علم الحساب جس کی ضرورت حکومت۔ تجارت وغیرہ کو ہو وہ بھی اسی زمرے میں شامل ہے۔ دوسرا مقام اس کے نزدیک علم شعر اور صلاحیت شاعر کا ہے۔ اچھا شاعر قوت غضب وشہوت سے نفرت دلاتا ہے اور قوت شجاعت وعفت کی طرف مائل کرتا ہے۔ چونکہ اپنی نوعیت میں زود اثر ہوتے ہیں اس لیے قوت ادراک اور قوت تحریک دونوں ہی مستعد ہو جاتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں اعمال صالحہ کا ارتکاب اور بہتر نظم وضبط قائم ہوتا ہے۔ تیسرا علم طب ہے۔ جس کے ذریعے بدن انسانی کی صحت مقصود ہے یعنی اگر انسانی صحت میں کوئی خلل پیدا ہو جائے تو اس کا علاج کرے۔ طبیب کے لیئے ضروری ہے کہ وہ خداشناس شریف النفس۔ رفیق الخلق ہو۔ کائنات کی ہر شے پر اس کی نظر ہو۔ تحقیق وتجزیہ کی ایسی قابلیت رکھتا ہو کہ انسانی نفع کی چیز اس سے اخذ کرے۔ ایمان میں پختہ اور اخلاق حمیدہ رکھتا ہو۔ نہ صرف نبض شناس ہو بلکہ دور رس عقل بھی رکھتا ہو۔ قصہ مذکور ہے کہ فضل بن یحییٰ برمکی بیمار ہو گیا۔ اطباء نے بہت علاج کیا مگر کوئی دوا کارگر نہ ہوئی۔ ایک طبیب حاذق نے کہا کہ آپکے والد آپ سے ناراض ہیں ان کو خوش کرو۔ مکی نے اپنے والد سے رجوع کیا وہ خوش ہو گیا اور دوا کارگر ہوئی۔

علامہ دوانی کے نزدیک انسانی تحریک کی مبدا دو چیزیں ہیں ایک طبیعت دوسرا منفعت نطفہ سے بچے کی تخلیق تک کی تحریک طبعی ہے جس پر اس کا کوئی اختیار نہیں البتہ منفعت اس کی ضرورت ہے۔ جس کے وسائل اللہ تعالیٰ نے اس کی فطرت اور تخلیق

Marfat.com

یں رکھ دیئے ۔ علم حاصل کرنے کے لیے دماغی قوت ، عمل کرنے کے اعضاء بدن اس لئے اس کو حکمت بالغہ حاصل کر کے قدرت فاضلہ سے کام لینا چاہیئے ۔ حکمت بالغہ کی رو سے جو انسانی ضروریات ہیں ان کا علم اس کو حاصل کرنا چاہیئے ۔ سب سے اول انسان کے لیئے اس کی رہائش کے لیے ایک منزل یا مکان کی ضرورت ہے ۔ اس لیے اس صناعی سے متعلق تمام علوم کا حصول اس کے لیے ضروری ہے جیسے نقشہ نویسی اجرائے عمارت کا حساب وغیرہ جس کو آج کل (آرکیٹیکٹ) کہتے ہیں ۔ اسی کا دوسرا شعبہ عمارات شاہراہ پل وغیرہ بنانے سے ہے جس کو آجکل انجنرنگ کہتے ہیں ۔

دوم انتظام معاش ۔ اس میں ذخیرہ اجناس وکسب حصول مال شامل ہے چونکہ ذہنائے علمائے کے نزدیک ناموس اصغر ہے ۔ جبکہ ناموس اکبر شریعت ہے ۔ حصول مال کے دو طریقے ہیں ۔ ایک تو بحیثیت میراث انسان کو مل جاتا ہے ۔ دوم اس کا اپنی کوششوں سے حصول ہے ۔ کسب مال کے ذرائع جو علماء نے بتائے ہیں ۔ وہ زراعت ، تجارت ، صنعت ۔ امام شافعی کے نزدیک تجارت بہتر ہے ۔ مگر ان کے شاگرد ماوردی نے اس سے اختلاف کیا ہے ان کے نزدیک تجارت میں جھوٹ اور دغگوئی شامل ہوں گے اس لیے یہ ذریعہ مشکوک ہو گیا اس لیئے زراعت بہتر ہے مگر تمام علمائے متقدمین اس پر متفق ہیں کہ جو بھی ذریعہ کسب رزق کے لیئے عمل میں لائیں اس میں دیانت ، امانت ، صداقت لازمی جزو ہیں ۔ اس لیئے طالبان علم کو ان تمام صنعتوں کی تعلیم دینا اور مذکورہ اوصاف سے متصف کرنا ضروری ہے ۔

سوم : سیاست مدنی و ملکی ۔ عام طور پر شہروں ، قبیلوں ، اور گروہوں میں مختلف قسم کے تمدن پائے جاتے ہیں جن کو آج کل سماجی زندگی کا نام دیتے ہیں ان میں اکثر ایسے رسم رواج داخل ہو جاتے ہیں جو عقل ونقل کے لحاظ سے درست نہیں ہوتے ۔ ان کو درست اور صحیح رکھنے کے لیئے ایسے تعلیمی شعبہ ہونے چاہئیں جو غلط رسم رواج کی ترویج کو روک سکیں اور لوگوں کو صحیح سمت میں رہنمائی کر سکیں ۔ یہی صورت حال سیاست ملکی کی ہے جس میں مختلف مدنی سیاست شامل ہیں ملکی سیاست کے بنیادی اصول علامہ دوانی نے

Marfat.com

مندرجہ ذیل بیان کئے ہیں ۔

۱۔ ملک فتح کرنے اور قائم کرنے کے لیئے لشکر ضروری ہے۔ جس کا منظم اور مسلح کرنا حکومت کا کام ہے ۔

۲۔ شریعت وہ سیاست ہے جس سے ملک کی حفاظت ہوتی ۔

۳۔ حاکم ، سلطان کو شریعت کا محافظ ہونا چاہیئے ۔

۴۔ دنیا ایک باغ کی مانند ہے جس کی آب پاشی حاکم وقت کا فرض ہے ۔

۵۔ مال رعیت سے حاصل ہوتا ہے ۔

۶۔ عدل پر اصلاح کا مدار ہے ۔

۷۔ رعیت میں اگر عدل ہوگا تو وہ حکومت کے وفادار ہوں گے ۔

۸۔ لشکر کی کفالت مال کے ذریعے ہوتی ہے ۔

اس لیئے وہ علوم جن کا مندرجہ بالا سے تعلق ہے مسلمانوں میں بدرجہ اتم ہونے چاہئیں اور ان کی تعلیم لوگوں کا فرض ہے کسی ایک شعبہ کو مخصوص کر لینے سے عدم توازن ہوگا اور مسلمان جس کا بنیادی تصور آزادی ہے اس کو دوسروں کی دست نگری یا غلامی پر مجبور ہونا پڑے گا ۔ اس مختصر سے بیان سے یہ مقصود ہے کہ علماء ان علوم کو محض دنیاوی علوم سمجھ کر ترک نہ کر دیں ۔

Marfat.com

فصل دوم

انبیاء و رسل کے علوم

انبیاء و رسل کے علوم سے متعلق متقدمین کی رائے مذکور ہو چکی ہے جو یہ ہے کہ اوّل ان کے علوم کے ذریعہ دنیاوی اسباب نہیں۔ اور نہ ہی ان کا معلم کوئی انسان ہے۔ بلکہ یہ علوم ان کے باطن میں اللہ تعالیٰ کے ودیعت کردہ ہیں۔ دوم یہ کہ ان کے علوم میں یہ شامل ہے کہ وہ ماضی اور مستقبل کا علم رکھتے ہیں یہ علوم مبنی بر حقائق ہیں اور کوئی دوسرا انسان یہ علوم نہیں رکھتا چونکہ باقی تمام علوم جن کا حصول انسان کے لئے ممکن ہے مبنی ہیں مثال و قیاس پر۔ اسی لئے انبیاء و رسل کے علوم مثال و قیاس سے بالاتر ہیں۔ سوم یہ کہ ان انبیاء و رسل کا فطری اور تخلیقی تعلق عالم بالا یعنی ملائکہ سے ہے اس لئے فرشتوں کی طرح ان کی ذات میں یہ ملکہ ہوتا ہے۔ کہ صورت محسوسہ میں سے جس شکل کو چاہیں اختیار کر لیں رہیں جو علوم متاخرین کے توسط سے حاصل ہوتے ہیں ان میں انبیاء و رسل کی یہ علمی حقیقت شامل نہیں۔)

اگر مندرجہ بالا تینوں علوم کا جو مخصوص ہیں ذات انبیاء و رسل سے نبی آخرالزماں حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے حوالے سے تجزیہ کریں تو معلوم ہو گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک میں یہ علوم بدرجہ اتم اسی حیثیت سے موجود تھے، جسے خطیرۃ القدس میں آپ اللہ تعالیٰ کی صفت ”علیم و خبیر و حکیم“ کے نور سے منور تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو ہدایت لیکر مبعوث ہو گئے وہ تمام آپ کی اُمت کی میراث ہے اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میراث کو حاصل کیا۔ علوم نبوت کی اسی میراث کے نور سے صحابہ کرامؓ منور تھے جب انہوں نے حجۃ الوداع کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سوال کی تصدیق کی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا کہ لوگوں گواہ رہنا کہ میں جس کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں وہ میں نے تم لوگوں تک پہنچا دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت فضیلت اور شرف بزرگ ترین ملائکہ سے بھی افضل اور اشرف ہیں مولانا روم فرماتے ہیں کہ

Marfat.com

از الم نشرح دو چشمش سرمہ یافت　　　دید آنچہ جبرئیل آں بر نتافت

یعنی اللہ تعالیٰ کے قول "کہ ہم نے تمہارے قلب کو کھول کر کلی طور سے اپنے نور سے منور کر دیا۔ کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم مبارک نے سرمہ حاصل کیا اور اس نظارہ کی متحمل ہوئیں جس کی قدرت جبرئیل آمین بھی جبلی و خلقی قوتوں کے باوجود حاصل نہ کر سکے۔ اسی کیفیت کی مزید تشریح کے لئے فرماتے ہیں کہ :-

"زاں محمد شافع ہر داغ بود　　　کہ ز جز حق چشم او مازاغ بود

ترجمہ: اسی وجہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق کے لئے ان کے تمام گناہوں کے شفیع اور سفارش کرنے والے ہیں اس لئے کہ آپ کی چشم بصیرت میں اتنی وسعت ہے کہ وہ نظارہ حق کے وقت نہ ٹھٹکی اور بھٹکی اس نور ربانی کا یہ عالم ہے کہ اس کے ذرا سے پرتو سے حضرت موسیٰ بے ہوش ہو گئے اور پہاڑ پارہ پارہ ہو گیا۔

او شفیع است ایں جہاں و آں جہاں　　　ایں جہاں در دین و آں جا در جناں

ایں جہاں گوید کہ تو رہ شاں نما　　　واں جہاں گوید کہ تو مہ شاں نما

پیشہ اش اندر ظہور و در کمون　　　اِھْدِ قَوْمِیْ اِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔

ترجمہ: اس عالم اور عالم آخرت دونوں میں شفیع اور سفارش کرنے والے ہیں۔ اس عالم میں دین مستقیم کی ہدایت کے لئے اور عالم آخرت میں جنت کے لئے۔ اس جہان والوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ تو ان کو راہ ہدایت پر چلا، اور عالم آخرت میں سفارش کریں گے کہ اے اللہ تو ان کو اپنا نور جو مہتاب کے مانند ہے) وہ دکھا کر جنت میں داخل کر۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر و باطن کا واحد مقصد یہی ہے کہ اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے اس لئے کہ وہ لاعلم ہیں۔

انسان اپنی خلقت میں "عدم علم" کی کیفیت میں پیدا ہوا ہے اس کے نفس میں

Marfat.com

قوت بہیمیہ۔ سبیعہ۔ نطیقہ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے ودیعت کی گئی ہیں ایک قوت سے دوسری قوت کی طرف عروج انسان کی اپنی سعی و کوشش پر مبنی ہے۔ عقل اور حصول علم اس عروج کا ذریعہ ہیں۔ انسان کی زندگی ایک جہد مسلسل سے تعبیر ہے اگر وہ ایک مقام پر رک کر رہ گیا تو یہ اس کے لئے خسارہ کا باعث ہوگا۔ پہلا علم جو انسان حاصل کرتا ہے وہ اس کی ماں کی گود ہے پھر اپنے اردگرد کے ماحول سے اثر لیتا ہے اور اپنے آباؤ اجداد کی طرز زندگی اختیار کرتا ہے اور اسی کو اپنا ماحصل زندگی سمجھتا ہے اور اسی مقام سے وابستہ ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل اسی لیے مبعوث کئے وہ انسان کو اس گرداب سے نکال کر معرفتِ الٰہی سے روشناس کرائیں مگر بعض انسان اپنے آباؤ اجداد سے حاصل کردہ علوم میں اتنے راسخ ہو جاتے ہیں کہ ان کے نزدیک مزید کسی علم کی ضرورت نہیں رہتی اور وہ اپنے آپ کو عالم سمجھنے لگتے ہیں ایسے ہی لوگوں کو احمق کہا جاتا ہے چونکہ وہ اپنے ذہنوں کو نئے علوم و معارف کے لئے بند کر لیتے ہیں اللہ تعالیٰ کا قول کہ "ہم نے ان کے قلوب پر مہر لگا دی" ایسے ہی لوگوں کے لئے وارد ہوا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو انبیاء و رسل مبعوث ہوئے ہیں انہوں نے بھی اپنی تعلیم کے ذریعے ہدایت کی راہ دکھائی اور یہ "مہریں" کھولنے کی کوشش کی مگر ہر ایک کی تعلیم محدود تھی کسی خاص قوم کے لئے یا کسی خاص برائی سے تدارک کے لئے اس لئے ان کی کامیابی محدود تھی۔ جو مشیت الٰہی کی پابند تھیں۔ علوم و معرفت کی راہوں کو کلی حیثیت سے آشکار کرنا اور ان کی تعلیم دینا ان انبیائے سابقین کے درجات میں سے نہ تھا اسی لئے انسانی ذہنوں پر علم و معرفت کے حصول کے لئے جو "مہریں" تھیں وہ باقی رہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے جو تکمیل طلب امور تھے وہ مکمل ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے انسانی ذہن میں وہ کشادگی آگئی جس سے وہ اپنی تکمیل کر سکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے سبب انسانوں کے دلوں پر جو "تالے اور مہریں" تھیں وہ سب کھول دی گئیں اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو "خاتم النبیین" کہا گیا۔ مولانا روم ؒ

Marfat.com

فرماتے ہیں کہ:۔

تا ز راہ ختم پیغمبراں ۔۔۔۔ بو کہ برخیزد زلب ختم گراں

ختم ہائے کابنیا بگذاشتہ اند ۔۔۔۔ آں بدین احمدی برداشتند

قفلہائے ناکشادہ ماندہ بود ۔۔۔۔ از کف اِنّا فتحنا برکشود

ترجمہ: تاکہ ختم ابنیاء کے بتلائے ہوئے راستہ پر عمل کر کے انسان ان بھاری "مہروں" کو اپنے قلوب اور لبوں سے ہٹا سکے۔ وہ "مہریں" جو ابنیائے سابقین چھوڑ گئے تھے ان کو دین احمدی پر عمل کر کے ہی اٹھایا جا سکتا ہے۔ وہ تالے جو بند کے بند رہ گئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک نے کھول دیئے۔

ان تالوں اور مہروں کے کھولنے سے یہی مراد ہے کہ انسان دین احمدی میں داخل ہو کر وہ تمام علوم و معارف حاصل کر سکتا ہے جو اسکو اللہ تعالیٰ سے واصل کر دیں قبول دین کے لئے ضروری ہے کہ انسان میں صدق و خلوص ہو۔ محض عقل و معجزات کا سہارا کافی نہیں ہے۔ اسی لئے مولانا روم فرماتے ہیں:۔

معجزہ جست از نبی بوجہل سگ ۔۔۔۔ دیدہ نفتہ و دوش الا کہ شک

لیک آں صدیق حق معجز نخواست ۔۔۔۔ گفت زیں رو خود نگوید غیر راست

ترجمہ: ابوجہل نے ایمان لانے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزہ چاہا، مگر معجزہ دیکھنے سے بھی اس کی دیدہ بصیرت نہ کھلیں بلکہ اور شک میں مبتلا ہو گیا اس کے برعکس حضرت ابوبکر صدیقؓ جو حق و صداقت میں مخلص تھے انہوں نے کسی معجزہ کی درخواست نہ کی بلکہ برملا فرما دیا کہ یہ روئے روشن سچ اور حق کے علاوہ کچھ اور نہیں کہتا:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا افضل الابنیاء اور اشرف الرسل ہونا مذکورہ بالا بیان سے معلوم و مکشوف ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم "ناآموختہ" عالم انسانیت پر ظاہر ہیں ان میں سے سب سے اول قرآن مجید ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

ہو وحی کیا۔ قرآن مجید خود اپنے بارے میں اپنے نزول کی مختلف منزلیں تعین کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد کہ: اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ۔ یعنی ہم نے اس کو ایک ہی رات میں جس کو شب قدر کہا گیا ہے نازل کیا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے "شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ۔ یعنی ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا اور پھر درجہ بدرجہ اور فوقتاً حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تقریباً تئیس سال میں عربی لغت اور حروف تہجی کے لباس میں وحی کیا گیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ علوم کا تعلق انسانی عقل وروح سے ہے، اور حروف اس کا ذریعہ ہیں تاکہ ان کے واسطے سے دوسرے انسان یہ علوم حاصل کر سکیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو یہ علوم بغیر کسی ذریعہ اور واسطے کے اللہ تعالیٰ نے سکھائے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ "عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا۔ یعنی آدم کو تمام علوم اسماء سکھا دیئے گئے۔ اس سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی عقل وروح میں تمام کائنات کی صورت، ماہیت اثر وغیرہ القا کئے بلا واسطہ حروف و کلمات کیونکہ حروف و کلمات کو ادا کرنے کے لئے چند اسباب یعنی منہ، زبان ہوا وغیرہ درکار ہیں جن سے ذات باری تعالیٰ پاک و منزہ ہے۔ یہی صورت قرآن مجید کی ہے کہ اولاً یہ خطیرۃ القدس کے نفوس میں نازل کیا گیا ایک ہی شب میں اس لئے کہ ان نفوس میں منشائے الٰہی کے سمجھنے کی صلاحیت اللہ تعالیٰ کے قرب کی وجہ سے ہے۔ جہاں سے ماہ رمضان کے پورے مہینے میں اس کا نزول ملاء اعلیٰ کی طرف ہوا جو مقرب فرشتوں کی جماعت ہے انہوں نے اس کلام کو عربی الفاظ اور لغت میں منتقل کیا۔ اور حضرت جبریل کے توسط سے اس کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کیا گیا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ اس کی تشریح ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ:۔

بدانند کہ چوں در ازل پیش از زمان تجلی اعظم در سطح حقیقۃ مطلقہ متعین شد۔ کمالے از کمالات تجلی اعظم بوئے قائم شد۔ مانند قیام منور بجسم آفتاب و آں کمال نیر نفوس۔ انسانیہ است۔ بعلوم منزلہ از راہ نفوس کاملہ از میان نفوس بنی آدم بر قانون علومے کہ صورت انسان آنرا اقتضا می کند در افراد خود باقتضائے اولی بدون شرط اشتغال

باسیاب کشف یا مقامات ادلہ عقلیہ ومانند آں وایں کمال یک تعینے امتیاز بے پیدا کردہ است ویک مدے جامع ومانع بہم رسانیدہ۔ بعد ازاں در عکوس تجلی اعظم در احاربعتہ ملاء اعلی متعین شدہ است صور تے دیگر گرفت وپنج علم آنجا ممہد شدند۔ تذکیر بالا اللہ وبایام اللہ وبجازات المعاد مخاصمت کفار۔ وتعیین احکام در عبادات وتالیف منزلی، وتالیف مدنی ودائرہ کشادہ تر شد بعد ازاں چوں حضرت پیامبر صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث شدند آں علوم بمدد غیبی کہ از صلب خطیرۃ القدس برخاستہ است وہم ملاء اعلی ہمہ آں را تعین نمودہ وجبریل مقدم الشائست دریں تعین در لطیفہ عقلیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لباس لغت عربیت واسلوب بدیع سور وآیات پوشید وآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آں را بمردماں رسانیدید[1]

ترجمہ:۔ جاننا چاہیئے کہ ازل میں تجلی اعظم رالللہ تعالیٰ نے زمان و مکان کی تخلیق سے تعلق رکھنے والے تمام حقائق متعین کرے۔ اور تجلی اعظم نے ان کی تکمیل کا ارادہ فرمایا۔ تو اس کے جزواول کی حیثیت سے صورت اور اس کے اندر گرمی اور روشنی پیدا کی اور یہ پہلا قدم تھا۔ آدم علیہ السلام اور اس کی اولاد جس کو انسان کہا گیا ہے کی تخلیق اور تکمیل کی جانب۔ انسان کے اندر علم حاصل کرنے کے استعداد رکھی گئی۔ اس کی وجہ سے یہ ضروری ہوا کہ نفوس کاملہ کے توسط سے اللہ تعالیٰ کی صفت علیم میں سے کچھ علوم نازل کئے جائیں اور وہ علوم اس قانون کے مطابق ہوں جس کا انسانی عقل وروح اور صورت تقاضا کرتی ہے اس غرض سے علوم کی ایک شکل متعین ہوئی جس کا تعلق اسباب کشف اور دلائل ومقدمات عقلیہ اور ان جیسے دوسرے اور اک کا کمال اور حصول سے تھا۔ انسان کا کمالات کے حصول کے لئے جامع حدیں مقرر ہوئی۔ اور ان کمالات کے حصول سے مانع کیفیتوں کا بھی

---

[1] کلمات الطیبات صفحہ نمبر ۱۶۶

Marfat.com

تعین کر دیا گیا اس کے بعد تجلی اعظم کا پرتو (حجر بہت۔ ایک صوفیانہ اصطلاح ہے) اور ملاء اعلیٰ پر پڑا۔ اس مقام پر ان علوم نے ایک اور صورت اختیار کی اور یہیں سے پانچ علوم کی ابتداء ہوئی اول اللہ تعالیٰ کا ذکر۔ اس کی ذات اور زمانے کے لحاظ سے (زمانے کے لحاظ سے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے صفاتی اسماء سے تدبر اور تفکر کے ذریعے مستفید ہوں) دوم عقل معاد کے ذریعے تدبر اور تفکر کر کے مجازی حقائق حاصل کریں اور کفار سے مخاصمت اور جہاد کریں۔ سوم اللہ تعالیٰ کی عبدیت اور بندگی میں استقامت کے ساتھ اس کی عبادت کے احکام۔ چہارم۔ انسان کا اپنے لئے قیام گاہ۔ منزل اور وطنیت کی طرف رجحان اور اس کے آداب اور پنجم۔ انسان کی تمدن۔ معاشرت و معاشرت میں الفت۔ اس کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو گئے تب یہ علوم غیبی مدد سے خطیرۃ القدس کے احاطے سے نکل کر ملاء اعلیٰ کی ہمت عالیہ تک پہنچے اور وہاں سے حضرت جبریل کے ذریعہ جن کا ملاء اعلیٰ میں عظیم مقام ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لطیفہ عقلیہ میں متعین ہوئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان علوم کو عربی لغت کا لباس عنایت کر کے ایک نیا اسلوب بیان دیا اور ان کی سورتیں اور آیات مقرر کر کے لوگوں تک پہنچایا۔

اس بیان سے یہ ظاہر ہوا کہ کلام مجید کی تلاوت اور عربی لغت کے اعتبار سے اس کی تشریح و تفسیر اس کے نزول کا مقصد نہیں کیونکہ قرآن مجید کی یہ ظاہری صورت اس کے حادث ہونے کی دلیل ہے جبکہ اصل میں اس کا تعلق علم الٰہی سے ہونے کی وجہ سے قدیم ہے" شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ "پس قرآن قدیم است باصل خود و محدث است باعتبار نزول در عربی" (یعنی قرآن اپنی اصل کے اعتبار سے قدیم ہے اور عربی میں نازل ہونے کی وجہ سے حادث)۔ پس معلوم ہوا کہ اسماء الٰہی کا مقصد نور الٰہی کی معرفت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

Marfat.com

بتلائے طریقے پر عمل کر کے اور احادیث مبارکہ کے وسیلہ سے قرآن کریم میں تدبر و تفکر کر کے حاصل ہو سکتا ہے۔

دوسری قوت جس سے انبیاء اکرام متصف ہیں، ان کا ماضی اور مستقبل سے متعلق خبر دینا ہے یہ صفت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے دو صورتوں میں منقسم ہے۔ اول بذریعہ وحی الٰہی چنانچہ قرآن کریم شاہد ہے کہ "یوم الست" سے لیکر "یوم الحساب" تک کی تفصیلی خبر دی گئی۔ اس میں تخلیق انسانی کا ہر پہلو سے انکشاف کیا گیا کہ کیسے اولاً نطفہ کی شکل میں تھا پھر منجمد خون کی شکل اختیار کی اور بعد کو گوشت کا لوتھڑا بنا پھر اس میں ہڈیاں پیدا کر کے اس کو مکمل انسان کی شکل بخشی گئی۔ اسی صورت سے کفار کا حضرت باری تعالیٰ کے حضور ان معبودان باطل جن کو وہ خدا کا شریک سمجھ کر پوجتے تھے انکار ہے جس کو وہ یوم الحساب میں کریں گے۔ ہر شخص کے اعمال کا حساب اور عضو جسمانی کا کلام کرنا اور ان اعمال کی تصدیق کرنا جو انسان نے اپنی دنیاوی زندگی میں کئے ہوں گے اور ان اعضائے جسمانی کی گواہی پھر اللہ تعالیٰ کی صفت عدل قائم ہونا اور ہر شخص کے لئے اس کے اعمال کے مطابق جزا و سزا کا حکم صادر فرمانا۔ جنت میں آرام و راحت کی کیفیت اور دوزخ میں عذاب کا صریح بیان بھی مذکور ہے۔

دوسری صورت وہ ہے جس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک سے تعلق ہے چونکہ آپ کی ذات مبارک میں وہ تمام اوصاف موجود تھے جن سے اجرام فلکی متصف ہیں۔ اسی وجہ سے آپ وہ خبر بھی دے دیتے تھے جس سے عام انسان واقف نہ تھے مثلاً جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین مکہ سے جہاد کی تیاری میں مصروف تھے، تو ایک صحابی کا ایک عورت کے ذریعہ اس کا پیغام کفار مکہ تک پہنچانے کی کوشش کرنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کی خبر دینا اور اس عورت کے پاس سے خط برآمد ہونا۔ دیگر یہ کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سحر کی وجہ سے تکلیف محسوس کرنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سحر کے متعلق اور اسباب سحر سے باخبر ہونا اور اس کا ازالہ۔ یہ دونوں واقعات کتب سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مذکور ہیں۔ مولانا رومؒ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

اپنے اصحاب گرامی کے ساتھ کسی سفر پر تھے کہ ایسے مقام پر قیام ہوا جہاں پر پانی دستیاب نہیں تھا۔ صحابہ کرام نے خدمت میں اقدس میں پانی کی نایابی کی شکایت کی آپ نے فرمایا کہ چند کوس کے فاصلے پر ایک حبشی غلام اپنے مالک کے لئے پانی لے کر جا رہا ہے۔ اس کو میرے پاس لے آؤ جب صحابہ کرام اس غلام کو لیکر حاضر خدمت ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی میں اپنا دست مبارک ڈال دیا وہ پانی تمام لوگوں اور جانوروں کو کافی ہونے کے باوجود اسی قدر باقی رہا جس قدر وہ پہلے تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دور دراز کسی غلام کا خبر دینا۔ خبر غیب سے تعلق رکھتا ہے اس قسم کے واقعات بکثرت مذکور ہیں۔ بعض علماء نے ان سے استدلال کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو "علم غیب" تھا جبکہ بعض نے اس کے برعکس ان واقعات کو وحی پر مبنی کہا ہے اور ایسے علماء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک میں قوت ملکوتی کے قائل نہیں۔ مگر اس کو کیا کہیئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں خطبہ دیتے ہوئے ایک جماعت مجاہدین کے سپہ سالار کو جو سینکڑوں کوسوں دور جہاد میں مشغول تھے خطاب کیا اور فرمایا کہ پہاڑ کے پیچھے کا دفاع کرو اور سپہ سالار مذکور نے اس خطاب کو سن کر اس پر عمل کیا۔ اگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ قوت بغرض تعلیم موجود نہیں تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ میراث کیسے ملی۔

حضرت عبدالعزیز دباغ نے اس ضمن میں ارشاد فرمایا جس کو صفحہ ۸۹ کتاب موسومہ ابریز سے نقل کیا جاتا ہے۔

"پس روح محمدی چونکہ اطلاع میں بھی قوی تر ہے کہ عالم کی کوئی چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محجوب نہیں رکھی گئی اور آپ کو عرش و فرش۔ علو و سفل۔ دنیا و آخرت اور دوزخ و جنت سب کی اطلاع دی گئی ہے کہ سب پیدا ہی آپ کی وجہ سے ہوئے ہیں۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تمیز و حقیقت شناسی بھی تمام علوم پر حاوی ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو افلاک کے متعلق واقفیت ہے کہ کسی چیز سے بنائے گئے ہیں اور کب بنائے گئے ہیں اور کیوں بنائے گئے ہیں اور ہر جرم فلکی کا مرجع و منتہا کہاں ہے اسی طرح ہر آسمان کے فرشتوں کی حقیقت آپ کو معلوم ہے کہ کون فرشتہ کس فلک پر ہے اور کہاں پیدا کئے گئے ہیں اور

Marfat.com

کس کام کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور انجام کار کیا ہوگا۔ نیز ان کے اختلاف مراتب اور منتہائے درجات سے بھی واقف ہیں۔ نیز عالم علوی کے نورانی اجرام مثلاً ستاروں، چاند، سورج، لوح و قلم برزخ اور برزخی ارواح کے متعلق بھی تمیز حاصل ہے اسی طرح ساتوں زمینوں اور ہر زمین اور ہر زمین کی تمامی مخلوقات اور بر و بحر میں جو کچھ بھی آباد ہے سب کی تمیز اسی تفصیل کے ساتھ حاصل ہے۔

آیت شریفہ: فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا۔ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔ کی تفسیر میں بھی یہ لکھا گیا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے علم ازلی کے معلومات غیر متناہیہ میں سے اول تمامی ارواح کو حقیقت شناسی و قوت تمیز عطا فرما کر بہت کچھ مغیبات پر مطلع کیا گیا اور پھر روح محمدی ﷺ کو سید الارواح بنا کر تمامی عوالم کے بے شمار مغیبات پر مطلع کیا گیا۔

Marfat.com

فصل سوم

علوم تشریعی اور علوم تکوینی

قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر کا قصہ مذکور ہے۔ جس سے علوم تشریعی اور علوم تکوینی دونوں کی کیفیت جداگانہ کر دی گئی۔ جیسا کہ مذکور ہے کہ حضرت خضر نے ایک کشتی کو توڑ کر اس میں عیب ڈال دیا۔ پھر ایک نوعمر لڑکے کو قتل کر دیا اور ایک گرتی ہوئی دیوار کو سیدھا کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے باوجود یہ کہ حضرت کی معیت اختیار کرتے وقت وعدہ کیا تھا کہ ان کے کسی فعل پر اعتراض نہیں کریں گے۔ پھر مذکورہ ہر تینوں افعال پر اعتراض کیا، کہا جا سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ نے وعدے کے خلاف کیا مگر چونکہ آپ تشریعی علوم سے مغلوب تھے جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ تھے اور ہر وقت مشاہدہ حق میں مشغول رہتے تھے اور اس کے احکام کی پیروی کرتے تھے، شریعت ان تمام امور کی جو حضرت خضر سے سرزد ہوئے اجازت نہیں دیتی اس لئے حضرت موسیٰ نے اپنے وعدے کا پاس نہ کرتے ہوئے مغلوب الشریعت ہو کر اعتراض فرمایا اس سے یہ مقصود واضح ہو جاتا ہے کہ علوم تشریعی، علوم تکوینی سے مقدم ہیں اور علوم اور اعمال تکوینی علوم شریعت پر عمل کر کے ہی حاصل ہو سکتے ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت خضر نے اپنے اعمال کی مدافعت اور ان کو اتباع حکم ایزدی قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ "وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي" یعنی میں نے ان افعال کا ارتکاب محض اپنی خواہش سے نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا ہے اس سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں میں سے بعض کو "اہل خدمت" بنا دیتا ہے جیسا کہ علمائے ربانی اور صوفیائے کرام کا عقیدہ ہے یہ "اہل خدمت" حضرات اپنی منشا مرضی سے کچھ بھی نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری کرتے ہیں۔ حضرت خضر نے کشتی کو عیب دار بنانے کے متعلق کہا کہ "فَأَرَدْتُ أَنْ أَعِيبَهَا" یعنی میں نے ارادہ کیا کہ کشتی کو عیب دار کر دوں اور لڑکے کے قتل کے بارے میں فرمایا کہ "فَأَرَدْنَا أَنْ يُبْدِلَهُمَا" یعنی ہم نے ارادہ

Marfat.com

کیا اس لڑکے کے والدین کو اس کا بدل مل جائے اور دیوار کے سیدھا کرنے کی غرض آپ نے یہ فرمائی کہ "فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا" یعنی تیرے رب نے ارادہ کیا کہ یہ کم سن بچے بالغ ہو کر خزانہ حاصل کرلیں۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ "رَبُّكَ" میں ک کی ضمیر راجع ہے حضرت موسیٰ کی طرف حالانکہ وہی رب حضرت خضر کا بھی ہے۔ اس سے یہ بیان مقصود ہے کہ حضرت موسیٰ کو ہمہ وقت مشاہدہ حق حاصل تھا اور اللہ تعالیٰ کے نور سے ان کا قلب منور تھا اور یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام قربت و منزلت اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ تھی۔ حضرت خضر کا مقام ان سے ادنیٰ تھا۔ جیسے کوئی رعیت کا آدمی بادشاہ کے کسی مقرب کارکن سے کہے۔ "تمہارے بادشاہ نے یہ کہا"۔ اس سے مراد ہرگز یہ نہ ہو گی کہ کہنے والا اپنے آپ کو بادشاہ کی رعیت تسلیم نہیں کرتا بلکہ اس سے اس کارکن کے تقرب کا اظہار ہو گا۔

ان علوم تکوینی کے بھی دو منبع اور مخرج ہیں ایک یہ کہ شریعت اور دین محمدی پر عمل کر کے ایسی استعداد حاصل کرلے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان میں ایسی قوتیں پیدا کر دے جو اس خدمت کے لئے ضروری ہیں۔ مگر ان قوتوں کا استعمال اللہ تعالیٰ کے ارادے اور منشاء کا تابع ہو گا۔ جیسے حضرت خضر نے کشتی کو عیب دار کرنے کے ارادہ کو اپنی طرف منسوب کیا اور ضمیر واحد استعمال کی ہے اور دوسرے واقعہ قتل طفل میں ضمیر جمع استعمال یعنی ہم لوگوں نے ارادہ کیا اور تیسرے واقعہ دیوار سیدھی کرنے میں اللہ تعالیٰ کے ارادے کا اظہار کیا ہے۔ بظاہر یہ تقریر متضاد نظر آتی ہے۔ مگر حقیقتاً ایسا نہیں صوفیاء کے نزدیک اہل خدمت کے تین مقامات ہیں۔ اول یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی ایک اہل خدمت کو کسی کام کرنے کا حکم دیتا اور اس پر اپنا ارادہ القا کر دیتا ہے۔ ایسی صورت میں فعل کا سرزد اس اہل خدمت کی طرف راجع ہو گا۔ دوم یہ کہ اہل خدمت ایک جگہ جمع ہوتے ہیں جس کو دیوان کہا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنا حکم تمام کے قلوب پر القا کرتا ہے اور سب کا اس سلسلے میں اجماع ہوتا ہے۔ اس لئے ارتکاب فعل راجع ہو گا سب کی طرف۔ سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنا ارادہ صریحاً کسی اہل خدمت پر وارد کر دیتا ہے۔ اس صورت میں یہ فعل ارادہ و مشیت الٰہی کے

Marfat.com

تحت آئے گا۔ اسی واسطے حضرت خضر نے آخر میں فرمایا کہ " یہ تمام کام میں نے محض اپنے ارادے اور منشا سے نہیں کئے "۔

دوسرا طریقہ استدراج وہ عمل ہے جو سحر یا شیطان سے مغلوب ہو کر حاصل کئے جاتے ہیں۔ یہ طریقہ انتہائی ناپسندیدہ اور مذموم ہے۔ کچھ لوگ اس قسم کے علوم سے ایسا ملکہ حاصل کر لیتے ہیں کہ اپنے اصلی جسم سے نکل کر دوسری شکلوں میں ظاہر ہو جاتے ہیں جیسا کہ مشہور ہے کہ جنات اور شیاطین بلی یا سانپ کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ بعض انسان کے بھی ہیبت ناک صورت اختیار کرنے کے واقعات شنیدہ ہیں۔

اعجاز الحق قدوسی مؤلف " شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات "[1] نے حضرت گنگوہی کا ایک خرق عادت قصہ لکھا ہے۔ لکھتے ہیں کہ ایک سنیاسی آپ سے ملاقات کے لئے آیا اور اپنے بہت سے کمالات اور خرق عادات اکتسابات کا آپ سے ذکر کرنے لگا۔ حضرت شیخ مذکور نے پوچھا کہ تمہاری نظر میں تمہارا سب سے بڑا کمال کیا ہے اس نے جواب دیا کہ میں اپنے جسم کو فنا کر کے پانی میں تبدیل ہو جاتا ہوں تو آپ نے کہا کہ اچھا کر کے دکھاؤ تو وہ سنیاسی، اپنی جسمانیت فنا کر کے پانی میں تبدیل ہو گیا حضرت گنگوہی نے اس پانی میں سے ایک روئی کا ٹکڑا بھگو لیا اور جب وہ سنیاسی اپنی اصلی حالت میں آگیا تو حضرت گنگوہی نے بھی ایسا ہی کیا کہ جسم کو فنا کر کے پانی میں تبدیل ہو گئے تو سنیاسی نے ایک روئی کا ٹکڑا ان کے پانی سے بھی تر کر لیا۔ جب آپ اپنی اصلی حالت میں آئے تو دونوں پانیوں سے تر کی ہوئی روئی کو سونگھا گیا تو سنیاسی والے پانی کی روئی میں انتہائی غلیظ بدبو تھی۔ جب کہ حضرت گنگوہی کے پانی سے جو روئی تر کی گئی تھی اس میں بہت اعلیٰ درجہ کی خوشبو تھی جس نے اطراف کو معطر کر دیا تھا۔

عبدالرشید محمود نے بھی " سیرت قدوسیہ مطبوعہ دیوبند ۱۳۲۹ھ " میں بھی اس قسم کے واقعات درج کئے۔ خاص طور سے سماع کی حالت میں آپ پر عجیب و غریب کیفیات

---

[1] مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء

Marfat.com

نمودار ہوتی تھیں۔ مگر بعد میں آپ نے سماع ترک کر دیا تھا۔

مذکورہ تحریر کردہ بیان اس امر کی تمہید ہے جو نظامی عروضی سمرقندی نے اوصاف انبیا کے سلسلہ میں بیان کی ان میں سے تیسری اور آخری صفت یہ ہے۔ انبیا جس شکل میں چاہیں اپنے کو متشکل کرنے کا ملکہ رکھتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا اصحاب کرامؓ سے اس قسم کی روایات نہیں ملتی۔ تاہم علمائے ربانی اور اولیاء اللہ سے اس قسم کی روایات صد ہا کتابوں میں مذکور ہیں جیسے حضرت گنگوہی کے متعلق ذکر کیا جا چکا ہے۔ حضرت عبدالعزیز دباغ کے ارشادات سے بھی ان کی تصدیق ہوتی ہے۔ ابریز حصہ دوم کے صفحہ ۱۰۷ پر درج ہے کہ "اللہ تعالیٰ جب کسی ولی (اہل خدمت) کو ایسے مقام پر تعینات فرماتا ہے جیسے گرمی سردی وغیرہ کسی مانع کی وجہ سے اسکی ذات ترابی برداشت نہیں کر سکتی تو اس کی روح اسکے بدن سے نکل کر اس جسم میں داخل ہو جاتی ہے جو اس گرمی و سردی کو برداشت کر سکتا ہے اور اس طرح خدمت مفوضہ کو انجام دے لیتا ہے" اور فرماتے ہیں کہ اہل تصرف کو یہ نعمتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی برکت سے حاصل ہوتی ہیں لہذا ان سب کا شمار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہے بلکہ جو خوارق عادات حضرات انبیاء کو عطا ہوئے وہ مع شے زائد غلامان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئے (صفحہ ۶۸) خوارق عادت غیر مسلموں کو بھی حاصل ہو جاتے ہیں اس سلسلے میں حضرت دباغ مذکور فرماتے ہیں کہ نور کے لشکر اور ظلمت کے لشکر میں شدید جنگ رہتی ہے۔ شیاطین میں ظلمت اور باطل کی قوت ہے۔ جب کہ اولیاء اللہ میں حق اور نور کی قوت ہے اور ظلمت اور نور دو لشکر ہیں۔ اہل ظلمت کی قوت شیاطین کی طرف سے جبکہ اہل اللہ کی قوت نور حق ہے۔ اپنے شیخ کا ایک خوبصورت عورت کی شکل اختیار کرنے کے بارے میں "ابریز حصہ اول" کے صفحہ ۴ پر یوں ذکر فرماتے ہیں۔

"حضرت عبداللہ برناوی کے ساتھ مجھے بہت قصے پیش آئے جن میں سے عجیب ترین یہ ہے کہ ایک دن انہوں نے عورت کی صورت میں آکر مجھے بہت پھسلایا اور بار بار اصرار سے اپنی طرف مائل کیا۔ صورت یہ ہوئی میں محلہ جزائر بن عامر میں کھڑا تھا۔ ایک

Marfat.com

عورت چادر اوڑھے ہوئے منہ پر نقاب ڈالے خوشبو میں مہکی ہوئی صاف ستھری نہایت حسینہ وجمیلہ میرے پاس آئی اور کہنے لگی۔ اے میرے سردار ذرا تنہائی میں آپ سے باتیں کرنے کو میرا دل چاہتا ہے۔ یہ سن کر میں بے تحاشا بھاگا اور جب آدمیوں کے مجمع میں پہنچ گیا تو ٹھہر گیا اور سمجھا کہ اب جان بچ گئی۔ مگر صیف میں پہنچا تھا کہ دیکھتا ہوں وہ میرے پاس کھڑی ہے اور مجھے اپنی طرف پھسلا رہی ہے میں پھر بھاگا اور شراملین پہنچ کر دم لیا اور سمجھا کہ اب اس کی امید منقطع ہو گئی ہو گی۔ مگر دیکھتا ہوں کہ وہ میرے پاس کھڑی پھسلا رہی ہے میں پھر بھاگا اور شماعین میں پہنچا مگر دیکھتا ہوں کہ وہ میرے ساتھ ہے اور پاس کھڑی ہے میں پھر بھاگا اور مسجد قدوین کی شرقی جانب پہنچا اور سمجھا کہ بس اب نجات مل گئی۔ مگر دیکھا کہ وہ میرے پاس کھڑی ہے میں پھر بھاگا حتیٰ کہ صفارین تک پہنچا اور سمجھا کہ بس اب بچ گیا مگر دیکھتا ہوں کہ وہ پاس کھڑی ہے۔ میں پھر بھاگا اور اب دوبارہ شماعین تک پہنچا اور سمجھا کہ اب چھٹکارا مل گیا مگر دیکھتا ہوں کہ وہ پاس کھڑی پھسلا رہی ہے میں پھر بھاگا حتیٰ کہ مسجد قدوین میں جا گھسا اور دل میں کہا کہ بس اب پیچھا چھوٹ گیا مگر بڑے فانوس کے پاس پہنچا تو دیکھتا ہوں وہ میرے پاس کھڑی ہے اس وقت مجھ پر غلبہ ہوا اور قریب تھا کہ میں غل مچاؤں اور لوگ جمع ہو جائیں کہ وہ عورت دفعتاً عبداللہ برناوی بن گئی اور فرمایا کہ یہ کارنامہ تو میرا تھا اور تم کو آزمانے کے لئے کیا تھا کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ سادات کا میلان طبع عورتوں کی طرف زیادہ ہے۔ سو الحمد للہ تم کو ایسا ہی پایا جیسا میں چاہتا تھا اور بہت خوش ہوئے "

بعض دفعہ خوارق عادت کا ظہور مذاہب قدیم والے جیسے یہودی و نصاریٰ وغیرہ بھی حاصل کر لیتے ہیں۔ اس ضمن میں حضرت عبدالعزیز دباغ سے ایک قصہ منقول ہے۔ جو ابریز حصہ دوم کے صفحہ ۸۹ پر اس طرح سے ہے کہ:

" حضرت ابراہیم خواص ایک صوفی تھے اتفاقاً کشتی کے ایک سفر میں ان کا اور ایک یہودی کا ساتھ ہو گیا اور باہمی رفاقت ہو گئی۔ یہودی نے شیخ سے کہا

Marfat.com

کہ اگر تمہارا دین سچا ہے تو سطح دریا پر چلو۔ ورنہ میں چلتا ہوں یہ کہہ کر وہ اٹھا اور پانی پر چلنے لگا اس پر حضرت ابراہیم خواص نے بھی اپنے آپ کو پانی میں ڈال دیا اللہ تعالیٰ نے مدد کی اور وہ بھی پانی پر چلنے لگے جب دریا سے باہر نکلے تو یہودی نے کہا کہ میں سفر میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ آپ نے اجازت دیدی۔ یہودی نے کہا کہ شرط یہ ہے کہ نہ ہم مسجد میں جائیں گے کہ وہ مجھے پسند نہیں اور نہ آپ ہماری عبادت گاہ میں جائیں کہ وہ آپ کو پسند نہیں۔ نہ شہر میں بھی نہ جائیں کہ لوگ کہیں گے کہ مسلمان اور یہودی ساتھ ساتھ ہیں بس جنگلوں میں پھرتے رہیں گے آپ نے منظور کر لیا چنانچہ تین دنوں تک جنگلوں میں پھرتے رہے اور کوئی چیز کھانے کو نہ ملی۔ آخر ایک جگہ بیٹھ گئے ایک کتا آیا اس کے منہ میں تین روٹیاں تھیں وہ روٹیاں اس کتے نے یہودی کے سامنے ڈال دیں اور چلا گیا اس نے تینوں روٹیاں کھالیں اور حضرت ابراہیم خواص سے کھانے میں شرکت کو بھی نہ کہا۔ تھوڑی دیر کے بعد شیخ مذکور کے پاس ایک نوجوان جو بہت خوبصورت تھا اور اس کے جسم سے خوشبو مہک رہی تھی کھانا لے کر آیا یہ کھانا اس نے شیخ کے پاس رکھ دیا جو بہت بے نظیر تھا اور چلا گیا۔ شیخ نے یہودی سے کہا کہ آؤ کھالو مگر اس نے نہ کھایا اس کے بعد یہودی نے کہا کہ مذہب تو ہمارا اور تمہارا دونوں کا سچا ہے اور وصل الی اللہ ہے دونوں پر ثمرہ مرتب ہوتا ہے دونوں پانی پر چلے اور دونوں کو غیب سے روزی ملی مگر اتنا فرق ہے کہ تمہارے مذہب میں حق و صداقت خوبصورتی اور پاکدامنی زیادہ ہے پس وہ مسلمان ہو گیا اور ہمارے دوستوں میں سچا صوفی ہوا۔

Marfat.com

فصل چہارم

ایمان

اللہ تعالیٰ نے نفس انسانی میں استعداد حصول علم بدرجہ کمال عنایت کی ہیں اپنی تخلیق کے مرتبہ اول میں اس کی کیفیت عدم علم اور جہل پر ہے۔ سب سے پہلی قوت جو اس کو اس مرتبہ میں فطرتاً حاصل ہے وہ قوت ادارک ہے مثلاً وہ حصول غذا کے لیئے اپنی ماں کے جسم کے اس حصہ جہاں سے اس کو غذا یعنی دودھ فراہم ہوتا ہے پہچانتا ہے اور اس سے مانوس ہوتا ہے۔ پھر جیسے جیسے اس کے قواعد مضبوط ہوتے جاتے ہیں اس کی قوت مدرکہ میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے، اور علوم کا ادارک کرنے لگتا ہے جس سے عقل حاصل ہوتی ہے۔ جب عقل حاصل ہو جاتی ہے تو وہ اپنے نفس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کی حفاظت اور بقا کے لیئے قوت تحریک کو عمل میں لاتا ہے۔ اور اسباب عمل کے طور سے جو اعضائے جسمانی اس کو حاصل ہوئے انکو متحرک کر کے مناسب اعمال بجا لاتا ہے۔ پھر ان اعمال اور ان سے متعلق علوم میں اتنا مشغول ہو جاتا ہے کہ اس کی توجہ اس حقیقت سے ہٹ جاتی ہے کہ اس کا پیدا کرنے والا اور اعمال کی قوت بخشنے والا کون ہے؟ اسی لیئے اللہ تعالیٰ نے اپنی بے کراں رحمت سے انبیاء و رسل مبعوث فرمائے تاکہ انسان کے اعمال حکم الہٰی کے تابع ہو جائیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو دعوت ایمان دی اور اول کلمہ جس کی تعلیم دی وہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ" ہے انسان جب اس کلمہ کے ظاہری و باطنی معنی سمجھ لے گا اور اپنے نفس کو اس کے تابع کر کے مہذب کر لے گا تو یہ اس کے لیئے راہ نجات ہوگا۔

ابو العباس احمد بن مصطفےٰ العلوی، ۱۸۶۹ء میں الجزائر میں پیدا ہوئے ۱۹۳۶ء

Marfat.com

ء میں انتقال کر گئے ۔ آپ زاویہ کے شیخ تھے ۔ زاویہ اس درگاہ کو کہتے ہیں جہاں علوم دینی اور طریقہ تصوف کی تعلیم دی جاتی ہے ۔ آپ کی شہرت تمام عرب اور مغربی ممالک میں تھی ۔ بعض یورپین بھی آپکے درس تدریس ارشادات میں شریک ہوتے تھے ۔ اور آپکے ارشادات و فرمودات محفوظ کر لیتے تھے ۔ ایسے ہی لوگوں میں ایک شخص بنام مارٹن لنگ تھا جو ڈاکٹر تھا ۔ اور طب کے پیشے سے وابستہ تھا ۔ اس کو شیخ مذکور کی صحبت میں زیادہ رہنے کا اتفاق ہوا ۔ اس نے شیخ مذکور کے فرمودات اور ارشادات پر مبنی ایک کتاب لکھی جس کا نام :

"A sufi saint of the twentieth century, by Martin Lings, London."

شیخ العلوی کے فرمودات اور ارشادات جو مذکورہ کتاب میں محفوظ کئے گئے ہیں میں کلمہ طیبہ کی تشریح تعبیر اور تفسیر جو درج ذیل ہے کا ماخذ ہیں ۔

لا الٰہ ۔ الا اللہ ۔ دو حصوں میں منقسم ہے اول حصہ کا تعلق تمام مخلوق و ممکن الوجود سے انکار پر ایمان اور عقیدہ ہے ۔ جبکہ دوسرے نصف یعنی " الا اللہ " کا تعلق خالق کائنات اور واجب الوجود پر پختہ یقین سے ہے ۔ انسان جہاں بھی رہتا ہے اور بستا ہے وہ کائنات ہے اور اس میں پائی جانے والی زندگی بشمول انسان کی اپنی زندگی اور اس کے نفس میں ودیعت کردہ صفات اسی سے ہیں ۔ اور اس کائنات کو پیدا کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ ہیں جو حیٌّ قیوم ہے ۔ اس کائنات کی تخلیق اللہ رب العزت نے درجہ بدرجہ کی اور اس کی وجہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ میں یہ بیان کی گئی کہ " میں ایک مخفی خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے کائنات کو پیدا کیا " اس تخلیق کو اللہ تعالیٰ نے مختلف مدارج عطا کئے ۔ عالم اول میں جس کو عالم العزت کہا جاتا ہے ۔ ذات حق ہے جو مبداء ہے حیات اور تخلیق کائنات کا ۔ دوم عالم حیات ہے ۔ جس میں اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور منشاء نے نزول کیا اور اس کو عالم جبروت کہتے ہیں ۔ سوم ۔ کا تعلق ان صفات سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے عطا کی جیسے قدرت ۔ طاقت ۔ ارادہ و نیت ۔ علم و عقل ۔ اس کو عالم ملکوت کہتے ہیں ۔ چہارم وہ تمام اقسام جیسے ستارے ۔ چاند ۔ سورج ۔ وغیرہ ۔ جمادات ۔ نباتات

Marfat.com

حیوان اور انسان قوت بصارت ۔ سماعت اور نطق کی مانند دیگر اوصاف پر مشتمل ہیں ۔ اس کو عالم ناسوت یا عالم الملک کہتے ہیں ۔ تمام عالم نیز عالم العزت کے ایک چٹائی کی مانند ہے جو سلسلہ بسلسلہ اور درجہ بدرجہ ایک دوسرے سے منسلک اور جڑے ہوئے ۔ انسان کو علماء نے عالم کبیر کہا ہے ۔ کیونکہ اس میں وہ تمام صفات جو مذکورہ بالا مخلوق تمام عالموں میں اپنے اپنے درجے پر پائی جاتی ہیں جمع کر دی گئی ۔ یعنی ۔ حیات ۔ قدرت ۔ طاقت ۔ ارادہ ۔ علم و عقل ۔ بصارت سماعت نطق اور اسباب عمل جیسے اعضائے جسمانی جو اسکے ارادہ و نیت کے مطابق معروف العمل ہو جاتے ہیں ۔ دراصل یہ تمام حجابات ہیں اس مخفی خزانہ یعنی ذات حق کے جن سے انکار کا حکم دیا گیا ہے تاکہ انسان کی توجہ ان سے ہٹ کر ذات حق تک پہنچ جائے اور واصل باللہ ہو جائے ۔

کلمہ کے دوسرے نصف یعنی الا اللہ سے عالم العزت ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات بمعہ اس کی تمام صفات علویہ کا اقرار و یقین ہے ۔ اس اقرار یقین سے حد درجہ اصرار مراد ہے یعنی جب ذات حق اور اس کی ذات کا کامل یقین ہو جائے تو انسان کی توجہ کا مرکز ذات الٰہی ہو گا ۔ باقی تمام کائنات اس کی نظر میں معدوم ہو گی یا محض صفات باری تعالیٰ کا مظہر اور ان صفات کے ذریعے اس کو معرفت حاصل ہو گی ۔ عارف کے نزدیک کائنات تمام کی تمام مظہر ذات حق ہے ۔ اس لیئے جب وہ کائنات کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس کو کائنات کے ہر ذرہ میں ذات حق نظر آتی ہے تمام موجودات میں موثر قوت و قدرت اللہ تعالیٰ کی ذات کو سمجھتا ہے اور باقی تمام مظاہر کو غیر اللہ سمجھ کر اس کا انکار کر دیتا ہے ۔ شیخ العلوی نے اپنے استاد مولائی العرب الدرقاوی کا نظریہ ان الفاظ میں پیش کیا فرماتے ہیں کہ الدرقاوی نے فرمایا کہ :۔

" میں عالم مراقبہ میں تھا میری آنکھیں بند تھیں کہ میں نے ایک غیبی آواز سنی کہ وہی اول وہی آخر ، وہی ظاہر ، وہی باطن میں خاموش رہا پھر وہی آواز دوسری مرتبہ آئی ۔ میں پھر بھی خاموش رہا ۔ جب تیسری مرتبہ وہی آواز آئی تو میں نے کہا کہ اول ۔ آخر ۔ باطن ۔ کو تو سمجھتا ہوں مگر ظاہر میں تو صرف مخلوق کو دیکھتا ہوں ۔ تو اس غیبی آواز نے جواب دیا کہ

Marfat.com

ظاہر میں اگر کوئی چیز واجب الوجود کے علاوہ ہوتی تو میں تم کو بتلا دیتا"

شیخ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات حدود اور حدود کی قید سے بالاتر ہے اس کی کوئی مثل نہیں جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے۔ "لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ" یعنی اس کی کوئی مثل نہیں اس کی ملکیت ہر ذرہ کائنات پر ہے۔ "لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" یعنی جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اسکا وہی واحد خالق مالک ہے۔ تمام صفات اسی کی ذات میں ہیں۔ انسان اس کی جن صفات کو اپنے احاطہ علم میں لاسکا وہ روح، عملی قدرت۔ ارادہ، علم، حیات، سمع، بصارت، کلام ہیں انسان اگر ان میں سے کچھ صفات رکھتا ہے تو یہ سب خدا کی عنایت اور عطا کے سبب ہے اسی نے انسانیت کو یہ استعداد بخشی کہ وہ اس کی متحمل ہو سکے۔ انسان کی اپنی زندگی خود اس کی شہادت دیتی ہے کہ اس کو حیات بخشنے والی وہی ذات ہے جو حیّ قیوم ہے۔ جتنی مخلوق ہے وہ تمام ذات حق کی صفت خالق ہونے کی مظہر ہیں۔ ان میں جو صفات باعتبار۔ اثر، سمع بصارت کے لیئے موجود ہیں وہ تمام اسی خالق واحد کی عطا و بخشش کا نتیجہ ہیں ورنہ اپنی اصل میں وہ معدوم ہیں اللہ رب العزت اپنی ذات کے اعتبار سے ازل سے پہلے بھی تھا اور ابد کے بعد بھی اسی طرح رہے گا۔ اور کائینات میں بھی وہ اسی طرح موجود ہے انسان کے حواس ظاہری اور باطنی جو کچھ محسوس کرتے ہیں دیکھتے ہیں یا سنتے ہیں وہ تمام اسی ذات حق کے مظاہر ہیں۔ اس لیئے کہ جیسا وہ ذات میں یکتا اور بے مثال ہے ویسے ہی وہ صفات میں بھی واحد مطلق ہے۔ مخلوق کی پیدائش میں اس کو اسباب کی ضرورت نہیں اس لیئے کہ "وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" یعنی وہ ہر چیز پر حاوی ہے بحیثیت قدرت کے اور قادر وہی ہوتا ہے جس کو اسباب کی احتیاج نہ ہو۔ کائینات میں جو بھی ہے وہ تمام مخلوق اور حادث ہے یہ صرف مظاہر حق ہیں اور ان کا انجام فنا ہے اور یہ اپنے خالق کی طرف لوٹ جائیں گے جیسا کہ ارشاد ہے کہ "وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى" یعنی ان سب کا انجام یہی ہے کہ یہ تمام تیرے رب کے پاس جا کر ختم ہو جائیں گے۔ عارف کی نظروں میں یہ صرف حجابات ہیں۔ اور جب اس کی بصیرت ان حجابات سے نکل کر اعلیٰ مقام کی

Marfat.com

طرف عروج کرتی ہے تو وہ ایک عالم حیرانی میں ہوتا ہے اور جو کچھ اس پر منکشف ہوتا ہے اُس کو اگر وہ الفاظ میں بیان کرے تو عوام الناس اس کو نہ سمجھ سکیں گے حالانکہ وہی حق اور صحیح ہوگا کیونکہ عوام الناس حجابات میں محجوب ہیں اور حقیقت کا عرفان اُن کو حاصل نہیں ان کو صرف وہی سمجھے گا جسکو عارف کی صحبت حاصل ہو اور وہ شیخ کے سایہ سلوک میں تربیت حاصل کرچکا ہے انسان کے لیئے کائینات کے مظاہر کے علاوہ اس کی اپنی ذات میں موجود صفات جیسے حیات، سماعت، بصارت سب سے بڑے حجاب ہیں اور جب تک ان کو عبور نہ کریگا معرفت نصیب نہ ہوگی۔ کائنات جن کو مظاہر صفات حق کہا گیا ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پیش کی گئی تو انہوں نے اللہ کی ذات کو ان مظاہر قدرت میں نہ پایا باوجود یہ کہ وہ باعتبار صفت ان میں موجود تھا مگر یہ صفات مثل تھیں نہ مثال۔ اس لیئے قابل عبادت نہ تھی۔ عبادت تو مخصوص ہے ذات کے لیئے اور اس کی ذات بے مثال ہے اس لیئے ان صفاتی مظاہر کی عبدیت سے انکار کردیا اور اپنی توجہ اس کی طرف کرلی جو ان سب کا خالق اور ہر جگہ موجود ہے ارشاد خداوندی ہے کہ:۔

وَكَذَٰلِكَ نُرِيٓ إِبْرَٰهِيمَ	ترجمہ (مولانا اشرف علی تھانوی)
مَلَكُوتَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ	اور ہم نے ایسے طور پر ابراہیم
وَلِيَكُونَ مِنَ ٱلْمُوقِنِينَ ۝ فَلَمَّا	کو آسمانوں اور زمین کی مخلوقات
جَنَّ عَلَيْهِ ٱلَّيْلُ رَءَا كَوْكَبًا ۖ	دکھلائیں تاکہ وہ عارف ہوجائیں
قَالَ هَٰذَا رَبِّي ۖ فَلَمَّآ أَفَلَ	اور کامل یقین رکھنے والوں میں
قَالَ لَآ أُحِبُّ ٱلْأَفِلِينَ ۝ فَلَمَّا	سے ہوں جب رات کی تاریکی
رَءَا ٱلْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هَٰذَا	چھاگئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا
رَبِّي ۖ فَلَمَّآ أَفَلَ قَالَ لَئِن لَّمْ	آپ نے فرمایا کہ یہ میرا رب ہے۔
يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ	سو جب وہ غروب ہوگیا تو آپ نے
ٱلْقَوْمِ ٱلضَّآلِّينَ ۝ فَلَمَّا	فرمایا کہ میں غروب ہوجانے والوں
رَءَا ٱلشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ	سے محبت نہیں رکھتا۔ پھر چاند کو

Marfat.com

هٰذَا رَبِّیْ هٰذَآ اَکْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ ۝ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝ۚ

دیکھا چمکتا ہوا تو فرمایا یہ میرا رب ہے
سو جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے
فرمایا کہ اگر مجھ کو میرا رب ہدایت
نہ کرتا رہے تو میں گمراہوں میں شامل
ہو جاتا پھر جب آفتاب کو دیکھا چمکتا
ہوا تو فرمایا یہ میرا رب ہے یہ سب سے
بڑا ہے سو جب وہ غروب ہو گیا تو
آپ نے فرمایا اے قوم بے شک میں تمہارے
شرک سے بیزار ہوں میں اپنا رخ اس
کی طرف کرتا ہوں جو آسمانوں اور
زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور میں
شرک کرنیوالوں میں سے نہیں ہوں

شیخ فرماتے ہیں کہ جیسے اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں وحدہٗ لاشریک ہے۔ ویسے ہی وہ اپنی صفات میں بھی وحدہ لاشریک ہے یہ اس کی غیر منقسم ہیں یہ ممکن نہیں کہ اس کی ذات کا کچھ حصہ بھی غیر اللہ کی ملکیت میں ہو یا کوئی اور اس میں تصرف کر سکے یا اس کی تصرف میں شریک ہو سکے۔ اسی نے حضرت ابراہیم کے عرفان اور یقین کے مدارج بڑھانے کے لیے آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوق کی صورت ماہیت اور اثر سے آپ کو گواہ کیا اسی لگی کے وقت آپکو مشاہدہ حق میں اس قدر استغراق کی کیفیت تھی کہ اپنے سے بھی بے خبر تھے۔ مگر جب بشریت کی طرف نزول کیا تو آپ نے ستارے کو دیکھا کہ اس میں نور ہے اور اسی وجہ سے وہ منور ہے مگر جب وہ آنکھوں سے اوجھل ہو گیا تو فرمایا اللہ کی صفت نور غیر منقسم اور باقی رہنے والی ہے۔ اس لیے یہ صرف اس کے نور کا مظہر ہے۔ خود نور نہیں۔ اسی صورت سے چاند کے نور کو دیکھا چاند کے نور میں ایک اضافی صفت نباتات کی نشو نما ہے۔ جیسے لگا ہی وہ چاند

کی روشنی میں اس تیزی سے بڑھتی ہے کہ اس کا بڑھنا آنکھوں کو صاف نظر آتا ہے) مگر چاند نے اپنی حالت بدل لی تو آپ نے صفت ربانی میں تفکر فرمایا اور وہاں سے ہدایات ملی کہ روشنی اور اس سے متعلقہ اضافی صفات بھی چاند کی نہ اپنی صفت نہیں بلکہ اللہ کی بخشش اور عنایت کی وجہ سے ہے۔ اور جب سورج کو چاند سے بھی بڑا اور منور دیکھا اور اضافی صفات پر غور کیا۔ تو معلوم کر لیا کہ اس کی صفات بھی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں اس کے فیوض بھی اللہ ہی طرف سے ہیں اور اس کا وجود بھی اسی اللہ کا پیدا کردہ ہے اس لیے محض کسی صفت کی وجہ سے غیراللہ کی طرف رجوع کرنا بھی شرک ہے اس لیئے اس کو بھی ترک کر دیا۔ اور اس ذات واحد کی طرف متوجہ ہو گئے جو خالق کل ہے۔ اور کائنات میں اس کا ظہور حجابات میں ہے۔ باوجودیکہ کائنات میں بھی ویسے ہی موجود ہے جیسے وہ ازل سے پہلے تھا۔

کائنات کی ہر چیز جو انسان کے عقل و ذہن پر بذریعہ قوت سماعت۔ بصارت اور نطق۔ اثر انداز ہوتی ہے وہ ہی دراصل حجاب ہے ذات حق کا اور جب انسان ان تمام قوتوں کو غیراللہ سے ہٹا کر اللہ کی طرح متوجہ کرے گا اور توجہ میں حد درجہ استغراق ہو گا تو یہ تمام حجابات دور ہو جائیں گے۔ اور حقیقت منکشف ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ان ہی حجابات کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ	ترجمہ (مولانا اشرف علی تھانوی)
مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا	اللہ تعالیٰ نور (ہدایت) دینے
مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ	والا ہے آسمانوں اور زمین کا اس
اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ	کے نور (ہدایت) کی حالت عجب ہے
دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ	جیسے (فرض کرو ایک طاق ہے) اور
مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ	اس میں ایک چراغ رکھا ہے اور وہ
وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا	چراغ ایک قندیل میں ہے اور قندیل
يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ	ایسا (صاف شفاف) جیسا کہ ایک

Marfat.com

نَارٍؕ نُوۡرٌ عَلٰی نُوۡرٍؕ یَهۡدِی اللّٰهُ لِنُوۡرِهٖ مَنۡ یَّشَآءُؕ وَ یَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌۙ

چمکدار ستارہ اور وہ چراغ ایک نہایت مفید درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہے وہ زیتون کا درخت ہے جو نہ پورب کے رُخ ہے اور نہ پچھم کے رُخ۔ اس کا تیل ایسا صاف اور سلگنے والا ہے کہ اگر اس کو آگ بھی نہ چھوئے تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود جل اٹھے گا۔ اور جب آگ بھی لگ گئی تو نور علیٰ نور اللہ تعالیٰ اس نورِ ہدایت تک جس کو چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کی ہدایت کے لئے یہ مثالیں بیان فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں صریحاً فرما دیا ہے کہ اس سے واصل ہونے کی لیئے ایک نور کی ضرورت ہے۔ اسی نور میں یہ طاقت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکے۔ مگر وہ نور بہت سے حجابات میں محجوب ہے۔ اس میں جمادات جیسے چراغ۔ طاق۔ قندیل۔ اجرام فلکی۔ جیسے ستارے بھی حجاب ہیں۔ نباتات اور اس سے حاصل ہونے والے فائدے جیسے درخت زیتون کا تیل یہ بھی حجاب اور خود انسان جس کے لیئے یہ مثالیں دی گئی ہیں اپنی بہت سی صفتوں کی وجہ سے محجوب ہے۔ اور ان حجابات کو عبور کرا کر اس نور کی طرف ہدایت جس سے اللہ کا وصل اور دیدار ہو اللہ تعالیٰ کا ہی کام ہے۔ اس میں ایک دقیق نکتہ جو انسان کے تخیل سے بالاتر ہے وہ درخت ہے جو نہ شرقی ہے اور نہ غربی۔ اور بغیر سمت کے کوئی چیز انسانی تخیل میں نہیں آ سکتی۔ مگر عارف اس حقیقت

Marfat.com

سے آگاہ ہوتا ہے۔ وہ ایسی کیفیات سے گزرتا ہے اور عین الیقین حاصل کر لیتا ہے جیسے حضرت عبدالعزیز دباغ نے اپنا ایک قصہ بیان فرمایا۔

"میرے جسم میں رعشہ پیدا ہوا اور بڑے زور کی کپکپی طاری ہوگئی۔ یہ حالت بڑھتی رہی حتیٰ کہ میں یحییٰ ابن علال کے مزار پر پہنچ گیا۔ وہاں پر مجھ پر ایک لرزہ طاری ہوگیا اس کے بعد دھوئیں کی طرح کی ایک چیز میرے بدن سے نکلی اور ذات طویل ہونے لگی یعنی بہت زیادہ لمبی ہوگئی۔ دنیا کی تمام چیزیں مجھ پر منکشف ہوگئیں تمام شہر قصبے دیہات اور جو کچھ ہے زمین پر ہے میں نے دیکھا کہ میں نے ایک نصرانیہ کو دیکھا کہ وہ اپنے بچے کو دودھ پلا رہی ہے۔ تمام سمندر مجھ کو نظر آگئے۔ ساتوں زمینوں کو اور جو کچھ بھی چرند پرند مخلوقات اس میں ہے میں نے دیکھا آسمانوں کو دیکھا گویا میں اُس کے اوپر ہوں پھر دفعتاً ایک نور عظیم کوندنے والی بجلی کی طرح ہر جانب سے آنے لگا۔ اوپر سے نیچے سے دائیں طرف سے اور بائیں طرف سے مجھ پر شدید لرزہ طاری ہوگیا۔ تو مجھے محسوس ہوا کہ میری ذات سب کی سب آنکھ بنی ہوئی ہے۔ سر بھی دیکھ رہا ہے پاؤں بھی دیکھ رہے غرض تمام اعضاء میں قوت باصرہ موجود ہے۔" جب عارف کی یہ کیفیت ہو تو وہ اُس درخت کو جو نہ شرقی ہو اور نہ غربی یعنی اس کی کوئی سمت ہی نہ ہو۔ دیکھ سکے گا۔

شیخ العلوی نے حضرت رابعہ بصری کا ایک قول نقل کیا ہے۔ کہ ایک دفعہ ایک عارف ان سے ملاقات کے لئے آیا تو آپ نے سوال کیا کہ تمہارا کیا حال ہے عارف نے جواب دیا کہ جب سے پیدا ہوا ہوں اللہ کی اطاعت میں لگا ہوا ہوں اور کوئی گناہ نہیں کیا۔ اس پر حضرت رابعہ بصری نے فرمایا کہ بیٹے سب سے بڑا گناہ تیرا وجود ہے۔

شیخ فرماتے ہیں کہ اس قول سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت: اللہ نور السمٰوات میں یہ واضح کر دیا ہے۔ انسان میں حیات ہے جس کے لیے مثالیں پیش کی گئی (قوت سماعت ہے (جس سے اس نے یہ کلام سنا قوت بصارت ہے (جس سے چراغ قندیل وغیرہ کو دیکھ سکتا ہے۔) حضرت رابعہ بصری کا اشارہ اس طرف ہے کہ انسان اپنی زندگی میں نفس کی بشری کیفیت سے چھٹکارا حاصل کرے۔ حتیٰ کہ اس کے اندر کوئی خواہش

Marfat.com

نور ہے۔ جب وہ اس مقام پہ پہنچے گا تو اس کی حالت ایک مردہ شخص کے مانند ہو گی
تو اللہ تعالیٰ اس کے اندر ایک نئی روح پیدا کر دے گا اس وقت اس کو جو زندگی ملے
گی وہ ذات حق سے واصل ہو گی تب اس کو یقین آجائے گا کہ میرا یہ سمجھنا کہ میں از خود
زندہ تھا۔ یہ شرک ہے کیونکہ میری زندگی تو اللہ کی رحمت اور اس کی عطا سے قائم تھی،
انسان کی دوسری صفت قوت سماعت ہے۔ اگر اس نے اس صفت نے دنیاوی کام
لئے اور خدا سے غافل ہو گیا تو خسارے میں رہا۔ اس کے برعکس اگر وہ اپنی نفسیاتی اغراض
کو ترک کر کے غیر اللہ سے اپنے آپ کو بہرا بنا لے۔ اور یہ سمجھ لے کہ اللہ سمیع ہے اور یہ
صفت اُس کو اُسی نے عطا کی۔ اور مجھے اس سے اسی کا کلام سننا چاہیے تو اللہ تعالیٰ تجھ کو ایک
نئی صفت سماعت دے گا اس وقت تو صرف حق سنے گا اور تیری سماعت خدا کی سماعت
ہو گی۔ تیسری قوت بصارت: یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عنایت کردہ ہے۔ مگر جب تو اس
سے مظاہر کائنات دیکھے گا جو اللہ تعالیٰ کے حجابات ہیں تب تو حقیقت میں اندھا
ہو گا۔ گر جب تیری بصارت بلا تردد اللہ تعالیٰ کی طرف ہو گی۔ اور تمام مظاہر میں تجھے
یہ یقین ہو گا کہ ان کا وجود اللہ تعالیٰ ہی حکم سے ہے اور جب اس کیفیت میں استغراق ہو گا
تو اللہ تعالیٰ کی آنکھ سے دیکھے گا۔ اس وقت تیرا فانی وجود کہیں نہیں ہو گا اس لئے پہلے
فنا فی اللہ ہو جاتا۔ بقا باللہ حاصل ہو۔

محمد الرسول اللہ۔ کلمہ طیبہ کا دوسرا حصہ ہے جس پر ایمان لانا اور یقین کرنا لازمی ہے
اسکے بغیر انسان دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہو سکتا محض لاالہ الااللہ کہنا کافی نہیں۔ اور
نہ ہی یہ کافی ہے انسان محض زبان سے یہ کلمات ادا کرے جبکہ اسکا قلب اس پر شاہد نہ ہو
شیخ فرماتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ایک ایسے کل کی مانند ہے جس میں
عالم ناسوت۔ عالم ملکوت اور عالم جبروت۔ جزوی حیثیت سے داخل ہیں۔ اس لئے محمد صلی
اللہ علیہ وسلم نمائندگی کرتے ہیں ان تمام عالموں کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک
میں وہ تمام اوصاف بدرجہ اتم بیک وقت موجود ہیں جو مذکورہ بالا تینوں عالموں میں سے ہیں
رسول واسطہ ہیں حادث اور قدیم کے درمیان۔ یہ کائنات جو حادث ہے اور

Marfat.com

س کا خالق قدیم ہے۔ حادث اور قدیم بیک وقت موجود نہیں رہ سکتے اس لیے کہ جب حادث قدیم جمع ہوں گے تو حادث معدوم ہو جائے گا اور قدیم باقی رہے گا۔ رسول ایک ایسا واسطہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے وہ صلاحیت رکھی ہے کہ وہ قدیم کا دیدار کر سکے اور مقام "قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنیٰ" پر فائز ہو سکے اور جب یہ رشتہ استوار ہو گیا تب یہ تمام عالم وجود میں آئے۔ منقول ہے کہ حضرت جبرائیل جب پہلی وحی لیکر آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا "اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۔" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں اس سے مراد ہے کہ قول قدیم اور کلام ازلی کو میں اپنی حادث زبان سے کیسے ادا کر سکتا ہوں اور کیسے اس کو دوسروں تک پہنچا سکتا ہوں۔ تب بحکم اللہ تعالیٰ حضرت جبرائیل آپ سے تین مرتبہ بغل گیر ہوئے پہلا بغل گیر ہونا اس لئے تھا کہ بارگاہ الٰہی میں آپ کو وسیلہ بنائیں تاکہ دائمی خوشنودی حاصل ہو۔

جس کے بعد یہ بار امی کا وجود ہی باقی نہ رہے۔ اور دوبارہ بغل گیر ہونا اس غرض سے تھا کہ آپ کے جمال مبارک کی پناہ میں آ جائیں اور تیسری بار اس لئے تھا کہ آپ کی امت میں شامل ہو جائیں[1] بندوں کو یہ معرفت نصیب نہیں ہوتی جب تک آنحضورؐ کا دیدار اور معرفت نصیب نہ ہو۔ جس کو صوفیا کی اصطلاح میں "فتح" کہتے ہیں۔ اور یہ فتح بغیر شیخ کے نصیب نہیں ہوتی اس لیے کہ شیخ ہی راہ سلوک کا عارف ہوتا ہے۔

---

[1] ابریز صفحہ ۲۱۰

Marfat.com

فصل پنجم

ایک حدیث شریف کے عجائبات اور تفسیر

حدیث شریف "جو کچھ تمام آسمانی کتابوں ہے وہ قرآن میں ہے اور جو کچھ قرآن میں ہے وہ سورہ فاتحہ میں ہے اور جو کچھ سورہ فاتحہ میں ہے وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ہے اور جو کچھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ہے وہ لفظ با میں ہے اور لفظ با کے نیچے جو نکتہ ہے وہی تمام علوم کا منبع اور مخرج ہے۔

یہ حدیث شیخ العلوی نے نقل کی ہے۔

ان الفاظ میں یہ حدیث مجھے صحاح ستہ کی کسی کتاب میں نہیں ملی۔ البتہ علامہ جلال الدین سیوطی نے الاتقاق حصہ دوم میں بخاری کی یہ حدیث "کہ تجھ کو ایسی سورۃ کی تعلیم دوں گا۔ جو سب سے عظیم ہے" نقل کی اور اس کی تفسیر میں حسن بصری کا قول اسی مفہوم میں نقل کیا۔ جو مندرجہ بالا حدیث سے ظاہر ہوتا ہے اور اس روایت کی تخریج بیہقی سے کی ہے۔ امام رازی اور قاضی بیضاوی نے بھی اس سے اتفاق کیا ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی الاتقاق حصہ دوم کے صفحہ ۲۹۴ پر لکھتے ہیں کہ

"بہت سے عالموں نے حدیث اِنَّ اللّٰہَ جَمَعَ عُلُوْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ فِی کُتُبِ الْاَرْبَعِ وَعُلُوْمُھَا فِی الْقُرْاٰنِ وَعُلُوْمُہٗ فِی الْفَاتِحَۃِ

اس کے بعد اس قدر اور بڑھایا ہے کہ فاتحہ الکتاب کے علوم کو بسم اللہ اور بسم اللہ کے علوم کو اس کے حرف با میں جمع کیا ہے" اس کی توجیہہ یوں کی گئی کہ مقصود تمام علوم سے یہی ہے کہ بندہ اپنے پروردگار سے واصل ہو جائے اور بسم اللہ میں حرف با الصاق کے معنیٰ میں آیا اس لئے یہ بندہ کو جناب رب العزت سے واصل کر دیتا ہے اور یہی

Marfat.com

بات کمال مقصود ہے۔ اس بات کو امام رازی اور ابن النقیب نے اپنی اپنی تفسیروں میں نقل کیا ہے"

شیخ العلوی نے اس کی تفسیر میں بہت ہی عجائب اور غرائب بیان فرمائے۔ اور حد درجہ تشریح کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ

حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "میں ایک مخفی خزانہ تھا جب میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے کائنات کو پیدا کیا" اس پیدائش کا مرتبہ اول یہ تھا کہ ایک نکتہ جس کو شیخ نے "وحدۃ الشہود" کا نام دیا ہے ظہور پذیر ہوا۔ یہ اپنی اصل میں ایک نور تھا رنگ و بو سے بالاتر۔ نہ اس سے پہلے کوئی چیز تھی۔ نہ ہی اس کے بعد ہو گی اس کی کوئی نظیر نہیں "لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ" یعنی اس کے مثل کوئی چیز نہیں یہی اول، یہی آخر، یہی ظاہر، یہی باطن یہ خود موجود ہے تمام صفات جیسے ارادہ و عمل اس میں بحیثیت مطلق قدرت کے ہیں۔ وہی ہے کہ "لَا یُسۡئَلُ عَمَّا یَفۡعَلُ" یعنی اس سے کوئی سوال نہیں کر سکتا۔ وہ جو چاہے کرے۔ اور "وَھُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ" یعنی وہ سب کچھ سنتا ہے اور دیکھتا ہے وہ صرف نور ہے ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی جیسا کہ فرمایا "نُوۡرٌ عَلٰی نُوۡرٍ" اس کی ذات حدود اور عدد کی قید سے بالاتر ہے جب اس نکتہ نے مرکزیت اختیار کی اور ظہور کا ارادہ کیا تو اپنے آپ کو وسعت دی۔ اس وسعت کی شکل اول نزول تھا یعنی جب پھیلنا چاہا تو نزولی کیفیت اختیار کر کے الف کی شکل میں نمودار ہوا۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کسی صاف شفاف برتن میں ایک سیاہی کا نکتہ ہو اور اس برتن کو نزولی کیفیت میں ٹیڑھا کیا جائے تو یہ نکتہ پھیل کر نیچے کی طرف آئے گا اور اس کی شکل بالکل سیدھی ہو گی جیسے الف کی۔ سب سے پہلا حرف جو اس نکتہ کی نزولی حالت سے پیدا ہوا وہ الف تھا اس لئے الف اپنی تخلیق میں کسی کا محتاج نہیں کیونکہ اس کی اصل وہی نکتہ اول ہے۔ پس الف قلم سے نہیں لکھا گیا بلکہ دوسرے حروف لکھنے کے لئے یہ خود قلم بن گیا اور نکتہ کے لئے ایک حجاب ہو گیا مگر اس میں وہ تمام قوتیں اور صفات باقی رہیں جو نکتہ میں تھیں اسی الف نے سب سے پہلے

Marfat.com

رنگ پیدا کیا۔ جو اس الف کا حجاب بن گیا۔ یعنی اس کی ظاہری صورت تو رنگ (سیاہی) کی وجہ سے ظاہر ہو گئی مگر باطنی نور دیکھنے والی آنکھوں سے پردہ اور حجاب میں چلا گیا۔ اسی قلم (یعنی الف) نے تمام حرف اس رنگ (سیاہی) سے لکھے سب سے پہلا حرف جو اس نے لکھا وہ "ب" تھا۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے دوسرے حروف مگر الف نے اپنی موجودگی ہر حرف میں قائم رکھی۔ کہیں نزولی حیثیت کہیں عمودی حیثیت سے کہیں لمبے ہونے کی شکل میں کہیں مختصر ہونے کی کیفیت کہیں خم کھا گیا جیسے حرف "ح" میں اس حقیقت کا اظہار بعض حالتوں میں بالکل ظاہر ہے۔ جیسے حرف "ل اور م" میں بعض حالتوں میں مخفی ہے جیسے ب۔ت۔ث وغیرہ میں کیونکہ یہاں اس کا ظہور اوپر سے نیچے کی طرف نہیں بلکہ دائیں طرف سے بائیں طرف ہے۔ الف کا ظہور مخفی یا جلی حالتوں میں دنیا کی ہر زبان میں ہے اسی کو "اُمّ الکتاب" کہا گیا ہے۔ الف اپنی عروجی شکل میں نکتہ (وحدۃ الشہود) سے وابستہ ہے جب کہ اپنی نزولی کیفیت میں کائنات سے۔ کیونکہ تمام حروف میں یہ جلوہ گر ہے۔ اس لئے یہ واسطہ ہے قدیم اور حادث میں اور اسی واسطہ کی بنا پر کہا گیا ہے کہ "اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم"۔ یعنی اس کی تخلیقی عظمت اس وجہ سے کہ اس کا ظہور "وحدۃ الشہود" سے براہ راست اور مرتبہ اول میں ہے۔ حدیث میں ہے کہ پہلی چیز جو پیدا کی گئی وہ عقل ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ پہلی چیز جو پیدا کی گئی وہ قلم ہے۔ ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ قلم سے متعلق جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ وہ نور خداوندی سے پیدا ہوا۔ اس تخلیق میں عقل شامل ہے۔ اس لئے کہ باقی حروف قلم نے اپنی عقل سے لکھے۔ یہی وجہ ہے کہ قلم اور عقل دونوں نور محمدی کا مظہر ہیں ان کی اطاعت رسولؐ کی اطاعت اور رسولؐ کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے۔ جیسا کہ کلام اللہ میں ارشاد ہے کہ "مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ"۔ یعنی جس نے رسول کی اطاعت کی۔ اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ رسول کا ظاہر تو رنگ و بو، گوشت پوست میں محدود ہے مگر اس کا باطن لامحدود ہے۔ امام غزالی کہتے ہیں کہ کائنات میں کوئی قابل ذکر

Marfat.com

چیز نہیں سوائے اللہ تعالے کے" ترمذی اور مسلم میں حدیث ہے۔ کہ اے اللہ تیرا ظاہر ایسا ہے۔ جس پر کوئی حجاب نہیں۔ ابو عبیدہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی چیز نہیں دیکھی بجز اس کے کہ خدا میرے قریب ترین ہے۔

"ب" سوائے "بسم اللہ" کے دوسری کسی جگہ لمبائی کے ساتھ نہیں لکھی جاتی اس کی شکل بالکل الف کی طرح ہے۔ صرف اس کے نیچے کا نکتہ اس کو تمیز کرتا ہے۔ ورنہ اگر "س" پر انگلی رکھ کر چھپا لیا جائے تو یہ الف ہی نظر آئے گا۔ اپنی اصلی حالت میں یہ "باسم" تھا۔ الف اسم ہے۔ اس نے اپنی جگہ خالی چھوڑ دی۔ اور "ب" میں ظاہر ہو کر الف کے تمام افعال پورے کرنے لگا۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "کسی وقت مجھ پر ایسی حالت ہوتی ہے کہ میرا خدا میرے لئے کافی ہوتا ہے" بسم اللہ کی ب کو الف کافی ہو گیا۔ صورت اور نکتہ دونوں لحاظ سے الف کے اوپر اور ب کے نیچے نکتہ ہے۔ الف حقیقت میں ایک نکتہ ہی ہے جیسے آنکھ سے آنسو ٹپکے اور لمبا ہو جائے۔ یہ نکتہ اپنی بیثالی کیفیت میں قائم ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ وَ مَا یَعْقِلُهَا اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ یعنی اس کو صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جن کے پاس علم اور عقل ہے۔ الف کا کامل ظہور "ب" میں ہوا اور اس کے بعد باقی تمام حروف لکھے گئے۔ الف کا ظہور اپنی مرضی سے ہے جبکہ "ب" کا ظہور الف کے تابع ہے اسی لئے "ب" کی صورت الف سے مختلف ہے بسم اللہ میں الف نکتہ کی نزولی کیفیت میں دراصل نکتہ ہی ہے جب کہ "ب" کے نیچے نکتہ ہے الف میں یہ نکتہ حلول کئے ہوئے ہے جب کہ "ب" میں اپنا انفرادی تشخص بھی باقی رکھے ہوئے ہے۔ اس سے یہ مقصود ہے کہ دنیا کی تمام مخلوق کا ظہور آسمانی عالم سے ہے عالم ارواح کا مخرج اور منبع یہی نکتہ ہے۔ جس سے انسانوں کو صفات کی معرفت حاصل ہوتی ہے نکتہ کا الف کے اندر ہونا اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ یہ ظاہر اور حق ہے۔ جبکہ "ب" حجاب میں ہے اس لئے نکتہ اس کے نیچے ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے وہ دیوار جس کو حضرت خضر نے سیدھا کیا تھا کیونکہ خزانہ اس کے اندر مخفی تھا۔

اللہ تعالی زمین و آسمان کا رب ہے۔ جیسا وہ آسمانوں میں بے مثال ہے ویسے

Marfat.com

ہی زمین پر بھی اس کی کوئی مثل نہیں۔ اس کی تمام صفات نکتہ کے اندر خزانہ کی طرح مخفی ہیں۔ اگرچہ نکتہ ہر حرف میں موجود ہے۔ مگر کوئی حرف نہ تو اس کے ظہور کا متحمل ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس کے باطن کا یہ بات دوسری ہے کہ بعض حروف ایک دوسرے کے مثل ہیں۔ جیسے "ب" مثل ہے ت کے وغیرہ مگر یہ مثال بھی کلی اور حقیقی نہیں اس لئے کہ ہر حرف کا ایک مخرج ہے۔ یعنی انسان کی قوت ناطقہ اس کو ایک خاص طریقے سے ادا کرتی ہے۔ اس کے برعکس نکتہ کا کوئی مخرج نہیں اگر کوئی شخص نکتہ کا اظہار کرنا چاہے گا تو وہ حرف جیسے "ن ی ک ت ہ" کا محتاج ہو گا۔

جب یہ بات متعین ہو گئی کہ تمام حروف تہجی کا مبدا الف ہے جس سے تمام حروف نکلے تو پھر یہ بات بھی ثابت ہے کہ حروف سے الفاظ اور الفاظ سے کلمات اور کلمات کتاب وجود میں آئیں اور تمام علوم ان ہی کلمات کے ذریعے عقل تک پہنچے اور عقل نے تدبر اور تفکر کے ذریعہ راہ نجات دکھائی الف کا رشتہ "ب" کے ساتھ جب سمجھ میں آگیا یعنی الف نے اپنے تمام فرائض انجام دیئے۔ نور محمدی کی صورت نے کلام قدیم کو حاصل کیا اور حادث زبان سے بیان کر کے فرض رسالت پورا کیا اعمال سے راہنمائی کر کے نور معرفت عطا کیا اور واسطہ درمیان قدیم و حادث کو بلا شک وشبہ ثابت کر دکھایا۔

یہ بات بھی مذکورہ بالا بیان سے واضح ہو گئی کہ نکتہ ایک نور تھا پہلے الف میں حلول کیا اور الف نے قلم بن کر تمام حروف کو لکھا اور ہر ایک حرف میں اپنا وجود کسی نہ کسی طریقے قائم رکھا پھر ان حروف کو رنگ و سیاہی کا لباس دے کر بصارت کی قوت تک پہنچایا۔ لہذا ان حروف میں جن کو رنگ و سیاہی کا حجاب دیا گیا۔ معرفت، علم اور حقیقت کے علاوہ ایک نور بھی موجود ہے جو نکتہ کی تجلیات ہیں اور ہر حرف کے لئے ایک مخصوص نور ہے اور اس کے ذریعہ سے جو معرفت اور علم پہنچانا مقصود ہے وہ بھی ہر ایک حرف میں الگ الگ رکھا گیا ہے چنانچہ حروف تہجی میں الف سے لے کر "ی" تک جو آخری حرف ہے ہر ایک کی معرفت علم اور نور جداگانہ ہے اور یہی قرآن کریم کا مقصد اور ایجاز ہے۔ کہ انسان اس سے علم معرفت اور نور حاصل کرے اور واصل باللہ ہو جائے۔

Marfat.com

علامہ نظامی عروضی سمرقندی نے جن کا پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے موجودات کا خالق ایک نکتہ کو تسلیم کیا ہے۔ موجودات دو صورتوں سے باہر نہیں ایک یہ کہ وہ خود موجود ہے پہلے بھی تھا اور اب بھی ہے اور بعد میں بھی رہے گا اس کو واجب الوجود کا نام دیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ دوسری موجودات وہ ہیں جن کا وجود از خود نہیں۔ بلکہ ان کا خالق کوئی دوسرا ہے ان کو ممکن الوجود کہا ہے جس میں تمام کائنات شامل ہے۔ ان موجودات کی ابتدا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "چناں تصور باید کرد کہ در مقعر فلک قمر آتش است و فلک قمر گرد او در آمدہ۔ و در درون کرہ آتش است، آتش گرد او در آمدہ و درون ہوا آب است ہوا گرد او در آمدہ و در درون آب خاک است آب گرد او آمدہ و در میان زمین نکتہ ایست موہوم کہ ہر خطے کہ از دیہ فلک قمر رود ہمہ برابر یکدگر باشند و ہر کجا فرود گوئیم آن نکتہ بدو نزدیک است و ہر کجا زبر گوئیم از و فلک اقصٰی خواہم یا نچہ بدو نزدیک تر است و آن فلکے است زیر فلک البروج و آزان سوئے ہیچ نیست و عالم جسمانی بدو منتہائی شود"[1]

ترجمہ:۔ یوں تصور کرو کہ کائنات کی گہرائیوں میں کرہ قمر ہے۔ جس کے چاروں طرف کرہ آتش ہے اور کرہ آتش کے چاروں طرف کرہ ہوا ہے اور کرہ ہوا کے چاروں طرف کرہ آب ہے اور پانی اندر خاک ہے جس کو پانی گھیرے ہوئے ہے اور زمین کے اندر ایک نکتہ ہے۔ جو موہوم ہے یعنی نور کی وجہ سے اس کی معرفت ممکن نہیں، اس نکتہ سے اگر ایک خط فلک قمر تک کھینچا جائے تو وہ برابر ہوگا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جب یہ خط نیچے کی طرف کھینچا جائے تو جو اس کے قریب ترین ہے اس پر ظاہر ہوگا (مراد نور محمدی ہے) اور جب اوپر کی طرف جائے گا۔ تو فلک اقصٰی تک جو اس کے قریب ترین ہے فلک اقصٰی، فلک البروج کے نیچے ہے اور اس سے اوپر کچھ نہیں اور عالم جسمانی یہاں پر ختم ہو جاتا ہے۔

---

[1] چہار مقالہ صفحہ ۱۰

Marfat.com

اس نکتہ نور ذات قدیم نے جیسا چاہا کہ عالم کون وفساد کو پیدا کرے۔ تو اول سورج کو پیدا کیا۔ جس کی حرارت سے پانی نے بخارات کی شکل اختیار کی اور زمین منودار ہوئی۔ اور اس طرح عالم جمادات کا ظہور ہوا۔ ہر عالم میں یہ خصوصیت رکھی کہ وہ ترقی کر کے دوسرے عالم کی صفات کا متحمل ہو سکے۔ چنانچہ عالم جمادات نے ترقی کی۔ اس کی شریف ترین صورت مونگا (جس کو مرجان بھی کہتے ہیں) جو مشابہ "کانٹے" یعنی خار سے جو عالم نباتات کا پہلا حصہ ہے اس طرح جب عالم نباتات پیدا ہوگیا اور اس نے ترقی کی تو اس کا شریف ترین نخل (کھجور کا درخت) اور انگور کی بیل ہے درخت نخل کو پھل دینے کے لئے نر کی ضرورت ہوئی اسی صورت سے انگور کی بیل۔ ایک گھاس کی بیل جس کو عشقہ کہتے ہیں اس سے دور ہٹ جاتی ہے۔ کیونکہ اگر عشقہ کی بیل اس انگور کی بیل سے لپٹ جائے تو اس کو خشک کر دیتی ہے کہ دو قوتیں مشابہ ہیں۔ حیوان سے اور ان کے بعد عالم حیوانات کی پیدائش کی۔ سب سے اول حیوان کیچوا تھا۔ جو کیچڑ میں رہتا ہے اور اس میں انگور کی بیل کی طرح قوت حرکت ہے نباتات میں اللہ تعالیٰ نے چار خادم رکھے اور ان کو چار قوتیں عطا فرمائی۔ اول جو چیز اس کی نشوونما کے لئے ضروری ہو اس کو حاصل کرتا ہے اور جذب کرتا ہے اس کو جاذبہ کہتے ہیں۔ دوم جو کچھ جاذبہ نے حاصل کیا اس کی حفاظت کرتا ہے اور اس کو ماسکہ کہتے ہیں سوم جو کچھ اس نے جذب کیا اس کو ہضم کرتا ہے اس کو ہاضمہ کہتے ہیں۔ چہارم جو کچھ اس کے لئے مناسب نہیں اس کو دفعہ کرتا ہے اس کو دافعہ کہتے ہیں اور تین قوتیں ان میں سے اول جو اس کی نشوونما کرتی ہے دوم وہ قوت جو اطراف سے مناسب غذا حاصل کرتی ہے سوم اپنی مثل نباتات کو پیدا کرنے کے لئے تخم پیدا کرتی۔ عالم حیوانات کو مندرجہ بالا نباتاتی قوتوں کے علاوہ مزید دو قوتیں دی گئیں اول قوت مدرکہ دوم قوت محرکہ۔ جب عالم حیوانات نے ترقی کی تو ان کا شریف ترین حیوان نسناس ہے جو ترکی کے بیابانوں میں پایا جاتا ہے اس کا قد سیدھا ہے۔ دو پاؤں پر چلتا ہے، چوڑے ناخن ہیں انسان سے رغبت رکھتا ہے اور کہتے ہیں کہ اگر کوئی انسان اکیلا مل جائے تو اس سے نطفہ لے لیتا ہے یہ حیوان مشابہ ہے انسان کے اور جب عالم حیوانات نے یہ شرف حاصل کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا جس کو

Marfat.com

وہ تمام صفات جو عالم نباتات، جمادات، حیوانات میں تھیں دی گئی اور مزید عقل و علم کا اضافہ کیا گیا۔ انسانوں کی بہت سی اقسام اپنے علم و عقل اور عمل کے اعتبار سے قائم ہوئیں۔ جن میں حکماء، انبیاء، رسل بھی شامل ہیں اور انسانوں میں اکمل ترین اور اشرف ترین ذات محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے موجودات کی درجہ بدرجہ ترقی اور ان مدارج میں اعلیٰ ترین درجہ جس میں یہ استعداد ہے کہ وہ "نکتہ" یعنی نور الٰہی جو واجب الوجود ہے اس کی قربت اور وصل حاصل کر سکتے اور اس طرح خاکی حجاب کے وجود کے ہوتے ہوئے واسطہ اور وسیلہ ہے قدیم (اللہ تعالیٰ) اور حادث (کائنات) کے درمیان وہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

Marfat.com

فصل ششم

عمل

غوث وقت حضرت عبدالعزیز دباغ شہر فاس (مراقش) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد سید مسعود دباغ علامہ العربی فشتالی جو درویش و ولی ہونے کے ساتھ ساتھ عالم فقیہہ اور معلم القرآن بھی تھے کے شاگرد تھے۔ حضرت عبدالعزیز دباغ کا نسب اکتیس واسطوں سے حضرت حسن بن علی رضی اللہ علیہم تک پہنچتا ہے مگر آپ امی محض تھے۔ آپ نے تقریباً دس اولیاء اللہ کے توسط سے راہ سلوک طے کی اور ان سب کی میراث آپ کو ملی۔ سب سے پہلی تعلیم آپ کو حضرت خضر سے ملی۔ آپ فرماتے ہیں ۱۱۰۹ھ سے ۱۱۲۱ھ تک کامل بارہ برس میری عادت تھی جمعہ کی رات سید علی بن حرزہم کے مزار پر گذارا کرتا تھا۔ رات بھر وہیں رہتا دوسری شب بیدار صلحا کے ساتھ قصیدہ بردہ پڑھا کرتا تھا۔ بارہ برس کے بعد میری ملاقات حضرت خضر سے ہوئی جنہوں نے مجھے ایک وظیفہ کی تعلیم دی۔ قدوۃ العلماء العارفین زبدۃ الاصفیاء الواصلین المحقق المدقق العلامہ مولانا الحافظ احمد بن المبارک المسلماسی نے آپ سے ۱۱۲۵ھ میں بیعت کی اور مکمل دس سال آپ کی صحبت میں گذارے۔ آپ فرماتے ہیں ۱۱۲۹ھ میں اللہ تعالیٰ نے میرے قلب میں ڈالا کہ جو کچھ سنوں اس کو قلمبند کرلوں چنانچہ رجب سے ذیقعد تک کے پانچ مہینوں میں جو کچھ سنا اس کو جمع کرلیا۔ حضرت دباغ کے یہی ارشادات اور فرمودات کتاب بنام "الابریز" میں طبع ہوئے اس کا اردو ترجمہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے کیا۔ جو دو حصوں میں شائع ہوا۔ حضرت دباغ کے ارشادات سے استفادہ کرتے ہوئے مندرجہ ذیل سپرد قلم کیا جاتا ہے۔

اعمال کے صدور کے تعلق سے انسانی اقسام تین درجات ہیں ہیں اول فاسقین دوم محرومین، سوم متوصلین۔ فاسقین تو وہ لوگ ہیں جو عبادتیں کرتے ہیں مگر عبادت اور اطاعت

Marfat.com

کا صدور بغیر نیت اور قصد کے ہوتا۔ اس کی بنا محض عادت ہے جو مسلسل بے خلوص اعمال کرنے سے اس کے نفس میں واقع ہو گئی ہے وہ عبادت محض یا تقضائے طبیعت اور عادت کرتا ہے۔ اس کی محرک اچھی یا بری غرض نہیں ہوتی بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان ایک خاص قسم کا لباس زیب تن کر کے وعظ و تقریر کی وجہ سے مشہور ہو جاتا ہے اور اپنا ظاہر موافق شرع بنا کر عبادت کرتا ہے۔ اس خوف سے کہ اس کی شہرت کو ٹھیس نہ پہنچے۔ لہٰذا اول قسم کی عبادت تو اللہ کے لئے نہیں بلکہ بتقاضائے طبیعت اور عادت ہے اور دوسری قسم میں غیر اللہ شامل ہو گئے۔ یعنی ریا کاری۔ بغرض شہرت اس قسم کی عبادت کرنے والے کو فاسق کہا جائے گا اور محرومین وہ لوگ ہیں جن کے اعمال اپنے ذاتی نفع اور اغراض نفس کے خاطر ہوتے ہیں ان کی نیت، اطاعت حکم الٰہی نہیں ہوتی۔ ایسے اعمال سے بجائے قرب خداوندی کے حق تعالیٰ کا بعد بڑھتا ہے۔ کیونکہ اپنے اعمال سے وہ ظاہر کر رہا ہے کہ بے شک میں تو اللہ کا بندہ اور اس کی مخلوق ہوں۔ مگر میرے اعمال میری اپنی قدرت اور طاقت سے ظہور پذیر ہو رہے ہیں اور نیت کرتا ہے ذاتی نفع اور حصول اغراض کی پس یہ شخص اعمال میں اللہ تعالیٰ اعمال میں اللہ تعالیٰ سے بے تعلق ہو گیا۔ عمل کرنے والے کو اجر و ثواب کا ذکر کر کے بکثرت آیات قرآنی و احادیث میں عمل کی ترغیب دی گئی ہے۔ پس اگر اجر و ثواب کی خاطر کہ وہ بھی ذاتی نفع اور نفسانی اغراض ہیں عمل کرے تو وہ کیسے اللہ سے بے تعلق ہو گا۔ اس کی تفسیر یوں بیان کی گئی ہے کہ آیات و احادیث کا مفہوم یہ نہیں کہ اعمال کرو اپنے نفس کی خاطر اور اللہ تعالیٰ ان اعمال پر تمہیں اجر و ثواب دے گا۔ بلکہ حکم یہ ہے کہ اطاعت و عبادت کرو خالصتاً اللہ تعالیٰ کی تاکہ وہ اپنے فضل و کرم سے اجر و ثواب دے۔ مطلب یہ ہوا کہ عبادت کرے اس نیت سے کہ اجر ملے گا۔ خود غرضی ہے اور ثواب سے محروم کر دیتی ہے۔ حضرت ممدوح فرماتے ہیں کہ کس درجہ جاہل اور احمق ہے وہ بندہ جس کا گمان ہو کہ اپنے افعال سے نیکیاں حاصل کروں گا اور اجر و ثواب کماؤں گا۔ جب کہ جانتا ہے کہ افعال میں اس کا بال برابر بھی دخل نہیں خود یہ بھی اللہ کا پیدا کردہ ہے اور اس کے افعال بھی اللہ ہی کے پیدا کئے ہوئے ہیں پھر کیسے

Marfat.com

جائز ہے کہ ان نیکیوں پر بھروسہ کرے۔ جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں اور اللہ کے فضل وکرم پر بھروسہ نہ کرے۔ اس ضمن میں حضرت ممدوح نے ایک قصہ نقل کیا ہے کہ ایک عابد بیس سال تک اپنے ذاتی نفع کی خاطر عبادت کرتا رہا اور بڑی عاجزی کے ساتھ دعا مانگتا رہا۔ مگر اس کی کوئی دعا قبول نہ ہوئی وہ بہت حیران ہوا کہ بیس سال کی عبادت اور دعا بھی مقبول نہ ہوئی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے رحمت نازل فرمائی اور حقیقت منکشف ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ہی مجھے پیدا کیا۔ اسی نے میرے افعال کو پیدا کیا اسی نے صحت بخشی اسی نے وہ جگہ پیدا کی۔ جہاں میں عبادت کرتا ہوں اسی نے پانی کو پیدا کیا۔ جس سے میں طہارت اور وضو کرتا ہوں۔ اسی نے کپڑا پیدا کیا جس میں ستر چھپاتا ہوں۔ اسی نے زمانہ پیدا کیا۔ جس میں عبادت کرتا ہوں۔ میں نے کیا کیا۔ جس پر اجر کا طالب ہوں۔ غرض جب یہ سب حقیقت اس پر ظاہر ہو گئی تو اس نے سچی توبہ کی۔ تب اللہ تعالیٰ نے اس کی تمام مرادیں پوری کر دیں۔ وہ معرفت زائدہ عطا فرمائی۔ جس کے مقابلے میں جنت بھی کچھ نہیں۔

متوصلیت:۔ اہل حق کے اعمال میں نہ خود غرضی ہوئی اور نہ ہی نفسیاتی خواہش نہ ان کے اعمال بطور عادت کے ہوتے ہیں اور نہ ہی ریاکاری کا شائبہ ان میں ہوتا۔ عارف تو اعمال کرتا ہے صرف اور صرف اطاعت حق کی خاطر اس کی نیت یہ ہوتی ہے۔ جیسا کہ فرمایا اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ، یعنی عارف اعمال صرف اس لئے کرتا ہے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے اور بندگی کے حقوق کی ادائیگی اس کے ذمہ ہے۔ وہی خالق و مالک ہے اور اعمال بھی اس کے تخلیق کردہ ہیں۔ میرا کام تو صرف عبدیت کا اظہار ہے۔ اس لئے عبادت کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا امیدوار اور اس کے قہر اور غصہ سے ڈرتا ہوں۔ ایسے افعال کو کہا جائے گا کہ بے شک حقیقت ذات کے موافق ہیں حضرت ممدوح نے مزید فرمایا کہ ہر عمل کا ایک اجر ہوتا ہے اور ہر اجر کا ایک نور اور اس نور کا ذات کے ساتھ اتصال ہوتا ہے اگر اعمال صالحہ خالص اللہ کے لئے ہوں گے تو ان کے اجر کا نور حامل کی ذات پر چمکے گا۔ اور ذات عبد کو اس کا ادراک ہو گا۔ کبھی لرزا طاری ہو گا کبھی گریہ کی کیفیت ہو گی اور کبھی انکسار اور خشوع پیدا ہو گا۔ نیز آپ نے فرمایا کہ حصول معاش

Marfat.com

کے اسباب جیسے زراعت، تجارت، صنعت وغیرہ کا اختیار کرنا ایسا ہی ہے۔ جیسے فقیر کے ہاتھ میں کشکول کہ دینے والے جتنا چاہے اس میں ڈال دے۔ اللہ تعالیٰ کی عادت اسی طرح جاری ہے کہ وہ بغیر اسباب کے نہیں دیتا ہے اس لئے انسان جو بھی حلال ذریعہ معاش اختیار کرے اس پر لازم ہے کہ اس کو کشکول سے زیادہ اہمیت نہ دے۔ اور اسی درجہ پر رکھے۔ اللہ تعالیٰ جتنا مناسب سمجھے گا اس کے کشکول میں ڈال دے گا۔

Marfat.com

فصل ہفتم

بعض احادیث کی تفسیر ایک نئے انداز میں

حضرت دباغ مذکور باوجودیکہ امی محض تھے مگر احادیث و قرآن کی تفسیر آپ نے اس انداز سے بیان فرمائی کہ اس سے پہلے کسی نے نہیں کی۔ مؤلف کتاب چونکہ خود بھی اپنے زمانے کے بڑے عالم، فقیہ اور مفتی تھے بعض احادیث جن کے متعلق ان کو اشکال تھا یا بعض استفسارات جو ان کو موصول ہوتے تھے وہ حضرت ممدوح کو پیش کر دیا کرتے تھے ان میں سے چند کی تفسیر پیش کی جاتی ہے۔

۱۔ حدیث کے صحیح اور موضوع ہونے کی شناخت کیلئے سوال کیا کہ "اُمِرْتُ اَنْ اَحْكُمَ بِالظَّوَاهِرِ وَاللّٰهُ يَتَوَلَّى السَّرَائِرَ" کیسی حدیث ہے حضرت ممدوح نے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمودہ نہیں ہے چنانچہ علامہ سیوطی نے بھی لکھا ہے پھر میں نے پوچھا کہ "اِتَّخِذُوا عِنْدَ الْفُقَرَاءِ يَدًا فَاِنَّ لَهُمْ دَوْلَةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ" فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا چنانچہ علامہ سیوطی نے بھی یہی لکھا ہے میں نے سوال کیا کہ "اَنَا اَفْصَحُ مَنْ نَطَقَ بِالضَّادِ" جواب دیا یہ حدیث نہیں چنانچہ علامہ ابن کثیر علامہ ابن الجزری اور علامہ سیوطی نے اس سے اتفاق کیا ہے، میں نے "عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ كَاَنْبِيَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِيْلَ" کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ یہ بھی حدیث نہیں چنانچہ علامہ سیوطی کا بھی یہی قول ہے مؤلف کتاب کہتا ہے کہ جب میں نے ہر صورت سے آزما لیا کہ حضرت ممدوح کو احادیث کی پوری شناخت ہے تو میں نے بطور مزید آزمائش قرآن اور حدیث ملا کر پیش کیا۔ میں جانتا تھا کہ آپ حافظ قرآن نہیں ہیں چنانچہ میں نے "حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَهِیَ صَلٰوةُ الْعَصْرِ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ" آپ کے سامنے پڑھی اور سوال کیا کہ کلام اللہ ہے یا کلام الرسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا کہ کچھ تو قرآن اور کچھ حدیث "وَهِیَ الصَّلٰوةُ الْعَصْرِ"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لب مبارک سے نکلا ہے باقی قرآن ہے۔ اس استفسار کے وقت علماء کی ایک جماعت موجود تھی یہ سن کر سب ہی حیران ہو گئے۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ حدیث و قرآن میں بھی آپ کو پورا امتیاز حاصل

Marfat.com

ہے تو میں نے آزمائش کی غرض سے حدیث قدسی پڑھی۔ فرمایا یہ نہ تو قرآن اور نہ ہی ایسی حدیث جو تم پہلے پڑھتے تھے، بلکہ یہ حدیث ہی دوسری قسم کی ہے جس کو حدیث ربانی کہنا چاہیئے میں نے آپ کا ہاتھ چوم لیا اور عرض کیا کہ ان تینوں کا فرق سمجھادیں تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تینوں کلام (قرآن، حدیث قدسی اور حدیث) اگرچہ نکلے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے دہن مبارک سے اور آپ کے انوار تینوں میں موجود ہیں۔ مگر پھر بھی فرق ہے۔ قرآن میں جو نور ہے وہ ذات حق کا نور ہے، اس لئے کلام قدیم ہے اور حدیث قدسی میں جو نور ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کا نور ہے اور نور قرآن کی طرح کا نہیں۔ قرآن کا نور قدیم ہے اور اس کا نور قدیم نہیں اور غیر قدسی حدیث میں جو نور ہے وہ ذات محمدی کا نور ہے لہذا تین قسم کے نور ہوگئے۔ نور قرآن منسوب ہے ذات باری کی طرف۔ اور حدیث قدسی کا نور منسوب روح محمدی کی طرف اور عام احادیث کا نور منسوب ہے ذات محمدی کی طرف۔

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "قرآن سات حرفوں پر نازل کیا گیا ہے" اس حدیث کی تعبیر میں علماء کا وسیع اختلاف ہے۔ حرف کا مفہوم بروئے لغت معلوم ہے پھر علماء کا اس قدر اختلاف باعث حیرت ہے اور کسی سے تسکین نہیں ہوتی ان اختلافی اقوال کی تعداد چالیس سے بھی زیادہ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے معنی بہت دقیق ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اصل معنی اور مفہوم ان تمام اقوال سے باہر ہوں حالانکہ یہ حدیث حضرت عمر بن الخطاب ہشام بن حکیم، ابی بن کعب، عبدالرحمن بن عوف، عثمان بن عفان، عمر بن ابی سلمہ اور ابوسلمہ، ابو جہیم سمرہ بن جندب، عمرو بن العاص، ام ایوب انصاریہ بکثرت صحابہ سے منقول ہے رضی اللہ علیہم اجمعین ابویعلیٰ موصلی اپنی مسند کبیر میں یہ روایت لائے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ خطبہ پڑھنے کے لئے ممبر پر کھڑے ہوئے اور حاضرین سے فرمایا کہ تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ جس نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے کہ "بے شک قرآن نازل کیا گیا ہے سات حرفوں پر" وہ اٹھ کھڑا ہو، یہ سن کر ہر چہار جانب سے بے شمار صحابہ کھڑے ہوگئے سب نے کہا کہ "ہاں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے" پھر حضرت عثمان نے کہا کہ کہاں میں نے بھی ایسا ہی سنا ہے اس موضوع پر علمائے سابقین نے مفصل کتابیں لکھی ہیں

Marfat.com

جن میں علامہ ابوبکر باقلانی ۔ حافظ کبیر ابن الجزری ۔ علامہ ابن حجر کی تجرید بخاری کی شرح میں علامہ جلال الدین سیوطی کی تقریر کتاب الاتقان میں مولف کتاب لکھتے ہیں کہ میں نے یہ سب پڑھی مگر مجھے تسکین نہیں ہوئی لہذا میں نے یہ حدیث حضرت ممدوح کو پیش کی آپ نے وعدہ کیا کہ کل انشاء اللہ جواب دیں گے ۔ اگلے روز حضرت ممدوح نے فرمایا کہ بے شک جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ سچ اور حق ہے ۔ چنانچہ مکمل تین دن تک اس موضوع پر حضرت ممدوح ارشاد فرماتے رہے اور میں نے حسب استطاعت جو کچھ حاصل کیا وہ یہ ہے کہ ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کو فطرتاً ایک خاص قوت عطا فرمائی گئی تھی جس کے انوار کی سات قسمیں ہیں اور ہر ایک نور کے دو رخ ہیں ایک بجانب اللہ تعالےٰ دوسرا بجانب خلق ۔ پہلا رخ بارش کی طرح ہر وقت برستا رہتا تھا نہ کبھی رکتا تھا اور نہ اس کی رفتار سست پڑتی تھی ۔ پس حق تعالیٰ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید کی کوئی آیت نازل فرماتا تو اس رخ اول کا کچھ حصہ اس کے ساتھ نازل کرتا ۔ وہ نور بجہت حق سبحانہ، تعالےٰ کبھی نہیں تھمتا تھا مگر بجہت مخلوق اس کا کچھ حصہ نازل ہونے والی آیت کے ساتھ ہوتا ۔ اسی صورت سے جب دوسری آیت نازل فرماتا تو اس کے ساتھ دوسرے نور کا کچھ حصہ نازل ہوتا اور تیسری آیت کے ساتھ تیسرے نور کا کچھ حصہ ۔ یعنی ہر آیت کے ساتھ مذکورہ سات انوار میں سے کسی نہ کسی نور کی معیت ضرور ہوتی اور سات حروف سے یہی ہفت انوار مراد ہیں ۔ درحقیقت کہ ہر حرف کا ایک نور ہے شیخ العلوی کے فرمودات کے تحت بیان ہو چکی ہے ۔ چونکہ فی زمانہ ان انوار کی معرفت ممکن نہیں اس لئے ان کا اظہار بجائے حرف واحد کے الفاظ اور کلمہ کے ذریعہ ہوگا یہ سات حروف جن میں سات انوار باطنی کا ظہور ہوا یہ ہیں ۔

اول :۔ حرف نبوت آیت شریفہ جو اس نور کے تحت نازل ہوئیں ان کا تعلق صبر کا حکم دینا ، دنیاوی لذات سے نفرت دلانا اس لئے کہ نبوت کا خاصہ ہے ۔ حق کی طرف جھکنا ۔ حق بات کہنا ۔ راہ حق پر چلنا اور مخلوق کی خیر خواہی کرنا ۔

دوم :۔ حرف رسالت وہ آیت شریفہ جو اس نور کے ذریعہ نازل ہوں گی ان کا خاصہ ہے کہ عالم آخرت اس کے درجات ، مقامات ، ثواب وغیرہ زیر بحث لائے

Marfat.com

سوم :۔ حرف آدمیت ، وہ نور ہے جسکو بنی آدم میں رکھا گیا اور اس سے اس کو کلام پر قدرت حاصل ہوئی یہ ایسا کلام ہے جو ملائکہ اور جنات کے کلام سے مختلف اور ممتاز ہے اگرچہ یہ نور ہر بشر میں ہے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں یہ نور اپنے منتہا پر ہے کہ اس سے آگے عالم بشریت کی پہنچ نہیں ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں طہارت پاکیزگی اور صفائی اکمل ترین مرتبہ میں ہے ۔ قرآن کریم کا نزول اسی بشری کلام اور لغت میں ہوا ۔

چہارم :۔ حرف روح اس نور کے ساتھ جو آیات شریفہ نازل ہوئیں ان کا تعلق ذات وصفات حق سے ہے ۔ مخلوق کا کوئی تذکرہ نہیں ۔

پنجم :۔ حرف علم وہ آیتیں جو اس نور کے ساتھ نازل ہوئیں ان کا تعلق امم ماضیہ کے حالات سے ہے ۔ جیسے عاد و ثمود ، بنی اسرائیل وغیرہ کے قصص ۔

ششم :۔ حرف قبض وہ آیتیں جو اس نور کے ساتھ نازل ہوئیں ان کا روئے سخن اہل ضلالت اور کفار سے ہے جن کو ڈرانے دھمکانے اور ڈانٹ ڈپٹ کے لئے ایسی آیتیں نازل ہوئیں ۔ چونکہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو ایسی ظلمت میں دیکھتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انقباض ہوتا تھا ۔

ہفتم :۔ حرف بسط ۔ ایسی آیات جن میں اللہ تعالیٰ کے انعام واکرام کا ذکر ہوا یا ان نعمتہائے خداوندی جو انسان کو حاصل ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک طرح کا انبساط اور خوشی ہوتی تھی ۔ ان ساتوں انوار میں سے ہر ایک کی تین سو چھیاسٹھ اقسام ہیں اگر ہر ایک کی شرح اور تفسیر کردی جائے تو باطن محمدی صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب کی طرح روشن ہو جائے اور دنیا میں کوئی شخص ایسا باقی نہ رہے جو ایمان نہ لے آوے مگر عالم آخرت میں دو مقام یعنی جنت اور دوزخ طے ہو چکے ہیں اس لئے ان اسرار کو مخفی رکھا گیا ہے ۔ سائل نے سوال کیا کہ حدیث کا ظاہری مفہوم واضح کر رہا ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت مختلف طریقے سے کرنے کا تعلق قرآن کے الفاظ کے نطق کی کیفیت سے ہے نہ کہ باطنی نور سے جیسا کہ حضرت عمر بن خطاب کا قول منقول ہے کہ " میں نے ہشام بن حکم کو ان حروف پر قرآن پڑھتے ہوئے سنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہیں بتلائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو صحیح قرار

Marfat.com

دیا اس کا حضرت ممدوح نے یہ جواب دیا کہ تلفظ کا جو اختلاف احادیث میں مذکور ہے وہ اصل میں فرع ہے انہیں انوار باطنی کے اختلاف کی۔ جیسے حروف پر جزم اور پیش ناشی ہیں نور فیض پر اور زبر پتہ دیتا ہے نور رسالت کا جب کہ زیر اطلاع دیتا ہے نور آدمیت کی سا س پر مجلس میں موجود علماء نے سورہ فاتحہ اور سورہ بقر کی چند آیات تلاوت کیں تو حضرت ممدوح نے انوار باطنیہ کو ہر لفظ پر مرتب کر کے صریحاً بتلا دیا۔ پھر سائل نے۔ امام نافع۔ ابن کثیر۔ ابو عمرو ابن العلاء۔ ابن عامر۔ عاصم، حمزہ اور کسائی کی جدا جدا قرات میں تلاوت کی تو حضرت ممدوح نے الفاظ کے عجائب اور غرائب بیان فرمائے جن سے یہ واضح ہو گیا قرات سبعہ کا اختلاف محض انوار کے اختلاف کی وجہ سے ہے۔

مذکورہ بالا حروف سبعہ میں سے ہر ایک کے اجزا بھی سات ہیں جو تمام مل کر انچاس (۴۹) ہو جائیں گے۔ تفصیل ان کی اس طرح سے ہے کہ حروف سبعہ سے مراد سات انوار ہیں یعنی (۱) آدمیت (۲) فیض (۳) بسط (۴) نبوت (۵) روح (۶) علم (۷) رسالت اور ہر ایک کے سات سات اجزا۔ اول آدمیت کے اجزا۔ (۱) کمال حسن ظاہری (۲) کمال حس ظاہری (۳) کمال حسن باطنی (۴) کمال حواس باطنی (۵) ذکوریت (۶) نزع خط شیطانی (۷) کمال عقل۔

دوم فیض کے اجزا۔ (۱) وہ حاسہ جس سے خیر میں لذت اور باطل سے کلفت ہو۔ (۲) انصاف (۳) حلم (۴) امتثال سے نفرت (۵) امر جنس کی طرف میلان (۶) انقباض کی قوت کاملہ (۷) حق گوئی سے شرم نہ کرنا۔

سوم بسط کے اجزا۔ (۱) فرح کامل (۲) ذات میں خیر کا قیام (۳) فتح حواس ظاہری (۴) فتح حواس باطنی (۵) رفعت (۶) حسن تجاوز (۷) انکسار۔

چہارم نبوت کے اجزا (۱) حق گوئی (۲) صبر (۳) رحمت (۴) معرفت الٰہیہ (۵) خوف تام (۶) بغض از باطل (۷) عفو۔

پنجم: روح کے اجزا۔ (۱) ذوق انوار (۲) طہارت (۳) تمیز (۴) بصیرت (۵) عدم الغفلت (۶) قوت سریان (۷) تکلیف دینے والے اجرام سے بے حسی۔

ششم: علم کے اجزا۔ (۱) حمل علوم (۲) عدم اضاعت (۳) معرفت لغات۔

Marfat.com

(۴) انجام سے واقفیت (۵) احوال کونین سے تعلق رکھنے والے علوم سے آگہی (۶) احوال ثقلین سے تعلق رکھنے والے علوم سے واقفیت (۷) تمام جہاں کا صرف سامنے کی جہت میں منحصر رہ جانا۔

ہفتم: رسالت کے اجزاء: (۱) ذات میں روح کا قیام برضا و محبت (۲) علم کامل (۳) ہر شخص کے ساتھ سچائی (۴) سکینت اور وقار (۵) مشاہدہ کاملہ (۶) موت بحالت حیات (۷) اہل جنت کی سی زندگی۔

اب صحابہ کرام اور دیگر قراء میں جو اختلافات تلفظ قرآن کے متعلق وارد ہوئے ہیں ان کا مذکورہ انوار سبعہ باطنیہ میں پایا جانا معلوم کرو کیونکہ حروف تہجی جن سے عربی کلام مرتب ہوتا ہے انتیس (۲۹) ہیں اور ہر ایک حرف کے لئے انوار مذکورہ میں سے ایک نور ہے (الف) کے لئے امتثال ہے جو قبض کے اجزاء میں سے ہے۔ "ب" کے لیے سکینت ہے کہ اجزاء رسالت میں سے ہے۔ "ت" کے لئے کمال حواس ظاہری ہے کہ اجزاء کے آدمیت میں سے ہے "ث" کیلئے التفات ہے کہ اجزائے قبض میں ہے۔ "ج" کے لئے صبر ہے کہ اجزائے نبوت میں ہے "ح" کے لئے رحمت کاملہ ہے کہ اجزائے نبوت میں ہے۔ (خ) کیلئے ذوق الاولیٰ ہے اجزائے روح میں ہے۔ "د" کیلئے طہارت ہے کہ اجزائے روح میں ہے۔ "ذ" کے لئے معرفت لغات ہے کہ اجزائے علم میں ہے۔ "ر" کیلئے حسن تجاوز ہے کہ اجزائے بسط میں ہے۔ "ز" کیلئے ہر شخص کے ساتھ سچائی ہے کہ اجزائے رسالت میں ہے۔ "س" کیلئے انکسار ہے کہ اجزائے بسط میں ہے "ش" کیلئے انقباض کامل ہے کہ اجزائے قبض میں ہے۔ "ص" کیلئے عقل کامل ہے کہ اجزائے آدمیت میں ہے۔ "ض" کیلئے حق گوئی ہے کہ اجزائے نبوت میں ہے۔ "ط" کے لئے تنبہ ہے کہ اجزائے روح میں ہے۔ "ظ" کے لئے نزع حظ شیطان ہے کہ اجزائے آدمیت میں ہے۔ "ع" کے لئے عفو ہے کہ اجزائے نبوت میں ہے۔ "غ" کے لئے کمال صورت ظاہری ہے کہ اجزائے آدمیت میں ہے "ف" کے لئے معرفت الہیہ ہے کہ اجزائے نبوت میں ہے "ل" کے لئے علم کامل کہ اجزائے رسالت میں ہے "م" کے لئے ذکوریت ہے کہ اجزائے آدمیت میں ہے "ن" کے لئے فرح کامل

Marfat.com

ہے کہ اجزائے بسط میں ہے ۔ " د " کیلئے موت بحالت حیات ہے کہ اجزائے رسالت میں ہے ۔ " ہ " کیلئے ضد سے نفرت ہے کہ اجزائے قبض میں ہے " لا " کیلئے عدم غفلت ہے کہ اجزائے روح میں ہے اور آخری حرف " ی " کے لئے خوف تمام کو اجزائے نبوت میں سے ہے ۔

جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے کہ حروف سبعہ میں سے ہر ایک کے اجزا بھی سات، سات ہیں اور اس طرح تمام انچاس (۴۹) ہو گئے اب ان میں سے حروف نہجی کے انتیس (۲۹) حروف نکال کر باقی بیس (۲۰) بچے ان کی تفصیل، تشریح اور تفسیر اس طرح سے ہے کہ حروف " مدولین " تین ہیں یعنی ۔ " ا " ، " و " " ی " یہ حروف قرآن مجید میں جہاں پر بھی آئے ہیں ہیں ان کو کھینچ کر پڑھا جاتا ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حروف کو بعض دفعہ بقدر ایک الف کھینچا اور بعض دفعہ بقدر دو الف اور بعض کو بقدر تین الف اور بعض کو بقدر چار الف اور بعض کو بقدر پانچ الف اور بعض کو بقدر چھ الف ۔ اس صورت سے ان تینوں حروف کے چھ چھ اجزا ہوئے جو ملکر اٹھارہ ہو جائیں گے اور ان کی تفصیل یہ ہے کہ " ا " (الف) کے بلحاظ مدات چھ مراتب ہیں ۔ اول، کمال صورت باطنی، دوم قیام روح برضا و محبت، سوم حاسہ ۔ التذاذ بالخیر اور والکلف بالشر، چہارم کمال حواس باطنی پنجم لبغض باطل، ششم ۔ ذات میں خیر کا قیام ۔ اسی صورت سے " و " کے بلحاظ مراتب ملات چھ اجزا یہ ہیں ۔ اول ۔ حق بات میں نہ شرمانا ۔ دوم، ہم جنس کیطرف میلان، سوم حواس ظاہری کی کشود ۔ چہارم ۔ حواس باطنی کی کشود ۔ پنجم ۔ اجسام موذیہ کا عدم احساس اور ششم اجرام میں گھس جانے کی طاقت ۔ " ی " کے بلحاظ مراتب مدات چھ جزو یہ ہیں ۔ اول، عدم اضاعت، دوم جہات کا صرف سامنے کی جہت میں انحصار سوم انجام سے واقفیت چہارم احوال ثقلین کی معرفت ۔ پنجم، علوم، ششم احوال کونین سے واقفیت اور اہل جنت کی سی حیات اس صورت سے حروف سبعہ کے کل سینتالیس (۴۷) اجزا ہو گئے باقی ۔ دو جزو یہ مشاہدہ اور کمال رفعت سو ان کے انوار اور اسرار پر قران مجید کی کتابت مرتب ہوئی یعنی وہ حروف جو لکھنے میں آتے ہیں پڑھنے میں نہیں آتے ۔ جیسے الصلوٰۃ کی " و " اور

Marfat.com

موسیٰ کی "ی"، کہ ہر ایک میں مذکورہ دو اسرار میں سے کوئی ایک سر رکھا ہے۔ یعنی اگر کلمہ کا مدلول اور محسوس اور نظر آنے والا ہے۔ جیسے موسیٰ، عیسیٰ کہ نام ہیں دو پیغمبروں کے جو محسوس اور مشاہد ہیں اس لئے اس کو سر مشاہدہ کہا جائے گا اور اگر ان کا مدلول غیر محسوس کوئی امر معنوی ہے تو اس میں مقام رفعت کا نور ہوگا جیسے "ساوریکم" یعنی عنقریب میں تم کو دکھاؤں گا۔ اس میں "و" مکتوب ہے مگر پڑھی نہیں جاتی اور مدلول کلمہ امر اور محسوس نہیں ہے تو اس میں سر رفعت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو اسی طرح قرآن مجید لکھنے کا حکم فرمایا تھا۔

حدیث مذکورہ کی تفسیر کسی نے اس سے پہلے نہیں کی اپنی جامعیت کے لحاظ سے یہ تفسیر اتنی واضح ہے حضرت عبدالعزیز دباغ کے ہم عصر علمائے اس کو ایک عجیب وغریب اور صحیح تفسیر تسلیم کیا ہے۔ ایک امی محض کی یہ تفسیر علمائے ظاہر کے لئے ایک عبرت ہے قرآن مجید کے لغوی معنیٰ کرنا اور اسی طرح احادیث کا ترجمہ یا مفہوم بیان کرنا۔ علم کا ایک ظاہری پہلو ہے جس سے نہ باطن روشن ہوگا نہ اخلاق حمیدہ پیدا ہوں گے اور نہ ہی معرفت حاصل ہوگی ایسے علوم کا انحصار محض تحریر و تقریر تک محدود ہوگا جو صاحب علم کی شہرت کا باعث تو بن سکتا ہے۔ مگر خلق خدا کو صراط مستقیم دکھانے۔ ان میں ایمان و یقین پیدا کرنے اور عمل صالح کے صدور کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔ اسی لئے حضرت ممدوح نے فرمایا کہ "اگر کوئی طالب علم شہر، شہر اور ملکوں ملکوں کا سفر کرتا پھرتا ہے مگر اس نیت سے کہ علم حاصل ہو جائے گا تو اس کی عزت بڑھے گی لوگوں کے دلوں میں میرا جاہ اور میری بات کا اثر قائم ہوگا اور جہاں جاؤں گا بنظر احترام دیکھا جاؤں گا غرض اس نیت باطلہ کے تحت بہت سی محنتیں اور مشقتیں برداشت کرتا ہے۔ مگر یاد رکھو کہ حق تعالیٰ اسکو نور علم سے محروم رکھے گا اور وہ راسخ فی العلم ہرگز نہ بن سکے گا[1] جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝ (سورہ حم سجدہ) (یعنی یہ بات تو صرف ان لوگوں

---

[1] ابریز حصہ دوم صفحہ ۱۲

Marfat.com

کو نصیب ہوگی جو بڑے صبر کرنے والے ہیں۔ اور نہ ملے گی مگر ان کو جو بڑے نصیب والے ہیں) آیت کا پہلا حصہ تو ظاہر کر رہا ہے کہ یہ انوار ان کا نصیب ہوں گے جن کی نیت خالصتاً خوشنودی حق ہے اور اس راہ میں وہ نہایت مستقل مزاجی کے ساتھ قائم رہتے ہوئے ہر قسم کے مجاہدے اور ریاضت، محنت اور مشقت پر صبر کریں گے۔ جب کہ آیت کا دوسرا حصہ اشارہ کر رہا ہے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی عطا و بخشش ہوگی نہ کہ محض ان اعمال کا ثمرہ جو بندہ کرتا ہے اس لئے کہ "وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ" اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ جس نے تم کو اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا۔

Marfat.com

فصل ہشتم

سریانی زبان

جیسا کہ گذشتہ بیان سے ظاہر ہو چکا ہے کہ حضرت عبدالعزیز دباغ امی محض ہونے کے باوجود عربی اور قرآنی علوم سے مکمل واقفیت رکھتے تھے اور قرآن کریم کے حروف میں مخفی انوار سے بھی آپ کو کلی معرفت حاصل تھی۔ اسی طرح واقفیت سریانی زبان جو کہ اپنی اصل میں ارواح اور ملائکہ کی زبان ہے۔ اس زبان کا بھی آپ کو عرفان حاصل تھا۔ حضرت ممدوح فرماتے ہیں کہ سریانی زبان سے واقفیت صرف غوث کو ہوتی ہے۔ یا اس کے ماتحت سات قطبوں کو اور مجھے یہ زبان ۱۱۲۵ھ میں احمد بن عبداللہ نے سکھائی تھی۔ تقریباً ایک مہینے کے عرصے میں جب کہ حروف تہجی کا ہر حرف جس معنی کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ اس کی تعلیم ۸ ذی الحجہ ۱۱۲۹ھ کو دی جس کو میں ایک دن میں ہی سمجھ گیا۔ امام ترمذی نے "نوادر الاصول" میں لکھا ہے کہ سورتوں کے مقطعات (جیسے۔ ص۔ ق وغیرہ) میں اشارہ ہے۔ تمام ان مضامین کی طرف جو اس سورہ میں بیان کئے گئے ہیں اور ان کا علم بجز اقطاب کے کسی کو نہیں کیونکہ وہ حکمائے خداوندی ہیں اور اللہ ہی سے انہوں نے اس حکمت کو حاصل کیا ہے۔ اس کا نام علم الحروف ہے اور انہی حروف سے تمامی علوم کی تعبیر ہوتی ہے۔

سریانی زبان کی تحریری شکل کی ترکیب حروف پر مبنی ہے ہر ایک حرف کلمہ کا مفہوم رکھتا ہے اور معنی کے لحاظ سے معرفت کثیرہ کا حامل ہے۔ زیر۔ زبر۔ پیش اور تشدید کی حالت میں اس حرف کے معنی اور معرفت بھی بدل جاتی ہے۔ جب ایک حرف کو دوسرے حرف سے ملاتے ہیں تو یہ عبارت بن جاتی ہے اور اس حالت میں اس کے معنی اور معارف کو اگر موجودہ زبانوں میں منتقل کیا جائے تو چند حروف کی عبارت کے لئے کئی صفحات درکار ہوں گے۔ ہر ایک حرف کے لئے انسانی منہ زبان اور حلق میں ایک مخصوص جگہ مقرر ہے چنانچہ سریانی حروف کے بولنے کے لئے مختلف مخرج ہیں کسی کی آواز حلق سے نکلتی ہے

Marfat.com

جیسے "خ" اور "غ" کسی کی آواز صرف ہونٹوں سے نکلتی ہے جیسے "ب" "م" اور بعض کے مخارج زبان کی حرکت سے منہ کے مختلف حصے ہیں۔ یوں حروف تہجی کے تمام انتیس حروف اپنے اپنے مخرج سے ادا ہوتے ہیں، یہ حروف اپنی اصلی شکل میں یا کچھ رد و بدل کے بعد ان تمام زبانوں میں موجود ہیں جو دائیں سے بائیں جانب لکھے جاتے ہیں دوسری زبانیں بھی مخرج کے لحاظ سے ان حروف سے پیوستہ ہیں چاہے ان کے لکھنے کی شکل کوئی بھی ہو۔ مثلاً انگریزی فرانسیسی جرمنی وغیرہ ان کا طرز تحریر تو مختلف ہے مگر ان کو بولنے کے تقریباً وہی مخارج ہیں، جو سریانی زبان میں متعین ہیں۔ سریانی زبان تمام زبانوں میں سرایت کیے ہوئے جیسے لکڑی کے اندر پانی سرایت کئے ہوئے۔

کم حروف اور معرفت کثیرہ کی وجہ سے یہ زبان ارواح اور ملائکہ کی زبان ہے اس لئے کہ روح میں قوت ادراک بہت زیادہ ہے اور وہ حرف کے اشاروں ہی سے مفہوم سمجھ لیتی ہے۔ حضرت آدم جنت میں رہتے ہوئے ملائکہ سے اسی زبان میں گفتگو کیا کرتے تھے اور جب زمین پر آئے اور ان کے یہاں اولاد ہوئی تو اس کو بھی یہی سریانی زبان سکھائی چونکہ ان کا اور ان کی اولاد کا زمانہ جنت ملائکہ کے قرب کا زمانہ تھا اس لیے ان کے معارف و معانی چند حروف کے توسط سے سمجھنا مشکل نہ تھا۔ مگر جیسے جیسے بعد بڑھتا گیا تو بنی آدم پر غفلت طاری ہوتی گئی اور اس طرح تحریر و تقریر میں الفاظ اور الفاظ سے کلمات اور کلمات سے عبارت ایجاد ہوئی جس کے بولنے اور لکھنے کے طریقے مختلف ممالک میں بسنے والوں نے الگ الگ ایجاد کر لئے۔ چنانچہ زبان دانی کے محققین اور عالموں نے ان زبانوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اول۔ ایریانی جیسے ہندوستان ایران اور فرنگستان دوم تورانی جیسے ترکستان چین اور منگولیا وغیرہ سوم سامی جس میں عرب ممالک وغیرہ شامل ہیں[1] حضرت ممدوح فرماتے ہیں کہ سریانی حضرت ادریس کے زمانہ تک قائم تھی اور ان کے بعد بدل گئی۔ اس تبدیل شدہ زبانوں میں قدیم ترین علماء نے

---

[1] ارض القرآن صفحہ ۸۶

Marfat.com

عبرانی زبان کا نام دیا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان تھی۔ سید سلیمان ندوی ارض القرآن کے صفحہ پر ۲۴۷ پر لکھتے ہیں کہ۔

" علمائے سریانی نے آرامی زبان کی قدامت میں بہت مبالغہ کیا ہے یہاں تک کہ ان کا بیان ہے کہ حضرت آدم کی زبان یہی تھی لیکن اہل تحقیق اس سے زیادہ تسلیم نہیں کرتے کہ یہ عبرانیوں کے پدر اعلےٰ ابراہم کی زبان ہے"

مگر حضرت ممدوح فرماتے ہیں کہ سریانی زبان یا اس سے ملتی جلتی زبان سب سے پہلے ہندوستان میں ایجاد ہوئی اس پر مناسب موقع پر روشنی ڈالی جائے گی۔

حضرت ممدوح فرماتے ہیں کہ باوجود یہ کہ سریانی زبان باقی نہیں رہی مگر پھر بھی موجودہ زبانوں میں اس میں سے کوئی ایسا حرف ضرور مل جائے گا جو اپنی سابق وضع جو اس کو سریانی زبان میں حاصل تھی اس پر قائم ہے اس کی چند مثالیں آپ نے عربی زبان کے حوالے سے بیان فرمائیں جیسے لفظ " حائط "جس کے معنی عربی لغت کے اعتبار سے گھر یا باغ کو گھیر لینے والی چیز یعنی چار دیواری کے ہیں مگر سریانی زبان میں اس معنی کو صرف حرف " ح " ظاہر کر رہا ہے باقی حروف بدرجہ مہمل اور زائد میں ہیں ایسے ہی لفظ " مَاءٌ " جس کے معنی پانی کے ہیں مگر سریانی زبان میں حرف " ہمزہ " یہی معنی ظاہر کرتا ہے۔ اسی صورت لفظ " السَّمَاءُ " ہے جس کے معنی ہیں آسمان مگر سریانی زبان میں اس معنی کو صرف " س " ادا کر رہا ہے۔

مولف کتاب نے ایک قصہ درج کیا ہے کہ " عبدالرحمٰن بن ابراہیم بڑے دیندار تاجر تھے جب وہ حج بیت اللہ گئے تو سید ابراہیم دسوقی کے مزار پر حاضری دی تو انہوں نے یہ دعا تعلیم فرمائی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الْخَالِقِ الْأَكْبَرِ - وَهُوَ حِرْزٌ مَانِعٌ مِمَّا أَخَافُ مِنْهُ وَ أَحْذَرُ لَا قُدْرَةَ لِمَخْلُوقٍ مَعَ قُدْرَةِ الْخَالِقِ يُلْجِمُهُ بِلِجَامِ قُدْرَتِهِ أَحْمِي حَمِيثًا أَطْمِي طَمِيثًا وَ كَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيزًا حمعسق حمايتنا كهيعص كفايتنا فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

Marfat.com

اور ارشاد فرمایا کہ اس دعا کو پڑھ لو اور پھر کسی چیز کا خوف نہ کرو۔ مگر مذکورہ عبدالرحمن کو اس دعا میں سے بعض کے معنی معلوم نہ تھے اس لئے پڑھنے سے گریز کیا کہ خلاف شرع نہ ہوں۔ انہوں نے مجھ (مولف) سے معنی دریافت کئے چونکہ مجھے بھی معلوم نہ تھے اس لئے میں نے حضرت ممدوح کو پیش کئے انہوں فی البدیہہ فرمایا کہ آج سطح زمین پر ان کا بولنے والا کوئی نہیں تم کو کیسے ہاتھ لگ گئے تب میں نے سارا قصہ سنایا تو فرمایا کہ بے شک سید ابراہیم اولیائے کبیر میں سے تھے وہ ایسے کلمات بتلا سکتے ہیں اور فرمایا کہ یہ دو قول کلمہ سریانی زبان کے ہیں۔ "انمی" کا ترجمہ ہے یا مالک اور اس کے اسرار میں ہے اے مالک۔ بادشاہ یا عظمت عظیم الشان حی و قیوم "رحیثا" اس کی مملکت کی طرف اشارہ ہے گویا اس کا قائل کہہ رہا ہے کہ اے مالک اسرار۔ اے مالک انوار۔ اے مالک لیل و نہار اے برسنے والے بادلوں کے مالک اے چاند اور سورج کے مالک اے دینے اور نہ دینے کے مالک۔ اے پستی اور بلندی کے مالک اے بڑی حیات کے مالک۔ اے ہر چیز کے مالک۔ غرض کہ اس میں وہ سر عجیب ہے کہ نہ قلم ادا کر سکتا ہے اور نہ زبان "اطمی" کے معنی حق تعالیٰ کے اوصاف کبریائی و عظمت اور قہر و سطوت کے ہیں گویا وہ کہہ رہا ہے کہ اے وہ ذات جس کو علم ہے ہر چیز کا جس کو قدرت ہے ہر چیز پر۔ جس کا ارادہ حاوی ہر چیز کو تدبیر جاری ہے ہر چیز میں جس کے ملنے مجبور ہے ہر چیز۔ جس کے عاجز ہوتے کا نہ وہم ہو سکتا ہے نہ اس کے تصرفات میں کسی قسم کے نقص کا احتمال اور "طمیثا" اشارہ ہے ممکنات کی جانب جن میں اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو ارادہ کرتا ہے حکم دیتا ہے پاک ذات ہے اور بغیر اس کے کوئی قابل پرستش نہیں غرض اس میں بھی وہ سر عجیب ہے جس کو نہ قلم ادا کر سکتا ہے اور نہ زبان

علامہ جلال الدین سیوطی کا شعر ہے

وَمِنْ غَرِیْبِ مَا تَرَیٰ الْعَیْنَانِ ۔۔۔ اِنَّ سَوَالَ الْقَبْرِ بِالسُّرْیَانِیْ

یعنی عجیب بات جو آنکھوں کو نظر آئے گی کہ قبر میں سوال سریانی زبان میں ہوگا"

حضرت ممدوح نے فرمایا کہ سوال قبر میں خاص سریانی زبان میں ہوگا کیونکہ ملائکہ

Marfat.com

اور ارواح کی زبان یہی ہے۔ منکر نکیر گروہ ملائکہ میں سے ہیں اور جواب دینے والی روح ہوگی کیونکہ جب ذات ترابی کا پردہ اٹھ گیا تو روح اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹ آئی جب کسی ولی کو اللہ تعالیٰ فتح کبیر عطا فرماتا ہے تو اس پر روح غالب ہوتی ہے اور وہ بغیر کسی کے سکھائے سریانی زبان سمجھتا ہے اور بولتا ہے تو روح کے لئے کیا مشکل ہے خواہ اس کی دنیاوی زبان کچھ بھی رہی ہو۔ آپ نے قبر کے سوال و جواب کے متعلق فرمایا کہ سوال ہوگا "مُرَازْ ھُو" اس کے اعراب ضبط کرو اول میم مفتوح اس پر ہلکی سی تشدید پھر "ر" مفتوح اور آگے الف پھر "ز" ساکن اور اس کے بعد "ہ" مضمومہ کے ساتھ "و" ہر حرف مفرد کے سریانی میں خاص معنی ہیں۔ حرف "م" دلالت کرتا ہے۔ تمامی کائنات اور ساری مخلوق پر حرف "ر" وضع ہوا ہے تمام خوبیوں کے لئے جو کائنات میں ہیں "ز" وضع ہوئی ہے۔ تمام برائیوں کے لئے جو کائنات میں ہیں۔ اور "ہ" دلالت کرتی ہے اس ذات پر جس نے تمام عوالم پیدا کئے۔ لفظ "ہ" میں "و" کی وجہ سے کشش ہے تاکہ کھینچ کر پڑھو پس حرف اول سے اشارہ تمام خوبیوں کی طرف جو کائنات میں ہیں اور ان میں سید الوجود صلی اللہ علیہ وسلم کا نور انبیاء۔ فرشتے آسمانی کتابیں جنت۔ لوح۔ قلم تمامی انوار جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اور جو کچھ عرش پر اوپر اور نیچے سب داخل ہوں گے۔ حرف سوم اشارہ تمام شرور پر کہ اس میں جہنم اور ہر ذات خبیثہ۔ شیطان اور دیگر شر اور گندگی والی اشیاء داخل ہوں گی حرف چہارم "ہ" دلالت کر رہی ہے حق سبحانہ کی طرف۔ گویا پوچھتے ہیں کہ تمام کائنات بمعہ سید الوجود صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کے انبیاء ملائکہ کتب سماویہ جنت اور تمام شیاطین اور تمام برائیوں کا خالق کون ہے اگر مردہ مومن ہوتا ہے تو وہ جواب دیتا ہے کہ "مُرَادَا زہرھو" اول "م" مفتوح اس پر ہلکی سی تشدید پھر "ر" مفتوح اور آگے الف پھر "د" ساکن اس کے بعد ہمزہ مفتوحہ اور پھر "ز" مکسورہ پھر "ی" اس پر ہلکا سا سکون پھر "ر" ساکن اس کے بعد حسب سابق "ہ" اور "و" ہلکے سے سکون والی مطلب کہ "م" حسب سابق اشارہ ہے تمام کائنات کی طرف۔ حرف دوم "ر" اشارہ ہے نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور تمام انوار جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منتزع ہوئے یعنی ملائکہ انبیاء مرسلین لوح قلم اور ہر وہ چیز جس میں

Marfat.com

نور ہے حرف سوم "د" اشارہ تمام چیزوں کے برحق ہونے پر جو پہلے حرف میں داخل ہیں چہارم حرف ہمزہ مفتوحہ اپنے مابعد کے مدلول کی طرف کیونکہ یہ صرف اشارہ ہے۔ حرف پنجم حسب سابق دلالت کردہ شر اور برائی پر جیسے دوزخ اور دیگر ظلمت اور شر، حرف ششم "ر" ساکنہ اشارہ ہے ہر اس چیز کے حق ہونے پر جو حرف سابق یعنی "ز" میں داخل ہیں جس کو "ی" کے ساتھ کھینچ کر پڑھا ہے اور "ہ" جس پر فتحہ ہے۔ کھینچ کر ہلکی سی "و" پیدا ہوگئی ہے اشارہ ذات حق کی طرف پس حاصل جواب یہ ہوا کہ کہتا ہے کہ تمام کائنات کا اور ہمارے نبی برحق کا اور انبیا کا جو کہ برحق ہیں اور تمام فرشتوں کا جو کہ برحق ہیں اور تمام انوار کا جو کہ برحق ہیں اور عذاب جہنم کا جو کہ برحق ہے اور ہر قسم کے شر جو کہ برحق ہے سب کا پیدا کرنے والا اللہ ہے جس کا نہ کوئی شریک ہے اور نہ حکم کو ٹالنے والا جب مردہ یہ صحیح اور حق جواب دیتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں "ناصو" یعنی "ن" مفتوحہ جس کے بعد الف ہے جو زیر کھینچنے سے پیدا ہوا دلالت کر رہا ہے ذات میں موجود نور پر اور "ص" مکسورہ دلالت کر رہا ہے مٹی پر اور "ر" ساکنہ دلالت کر رہی ہے ماسبق کے حق ہونے پر مطلب یہ ہوا کہ ہاں تیرا نور ایمان جو تیری ذات ترابی جس کی اصل مٹی ہے قائم اور دمک رہا ہے اور وہ حق اور صحیح ہے واقع کے مطابق ہے جس میں کوئی شک نہیں گویا یہ اس حدیث کا مفہوم جس میں مذکور ہے کہ مومن کا جواب سنکر فرشتے کہیں گے اچھا اب آرام سے سو جاؤ ہمیں علم ہو چکا کہ تم اہل یقین اور صاحب ایمان ہو۔

فصل نہم

سریانی اور سنسکرت

حضرت ممدوح کا فرمانا کہ سریانی زبان ہندوستان میں قائم رہی مگر زمانے کا تعین نہیں فرمایا کہ کب تک قائم رہی۔ گو دیگر ممالک کے لیے تعین کر دیا کہ حضرت ادریس کے زمانے تک رہی۔ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے اس قول کو سنسکرت کی طرف منسوب کیا ہے۔ یہ تحقیق طلب مسئلہ ہے اس لیے اس پر میں نے جو تحقیق کی اس کا ماحصل درج ذیل ہے۔

سنسکرت زبان کا تحریری تعلق آریائیوں کے ہند میں آنے کے بعد کے زمانہ سے ہے مورخین اس پر متفق ہیں کہ آریہ ہندوستان میں ۱۵۰۰ ق م میں آئے [۱] گو اس کے بعد بھی لوگ وسطی ایشیا اور یورپ سے آتے رہے مگر پہلی آمد کا تعین اسی مذکورہ زمانہ سے ہے۔ ان آریائیوں کا اصلی وطن وسطی یورپ ہے یہ لوگ خانہ بدوش تھے۔ جانور پالتے تھے خاص طور سے گھوڑے ان کے محبوب جانوروں میں سے تھے اور ان کی نسل ہندوستان میں انہیں کے توسط سے آئی فنون جنگ و جدال میں ماہر تھے۔ ان کا سردار اور سپہ سالار اندرا نامی ایک شخص تھا۔ مذہب سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا اور لامذہب تھے مگر منظم اور اصول پسند لوگ تھے۔ انہیں کے ہاتھوں موہن جو ڈرو اور ہڑپا کی تہذیب تباہ ہوئی۔ کیونکہ یہاں کے قدیم باشندے جنگ و جدال سے واقف نہ تھے اور آریائیوں کے کشت و خون سے ڈر کر پہاڑوں اور جنگلوں میں چلے گئے۔ قدیم باشندے ان سے لامذہب ہونے کی وجہ سے نفرت کرتے تھے جب کہ آریہ قدیم باشندوں کو "کالے" ہونے کی وجہ سے قابل نفرت گردانتے تھے۔ وان ہیسٹنگ پہلا گورنر جنرل تھا جس نے سنسکرت کی تحقیق کی طرف توجہ دی۔ اس کے زمانے میں تحقیقی نتیجہ نکالا گیا کہ سنسکرت اپنی اصل کے اعتبار سے یورپین زبانوں سے ماخوذ ہے۔ الف واٹسن

---

[۱] A concise history of India, by F. Watson, P. 30.

Marfat.com

لکھتا ہے کہ:

"Warren Hastings first Governor General has encouraged sansekrat study, paved the way of philosophical recognition of common Aryan urigin of main European Language."

ترجمہ: وارن ہسٹنگ پہلا گورنر جنرل تھا جس نے سنسکرت کی تعلیم کی طرف توجہ دی۔ اور اس فلسفہ کی شناخت کرائی کہ آریاؤں اور اس زبان کا تعلق یورپین زبانوں سے ہے۔

اس وجہ سے اس فلسفے کو تقویت ملی کہ یہ زبان یورپین زبانوں کی طرح بائیں سے دائیں جانب لکھی جاتی ہے۔ سنسکرت زبان میں جو پہلی کتاب لکھی گئی وہ رگ وید تھی جس کے متعلق مؤرخین نے اس پر اتفاق کیا کہ یہ ۱۵۰۰ق م سے ۱۲۰۰ق م کے درمیان لکھی گئی۔ رگ وید کے متعلق چودھری لکھتا ہے:

"Reg ved's age is based on external evidence particularly language sansekrat in which it is written is akin to the old Persian of Gatna portion of Avesta which is generally supposed to go back to the early of 16th century B. C. (most hindus assigned the dates 1500 B. C. to 1200 B.C.)" [2]

ترجمہ: رگ وید کا ثبوت ظاہری شواہد سے ہے خاص طور سے سنسکرت زبان جس میں یہ لکھی گئی یہ زبان قدیم فارسی سے مشابہ ہے اور اَریہ ورت کے اولین زمانے سے تعلق رکھتی ہے یہ زمانہ عام طور سے سولہویں صدی قبل مسیح کے اوائل سے ہے جب کہ ہندو کہتے ہیں کہ اس کا تعلق ۱۵۰۰ق م

---

[1] A concise history of India, by F. Watson, P. 18.

[2] Hinduism, by N. R. Chowdhry, P. 30.

Marfat.com

سے ۱۲ سنہ قم سے ہے۔

انگریزوں کا یہ نتیجہ کہ یہ زبان یورپین زبانوں سے مشابہ ہے اس بنا پر ہے کہ اس کے حروف الفاظ اور طرز تحریر کو یورپین زبانوں سے مشابہت ہے جب کہ چودھری آس کا فارسی سے مشابہ ہونا اس لیے درست ہو سکتا ہے کہ بول چال اور معانی کے لحاظ سے یہ فارسی کے قریب ہے چونکہ ایران میں بھی آریاؤں ہی کی ایک جماعت جاکر آباد ہو گئی تھی اور ہندوستان سے ایران کے قریبی روابط تھے (جس کا قوموں کے سلسلے میں پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے) اس وجہ سے سنسکرت کا تعلق سریانی زبان سے کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوتا۔

حضرت عبدالعزیز دباغ کا ارشاد ہے کہ سریانی زبان حضرت ادریس کے زمانے میں تھی اور ان کے بعد اس میں تغیر و تبدل آیا حضرت ادریس کا زمانہ حیات متعین نہیں۔ حضرات انبیاء اور مرسلین کے بارے میں قرآن کریم کا ارشاد ہے :۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ	یعنی انبیاء علیہم السلام میں سے یہ
اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ	لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے
مِنْ ذُرِّيَّةِ آدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا	انعامات فرمائے اور یہ لوگ اولاد
مَعَ نُوحٍ وَمِنْ ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ	آدم۔ یا ان کی اولاد ہیں جو حضرت
(سورۃ مریم)	نوح کے ساتھ تھے یا حضرت
	ابراہیم کی اولاد۔

حضرت ابراہیم کی اولاد میں جن انبیاء کے نام مذکور ہیں، وہ اسحاق۔ یعقوب۔ سلیمن۔ ایوب یوسف۔ موسیٰ۔ ہارون۔ زکریا۔ یحییٰ۔ عیسیٰ۔ الیاس۔ اسماعیل۔ الیسع۔ یونس۔ لوط مگر ادریس کا بنو ابراہیم میں شامل ہونا حضرت دباغ نے نہیں لکھا قیاس سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ حضرت ادریس بنو ابراہیم میں سے نہ تھے کیونکہ حضرت ابراہیمؑ کی زبان عبرانی ہے جب کہ حضرت ادریس کی زبان سریانی تھی۔ حضرت ابراہیم کے متعلق ایک دوسری آیت مبارکہ میں ارشاد ہے کہ :

ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ ۔ یعنی آپ ان کی اولاد ہیں جن کو حضرت نوح کے ساتھ کشتی کے ذریعے بچایا گیا۔

Marfat.com

سید سلیمان ندوی نے ارض القرآن میں توریت کے حوالے سے حضرت ابراہیمؑ کا شجرہ اس طرح پر دیا ہے۔ ابراہیم بن تارح (آذر) بن نخور بن سروح بن رعو بن فلج بن یقطان بن عبر بن سلح بن ارفخشد بن سام بن نوحؑ[۵۱]

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ادریس، حضرت نوح و ابراہیم کے درمیان بھی کہیں نہیں۔ قرآن کریم میں حضرت ادریس کا ذکر ان الفاظ میں ہے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِدْرِيسَ	یعنی اس کتاب میں ادریس کا بھی
إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا	ذکر کرو وہ سچے نبی تھے اور ان کو
وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝	بلند مقام تک اٹھالیا۔

(سورہ مریم)

ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں حدیث اور صحابہؓ کے اقوال درج کیے جن کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ادریس کو چوتھے آسمان پر بمعہ جسم ترابی اٹھالیا گیا اور وہاں پر ان کی روح قبض کی گئی۔ یہ واقعات اس طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ حضرت ادریس ذریت آدم سے تھے نہ کہ ذریت نوح سے جیسا کہ مذکورہ آیت سے ظاہر ہے کہ انبیاء ذریت آدم سے تھے یا پھر ذریت نوح سے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو ثابت ہوگا کہ حضرت ادریس کو طوفان نوح سے پہلے ہی اٹھالیا گیا تھا۔ اس لیے سریانی زبان اور اس کی معرفت ان کے ساتھ ختم ہوگئی مگر اس کے اثرات حضرت نوح میں موجود تھے جو ان کی اولاد میں منتقل نہیں ہوئے اسی لیے دوسری زبانوں کو ایجاد کرنا پڑا۔ حضرت ابراہیم کا زمانہ مذکورہ تاریخ ارض القرآن کی رو سے ۲۲۰۰ ق م سے ۲۵۰۰ ق م کا ہے۔ اس وقت عبرانی زبان عام تھی۔ جیسا کہ حضرت اسماعیلؑ اور ان کی والدہ ہاجرہ کے نام عبرانی زبان کے الفاظ میں ہیں ہاجرہ کی اصل عبرانی میں "ہاغار" ہے جس کے معنی اجنبی اور بیگانہ کے ہیں چونکہ حضرت ہاجرہ کا تعلق مصر سے تھا اس لیے وہ حضرت ابراہیم کے وطن میں اجنبی تھیں اسی صورت سے اسماعیل کی اصل عبرانی میں "شماع ایل" جس کے معنی ہیں

۵۱۔ ارض القرآن صفحہ ۸۶۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کا سننا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی دعا سنی جس کے نتیجہ میں حضرت اسماعیل پیدا ہوئے[1] جیسا کہ حضرت ابراہیم کے نسب کے سلسلہ میں مذکور ہو چکا ہے۔

حضرت نوح کے سلسلے اولاد میں عبر چوتھے نمبر پر ہیں انہوں نے عبرانی زبان کی بنیاد رکھی اور انہیں کے نام سے یہ منسوب ہوئی۔

اقوام عالم کے علماء نے اس سطح زمین پر بسنے والے انسانوں کی رنگ کے اعتبار سے تین قسمیں کی ہیں۔ اول جنس ابیض (سفید) دوم جنس اسود (سیاہ) سوم جنس اصفر (زرد) توریت کی رو سے دنیا کی آبادی حضرت نوح کے تین لڑکوں سے ہے اول یافث بن نوح جس کی اولاد جنس ابیض ہے دوم حام بن نوح جس کی اولاد جنس اسود ہے سوم سام بن نوح جس کی اولاد جنس اصفر حام بن نوح کی چار اولادوں میں سے ایک کوش جس کو پدر حبش کہا گیا ہے۔ اسی کوش کی اولاد نے ہندوستان میں سکونت اختیار کی چونکہ ان کا رنگ کالا تھا اس نسبت سے اس ملک کا نام ہند ہو گیا جس کے معنی کالا سیاہ کے ہیں۔ فارسی ادب میں یہ لفظ انہیں معنوں میں استعمال ہوا۔ نسبت کے لحاظ سے یہ لوگ اپنے باپ کے نام کی وجہ سے کوشی کہتے تھے۔ جو بعد میں کولی۔ ہو گیا اور انگریزی میں کلورین۔ ان کی زبان کافی عرصہ تک سریانی رہی کیونکہ ان کے مدمقابل نہ کوئی دوسری آبادی تھی اور نہ ہی دوسری زبان اس لیے اختلاط سے پاک رہی۔ مورخین اس پر متفق ہیں کہ کلورین ہی سب سے پہلے تارکین وطن تھے جنہوں نے ہندوستان میں سکونت اختیار کی[2] ان کے بعد دراوڑین (دراوڑی۔ بادصیٹر) آئے جن کا اصل وطن یونان اور اٹلی تھا[3] ان دونوں قوموں کے باہمی اختلاط سے ایک مہذب متمدن معاشرہ وجود میں آیا ان کا مسکن شمالی ہند

---

[1] تاریخ ارض القرآن صفحہ ۲۸۰

[2] Journal of Royal Asiatic Society, Vol. 21, 1989, p. 187.

[3] Journal of Royal Asiatic Society, Vol. 21, 1989. P. 568.

Marfat.com

اور خاص طور سے وادی سندھ تھا۔ موہن جوڈرو اور ہڑپہ کے آثار اس کا ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ ان کے شہر اور قصبات پختہ مکانوں پر مشتمل تھے جن میں بہتے ہوئے پانی کا انتظام صاف ستھری گلیاں نہانے کے لیے حوض اور عبادت گاہیں تھی ان کی اپنی ایک زبان بھی تھی مذہب کے پابند تھے۔ کاشتکاری کے لیے نظام آب پاشی وضع کیا ذرائع حمل ونقل کے لیے بیل گاڑی استعمال کرتے تھے۔ یوگا جو صدیوں بعد ہندوؤں اور آریوں میں مقبول ہوا یہ لوگ اس پر عمل کرتے تھے۔ علوم سحر پر مکمل دسترس تھی مذہبی عقائد میں راسخ تھے۔ آریاؤں کی آمد کے بعد مذہب نے جو رنگ اختیار کیا وہ انہیں لوگوں کے علوم اور فلسفہ کا رہون منت ہے بعض محققین کا خیال ہے کہ براہی زبان جو بلوچستان کے بعض حصوں میں بولی جاتی ہے اسی ڈراویڈین زبان سے ماخوذ ہے ویدک مذہب کے متعلق چودھری لکھتا ہے کہ:

"Part of Vedic religion might have been already developed before the Aryans came to India." [1]

ترجمہ: ویدک مذہب کا کچھ حصہ آریاؤں کے ہندوستان میں آنے سے قبل ہی وضع ہو چکا تھا۔

یہ بھی اس کی شہادت فراہم کرتا ہے کہ قدیم باشندوں کے پاس ایک تحریری اور تقریری زبان تھی۔ جو سنسکرت سے مختلف تھی۔

اس کی تحریر۔ دائیں سے بائیں جانب تھی اور حروف کی شکل عربی یا فارسی حروف سے مشابہ تھی جیسا کہ براہی زبان سے ظاہر ہوتا ہے۔ چونکہ سریانی زبان کا رخ خالصتاً مذہب کی طرف ہے اس لیے قدیم ہند کی مذہبی حیثیت مسلمہ ہے جس سے لا مذہب آریہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔ رواٹس لکھتا ہے۔

"To the Daravadian religious imagination and Dravadian intellect Hindu India owes from the same period

---

[1] Hinduism, by N. R Chowdhry, P. 62.

Marfat.com

the re-unvigoration of the Vedic traditions that had become arid and diffused in the expanded Aryavarta of the North." ؎۱

ترجمہ: ہندو انڈیا ڈراویڈین مذہبی تخیلات اور ان کے شعور کا مرہون منت ہے جس کی وجہ سے ویدک مذہب (جو ڈراویڈین میں رائج تھا) اور بالکل ختم ہو چکا تھا۔ اس کو دوبارہ تقویت بخشی اور آریہ ورت کے وسیع و عریض علاقے میں شائع کیا۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ آریہ وحشی خانہ بدوش اور جاہل تھے۔ ہندوستان کے مہذب معاشرے کی زبان نہیں سمجھتے تھے۔ یہاں کے لوگوں کو محض رنگ کی بنا پر قابل نفرت سمجھتے تھے۔ یہی کیفیت یہاں کے لوگوں کی تھی وہ ان کو لامذہب ہونے کی وجہ سے قابل نفرت گردانتے تھے۔ اندرا جو کہ آریاؤں کا لیڈر تھا اس لیے وہ زیادہ قابل نفرت تھا۔ اس کے ثبوت میں بھٹاچاریہ

کا درج ذیل اقتباس لکھا:

"From the ruins of Mohan JO Daro and Harrappa it appears that Indra stood condemned for the destruction and ruin of this civilization." ؎۲

ترجمہ: موہن جوڈارو اور ہڑپہ کے آثار سے پتہ چلتا ہے کہ اس تہذیب کو تباہ و برباد کرنے کی وجہ سے اندرا قابل نفرت قرار دیا جاتا تھا۔

مذکورہ بالا حقائق سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی۔ ہندوستان قدیم کی زبان مذہب تہذیب الگ ہے۔ اس ہندوستانی سنکرت تہذیب مذہب سے جو آریوں

؎۱ A ccncise history of India, P. 82.

؎۲ The Indian Theogony, by B. S. Bhattacharya, P. 283.

Marfat.com

کے بعد نمودار ہوئی۔ ہندوستان میں بہت سی زبانیں بولی اور لکھی جاتی ہیں ان میں سے کچھ کا تعلق ہندوستان قدیم سے ہے۔ خاص طور سے ہندوستان کے دکن میں بولے اور لکھی جانے والی زبانیں۔ قدیم ہندوستانی زبانوں میں (جن میں سنسکرت شامل نہیں) سریانی حروف کا پایا جانا جدید تحقیق سے بھی ثابت ہے۔ جیسا کہ بھٹاچاریہ کی درج ذیل عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔

"The primitive men's basic stock of words was economical, only one word for one meaning." لہ

ترجمہ: قدیم ہندوستان کے آدمی کے پاس الفاظ انتہائی محدود تعداد میں تھے ایک معنیٰ کے لیے صرف ایک ہی حرف تھا۔

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ برہمن کے لیے صرف ایک حرف ہے اور برہمن کے قدیم معنی "پاک علم" یا "پاک روح جو تمام کائنات میں موجود ہے" کے ہیں۔

موہن جوڈارو اور ہڑپہ یا تہذیب کا زمانہ مؤرخین اور محققین نے ۳۰۰۰ ق م سے ۲۵۰۰ ق م متعین کیا ہے۔ تقریباً یہی زمانہ حضرت ابراہیم سے حضرت یوسف تک کا ہے اس لیے مذہبی اثرات کا مذکورہ بالا پیغمبروں کی وساطت سے ہندوستان کے قدیم باشندوں پر قرین قیاس ہے۔ ہوسکتا ہے کہ برہمن ابراہیم کی بگڑی ہوئی شکل ہو۔ چونکہ سریانی زبان میں ایک روح اور طاقت ہے انہیں صفات کی مدد سے سحر ایجاد ہوا ہو۔ ایک صاحب جو حیدرآباد دکن کے رہنے والے ہیں انہوں نے ایک عجیب قصہ بیان کیا۔ کہتے ہیں کہ ان کے ایک رشتہ دار تھانیدار تھے دوران گشت وہ ایک دور دراز جنگل میں چلے گئے جہاں پر ایک دھیڑوں کا گاؤں تھا۔ جب وہ اس گاؤں میں پہنچے تو دیکھا کہ ایک شیر جنگل سے چلا آرہا ہے انہوں نے اپنی بندوق تان لی مگر گاؤں والوں نے منع کیا اور کہا کہ ہمارا تمام جنگلی جانوروں سے معاہدہ ہے کہ ہم کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ تھانیدار صاحب نے یہ منظر دیکھا کہ وہ شیر

لہ The Indian Theogony, by B. S. Bhattacharya, P. 29.

Marfat.com

آیا اور کچھ دیر گاؤں والوں کے جانوروں جن میں گائے بیل اور بکریاں تھیں کے ساتھ رہا اور واپس چلا گیا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے خیر کے ساتھ شر کو بھی پیدا کیا ہے شر کا پرتو بھی سریانی حروف میں رکھا ہے اس لیے اقوام قدیم کا اس سے اس قسم کے تصرفات اخذ کرنا بعید از قیاس نہیں۔ اس لیے یہ وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ سریانی زبان کا سنسکرت سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر ہے تو وہ قدیم ہندوستان کی زبان ہوگی۔

Marfat.com

فصل دہم
علمائے ربانی جو ہندی تھے

ہندوستان میں اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی میں اس خیال کی بہت تشہیر کی گئی کہ علوم دین کا حصول سید، شیخ، مغل، پٹھان اقوام کے ساتھ مخصوص ہے۔ علماء کی اس دلیل کی نہ کوئی شرعی حیثیت ہے اور نہ عقلی چنانچہ علامہ شبلی پر بھی یہ اعتراض کیا گیا کیونکہ ان کا تعلق راجپوت خاندان راٹھور سے تھا۔ حالانکہ حصول علم کسی کے لیے مخصوص نہیں۔ عربک کالج دہلی میں شعبہ عربی و فارسی کے اساتذہ میں مولانا مملوک علی جن کے شاگردوں نے دارالعلوم دیوبند اور دیگر درس گاہوں کی بنیاد رکھی اور بہت شہرت حاصل کی سرسید احمد خاں بھی انہیں کے شاگردوں میں سے تھے۔ دوسرے مفتی صدرالدین آزردہ تھے۔ ان کے شاگردوں میں شمس العلماء نذیر احمد کے علاوہ ہندو بھی تھے۔ منشی نند کشور مشہور مورخ اور مولف تاریخ بہار نپور بھی تھے۔ یہ شخص علوم فارسی اور عربی کا بڑا عالم تھا۔ ڈپٹی کلکٹر تھا۔

علمائے ربانی جن کا تعلق ہندوستان سے تھا اور صوفی مسلک میں قطب کا درجہ رکھتے تھے مکہ مکرمہ میں اٹھارویں صدی عیسوی یا بارہویں صدی ہجری میں موجود تھے ان میں سے ایک کا نام احمد بن عبداللہ یہ خلوت نشین بزرگ تھے کسی سے نہیں ملتے تھے۔ ایک عالم دین بنام احمد بن محمد التیجانی۔ الحسنی الجزائر کے رہنے والے تھے انہوں نے ۱۱۸۶ھ میں حج کیا۔ مذکورہ صوفی احمد بن عبداللہ سے ملاقات کی اور علوم معرفت کی تعلیم حاصل کی مذکورہ صوفی نے اپنی تمام کرامات اور میراث احمد التیجانی کو منتقل کر دیں اور اس کے دو ماہ بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ (یہ احمد بن عبداللہ غالباً دہی بزرگ ہیں جنہوں حضرت عبدالعزیز دباغ کو سریانی زبان سکھائی تھی) احمد التیجانی جب مدینہ منورہ گئے تو فتح کبیر حاصل ہوئی یعنی سید الوجود صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہوا۔ انہوں نے الجزائر میں اپنا زاویہ قائم کیا اور طالبان علم کو قرآن حدیث کی تعلیم کے علاوہ راہ سلوک کی رہنمائی کی ان کے مرید کثیر تعداد میں ہوئے جو تقریباً

Marfat.com

تمام افریقی ممالک یعنی الجزائر۔ ٹونیشیا۔ سینیگال۔ بتونس۔ سوڈان۔ مراکش کے علاوہ ترکی میں بھی تھے۔ اٹھارویں صدی کے اختتام تک اس سلسلے کے زاویے ، مراکش کے ہر شہر میں کھل چکے تھے۔ اس زمانہ میں الجزائر پر ترکوں کی حکومت تھی۔ ان کا ایک مرید احمد البغدادی کا ترکوں کے ہاتھوں قتل ہوگیا۔ اس پر احمد التیجانی بددعا دی۔ اللہ تعالیٰ ترکوں کا خاتمہ اس سرزمین سے کر دے گا جیسے اسپین سے مسلمانوں کا ہوا چنانچہ ۱۸۳۷ء میں ترک حکومت ختم ہوگئی۔ ترکی میں ان کے مریدوں نے مصطفیٰ کمال اتاترک کی اصلاحات کی مخالفت کی چنانچہ حکومت کی طرف سے اس سلسلے پر ۱۹۲۵ء میں پابندی عائد کردی گئی مگر زیر زمین یہ سلسلہ جاری رہا اور ۱۹۴۹ء میں پہلی بار اس سلسلے کے لوگوں نے عربی میں نماز پڑھی[1]

دوسرا قصہ حضرت عبدالعزیز دباغ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ :

"مکہ مکرمہ میں میری ملاقات ابوالحسن علی ہندی سے ہوئی ان کی عجیب و غریب حالت تھی جب وہ چلنے کا ارادہ کرتے اور قدم اٹھاتے تو قدم لرزتا تھا پھر واپس لے آتے اور قدم پھر کانپنے لگتا دوبارہ قدم اٹھاتے تو یہی کیفیت ہوتی اور واپس لے آتے تو پھر کانپنے لگتا تھا۔ غرض ایک قدم پورا نہیں اٹھا سکتے تھے۔ یہی حالت ہاتھ کی تھی کہ کھانے کی غرض سے ہاتھ بڑھائے تو وہ لرزنے لگتا واپس لاتے تو کانپنے لگتا حتیٰ کہ ہر اختیاری حرکت آنکھ کھولنے پلک جھپکنے وغیرہ میں یہی حالت تھی لوگ ان کو مجنوں کہتے تھے۔ اور ان کی اس حالت پر لوگوں کو بڑا ترس آتا تھا کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کی یہ حالت درست کر دے یا پھر ان کو اٹھالے۔ مجھے بھی ان کی یہ حالت دیکھ کر بے حد رنج ہوا اور بہت ترس آیا میں نے ان سے کہا کہ ابوالحسن یہ تمہاری کیا حالت ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اولیاء خواص اصفیاء اور کبار عارفین اور اہل دیوان میں سے بنایا ہے (قطب تھے) تمہارا جسم بھی صحیح سالم ہے کوئی بیماری بھی نہیں۔ فرمانے لگے تمہارے سوا میں نے اپنی حالت کا کسی پر اظہار نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے مخلوقات میں اپنے فعل کا مجھے مشاہدہ نصیب فرمایا ہے ایک چیز بھی مجھ سے پوشیدہ نہیں۔ قضاء و قدر کے اسرار پر بھی مجھ کو

---

[1] The Tejaniyya, by Jamil Abun Nasar.

Marfat.com

مطلع فرمایا ان کے اسرار میں سے کوئی چیز بھی مجھسے مخفی نہیں اس کے بعد میں نے اپنی ذات میں فعل الہٰی پر نظر ڈالی تو میں نے اپنے آپ کو اسرار و مشاہدہ سے محروم پایا۔ اس سے مجھے خیال ہوا کہ یہ محرومی اس وجہ سے نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نہ معلوم میرے کس فعل پر غصہ مرتب فرمائے۔ اس لیے میں ہر اختیاری فعل میں جو میری طرف منسوب ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور اس کے سامنے گڑگڑاتا ہوں اور جب کسی فعل کا ارادہ کرتا ہوں تو خوف الہٰی میری نظروں کے سامنے ہوتا ہے چونکہ قدم اٹھانا اختیار فعل ہے اس سے لرز جاتا ہوں مگر اس کا واپس لانا بھی اختیاری ہے اس لیے کانپنے لگتا ہوں۔ غرض ہر فعل میں یہی حالت ہے[۵]

حضرت ممدوح فرماتے ہیں کہ اپنی ذات میں فعل الہٰی سے محروم رکھنا ایک بڑی نعمت ہے جس کو ابوالحسن مذکور نے غلبہ خوف کی وجہ سے برعکس سمجھ لیا۔ اس لیے کہ کوئی ذات اپنے اندر فعل حق کے مشاہدہ کی متحمل نہیں ہو سکتی اگر اللہ تعالیٰ ان کو یہ مشاہدہ کرا دیتا تو ان کی ذات پارہ پارہ ہو کر بکھر جاتی۔ مگر حق تعالیٰ کو ان کی بقاء ایک معین وقت تک منظور تھی اس لیے مشاہدہ کو مخفی رکھا۔ اس مشاہدہ کا متحمل تو پہاڑ بھی نہ ہو سکا تھا اسی لیے تو کوہ طور پارہ پارہ ہو گیا تھا۔

ماحصل:

مذکورہ جائزہ کا مقصد اور ماحصل یہ ہے کہ کلام اللہ اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اس انداز سے دینے کی ضرورت ہے کہ متعلم کا باطن اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو اپنے اندر کلی طور سے جذب کرے۔ اور اس کا ایمان اتنا قوی ہو جائے کہ غیر اللہ کی گنجائش نہ رہے علمائے ربانی کا قول ہے کہ انسانی باطن میں تین سو ساٹھ رگیں ایسی ہیں جن میں خون گردش کرتا ہے ہر ایک رگ میں اللہ تعالیٰ نے ایک نور رکھا ہے اور ایک لذت و دلیت کی ہے جب انسان کا باطن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کما حقہٗ

---

۵ ابریز حصہ دوم صفحہ ۱۳۶

Marfat.com

ایمان لا کر منور ہو جائے گا تو اس کے اعمال میں خلوص ہو گا جو عمل بھی اس سے صادر ہو گا وہ خالصتاً للہ ہو گا اور نفسانی لذات سے پاک ہو گا۔ شریعت اسلام پر برضا و رغبت عامل ہو گا اور نفسانی اغراض اور ریاکاری سے دور ہو گا۔ ایسے ہی انسانوں کو مخلص کہا جائے گا۔ شیطان کو اللہ تعالیٰ نے یہ قوت بخشی ہے کہ انسان کی ہر رگ تک پہنچ سکتا ہے۔ چونکہ وہ انسان کا ازلی دشمن ہے اس لیے وہ نفس انسانی کی ہر رگ میں ودیعت کردہ لذت کو متحرک کر سکتا ہے۔ ان بے شمار لذتوں ہی کی وجہ سے اس نے اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ تمام انسانوں کو اغوا اور بہکا کر گمراہ کر دے گا مگر مخلص لوگ ہی اس کی دسترس سے باہر ہوں گے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہے کہ شیطن نے کہا کہ :

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۔ (سورۃ ص)

یعنی قسم ہے مجھے تیری عزت کی میں ان سب کو بہکا لوں گا۔ سوائے ان میں سے تیرے ان بندوں کے جو مخلص ہیں ۔

یہ بات واضح ہے کہ قسم اسی وقت کھائی جاتی ہے جب مقصود حاصل کرنے کا قطعی یقین ہو۔ ایسے دشمن سے ہمہ وقت ہوشیار رہنا ہی عقل و دانش کا ثبوت ہے ۔

جب اللہ تعالیٰ انسان کو مکمل ایمان اور اعمال میں خلوص عنایت فرما دے گا تو اس کا قلب بھی منور ہو جائے گا جو کائنات میں ذات کا مشاہدہ کرے گا اور ان پر تصرفات حاصل کرے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایمان اعمال میں اخلاص ذات حق کا مشاہدہ اور کائنات میں تصرف بدرجہ اتم موجود تھا وہ چاہتے تو عالم کو یک نظر فتح کر لیتے مگر یہ خلاف سنت تھا اور عادت الٰہیہ کے مخالف اس لیے جہاد میں مع اسباب جہاد یعنی فنون جنگ میں مہارت اور اسلحہ کے ساتھ شریک ہوتے اور فتح و نصرت کو اللہ کی طرف سے جانتے مخالفین کو قتل بھی کرتے اور خود شہید بھی ہوتے اس لیے کہ یہی اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے مومن کا مقصد تسخیر نہیں بلکہ اپنے خلوص کا نذرانہ پیش کرنا ہے کسب معاش کے لیے اسباب مہیا کرتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں۔ تبلیغ دین پر اُجرت کے

Marfat.com

خواہاں نہ تھے۔ جیسا کہ انبیائے ماسبق کا شیوہ رہا ہے کہ وہ صاف کہہ دیتے تھے کہ ہم اس راہ ہدایت کا کوئی معاوضہ یا اجر لوگوں سے نہیں چاہتے ان کا اجر تو اللہ کے ذمّہ ہے۔ علمائے ربانی کا قول ہے کہ اگر غوث وقت چاہے تو دنیا کو ایک نظر سے مسخر کرلے۔ مگر یہ حکم الٰہی اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا خلاف ہے اس لیے بے پناہ قوت رکھنے کے باوجود بھی مغلوب اور عام لوگوں کی طرح رہتے ہیں۔

Marfat.com

باب ششم

تحقیق الانساب

نسلی برتری یا نسب پر فخر یہودیوں کی ایجاد ہے کیونکہ اس قوم کی ابتداً اللہ کے برگزیدہ نبی اور خلیل اللہ حضرت ابراہیم کی طرف منسوب ہے۔ اس قوم میں بہت سے پیغمبر ہوئے ہیں۔ عظیم جاہ و سلطنت بھی اس قوم کو ملا۔ حضرت سلیمان کی حکمرانی بر و بحر پر تھی۔ اس سے سب ہی آشنا ہیں اس کے باوجود جب اس قوم نے اللہ تعالے کے احکامات پر عمل کرنا ترک کر دیا پیغمبروں اور نبیوں کے بتلائے ہوئے اخلاق چھوڑ دیئے۔ دنیا کی طرف ضرورت سے زیادہ مائل ہوئے اخلاق حمیدہ کے بجائے اخلاق ذمیمہ اختیار کئے تو اللہ تعالٰی نے ذلت و خواری ان کا مقدر کر دی دوسرے لوگوں کو حاکم بنا کر ان پر مسلط کیا اور انہوں نے غلامانہ زندگی گذاری اور ہمیشہ مفتوح اور مغلوب ہی رہے اخلاق حمیدہ اور اللہ کے احکام کی پیروی چھوڑنے سے یہ لوگ بغیر کسی دوسری قوم کی حمایت کے کوئی مقام نہ حاصل کر سکے اس کے باوجود ان کے قلوب اور ذہنوں پر یہ تاثر بڑا راسخ ہے کہ یہی لوگ اشراف ہیں۔ اور اللہ تعالٰی نے اپنے فضل و علم کے لئے انہی کو مخصوص کر لیا ہے۔ کوئی دوسرا ان کا ہم پلہ نہیں ہو سکتا ہے۔ ان میں سے کسی کو فخر ہے کہ وہ آل ہارون سے ہے اور کسی کو آل یوسف ہونے کی بنا پر نسبی فخر ہے۔

اس کے برعکس اسلام نے اپنے پیروکاروں کو کوئی ایسا تخیل نہیں دیا شرافت اور حسب کا انحصار۔ ایمان اور تقوی پر رکھا جیسا کہ قول باری تعالٰی ہے "ان اکرمکم عنداللہ اتقکم" یعنی مسلمانوں اور ایمان والوں میں وہی زیادہ مکرم اور شریف ہے جو متقی اور اور اس ذریعے سے خدا کی خوشنودی چاہتا ہو۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ شرافت کا دارومدار نسل ہے نہ حسب و نسب سے اس کا کوئی تعلق۔ شرافت اور حسب کا دار و مدار تو اخلاق اور اطوار پر ہے جس کے اخلاق حمیدہ اور ایمان میں پختگی زیادہ ہو گی وہی شریف

Marfat.com

ہوگا۔ البتہ نسل کے اعتبار سے ایسے اخلاق حاصل کرنے کا موقع اس شخص کی اولاد کو زیادہ ہے جو اس کے زیر سایہ تربیت پاتی ہے مگر ابن خلدون لکھتا ہے کہ ایسی خاندانی شرافت چار پشتوں سے زیادہ نہیں چلتی اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی اولاد تو باپ کے نقش قدم پر چل کر اس کو برقرار رکھتی ہے۔ اس کی دوسری نسل محض اپنے باپ دادا کی تقلید کرتی ہے۔ اخلاق حمیدہ کا کوئی حصہ اس کے نصیب میں نہیں ہوتا اور تیسرے نسل کا فرد یعنی جد اعلے کا پرپوتا یہ سمجھتا ہے کہ خاندانی شرافت موروثی ہے اور کسی عادت اور خصلت پر اس کا انحصار نہیں اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یوسف کے لیے فرمایا کہ "اِنَّ الکریم ابن الکریم ابن الکریم ابن الکریم" یعنی صرف چار پشتوں کا ذکر فرمایا تورات کی روایت بھی اس سے ملتے جلتے الفاظ میں ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں یہ مادہ رکھا ہے کہ ہر ایک اپنے خویش و اقارب کی حمایت اور مدد کرتا ہے۔ اسی کو عصبیت کہا جاتا ہے۔ یہ عصبیت کبھی نسلی اتحاد کی بنا پر ہوتی ہے اور کبھی باہمی ولاء اور حلف کی وجہ سے صلہ رحمی اور شفقت کے علاوہ اس سے کوئی اور مقصود نہیں۔

دیہاتی بہ نسبت شہریوں کے بھلائی نیکی اور صلہ رحمی میں زیادہ ہوتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ شہری ہر طرح کی نعمتوں اور آسائش میں پڑ کر ریاکاری کے شکاری ہو جاتے ہیں اور غیرت اور حمیت کم ہو جاتی ہے دیہاتی بھی دنیا کے حاجت مند ہیں مگر اس کے بقدر ضرورت حاصل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں خواہشات اور لذات جسمانی ان میں کم ہوتا ہے ان کے معاملات صاف اور کھرے ہوتے ہیں۔ شہریوں سے زیادہ بہادر اور شجاع ہوتے ہیں۔[2]

اٹھارویں صدی عیسوی میں ہندوستان کے مسلمانوں میں بدقسمتی سے قوم اور

---

[1] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۱۶۲

[2] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۱۴۸

Marfat.com

ذات کا شعور پیدا ہوا۔ اور ہندؤں کے طرز پر مسلمان بھی چار قوموں یعنی سید، مغل پٹھان اور شیخ میں تقسیم ہو گئے اور پھر یہ تقسیم بھی مزید تقسیم ہوتی چلی گئی کچھ لوگ جو مقامی ابادی سے تعلق رکھتے تھے اپنے آپ کو انہیں ذاتوں سے منسوب کرتے لگے جن سے ان کا تعلق مسلمان ہونے سے پہلے تھا جیسے راجپوت، گوجر جاٹ وغیرہ اور کچھ کی تقسیم باعتبار پیشہ ہو گئی۔ جیسے قصاب، پارچہ باف (جولاہہ) دھوبی، گھوسی سنار، لوہار۔ تیلی وغیرہ اس صورت سے برہمنی مذہب اور ہندؤں کے خیالات مسلمانوں میں داخل ہو گئے بعض لوگوں کو باعتبار پیشہ جو انہوں نے کسب معاش کے لئے اختیار کیا رذیل سمجھنے لگے اور بعض کو اشراف میں داخل کر لیا۔ اس مذموم تقسیم میں عوام ہی نہیں بلکہ خواص اور علماء دین بھی شریک ہو گئے جو شریعت کی سریح خلاف ورزی ہی نہیں بلکہ عقل و شعور کے بھی منافی ہے سید مغل پٹھان اور شیخ کھلانے کے لئے نسبی برتری بعض لوگوں نے بے بلا ثبوت اور دلیل شرعی کے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور بلا جواز اپنے نام کے ساتھ لاحقہ لگانے سے بھی گریز نہیں کیا زیادہ تر لوگوں نے اپنا نسبی تعلق اقوام عرب اور خاص طور سے خلفائے راشدین سے وابستہ کر لیا۔ جیسے عثمانی، صدیقی، فاروقی، عباسی، علوی وغیرہ اور اس کو وجہ فخر و غرور بنا لیا۔ باقی مسلمان ان کے نزدیک رذیل اور کمتر درجہ کے ٹھہرے محمود احمد عباسی تحقیق الانساب کے صفحہ اول پر لکھتے ہیں۔

"اصنام پرستوں کی محبت میں نسل پرستی اختیار کی غرور نسل اور تفاخرات کے بت کو جس کو مذہب اسلام نے توڑا اور تعلیمات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسمار کو ڈالا تھا ان ہی ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں کو فرزندان توحید نے پھر سے جوڑنا شروع کر دیا نئے نئے بھیسوں میں ان کی پرستش ہونے لگی آخر کار نوبت یہ پہنچی کہ ہندی مسلمانوں کے اعلی اور جس طبقے کو ٹٹول کر دیکھئے محدود سے چند گھر ملیں گے جو نسلی تفاخر کی الائشوں اور نسبی غرور کے نشہ باطل سے سرشار نہ ہوں۔ اب تو یہ مرض اتنا ہمہ گیر ہو گیا کہ نہ صرف وہ لوگ جو سلسلہ عرب و عجمی قبائل سے منسلک کرکے اور عرف عام میں "سادات اور شرفاء" کہلاتے ہیں بلکہ ہندی الاصل مسلمانوں کے گروہ اور برادریاں اپنے اپنے نسب کے متعلق نسے

Marfat.com

نئے دعویٰ کر رہے ہیں اور مضحکہ خیز ترجیحات پیش کی جاتی ہیں۔" ایک عرب شاعر کا قول ہے کہ یہ کوئی فخر کی بات نہیں کہ تم کہو کہ میرا باپ ایسا تھا یا ویسا تھا بلکہ فخر کی بات یہ ہے کہ کہو کہ میں ایسا ہوں۔ دین اسلام نے جس کو مٹانا چاہا ہندی مسلمانوں میں وہی عود کر آیا اور ہندوؤں کی تہذیب کا اتنا اثر قبول کیا جسکو اگر کفر نہ کہا جائے گا تو دین کی صریح خلاف ورزی ضرور کہا جائے گا جیسا کہ مذکورہ محمود احمد عباسی صفحہ ۲ اپر لکھتے ہیں۔

" ہندوؤں کے جات پات کے عقیدے نے وحدت اسلامی میں بھی خلل ڈالا منافرت پیدا کی اور رفتہ رفتہ ہندوؤں کی طرح مسلمانوں میں بھی چار شریف ذاتیں شیخ، سید، مغل پٹھان بن گئیں، حالانکہ اسلامی برادری کے لحاظ سے نہ تو سید کوئی قوم ہے اور نہ سید کو شیخ پر کوئی فضیلت حاصل ہے اور نہ شیخ کو کسی دوسرے نسب والے مسلمان پر، تمام مسلمان ایک قوم اور ایک ملت ہیں۔" شعر

برنسب نازاں شدن نادانی است ٭ حکم او در تن و تن فانی است
ملت مارا اساس دیگر است ٭ این اساس اندر دل ما مضمر است

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد مختلف وجوہات کی بنا پر تھی اول وہ لوگ جو فاتحانہ انداز میں آئے اور حکومت کرنے لگے دوم وہ لوگ جو تجارت کی غرض سے آئے اور یہیں پر آباد ہو گئے سوم وہ صوفیا اور علماء ربانی جو تبلیغ دین اسلام کی غرض سے آئے۔ اور ان کی اولاد یہیں پر بس گئیں۔ ان میں سے نجیب الطرفین کوئی بھی نہیں اور یہ متفقہ امر ہے کہ ان کی اولاد ہندی النسل عورتوں کے بطن سے پیدا ہوئی کوئی مغل بادشاہ ایسا نہیں جس کی ماں ہندی النسل راجپوت نہ ہو۔ یہی صورت تغلق، خلجی وغیرہ کے ساتھ ہے۔

نیسفیلڈ لکھتا ہے کہ

"Caste as an institution is entirely allien to the spirit of Islam, which has never raised any scruple about the class of women who can be taken as wives or the choice of occupation which its follower may adopt. The strength of Islam lies in its levelling and demo-

Marfat.com

cratic character - 1.

ترجمہ:۔ جات پات اسلامی روح سے بالکل خارج ہے مسلمان کے لئے کوئی پابندی نہیں کہ وہ کس عورت سے نکاح کرے اور نہ ہی ذرائع معاش اختیار کرنے کے لئے کسی پیشے پر پابندی ہے۔ اسلام کی اصل قوت تو مساوات اور اس کے جمہوری کردار میں ہے"۔

ترک جن کو غلطی سے مغل کہتے ہیں تیمور اور بابر کے ساتھ آئے۔ افغان جن میں پٹھان بھی شامل ہیں محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری کے زمانے میں ہندوستان میں آئے یہی دو قومیں ہیں جو فاتحانہ انداز سے آئیں۔ مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جیسے ان سے پہلے آریہ آئے اور مقامی لوگوں میں خلط ملط ہوگئے اسی صورت سے یہ قومیں بھی ہندی النسل لوگوں میں جذب ہوگئیں۔ نیسفیلڈ۔ باہر سے آنے والی تمام اقوام کے بارے میں لکھتا ہے۔

"The blood imported by foreign race became gradually absorbed in to the indegenious, the less yellding to the greater so that almost all traces of the conquering races eventually disappeared" 1

ترجمہ:۔ جو خون باہر کی اقوام کے توسط سے درآمد ہوا۔ آہستہ آہستہ مقامی لوگوں میں جذب ہوگیا اکثریت اقلیت پر غالب آگئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فاتح قوموں کا وجود ہی مٹ گیا۔

یہ کیفیت ہندوستان ہی کے لئے مخصوص نہیں بلکہ دنیا کے اکثر ممالک میں ایسا ہی ہوا مصر یونان اٹلی اسپین اس کی مثالیں ہیں۔ مگر دیگر ممالک میں لوگ ایسے گھل مل گئے کہ نئے

Caste system in N.W.P. and Oudh. P-122.

Caste system in N.W.P. and Oudh. P-4.

Marfat.com

اور پرانے کا کوئی الگ تشخص باقی نہ رہا مگر ہندوستان میں لوگ اپنے آپ کو باہر کے قبائل سے منسوب کرنے میں فخر کرتے ہیں خاص طور سے آریہ اور مسلمان۔

سید :- جیسا کہ محمود احمد عباسی کا قول مذکور ہو چکا ہے۔ کہ سید یا شیخ کوئی قوم نہیں، ہندوستان کے سیدوں کے پاس کوئی مستند شجرہ نسب نہیں جو اس کی شہادت فراہم کرے شیعہ مذہب کے تمام پیرو کار بلا تخصیص اپنے آپ کو سید کہتے ہیں۔ مرزا نجف خان کے زمانے میں ضلع گڑگاؤں کے کچھ جاٹ مسلمان ہو گئے تھے اور مرزا مذکور کی وجہ سے شیعہ مذہب اختیار کر لیا۔ ان جاٹوں کی موجودہ اولادیں اپنے آپ کو سید کہتی ہیں۔ بادشاہان ہند میں سید خضر ہیں جن کو امیر تیمور دہلی فتح کرنے کے بعد نائب السلطنت بنا کر چلا گیا تھا مگر ان کا نسبی طور سے سید ہونا ثابت نہیں مورخین نے لکھا ہے کہ یہ ملک داود کے لڑکے تھے ایک دفعہ مذکورہ ملک نے حضرت جلال الدین جہانیاں جہاں گشت کی دعوت کی تو یہ لڑکا خضر کم عمر تھا حضرت کے ہاتھ دھلانے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ جس پر حضرت مذکور نے کہا کہ " اس سید زادہ " کو کیوں تکلیف دیتے ہو[؟] پس مریدوں نے سمجھ لیا کہ اتنے بڑے بزرگ غلط نہیں بول سکتے اس لئے ان کو سید تسلیم کر لیا۔ ابن بطوطہ نے بھی اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ ہندوستان کے لوگ عربوں کو سید کہتے ہیں۔ کیونکہ بادشاہ عرب کے رہنے والوں کو عزت اور احترام کی وجہ سے سید کہتا ہے۔ جب ہندوستان کے مسلمانوں میں تو مینتوں کا فروغ شروع ہوا تو لوگوں نے نت نئے طریقوں سے مضحکہ خیز نتائج اخذ کر کے اپنے آپ سید کہلوانا شروع کر دیا۔ مثلاً بنفیلبڈ لکھتا ہے۔ کہ ابتدائی وید کے زمانے میں برہمنوں کی چار قسمیں تھیں جن کے فرائض میں بھینٹ قربانی چڑھانا شامل تھا۔ اول ادھواریہ جو جانور ذبح کرتا تھا دوم ادوگیری جو وید گانے کی صورت میں پڑھتا تھا سوم ہوتری جو قسمہ بانی کو آگ میں ڈالتا تھا اور برہمن ان تمام کاموں کی نگرانی کرتا تھا مگر جب بدھ مت کا غلبہ ہو گیا تو تمام کاروبار بند ہو گیا اور برہمن کے علاوہ باقی تینوں نے دوسرے پیشے اختیار کر لئے اور دیگر یوں نے لکھا کہ کا نام اختیار کر کے ہندوں کی محفلوں میں گانا بجانا شروع کر دیا اور کنچن (طوائف) عورتوں کو رقص کرنے کے

ـــــہ منتخب اللباب حصہ دوم صفحہ ۱۷۱ (ملک داود نسب ظاہر کے اعتبار سے پٹھان تھا)

Marfat.com

لئے ساتھ رکھنے لگے۔ ڈوم مسلم روسا اور امرا کی محفلوں میں گانا گاتے تھے۔ حضرت امیر خسرو کی شاعری اور موسیقی کی وجہ سے ان کو شہرت ہوئی اور امرا اور روسا نے ان کو اپنی محفلوں سے منسلک کر لیا اور وراثتاً یہ لوگ کسی نہ کسی امیر بادشاہ سے منسلک ہو گئے۔ اس لئے ان کو میراثی کہا جانے لگا۔ اٹھارویں صدی میں یہی میراثی میر بنے اور پھر سید کہلانے لگے۔ نیسفیلڈ لکھتا ہے کہ۔

"This is remarkable instance of extreme. A Brahmanical caste like Khatak have become associated with the lowest women in India, while the lowest savage of India The DOM; has risen to the rank of Mirasi (Not knowing what the word mirasi mean, he has contracted it to mean Mir a synonym of Syed) and call himself Syed descendents Prophet.
(Caste system in N.W.P. and Oudh. P-45)

ترجمہ:۔ دو تضادات کے ملاپ کی ایک اعلیٰ مثال یہ ہے کہ کھٹک اعلیٰ برہمن ذات سے تعلق رکھنے کے باوجود ہندوستان کی ذلیل ترین ذات کی عورت کے ساتھ رہنے لگا اور رذیل ذات کا ڈوم۔ میراثی کہلانے لگا اور میراثی لفظ کے معنی جانے بغیر اپنے آپ کو میر کہا کہ جو کہ سید قوم کا لاحقہ ہے اور اس صورت سے اپنے آپ کو پیغمبر کی اولاد یعنی سید کہلانے لگا۔

مشہور تاریخ فرشتہ کا مصنف فرشتہ نے سید کی چند خصوصیات بیان کی ہیں اور وہ یہ ہیں اول پاکدامنی۔ دوم نرم مزاجی سوم مہمان نوازی۔ چہارم رحم دلی پنجم میٹر ہونا۔ ششم عالم باعمل، ہفتم شجاعت۔ تاریخ کی کتب میں جن خاندانوں کا سید ہونا مذکور ہے ان میں سادات بارہ، سادات بلگرام۔ اور سادات جیس (رائے بریلی) ہیں۔ ان میں سے اکثر شیعہ مذہب کے پیرو کار ہیں ان تمام سادات کے مورث اعلیٰ سید ابوالفرح ہیں جو پہلے قصبہ واسط (عراق) میں آباد تھے اور سلطان محمود

Marfat.com

غزنوی کے عہد سلطنت میں غزنوی آ گئے تھے جب سلطان غزنوی نے ہندوستان پر حملہ کیا تو ابوالفرح اس کے ساتھ تھا۔ تو کلانور کا علاقہ اس کو جاگیر میں ملا اس کے دو لڑکے یہاں مقیم ہوئے اور باقی دو لڑکے اس کے ساتھ واسط چلے گئے۔ جب غیاث الدین تغلق نے دہلی پر حملہ کیا اس وقت ابوالفرح کی اولاد میں سے دو لڑکے ابوالفتح اور سید جلال اس کے ہمراہ تھے۔ ان کی اولاد میں سے سید جلال نواح سرہند میں آباد ہوا اور سید حسین فخر الدین جو اولاد ابوالفتح میں سے تھا اس کو بادشاہ نے جاگیر دی اور اسی کی اولاد سے سادات بارہ ہیں۔ ابوالفرح ہی کی اولاد میں سے بعض لوگ بریلی بلگرام وغیرہ چلے گئے[1] مذکور ابوالفرح کی ہندوستان میں آمد ۵۸۰ھ بیان کی گئی ہے۔ اس سے قبل کا نسب کہیں بھی مذکور نہیں گمان یہی ہے جیسا کہ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ بادشاہ ازراہ احترام عرب کے رہنے والوں کو سید کہتا ہو۔ ورنہ زمانہ کے لحاظ ابوالفرح اور حسنؑ یا حسینؑ کے درمیان سولہ واسطے ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ مورخین ایک سال میں تین نسل تسلیم کرتے ہیں ۱۸۹۱ء کی مردم شماری کے لحاظ سے سیدوں کی کل آبادی شمالی مغربی صوبہ اودھ میں ۲۷۴۲۸۱۱ ہے اور ان کے سولہ مختلف طبقے ہیں جو حسب ذیل ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی آبادی ضلع سہارنپور میں ان طبقوں کے تحت دی گئی

طبقے:۔ عباسی عابدی بنی فاطمہ بقری بغدادی بخاری چشتی ہاشمی

سہارنپور میں آبادی ۳ ۴ ۲ ۲ ۳ ۱۵۹۸ - ۲۷۱

طبقے حسنی ، حسن الحسینی ، حسینی . جعفری ، جلالی قدریہ . کاظمی ، نقوی

× × ۱۸۹۹ ۵۸ ۱۹ ۱۲۵ ۱۶۰ ۴۷

طبقے پیرزادہ رضوی سبزواری صدیقی تقوی ترمذی علوی عسکری

سہارنپور میں آبادی ۸ ۱۵۰ ۱۸۰ ۶ × ۶۵۸ ۷۸ ۱۵

طبقے زیدی مختلف میزان[2]

سہارنپور میں آبادی ۱۲۷ ۱۱۳۳ ۶۵۴۶

---

[1] تاریخ سہارنپور صفحہ ۲۷

[2] Tribe and castes of N.W.P. and Oudh Vol. IV P-309.

Marfat.com

زیر حوالہ کتاب کے مصنف نے بعض ناموں کی تشریح کی ہے جو عام لوگوں میں مشہور ہیں ان کی تشریح یہ ہے کہ عباسی، شیخ قوم میں بھی شامل ہے۔ عابدی کا مطلب لفظ عابد سے ہے جس کے معنی اللہ کی عبادت کرنے والا۔ بقری کے معنی بقر یعنی بیل کے کئے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص قرآن کی سورہ بقر کا حافظ تھا۔ جلالی۔ اللہ تعالیٰ کی شان جلال سے ہے قدریہ ایک فرقہ تھا۔ جسکا مخالف جبریہ تھا۔ نقوی کے معنی متقی ہوں گے علوی۔ حضرت علی کے منجملہ ۱۸ لڑکے اور ۱۷ لڑکیاں تھیں۔ جو لڑکے حضرت فاطمہ کے بطن سے ہیں ان کو سید باقی کو علوی کہتے ہیں کچھ برہمن مسلمان ہو گئے تھے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو حسینی کہتے ہیں۔ دہلی اور اس کے قرب وجوار میں ان کی تعداد زیادہ ہے چونکہ سہارنپور بھی مضافات دہلی میں سے تھا اس لئے یہاں پر ان کا زیادہ ہونا قرین قیاس ہے اسی لئے حسینی کے تحت دی گئی تعداد زیادہ ہے۔ صدیقی بھی قوم شیخ میں ہیں مگر یہاں یہ اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے ہے۔ بعض ہندوؤں نے جب اسلام قبول کر لیا تو ان کو صدیقی یعنی سچ کی طرف مائل ہونے والا کہنے لگے اسی سے صدیقی بن گیا۔ مختلف طبقہ میں میراثی بھی شامل ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

شیخ کے متعلق نیسفیلڈ لکھتا ہے۔

The Shaikh are of no nationality in particular. The word "Shaikh" means "venerable" and was applied originally to any musalman who might be distinguished for learning and piety. Men from the Pathan and Mughal Tribes have assumed the title of Shaikh at different times and following the example of hindus have bequeathed the same as hereditary decoration to their descendents This is too is the title which Mohammadan of Indian origin (other than Rajput and Chatree are in the habit of assuming when they seek to secure a higher status in the society. Any successful tradesman, artisan or professional man of any kind, if he succeeds in becoming rich or acquiring social importance in any other way, seeks to discover the Traditional connections which binds him to

Marfat.com

the former Hindu caste by assuming the name of Shaikh. Moreover converts from creeds other than Hinduism such as Christianity for example, take the name of Shaikh and are so termed by their co-religionist"
(Caste system of N.W.P. and Oudh Page 123)

ترجمہ:۔ شیخ کوئی مخصوص قوم نہیں۔ لفظ "شیخ" کے لغوی معنی معزز کے ہیں دراصل یہ لفظ ان مسلمانوں کے لیے کہا جاتا تھا جو عالم دین اور پاکدامن ہوتے تھے۔ بہت سے مغل اور پٹھان اقوام سے تعلق رکھنے والوں نے مختلف اوقات میں یہ لقب اختیار کیا اور ہندوانہ رسوم سے متاثر ہو کر اس لفظ کو موروثی بنا لیا اور ان کی اولاد نے بھی یہی لقب اختیار کر لیا۔ ہندو مذہب سے ایسے لوگ جن کا تعلق راجپوت یا کھتری سے نہ تھا مسلمان ہو کر عادتاً یہ لفظ اختیار کر لیتے تھے۔ تاکہ ان کو اسلامی سماج میں اعلیٰ مقام حاصل ہو جائے۔ کوئی کامیاب تاجر۔ فنکار، یا کسی بھی دوسرے پیشے سے منسلک ہو کر مالدار ہو جاتا یا کسی اور طریقے سے سماجی اہمیت حاصل کر لیتا تو وہ بھی روائتی طور سے یہ نام اختیار کر لیتا تاکہ اس کا وہ مقام جو ہندو معاشرے میں تھا باقی رہے۔ مزید برآں ایسے لوگ جو ہندو مذہب کے علاوہ کسی دوسرے مذہب مثلاً عیسائی وغیرہ کو ترک کر کے مسلمان ہو جاتے وہ بھی یہی لفظ شیخ اختیار کر لیتے تھے اور مسلمان بھی ان کو اسی لقب سے پکارتے تھے۔

اسی قسم کی روایت محمود احمد عباسی رسوم ہند مطبوعہ حکومت پنجاب اور ڈبلیو کروک کے حوالے سے پہلے بیان ہو چکی ہیں۔ کاسٹ اینڈ ٹرائب کا مصنف لکھتا ہے

Shaikh an Arabic word meaning an "elder" "chief" a venervable old man" the name should properly be applied to tribes of pure Arab descent, but it has been applied to a much more vulgar use and is adopted by converts from the meaner hindu tribes to Islam. This is marked in the common proverb (Vol. IV P-315)

Marfat.com

پیش ازیں قصاب بودم بعد ازاں گشتم شیخ - غلہ چوں ارزاں شود امسال سید می شوم

ترجمہ:- شیخ۔ عربی لفظ ہے جس کے معنی" عمر رسیدہ" "بزرگ" اور" سال خوردہ معزز کے ہیں"، یہ لفظ ان لوگوں کے لئے استعمال کرنا چاہیئے جو خالصتاً عربی النسل ہوں۔ مگر اس کا استعمال انتہائی بے ہودہ طریقہ سے کیا جاتا ہے اور ایسے لوگ جو ہندوؤں کی رذیل ذات سے تعلق رکھتے تھے مسلمان ہو کر یہ لقب اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ عام ضرب المثل سے ظاہر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ " پہلے میں قصائی تھا پھر شیخ ہو گیا اس سال اگر غلہ سستا ہو گیا تو سید بن جاؤں گا"

مسلمانوں نے بھی ہندوؤں کی طرح بعض پیشوں سے تعلق رکھنے کی بنا پر مسلمانوں کو رذیل یا غیر شریف سمجھ لیا۔ یہ انتہائی افسوسناک ہے کہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے والے اس قسم کے توہمات کا شکار ہوں۔ حالانکہ بعض سابق علماء ربانی اور صوفیاء نے ایسے پیشے اختیار کئے نیسفیلڈ نے مسلمانوں میں مندرجہ ذیل پیشے اس زمرہ میں داخل کئے ہیں۔

لال بیگی (مہتر) دھوبی، سبزی فروش، گھوسی۔ قصاب۔ درزی، حجام (نائی) جولاہہ، رنگریز۔ بھٹیارہ، دھنیا، کمہار، چھیپہ لوہار، بڑھئی، سنار۔ حلوائی۔ نیلے میراثی، اگر آجکل کے صنعتی دور سے ان پیشوں کا مقابلہ کیا جائے تو بالکل برعکس۔ ثابت ہو گا مثلاً جولاہہ کی جگہ ٹکسٹائل مل نیلی کی جگہ آئل مل۔ لوہار کی جگہ اسٹیل مل وغیرہ، مذکورہ مصنف مزید لکھتا ہے کہ

"those under these headings are the classes or castes from whom the Shaikh tribe is occasionally recruited independently from the natural increase from within"
(Caste system in N'W.P. and Oudh P-126)

ترجمہ:- شیخ قوم میں کبھی کبھی ایسے لوگ بھی داخل ہو جاتے ہیں جن کا تعلق بیان کردہ طبقوں اور قوموں سے ہوتا ہے۔ یہ اس اضافہ کے علاوہ ہیں جو شیخ قوم میں فطری طریقے سے ہوتا ہے۔ حکومت پنجاب کی طرف سے ایک کتاب

Marfat.com

موسومہ " رسوم ہند" ۱۸۶۹ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کی جلد چہارم صفحہ۱۴۴
پر درج ہے کہ (یہ مکمل کتاب برٹش میوزم لنڈن میں موجود ہے)
جو شخص کسی اور مذہب سے اسلام میں داخل ہو۔ اس کی ذات کوئی نہیں مگر نومسلم
کو عزت اور احترام کی وجہ سے شیخ کہتے ہیں۔" ۱؎
ایک اور کتاب میں ایک محقق لکھتا ہے کہ:

"lower class of convertes to Islam call himself Shaikh" 2 ۲؎

ترجمہ: " ادنیٰ ذات کے لوگ مسلمان ہو کر اپنے آپ کو شیخ کہلانے لگے۔"
جیسا کہ تفصیل سے مذکور ہو چکا ہے کہ اسلام میں جات پات کی کوئی گنجائش نہیں مسلمانوں
کی قوموں اور ذاتوں میں تقسیم ہندو مذہب کے اثر کی وجہ سے ہے۔ جس میں وہی شریف اور
رذیل ہونے کا تخیل کارفرما ہے۔ غوث انصاری لکھتا ہے کہ

"Influence of hinduism has powerfully effected muslim, tradition, custom and sentiments" 3

ترجمہ: ہندوؤں نے مسلمانوں کی سماجی، ثقافتی اور جذباتی زندگی کو بہت متاثر
کیا۔
مردم شماری ۱۸۹۱ء کے مطابق قوم شیخ کی مختلف طبقوں میں تقسیم اور ان کی آبادی
ضلع سہارنپور میں درج ذیل ہے۔

طبقے	عباسی	انصاری، بہلم، بنی اسرائیل	فریدی	فاروقی	ہاشمی	جعفری		
آبادی	۹۹	۳۵۵۵، ۲۲	۸	×	۱۰۷۷	۱۲	×	

طبقے۔ خراسانی، قدوائی، قریشی، ملکی، پیرزادہ، صدیقی، سلیمانی، علوی

۱؎ Published by Director of Public Instruction Govt. of Punjab.

۲؎ North West Province of India By W. Crook Page 263

Muslim castes in U.P. by Ghous Ansari Page 61.

Marfat.com

آبادی	۲	×	۴۱۹۴ ۱۵۳	×	۱۰۹۰۷	×	۷
طبقے	عثمانی	مختلف	میزان				
آبادی	۸۲۶	۲۲۶۹	۲۳۱۴۶				

تفصیل : عباسی جن کا تعلق حضرت عباس جو آنحضرت صلی اللہ علیہ کے چچا تھے انصاری ۔ اہل مدینہ ، بہم یا بنی اسرائیل ۔ دونوں کے معنی ۔ اسرائیل کی اولاد ، فریدی حضرت فرید گنج شکر کے مرید فاروقی ۔ حضرت عمر فاروق کی اولاد ہاشمی آنحضرت صلی اللہ وسلم کی جد اعلی ہاشم سے نسبت جعفری حضرت جعفر بن ابی طالب حضرت علی کے بھائی سے نسبت یا پھر جعفر جو بارہ اماموں میں سے ہیں ۔ ملکی ۔ ملک سے ماخوذ (جسکا تذکرہ بعد میں آئے گا) سلیمانی حضرت سلیمان پیغمبر سے نسبت علوی حضرت علی کی ان اولادوں سے نسبت جو حضرت فاطمہ کے علاوہ دیگر منکوحہ بیویوں سے پیدا ہوئے ۔ عثمانی ۔ حضرت عثمانؓ خلیفہ سوم سے نسبت ۔ صدیقی حضرت ابوبکر صدیق سے نسبت (ماخوذ از ٹرائب اینڈ کاسٹ حصہ چہارم ۔ صفحہ ۲۱۷)

صدیقی کے متعلق محمود احمد عباسی تحقیق الانساب کے صفحہ ۲۳۱ پر لکھتے ہیں

"مسلمانان ہند میں اور بالخصوص صوبجات ممالک متحدہ آگرہ و اودھ کے مسلمانوں میں ایسے خاندان بکثرت شامل ہیں جو نسباً اپنے آپ کو صدیقی کہتے ہیں لیکن حقیقتاً ان میں زیادہ تر وہ لوگ ہیں جن کے آباؤ اجداد مختلف زمانوں میں ہندوؤں کی اعلیٰ ذات سے دین اسلام میں داخل ہوئے تھے ۔ ہندو سے مسلمان ہو کر یہ لوگ صدقی کہلائے ۔ یعنی دین حق کے ماننے والے صدقی سے رفتہ رفتہ صدیقی بن گئے مسلم شرفا کی بستیوں میں ایسے خاندان اکثر پائے جاتے ہیں "

انصاریوں میں جولاہے بھی شامل معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے ۔ فاروقیوں میں ان بزرگان اور خانقاہوں کے شیوخ کی اولاد شامل ہے جن کو فقیر کہا جاتا ہے چونکہ خانقاہی نظام میں مدد معاش کے لئے جاگیریں مل جاتی تھی ۔ جب جاگیر کا سلسلہ ختم ہو گیا تو ان لوگوں کو دوسرے پیشے آتے نہیں تھے اسلئے کاسہ گدائی ہاتھ میں آگیا ۔ قریشی میں قصاب بھی شامل نظر

Marfat.com

آتے ہیں۔ جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے صدیقی۔ ان کی تعداد سب سے زیادہ ہے جس کی صاف وجہ محمود احمد عباسی کا مذکور بیان ہے۔ مختلف میں بنفیلڈ کی بیان کردہ وہ قومیں شامل محسوس ہوتی ہیں جن کا ذکر گزر چکا ہے۔ بنی اسرائیل اول تو قرین قیاس نہیں دوم ان کا تعلق عرب سے نہیں ان کو یہودی کہتے ہیں یہ کیسے شیوخ میں داخل سمجھے جا سکتے ہیں۔ علیہ بھی ان میں کل ۳۰ آدمی ہیں ۲۲ کا تعلق بہلم سے اور ۸ کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا جب کہ دونوں لفظ ہم معنٰی ہیں۔

اسلامی اصطلاح میں شیخ بہت ہی اہم شخصیات کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ مثلاً خلفائے اول و دوم حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر ابن الخطابؓ کو شیخین کہتے ہیں۔ اسلامی یونیورسٹی جامعہ الازہر مصر میں قائم ہوئی تو اس کے صدر نشین کو شیخ الجامعہ کا لقب دیا گیا۔ سلجوقی ترکوں کے عہد اقتدار میں جب علم دین کے فروغ کے لیے خانقاہیں اور زاویے قائم ہوئے تو ان کے صدر نشینوں کو شیخ کہا جاتا تھا جن کا تقرر سلطان کرتا تھا۔ یہی خانقاہی نظام جب ہندوستان میں نافذ ہوا تو اس کے شیخ کو بھی سلطان ہی مقرر کرتا تھا۔ یہ عہدہ کوئی موروثی یا کسی خاص قوم کے افراد کے لیے مخصوص نہ تھا بلکہ جو بھی اس کا اہل ہوتا اس کا تقرر عمل میں آتا تھا۔ اسی لئے شیخ کے لیے کتب تاریخ میں لکھا ہے کہ "شیخ وہ ہے جس کو اس کا مرشد اور پیر یا اس کا پیش رو نامزد کرے یا اس کی اولاد میں سے کسی اہل شخص کو تمام درویش منتخب کر کے اس کی بیعت کریں اور اس کی توثیق مفتی یا سلطان کرے"[1] اتمام حجت کے لیے یہ کافی ہے کہ شیخ کوئی قوم نہیں اور نہ ہی شیخ زادہ قسم کی کسی چیز کا تخیل اسلام میں ہے۔ کتنی عجیب بات ہے۔ ہندوستان کے لوگوں نے شیخ کو ایک موروثی قوم بنا لیا اور اپنے آپ کو "اشراف" ہونے کا دعویٰ کرنے لگے۔ جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے کہ اس قوم میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو ہندوؤں کی ادنیٰ ذات سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ اسلام نے دین حق ہونے کی وجہ سے ان کو برابر کے حقوق دیئے اور کوئی تمیز نہیں رکھی کہ پہلے وہ کیا تھے۔ مگر ان کے ذہنوں میں احساس کمتری باقی رہا۔ اسلامی مساوات کے باوجود اپنے کو اشراف کہلانے میں بضد ہیں نیفیلڈ نے اس قسم کے لوگوں کی شناخت کے لئے جو نکتہ وضع کیا ہے اس کے الفاظ درج ذیل ہیں۔

---

[1] Encyclopaedia of Religion and Ethics by J. Hastings Vol. 10 Page-42.

Marfat.com

"In further proof of fact that the lower classes of Mohammadan are castes in Hunde sense or word as "they consider the marriage of widow unlawful"

ترجمہ:۔ اس حقیقت کا مزید ثبوت کہ ادنیٰ قسم کے مسلمان ہندو جات پات کے صحیح معنوں میں پابند ہیں۔ یہ ہے کہ وہ نکاح بیوگان کو غیر قانونی سمجھتے ہیں۔ (ملکوں میں بیوہ سے نکاح کا قصہ پہلے مذکور ہو چکا ہے)

مغل اور پٹھان کلال اور جھوجھہ

ضلع سہارنپور میں ان کی تعداد زیادہ نہیں اور نہ ہی یہ لوگ سماج میں اپنی برتری کے ڈھول پیٹتے ہیں۔ پٹھانوں کا ایک معزز خاندان بھرائچ جس کی تفصیل گذشتہ صفحات میں لکھی جا چکی ہے جبکہ ترکمانوں کی تفصیل کھتوتی کے تحت دی جا چکی ہے (مغل دراصل ترک ہیں ان کا یہ نام غلط العام ہو گیا ہے) ان کے علاوہ کچھ مغلوں نے پیشہ کاشتکاری اختیار کر لیا اور زراعت سے وابستہ ہو گئے ان کا ذکر مناسب مقام پر کیا جائے گا۔ کلال یہ بھی پیشہ ورانہ نام ہے جو لوگ نشہ آور چیزیں بناتے اور فروخت کرتے تھے ان کو کلال کہا جاتا تھا۔ ان میں سے بعض مسلمان ہو گئے ان کا تفصیلی جائزہ محمود احمد عباسی نے اپنی کتاب تحقیق الانساب میں کیا ہے جھوجھہ اس قوم کی تفصیل گذشتہ صفحات میں مذکور ہو چکی ہے۔

ملک اور خان

"تاریخ ہند پر نئی روشنی" یہ عربی کی قلمی کتاب کا اردو ترجمہ ہے جو خورشید احمد فاروقی نے کیا اور دہلی سے شائع ہوئی۔ اس کتاب سے اخذ کردہ چند نکات درج ذیل ہیں۔

۱۔ محمد شاہ تغلق نے جو فوجی عہدے قائم کئے ان میں ایسے افسر کو جس کی کمان میں دس ہزار سپاہی رہتے تھے اس کے عہدے کا نام "خان" تھا اور جس افسر کی کمان میں ایک ہزار سپاہی ہوتے اس کو "ملک" اور جس کے تحت ایک صد سپاہی ہوتے اسکو "میر" اور سو سے کم سپاہی کے افسر کو "اصفہلار" کا نام دیا گیا۔ اس سلطان کی فوج بہت بڑی تھی۔ فوج میں

Marfat.com

افغان اور ترکوں کے علاوہ ہندی النسل لوگ بھی تھے جن کے قابل ذکر قبائل، بھیل اور کھتری تھے۔ تنخواہیں نقدی کی صورت میں سرکاری خزانہ سے ادا کی جاتی تھیں۔

۲۔ محمد شاہ تغلق خیر اور نیک کاموں میں بہت پیسہ خرچ کرتا تھا اس کے زمانہ میں بھیکاری نہیں تھے۔ اگر کوئی شخص بھیک مانگتا تو اس کو روکا جاتا تھا اور سرکاری خزانہ سے روزینہ مقرر کر دیا جاتا اس میں ہندو یا مسلمان کی کوئی تخصیص نہیں تھی تقریباً چالیس ہزار فقیروں کے روزینے مقرر تھے۔ اس کے زمانے میں تعلیم عام تھی ایک ہزار سے زائد تنخواہ دار فقیہہ تھے جو عام بچوں کو مفت تعلیم دیتے تھے علماء کا سلسلہ درس و تدریس خانقاہوں میں تھا اور سلطان خود علماء کا خیال رکھتا تھا معاملات میں سخت گیر تھا اس لئے علماء درس و تدریس میں لگے رہتے تھے۔

۳۔ اس سلطان کے زمانے میں دین اسلام کی تبلیغ پر بہت توجہ دی گئی علماء اور صوفیاء دور دراز تک پھیل گئے اور ہندوستان کے وسیع علاقہ میں ایمان کی روشنی پھیل گئی مگر کسی کافر پر سختی نہیں کی جاتی تھی۔ ملک کو غیر صالح عناصر سے پاک کر دیا صالح اور دیندار لوگوں کو ملکی عہدے دیئے۔

اس بیان سے مقصود یہ ہے کہ مسلم معاشرہ صالح اور دیانت دار لوگوں سے تشکیل پاتا ہے نہ کہ قوموں کے بلاجواز اشراف یا سلطان مذکور کی اتنی وسیع و عریض سلطنت میں علماء اور فقہا کی کثیر تعداد ہندی النسل تھی۔ ان کی صریح مثالیں کتب تاریخ میں مذکور ہیں سلطان کا وزیراعظم جس کو خان جہاں کہا جاتا تھا ایک ہندی النسل راجپوت (دکن کا کنودم) تھا جو حضرت نظام الدین چشتی کے دست حق پرست پر ایمان لایا اور آپ کا مرید خاص تھا۔

بعد کے ایام میں لوگوں نے خان اور ملک کو خاندانی وراثت کے طور پر استعمال کیا اور "ملک" نام کے تحت ایک قوم وجود میں آگئی جس کی کثیر تعداد آج کل بھی پاکستان کے علاقوں میں موجود ہے اسی نسبت سے ایک طبقہ قوم شیخ کے تحت "ملکی" "نام" سے ہے۔ عام پٹھانوں نے اپنے نام کے ساتھ خان لگانا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ بعض راجپوت مسلمان بھی اپنے نام کے ساتھ یہ

Marfat.com

لاحقہ لگانے لگے۔ یہ لفظ بھی ایک قومیت کا نشان بن گیا۔ جہانگیر نے ایک حکم کے ذریعہ لفظ خان کا استعمال، بجز اس کے کہ اسکو حکومت کی طرف دیا گیا ہو منع کر دیا تھا لے۔ سلطان محمد شاہ تغلق نے اپنی سلطنت میں گاؤں یا قاعدہ تنظیم کے تحت آباد کیے ہر چار کوس (تقریباً بارہ میل) کے فاصلہ پر گاؤں آباد کیے ہر گاؤں کا ایک حاکم مقرر کیا جسکو چودھری، (یعنی گاؤں کے چاروں طرف زمین کا ذمہ دار) کہا جاتا تھا۔ اکثر گاؤں گوجروں، جاٹوں اور راجپوتوں کے تھے اس لیے چودھری بھی انہیں قوموں سے ہوتا تھا۔ بعد میں یہ لفظ بگڑ کر چودھری ہو گیا ہندو اور مسلمان دونوں ہی اس لفظ کا استعمال اپنی قوم ظاہر کرنے کے لئے کرتے ہیں۔ جس سے ان کا مقصود یہ ظاہر کرنا ہوتا ہے کہ بااعتبار قوم وہ لوگ باقی عوام سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔ یہی حال لفظ میر کے ساتھ ہوا۔ جو ابتدا اصل میں ایک فوجی عہدہ تھا۔ مگر لوگوں نے اس کا استعمال بھی ایک مخصوص قوم کے لئے کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ بہت سے لوگ اپنے کو ممتاز کرنے کیلئے "میر صاحب" کہلوانا پسند کرتے ہیں۔

بنیادی طور سے مسلمانوں میں مذکور تحریکیں ہندوؤں کی ایجاد کردہ ہیں جب تک اسلام اپنی صحیح روح کے ساتھ قائم رہا ایسی تحریکیں کامیاب نہ ہوئی۔ مگر لوگوں میں ایمان اور ایقان کی کمی ہونے لگی۔ خصائل حمیدہ کی جگہ خصائل رذیلہ نے لے لی۔ تب باہمی تفاخر کا سلسلہ شروع ہوا۔

اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں کہ

"Hindus have classified muslim into four castes, Syed, Shaikh, Mughal Pathan" (Muslim communities in Indo Pak sub-continent - Ishtiaq Husain Qureshi Page 83)

ترجمہ:۔ "ہندوؤں نے مسلمانوں کو چار ذاتوں سید شیخ مغل پٹھان میں تقسیم کیا۔"

Marfat.com

باب ہفتم

فصل اوّل

اتحاد بین المسلین کی مظہر ایک مثالی برادری

لفظ گاڑہ کے معنی اور جس اصطلاح اور مفہوم میں اس لفظ کا استعمال ہوا اور کیونکر اس کے اثرات وسطی ایشیا سے آئے اور ہند پر مرتب ہوئے۔ تمام تفصیل بیان ہو چکی ہے چونکہ ضلع سہارنپور میں ایک مستقل برادری اس لفظ کے ساتھ موسوم ہے اس لئے اس برادری کا تفصیلی جائزہ ضروری ہے۔ اس برادری کے تمام افراد راسخ العقیدہ سنی حنفی مسلمان ہیں اور کسب رزق کے لئے پیشہ زراعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ علمائے متقدمین نے کسب معاش کے لئے اس پیشہ کو درجہ اول میں رکھا ہے۔ ابن خلدون نے بھی اس کو درجہ اول دیا ہے علامہ دوانی لکھتے ہیں کہ۔

"اصول مکاسب سہ چیز است چنانچہ بعض ائمہ دین گفتہ اند۔ زراعت و تجارت و صنعت وامام شافعی رضی اللہ عنہ برآنست کہ تجارت بہترین سہ است و ماوردی از اصحاب شافعی گفتہ کہ زراعت بہتر است و بعضے علمائے متاخر گفتہ کہ چوں درین زمانہ اموال بیشتر مشتبہ است و دروغ بر مردم غالب تجارت از احتیاط دور باشد و زراعت احوط باشد۔" [1]

ترجمہ:۔ کسب معاش کے اصول تین چیزیں ہیں، چنانچہ بعض ائمہ دین نے فرمایا کہ زراعت و تجارت و صنعت اور امام شافعی کے نزدیک تجارت ان تینوں میں بہتر ہے۔ جب کہ ماوردی نے جو امام شافعی کے ساتھیوں میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ زراعت بہتر ہے اور بعض علمائے متاخرین نے کہا ہے کہ چونکہ اس زمانے میں بیشتر مال تجارت مشتبہ ہیں اور لوگوں پر جھوٹ بولنا

---

[1] اخلاق جلالی صفحہ ۱۳۲

Marfat.com

غالب ہے اس لئے تجارت میں احتیاط لازم ہے اس سے دور ہی رہیں اور زراعت اختیار کریں کہ یہ میدان بڑا وسیع ہے۔

رزق حلال کا حصول اسلامی معاشرہ میں بہت اہمیت کا حامل ہے اسی لئے مسلمانوں کو ایسے پیشوں سے روزی حاصل کرنے کے لئے تعلیم دی جاتی تھی جس میں رزق حلال کا حصول ہو اور رزق حرام کی ملاوٹ سے پاک ہو۔ حضرت عبدالقدوس گنگوہی جن کے دست پر ہزاروں گوجر اور راجپوت مسلمان ہوئے خود بھی رزق حلال کے لئے زراعت کرتے تھے[1] اور اپنے معتقدین کو بھی یہی ہدایت فرماتے تھے۔

گوجر اور راجپوت گارہ برادری کا اہم عنصر ہی نہیں بلکہ ان کے ہم پیشہ بھی ہیں اس لئے ان دونوں قوموں کی صراحت مناسب حال ہوگی۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ گوجر "ہنوں" کے ساتھ وسطی ایشیا سے آئے اور چھٹی صدی عیسوی میں انہوں نے دوآبہ جمنا و گنگا میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ راجپوت دراصل انہیں گوجروں کی ایک شاخ ہے جس کو ہندو مت میں داخل کر کے یہ نام دے دیا گیا۔ ایک انگریز محقق نے لکھا ہے کہ

Page 53 "the royal clan of Rajput really is only a sub-division or section of the Gurjars and consequently related by blood to the Gujar"

Page 59 "As early as the seventh century AD the Gujars had been admitted in to the scheme of hindu Polity as Rajput

ترجمہ: صفحہ ۵۳ " راجپوت شاہی طبقہ ہے جو درحقیقت گوجروں کی ایک شاخ یا ان کا ایک حصہ ہیں جس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ راجپوت خونی رشتہ کے لحاظ سے گوجر ہی ہیں"

---

[1] شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات صفحہ ۲۰۳ از اعجاز الحق قدوسی

Marfat.com

ترجمہ: صفحہ ۵۹ ۔ ساتویں صدی عیسوی میں گوجروں کو کھتری یا راجپوت کا نام دے کر ہندوؤں کی سیاسی اسکیم میں داخل کر لیا گیا تھا۔

ایک اور محقق لکھتا ہے کہ

"Gujar, they are very numerous in Upper Doab, in Saharanpur, Muzaffer Nagar, Meirath, Buland Shahar, Muthra forms the limit of Gujar settlement in this direction. A part of Saharanpur was known as Gujrat down to the eighteenth century. The Gujars are closely associated with the Rangarh or converted Rajput of Saharanpur and Muzaffer Nagar while the Burgujar Rajput of Buland Shahar are supposed to come of Gujar Stock" 1

ترجمہ۔ بالائی دوآب میں گوجروں کی غالب اکثریت ہے۔ اس علاقہ میں سہارنپور، مظفر نگر میرٹھ بلند شہر متھرا، گوجروں کی آبادی کی حدود میں اٹھارویں صدی عیسوی تک سہارنپور کا کچھ حصہ گجرات کہلاتا تھا سہارنپور اور مظفر نگر کے رانگھڑوں اور راجپوتوں سے ان کا گہرا تعلق ہے جب کہ بلند شہر کے برگوجر راجپوت دراصل گوجر ہی ہیں۔

گذشتہ صفحات میں مذکور تحقیق سے یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے کہ اگر ہندی عورت اور ترک مرد کے اختلاط سے کوئی بچہ پیدا ہو تو اس کو وسطی ایشیا کے لیں منظر میں قارا کہیں گے۔ اور اگر ہندوستان میں جہاں کا معاشرہ جات پات کے بندھنوں جکڑا ہوا ہے ایسی مخلوط نسل پیدا ہو جیسکے والدین دو مختلف ذاتوں سے تعلق رکھتے ہوں تو اس کے ساتھ گاڑہ یا گوڑ کا لاحقہ لگ جائے گا۔ گوجر اور راجپوت بیان کردہ حقائق کی بنیاد پر اگرچہ ایک ہی ہیں اور ہر طرح سے ان میں کفو موجود ہے ان دونوں قوموں سے لوگ مسلمان

Journal of Royal Asiatic Society XXXII 1907 Page 985. ۱؎

Marfat.com

بھی ہو گئے ہیں۔ اس کے باوجود بھی ہندو جات پات کا اثر اتنا گہرا ہے کہ یہ لوگ آپس ہی میں شادی بیاہ کرتے۔ گوجر راجپوت کو لڑکی نہیں دیتا اور نہ راجپوت گوجر کو۔

گوجروں کی آبادی ضلع سہارنپور میں دیگر اضلاع کے تناسب سے سب سے زیادہ ہے۔ جیسا کہ جدول نمبر ۲ میں ظاہر کیا گیا اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اورنگ زیب نے دکن کی کسی مہم میں گوجروں کی وفاداری سے متاثر ہو کر ان کو ایک ہزار گاؤں مقرری میں دیئے تھے اس خاندان کا مورث اعلیٰ سبھا چند سنگھ دھارا نگری دکن سے آ کر یہاں آباد ہوا اور موضع لنڈھورہ کو اپنا صدر مقام بنا کر سکونت اختیار کی اس کے بعد اس کا لڑکا چودھری منوہر سنگھ اور اس کا لڑکا لعل کنور اس اس کا لڑکا بدھ سنگھ اس کا لڑکا تاہر سنگھ اور اس کا لڑکا راجہ رامدیال سنگھ یکے بعد دیگرے مقرری دار ہوتے رہے راجہ رامدیال سنگھ مرہٹوں کے زمانہ میں سہارنپور کا عامل مقرر ہو گیا تھا۔ انگریزوں نے جب اس علاقہ پر قبضہ کیا تو راجہ رامدیال سنگھ ہی علاقہ کا سب سے بڑا مقرری دار تھا[1] مگر انگریزوں نے یہ مقرری ختم کر دی اس خاندان کے ساتھ بہت سے دیگر گوجر بھی دکن سے آ کر یہاں آباد ہو گئے تھے۔ گوجروں میں بھی بے شمار گوتھ ہیں جن کی تعداد ۸۰ سے بھی زیادہ ہے

راجپوت اس علاقہ میں کافی قدیم ہیں مگر مجموعی حیثیت سے یہ لوگ بارھویں اور تیرھویں صدی عیسوی میں آئے۔ جیسا کہ کروک لکھتا ہے کہ۔

"This much seems probably certain, that when Rajput colonisation began in twelvth or thirteenth century, the new colonist found the country occupied by low castes tribes whom they conquered and brought under subjugation"

(N.W.P. of India Page 75)

ترجمہ:۔ یہ بات تصدیق سے کہی جا سکتی ہے کہ راجپوت حکمران بارھویں یا

---

[1] تاریخ سہارنپور صفحہ ۱۹۸

Marfat.com

تیرھویں صدی میں آئے اس وقت اس علاقہ کی آبادی ادنیٰ ذات کے قبائل پر مشتمل تھی۔ (شاید چمار مراد ہوں) جن کو ان راجپوتوں نے فتح کر کے اپنی رعایا بنالیا۔

ان راجپوتوں کی قدیم آبادی سہارنپور کے جنوب میں ندی ہنڈن، کالی ندی اور کاتھ کے قریب وجوار میں ہے اور ان کا صدر مقام بڑگاؤں تھا۔ یہ گاؤں اور بقیہ تمام علاقہ پرگنہ رامپور، ناگل، دیوبند اور تھانہ بھون میں شامل ہے۔ اس علاقہ میں ان کے باون گاؤں تھے جن کو باونی کہا جاتا تھا۔ دوسری قدیم آبادی گنگا کے اطراف میں تھی۔ جو اس وقت تحصیل روڑکی منظفر نگر اور کچھ علاقہ ضلع بجنور میں ہے۔ یہاں پر ان کے چوراسی گاؤں تھے اور ان کا صدر مقام ایک گاؤں بنام چوراسی تھا جو روڑکی کے قریب واقع ہے محمد شاہ تغلق نے راجپوتوں کو انبالہ سے لاکر سہارنپور کے شمال میں کوہ سوالک تک آباد کیا۔ ضلع انبالہ میں ایک گاؤں بنام پنڈیر تھا جو ان راجپوتوں کا صدر مقام تھا اسی وجہ سے ان کو راجپوت پنڈیر کہا جاتا تھا۔[۱] فیروز شاہ تغلق بادشاہان ہند میں سب سے پہلا ہے جس نے آب پاشی کے لئے نہریں بنوائیں اور مملکت محروسہ کی باقاعدہ محصول بندی کرائی ایک نہایت متقی اور پارسا شخص بنام خواجہ حسام الدین جنیدی نے تمام علاقہ کا تفصیلی معائنہ کر کے زمینات کی اقسام جیسے ہزی کھادر، بانگر وغیرہ متعین کیں اور ان کا محصول مقرر کیا جس کی بنیاد شریعت اسلامیہ کے مطابق عشر پر رکھی یعنی پیداوار کا دسواں حصہ[۲] یہ محصول بندی کا اصول کچھ تغیر اور تبدل کے ساتھ اکبر کے زمانے میں راجہ ٹوڈرمل اور مظفر خان نے بھی برقرار رکھا اور اس طرح سے مقرر کردہ محصول انگریزوں کی آمد تک جاری رہا۔

فیروز شاہ تغلق نے تقریباً پانچ نہریں بنوائیں جن میں نہر فیروز آباد۔ جو گردش ایام

---

[۱] آئینہ حقیقت از ضیاالدین برنی ترجمہ اکبر شاہ خان نجیب آبادی مطبوعہ دہی

[۲] تاریخ فیروز شاہی شمس سراج عفیف ترجمہ مولوی فدا علی طالب صفحہ ۷۶

Marfat.com

اور سالانہ مرمت نہ ہونے کی وجہ سے بند ہو گئی تھی انگریزوں نے صاف کر کے نہر جمنا شرقی کے نام سے دوبارہ کھولی، اس سلطان نے زراعت کی طرف بہت توجہ دی اور تحقیقی مراکز بنوائے جہاں سے بیج اور فنی معلومات عام کاشتکاروں کو حاصل ہوتی اور اس صورت سے کاشتکار سال میں چار فصلیں حاصل کرنے لگے۔

جمنی پرشاد سکسینا لکھتا ہے کہ

"Feroz enhanced the economic prosperity of the country, the greatest advantage was reaped by the peasents who were relieved of their worries, their houses became full of grains, cattles, cots and other furniture, there was no woman without her ornaments. In Doab from Kharak to Kol there was not a single village left uncultivated" ۱ے

ترجمہ:۔ فروز شاہ نے ملک کی معاشی حالت کو بہت ترقی دی۔ سب سے بڑا فائدہ کاشتکاروں کو پہنچا جنکی تمام تکالیف رفع ہو گئی۔ ان کے گھر غلہ سے بھر گئے۔ جانوروں، چارپائیوں اور دوسرے فرنیچر کی بہتات تھی۔ کوئی عورت بھی ایسی نہ تھی جس کے پاس زیورات نہ ہوں

دوآبہ میں کھرک (کوہ سوالک) سے کول (علیگڑھ) تک ایک گاؤں بھی ایسا نہ تھا جو غیر آباد ہو۔

اس خوشحالی کا سب سے زیادہ فائدہ ضلع سہارنپور کے گوجروں اور راجپوتوں کو ہوا جو بنیادی طور سے زراعت سے وابستہ تھے۔ مغلوں کے زمانے میں راجپوتوں کی آبادی میں مزید اضافہ ہوا۔ کیونکہ مغل دربار میں ان کی اہمیت تھی۔ اس زمانے میں راجپوتوں کو بڑی مراعات اور جاگیریں ملیں۔

ڈبلیو کروک لکھتا ہے کہ

۱ے History of Feroz Shah Tughlaq by Jimini Parshad Saksena P-120.

Marfat.com

"the policy of (conciliation) of rulers of Agra and Dehli with Rajput has caused settlement of Rajputs in Oudh and Doab to colonize the country. The land settled to them that lasted to the days of Englishmen"
(N. W. P. of INDIA by W. Crook - London 1897)

ترجمہ: آگرہ اور دہلی کے حکمرانوں کی مصالحانہ پالیسی کی وجہ سے راجپوت اودھ اور دوآبہ کے علاقوں میں آباد ہوئے اور یہاں کی زمینیں ان لوگوں نے کاشت کی۔ اس زمانہ میں راجپوتوں کو جو زمینات کے مالکانہ حقوق ملے۔ وہ انگریزوں کی آمد تک باقی رہے۔

شاہجہان اور اورنگ زیب نے بھی اس علاقہ پر خاص توجہ رکھی شاہجہان نے تو اس علاقہ کو دارالسلطنت بنانے کا ارادہ کیا تھا اور باغات و محلات بنوائے تھے مگر بعد میں یہ ارادہ ملتوی کر کے دہلی کو منتخب کیا غرض یہ کہ ضلع سہارنپور مالدار ترین اور خوشحال لوگوں پر مشتمل تھا۔ چونکہ معیشت بنیادی طور سے زرعی تھی اس لئے زراعت سے وابستہ لوگ زیادہ خوشحال اور مالدار تھے۔ مسلمان خاص طور سے مستحکم مالی معیشت کے حامل تھے۔ دینداری پاکدامنی، رزق حلال کا حصول اور شریعت کی پابندی ان زراعت پیشہ مسلمانوں کا طرہ امتیاز رہا ہے۔ مولوی حکیم سید عبدالحی سابق ناظم ندوۃ العلما نے دہلی اور اس کے اطراف کا سفر ۱۸۹٦ء میں کیا تھا۔ یہ سفرنامہ انجمن ترقی اردو دہلی نے ۱۹۵۵ء میں شائع کیا۔ سید صاحب مذکور ضلع سہارنپور کے مسلمانوں کے متعلق لکھتے ہیں کہ،

"میرے گمان میں ضلع سہارنپور کے اشرار بھی ہماری طرف کے اخیار سے اچھے ہیں اور اخیار کا تو کیا کہنا ان کی تو نظیر ہی نہیں ملتی کسی رنگ میں ہوں مگر خدا کی لوگی رہتی ہے بے تکلف سچے دیندار مسلمان ہیں مجلس وعظ منور رہتی ہے۔"

Marfat.com

فصل دوم
زراعت پیشہ افراد کی زبوں حالی اور پستی

۱۸۰۳ء میں انگریزوں نے اس ضلع پر قبضہ حاصل کر کے عملداری شروع کی ایسٹ انڈیا کمپنی کا واحد مقصد زر کثیر حاصل کرنا تھا۔ اس کے لئے اس کمپنی کے عمال نے معقول اور غیر معقول سب ہی طریقے اختیار کئے۔ نواب سراج الدولہ کے خزانے کو لوٹا۔ بنگال اور بہار پر اتنے محصولات لگائے کہ زراعت بند ہو گئی اور قحط عظیم نمودار ہوا۔ گورنر جنرل ہشٹنگ نے راجہ بنارس کا خزانہ لوٹ کر اس کو معزول کر دیا اور اس کے ایک رشتہ دار کو راجہ بنا کر پچاس لاکھ روپیہ کا محصول لگایا۔ اودھ کی بیگمات کی بے عزتی کی اور ان کا خزانہ اپنے قبضہ میں کر لیا۔ روہیلکھنڈ کے نواب حافظ رحمت خان کے خلاف جنگ کی اور مذکورہ نواب کے جنگ میں قتل ہونے کے بعد تمام خزانہ اپنے قبضہ میں لے لیا۔ غرضیکہ اسی سطح نظر کے تحت انگریز حاکموں نے ضلع سہارنپور کے زراعت پیشہ افراد پر انتہائی ظالمانہ اور جابرانہ طریقہ سے لگان عائد کیا کاشتکاروں کو یہ محصولات ادا کرنے کے لئے مہاجنوں سے قرضے حاصل کرنے پڑے شرح سود پر کوئی موثر پابندی نہ تھی اور مہاجن تیس فی صد سے بھی زیادہ سود وصول کرتے تھے۔ اور ادا نہ کرنیکی صورت میں زمین کی ملکیت کا دعویٰ کر کے کاشتکار کو حق ملکیت سے محروم کر دیتے تھے انگریزوں کی آمد کے وقت ان مہاجنوں کے پاس ایک گز بھی زرعی زمین نہ تھی۔ مگر جیسا کہ جدول نمبر ۲ سے ظاہر ہے ۱۸۹۰ء تک مہاجن ضلع کی تیس فی صد زمین کے مالک تھے۔ اس کے علاوہ غیر معمولی شرح لگان کی وجہ سے بہت سے لوگ حق ملکیت سے دستبردار ہو گئے اور کاشت ترک کر دی۔ پرگنہ مظفر آباد۔ فیض آباد، جوالاپور اور روڑکی کے تحت دامن کوہ سوالک میں جس کو گھاڑ کہتے تھے۔ تقریباً ۱۸۱ گاؤں غیر آباد ہو گئے اور مالکان حق ملکیت سے دستبردار ہو گئے۔ انگریزوں نے اپنی عملداری کے پہلے پچیس سالوں میں جو لگان زراعت پیشہ افراد سے وصول کیا وہ حسب ذیل ہے۔

Marfat.com

سال فصلی	سال عیسوی	سالانہ تشخیص کردہ لگان	
۱۲ - ۱۲۱۱	۴ - ۱۸۰۳	۱۷۷۳۷۱	روپیہ
۱۵ - ۱۲۱۳	۷ - ۱۸۰۵	۱۹۵۷۴۲	؍؍
۱۸ - ۱۲۱۶	۱۰ - ۱۸۰۸	۴۷۶۸۰۵	؍؍
۲۲ - ۱۲۱۹	۱۴ - ۱۸۱۱	۹۳۸۹۳۵	؍؍
۲۷ - ۱۲۲۳	۱۹ - ۱۸۱۵	۱۰۶۰۰۶۸	؍؍
۳۲ - ۱۲۲۸	۲۴ - ۱۸۲۰	۹۰۹۹۱۵۲	؍؍
۳۷ - ۱۲۳۳	۲۷ - ۱۸۲۵	۹۵۳۰۴۶	؍؍

(ماخوذ از رپورٹ بندوبست ۱۸۹۰ء صفحہ ۳۵)

پہلے دو سالوں یعنی ۴-۱۸۰۳ء میں لگان کی تشخیص دھی رہی جو مرہٹوں کے زمانے میں تھی مرہٹہ راج میں طریقہ تھا کہ وہ فصل کا چوتھائی حصہ لگان لیتے تھے جس کو ,, چوتھ ،، کہا جاتا تھا ۔ مغل دور حکومت میں یہ محصول اس سے کم تھا اور کسی صورت میں بھی پانچویں حصہ سے زیادہ نہیں ہوتا تھا ۔ ۱۸۱۱ء سے ۱۸۱۹ء تک تشخیص مسٹر چیمبرلین نے کی جب کہ اسکے بعد کی تشخیص مسٹر مورنے کی یہی تشخیص ۱۸۳۵ء تک باقی رہے ۱۸۳۵ء سے ۱۸۳۹ء ضلع کا بندوبست تیس سال کے لئے مسٹر تھارنٹس نے کیا جس کی سالانہ جمع ۱۰۹۳۹۴۶ روپیہ مقرر کی گئی ۔ اس کے بعد ۱۸۷۰ء میں بیس سال کے لئے بندوبست کیا گیا اور ضلع کی کل جمع گیارہ اور بارہ لاکھ روپیہ کے درمیان رہی اور ۱۸۹۰ء کے بندوبست میں جمع چودہ سے پندرہ لاکھ روپیہ کے درمیان رہی یہی جمع ۱۹۲۰ء کے بندوبست میں باقی رہے

مندرجہ بالا اعداد و شمار سے یہ واضح ہو جاتا کہ کس ظلم و زیادتی سے زراعت پیشہ افراد سے لگان وصول کیا گیا اور ان کو مفلسی اور پستی کی طرف دھکیل دیا گیا ۔ مسٹر کولون اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ

Marfat.com

Extract of letter No. 975 of 1871 from A Colvin Secretary Board of Revenue to C.A. Elliott Secretary Government of N W P P-14 "Saharanpur, in truth has not been happy in its fiscal policy. The first 25 years of British rule were one long struggle on the one side at extracting large revenue, met by a resolute determination on the other hand to resist payment. The names of Mr. Chamber-Lain and Mr. Moors are prominently connected with those early days. Efforts of farmer to extract what he considered a proper revenue from Ram Dyal Singh's Mukurreree tenure ending in depopulating a larger area of the district, Mr. Moore's assessment led to un-numberable farms. The district noted as one of the richest in the days of Mughal deteriorated rapidly"

ترجمہ: اے کولون سیکریٹری بورڈ آف ریونیو کے خط نمبر ۹۷۵ ۱۸۷۱ء کا اقتباس جو سی۔ اے ایلیٹ سیکریٹری حکومت شمال مغربی صوبجات کو لکھا گیا۔

درحقیقت سہارنپور سے متعلق مالیاتی پالیسی خوشگوار نہیں رہی۔ برطانوی حکومت کے پہلے پچیس سال ایک ایسی تصویر پیش کرتے ہیں۔ جس میں ایک طرف تو حاکموں نے زیادہ سے زیادہ لگان وصول کرنے کے لئے تمام حربے استعمال کئے جب کہ دوسری طرف لگان دہندگان نے استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے ادائیگیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ چیمبر لین اور مور کے نام ان ایام کے اوائل میں نمایاں ہیں۔ چیمبر لین نے راجہ رامدیال سنگھ مقرری سے ایسا کثیر لگان وصول کرنے کی کوشش جو اس کی نظر میں معقول تھا مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ضلع کا بہت وسیع علاقہ غیر آباد ہو گیا مور نے جو تشخیص کی اس نے بھی مشکلات کی بہت سی صورتیں اختیار کی اور یہ ضلع جو مغل دور حکومت میں مالدار ضلعوں میں شمار ہوتا تھا بڑی تیزی کے

سلہ رپورٹ مہدو لست ۱۸۷۰ء

Marfat.com

ساتھ تباہ ہوگیا"

ان پہلے پچیس سالوں میں گاڑہ برادری کی ملکیت سے ۲۴۸۱۲ ایکڑ زرعی زمین نکل گئی اور مہاجنوں کی ملکیت میں پہنچ گئی گوجروں اور راجپوتوں کو بھی کثیر علاقہ کی ملکیت سے ہاتھ دھونا پڑا۔ بندوبست ۱۸۷۰ء بھی زرعی اقوام کے لئے ویسے ہی بوجھ کا باعث بنا جیسا کہ پہلے تھا۔ تھارنٹن گزشتہ سالوں کی جمع میں صرف نو فیصدی کی کمی کی اس بندوبست کے نتیجہ میں مزید پچیس فی صد زمین زرعی اقوام کے ہاتھوں سے نکل گئی ذریعہ معاش پرانی رہی کی یقیناً متعلقہ اقوام کی مفلسی اور پستی کا باعث بنی اور اس پستی میں ان کی ایک مکمل نسل گذر گئی جو تعلیم سے بھی محروم رہی اور ذہنی پس ماندگی کا شکار ہوگئی۔ گاڑہ برادری بطور خاص انگریز حکمرانوں کی ظلم و زیادتی کا شکار ہوئی۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی یہ لوگ مسلمان تھے جن سے انگریزوں کو بطور خاص دشمنی تھی دوسری وجہ یہ تھی کہ ان کی خوشحالی ان کے رہن سہن اور لباس سے ظاہر تھی۔ کیونکہ یہ لوگ شریعت اسلامی کے پابند تھے اس لئے پاک اور طاہر کپڑے پہنتے تھے۔ عام لباس گھر کھا پاجامہ اور پگڑی تھی جب کہ دوسری زرعی اقوام کا لباس دھوتی اور کرتہ تھا جس میں گوجر اور راجپوت قابل ذکر ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ دیگر زرعی اقوام کے مقابلہ میں گاڑہ برادری کے اوپر لگان زیادہ لگایا گیا اس حقیقت کا اعتراف انگریز حکمرانوں نے خود بھی کیا ہے رپورٹ بندوبست ۱۸۷۰ء کے صفحہ ۵۰ پر درج ہے کہ

"The industrious cultivators such as Garas pay more than average"

ترجمہ:۔ محنتی قوم گاڑہ۔ دوسری زرعی اقوام سے تناسب کے لحاظ سے سب سے زیادہ لگان دیتے ہیں۔

اسی بندوبست رپورٹ میں گاڑہ برادری کے مقروض ہونے اور اس قرض کے نتیجے میں زمین کی ملکیت سے محروم ہونے کی وجوہات بیان کرتے ہوئے صفحہ ۱۲۷ پر لکھا ہے کہ

ؔ رپورٹ بندوبست ۱۸۷۰ء

Marfat.com

"I must here remark that within my experience the garas are really industrious and frugal class, are often more deeply in debt than Gujar and Rajput. This arises from the two causes. 1) they can get longer and most extensive credit from money lenders. 2) these men have as yet been signalled from the rest by the extreme weight with which the government demand pressed upon them"

ترجمہ :۔ یہاں میں یہ بتلا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ گاڑے محنتی، سادہ اور کفایت شعار لوگ ہیں۔ مگر اکثر گوجروں اور راجپوتوں سے زیادہ مقروض رہتے ہیں۔ اس کی دو وجوہات ہیں اول یہ ہے کہ مہاجن ان کو زیادہ اور لمبی مدت کے قرضے آسانی سے دے دیتے ہیں دوم یہ کہ یہ لوگ باقی زرعی اقوام سے الگ کر دیئے گئے اور سرکاری واجبات کا بوجھ ان لوگوں پر سب سے زیادہ ڈالدیا گیا۔

اس بیان سے ظاہر ہے کہ قرض کی ادائیگی میں بھی یہ لوگ دیانتداری کا ثبوت دیتے تھے اور سرکاری لگان بھی اپنے ہم پیشہ لوگوں سے زیادہ ادا کرتے تھے۔ ان حالات میں اس قوم کو پستی اور مفلسی کا شکار ہونا پڑا۔ مگر ان لوگوں نے ہمت نہیں ہاری اور اپنے پیشے سے منسلک رہے۔ کسی جرم اور بددیانتی کی طرف رجوع نہیں کیا وہ زمینیں جو ان کی ملکیت سے نکل چکی تھیں ان کو مزارع کی حیثیت سے کاشت کرتے رہے جیسا کہ جدول نمبر ۳ اور نمبر ۲ کے موازنہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی ملکیت تو صرف ۲۱۹۳۸ ایکڑ زمین تھی جب کہ ان کے زیر کاشت رقبہ ۷۹۹۸۸ ایکڑ تھا۔ اسی حقیقت کو جدول نمبر ۶ کے پس منظر میں اگر دیکھیں تو گوجروں سے کم اور راجپوتوں سے زیادہ تعداد میں ان کے پاس ہل اور بیل تھے۔ جدول نمبر ۶ اور جدول نمبر ۴ کے اعداد و شمار کا موازنہ ظاہر کرتا تھا کہ گوجروں کی آبادی ۷۱۴۲۲ اور راجپوتوں کی آبادی ۶۸۷۹۸ (مسلمان اور ہندو دونوں کو ملاکر) جب کہ ان کے پاس بیلوں کی تعداد بالترتیب ۴۹۶۰۴ اور ۲۲۶۰۸ ہے گاڑوں کی آبادی ۴۴۵۲۶ اور بیلوں کی تعداد ۲۱۹۰ تھی اس طرح تناسب کے لحاظ سے گاڑوں کی استعداد کاشت ضلع بھر میں سب سے

Marfat.com

زیادہ تھی۔

گاڑے چونکہ زمانہ ماضی میں خوش حال تعلیم یافتہ اور خوش پوش تھے ان کی یہ حالت باقی نہ رہی جس کا اثر ان کے ذہن و شعور پر بہت گہرا مرتب ہوا اور اپنے چھوٹے سے چھوٹے حق سے بھی دست بردار ہونا گوارہ نہیں کرتے تھے۔ نہ عدالتوں میں جانے سے گریز کرتے تھے اور نہ ہی مقامی لوگوں یا زمینداروں سے بحث و تکرار میں پیچھے ہٹتے تھے اسی لیے تمام انگریز حکمرانوں نے ان کے بارے میں یہی رائے لکھی ہے کہ مقدمہ بازی میں اور قانون کے باریک سے باریک نکتہ کو سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی گاڑہ کسی ایسے گاؤں میں سکونت رکھتا تھا جس میں ہندوؤں کی اکثریت ہو تو وہاں اپنے مذہبی اور قانونی حقوق کی جارحانہ کوشش کرتا۔ اس لئے ہندوؤں نے مشہور کر دیا تھا کہ "گاؤں میں گاڑہ اور کھیت میں جھاڑا (خاردار درخت) گاڑوں کی پستی اور تنزلی کی آخری منزل یہی تھی، جو ہر صورت جرائم اور دیگر غلط کاموں سے پاک ہے۔ اس کے برعکس اس مفلسی اور پستی نے گوجروں اور راجپوتوں کو جرائم، چوری، ڈاکہ زنی کی طرف راغب کر دیا اور ان قوموں میں یہ جرائم عام ہو گئے چوری سے حاصل شدہ مال میں سارے گاؤں والے شریک ہوتے تھے اور جرائم پیشہ افراد کی پشت پناہی کرتے تھے۔ ڈبلیو کروک نے ان کے متعلق مندرجہ شعر نقل کیا ہے جو زبان زد عام تھا

کتا بلی دو۔ گوجر رانگھڑ دو   یہ چار نہ ہوں تو کھلے کواڑ سو سلہ

مذکورہ پستی کے باوجود بھی دیہاتی آبادی اپنی زندگی کی ضروریات میں خود کفیل تھی جہاں پر معیشت بنیادی طور سے زرعی ہو اور زراعت نقصانات کا شکار ہو تو شہر اور قصبے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ قصبات میں رہنے والوں کی حالت تو دیہات میں بسنے والوں سے بھی ابتر ہو جاتی ہے۔ قصبات میں رہنے والوں کی پستی بیان کرتے ہوئے رپورٹ ہندولیب ۱۸۷۰ء کے صفحہ ۲۴۲ پر لکھا ہے کہ

"The inhabitants of the towns of district present a painful contrast to the rural population - sub-division of shares has been carried out to the extreme and

سلہ Tribes and Castes of N W P Vol. II P-448.

Marfat.com

every man however small his share disdain personal labour. How the majority of the population in the town live is to me a matter of never ending wonder"

ترجمہ: قصبات کی آبادی اور دیہاتی آبادی میں ایک تکلیف دہ تضاد ہے حقوق ملکیت میں حصہ داری کی تقسیم چھوٹے سے چھوٹے حصہ تک پہنچ چکی ہے اور ہر شخص محنت کرنے سے گھبراتا ہے۔ قصبات کی آبادی کی اکثریت کیسے زندہ ہے یہ میرے لئے انتہائی تعجب کا باعث ہے۔

اس تفصیلی بیان سے مقصود یہ ہے کہ انیسویں صدی عیسوی تک قصبات میں بسنے والے مسلمان دیہاتی مسلمانوں کو اپنے سے کمتر اور رذیل خیال کرتے تھے جب کہ بعض قوموں کے افراد خاص طور سے شیخ اور سیدوں نے اپنی برتری کی اتنی تشہیر کی دیہات کے رہنے والے مسلمان خاص طور سے گاڑے احساس کمتری کا شکار ہو گئے اور اپنے ماضی سے بالکل منقطع ہو گئے حالت جہل اور پستی میں جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے ان کی کئی نسلیں گذر گئیں اور ان کو یہ بھی وثوق کے ساتھ معلوم نہیں کہ یہ لوگ کون ہیں۔ گاڑہ کیوں کہلاتے ہیں۔ ہندی النسل ہیں یا غیر ہندی دائرہ اسلام کب داخل ہوئے۔ ان تمام حقائق پر آئندہ صفحات میں روشنی ڈالی جائے گی۔

بندوبست ۱۸۹۰ء ضلع سہارنپور کا لگان گیارہ اور بارہ لاکھ روپیہ کے درمیان مقرر ہوا یہ لگان اگرچہ مجموعی حیثیت پہلے لگان سے زیادہ ہے مگر عمومی حیثیت سے اس میں کاشتکار کو کچھ آسانیاں دی گئیں جو اس کے لئے قابل برداشت تھیں کیونکہ اجناس کی قیمتوں میں بھی کچھ اضافہ ہوا اور جنگل گرانٹ کے تحت دیے گئے کچھ نئے گاؤں بھی آباد ہو گئے۔ جیسا کہ جدول نمبرا میں درج شدہ دیہات کے موازنہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۸۴۷ء اور ۱۸۹۰ء کے درمیان ۱۸۶ گاؤں کا اضافہ ہوا۔ افسر بندوبست نے گذشتہ بندوبست کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قوم گاڑہ پر تناسب کے لحاظ سے زیادہ محصول عائد کیا گیا گاڑوں پر جو لگان عائد کیا گیا اس کی مجموعی رقم ۲۸۶۷۷۵ روپیہ[1] جب کہ کل ضلع کا لگان بارہ لاکھ روپیہ تھا۔ جسکا تناسب تقریباً

---

[1] رپورٹ بندوبست ۱۹۲۰ء صفحہ ۸۴

Marfat.com

۲۸ فی صد ہوتا ہے۔ کل ضلع کی مالکانہ زمین میں یہ تناسب چار فی صد ہے یعنی چار فی صد زمین کے مالکان پر ۲۸ فی صد لگان کا بوجھ ڈال دیا گیا۔ اسی وجہ سے گاڑہ قوم قرض میں مبتلا ہو کر مزید اراضی فروخت کرنے پر مجبور ہوئی اس کیفیت کو بیان کرتے ہوئے رپورٹ بندوبست ۱۸۹۰ء کے صفحہ ۹۵ پر لکھا ہے کہ

"It is however surprising that the most industrious community Gara, should have also lost ground. The indebtness of this class was noticed by Mr. Wyne who attributed and probably correctly to two causes (1) they could get more credit than others. (2) that down to the last settlement the revenue assessed on them had been specially heavy"

ترجمہ:۔ یہ انتہائی تعجب خیز بات ہے کہ محنتی طبقہ گاڑہ کے بھی قدم ڈگمگا گئے مسٹر وائن نے اس کے دو اسباب لکھے ہیں اور غالباً صحیح لکھے ہیں اول یہ کہ ان لوگوں کو دوسروں کی نسبت قرض زیادہ مل جاتا ہے دوم یہ کہ گذشتہ بندوبست تک جو لگان ان لوگوں پر لگایا گیا وہ بطور خاص زیادہ تھا۔

بندوبست ۱۸۹۰ء میں اس لگان میں کچھ تخفیف کر دی گئی جس کے نتیجہ میں گاڑہ برادری کی مالی حالت کچھ مستحکم ہونا شروع ہوئی اور اس بندوبست کے اختتام یعنی ۱۹۲۰ء تک ان لوگوں نے زمینات خرید کر اپنی ملکیت میں اضافہ کیا مجموعی حیثیت مسلمانوں میں گاڑوں کی ملکیت میں سات فی صد، کھوجوں کی ملکیت میں بیس فی صد شیخ اور شیخ زادگان کی ملکیت میں چار فی صد اضافہ ہوا جب کہ پٹھان، مغل، پیرزادگان کی ملکیت میں دو فی صد اور سیدوں کی ملکیت میں بارہ فی صد کی کمی ہوئی [۱]

---

[۱] رپورٹ بندوبست ۱۹۲۰ء صفحہ ۴۷

Marfat.com

فصل سوم

گاڑہ برادری میں شامل مختلف اقوام

فرہنگ آصفیہ میں جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے۔ لکھا ہے کہ یہ قوم راجپوتوں سے مسلمان ہوئی۔ انگلش ماخذات میں یہ بات مسلمہ ہے کہ یہ لوگ ہندوؤں سے مسلمان ہوئے دیگر ماخذات میں جو کچھ اس موضوع پر لکھا گیا ہے وہ درج ذیل ہے۔

Census report of 1865

1) Extracts from appendix B. Page-4 (Muzaffar Nagar) "Garas came from all parts of the country and settled here"

2) Under Muzaffar Nagar P-5.

"A notable fact is the presence of Mohammadan Jats, Garas, Gujar, and Rajput mixed up with hindus of the same castes. It is not uncommon to find half village owned by Mohammadan and other half by hindus, the mohammadan however attend the same cremonies, consult the same Brahman, as to the auspicious days, occasions etc. and practice many rites of their hindu brotheren. This curious intermixture is accounted for the necessity imposed on all pititioners to the court of Delhi submitting to the circumcision before their prayers were heard by the emperor"

3) Page 7

"Garas are an industrious race originally hindu Rajputs, it is supposed, though some days they were only slaves of Rajputs and other say that the name generally given to hindus who have converted to Mohammadanism but such, at all events does not appear to be the case in this district. Where the class enumerated above are as distinct to all appearance as so many castes of hindus. Garas are so called

Marfat.com

from their having adopted with their new faith the Mohammadan practice of burying. their dead, little can be learnt of their history but they state roughly, that they were converted to the Mohammadan faith between 200/300 years ago''

ترجمہ: ۱۔ اپنڈیکس بی صفحہ ۴۔ مردم شماری ۱۸۶۵ء سے اقتباس (مظفر نگر)
یہ گاڑے ملک کے تمام حصوں سے آکر یہاں آباد ہوئے۔

(۲) مظفر نگر کے تحت صفحہ ۵

ایک قابل غور بات یہ ہے کہ مسلمان جاٹ، گاڑہ گوجر اور راجپوت اپنے ہم ذات ہندوؤں کے ساتھ گھل مل کر رہتے ہیں۔ یہ بات عام ہے کہ آدھا گاؤں مسلمانوں کی ملکیت ہے جب کہ دوسرا آدھا ہندوؤں کی۔ مسلمان تہوار منانے، خاص مواقع پر فال اور شگون لینے کے لئے برہمن سے مشورہ کرنے اور دوسرے رسم و رواج پورا کرنے کے لئے اپنے بھائی بند ہندوؤں کے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔ اس تعجب خیز اجتماع کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ دہلی کے شاہی دربار میں مسلمان کا درخواست دینا اس پر منحصر ہے کہ اس کی ختنہ ہوئی ہو۔ اس کے بعد ہی شہنشاہ اس کی درخواست پر غور کرتا ہے۔"

(۳) گاڑہ ایک محنتی قوم ہے جو اپنی اصل میں راجپوت ہیں کچھ لوگوں کا گمان یہ ہے کہ یہ راجپوتوں کے غلام تھے جب کہ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ نام ان تمام ہندوؤں کو دیا گیا۔ جنہوں نے مذہب اسلام اختیار کیا۔ مگر اس ضلع کے عمومی حالات کے پیش نظر یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ یہ طبقہ مذکورہ بالا قوموں سے اپنے ظاہر کے اعتبار سے بھی ممتاز ہے۔ جب کہ دوسری ہندو جات پات ایک دوسرے سے الگ ہی نظر آتی ہیں گاڑوں کو یہ نام اس لئے دیا گیا کہ انہوں نے مسلمان ہو کر جنازے دفنانے کا طریقہ اختیار کیا ان کی گذشتہ تاریخ کے بارے میں بہت ہی محدود معلومات ہیں۔ تاہم گاڑوں کا کہنا ہے کہ اندازاً دو یا تین صد سال پہلے یہ لوگ دائرہ

Marfat.com

اسلام میں داخل ہوئے۔

حصہ دوم میں یہ ذکر کہ مسلمان جاٹ، گاڑہ، گوجر، راجپوت اپنے ہم جات ہندوؤں کے ساتھ گھل مل کر رہتے ہیں، گاڑوں کے تعلق سے صحیح نہیں کیونکہ اس نام کی کوئی ذات ہندوؤں میں نہیں حصہ سوم میں یہ گمان ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ صرف راجپوت کے غلام تھے یہ گمان بھی درست نہیں کیونکہ کتب تاریخ میں یہ ذکر کہیں بھی نہیں ملتا کہ راجپوتوں میں غلام رکھنے کا رواج تھا۔ بلکہ خدمتگاری کے کام یہ لوگ دیگر پست اقوام سے لیتے تھے جن کا الگ مخصوص نام رکھ دیا جاتا تھا جیسے چمار وغیرہ۔ جنازہ دفنانے کی روایت بھی مضحکہ خیز ہے چونکہ جنازہ کو دفن کرنا کسی قوم کے لئے مخصوص نہیں یہ سب مسلمانوں میں یکساں طور سے رائج ہی نہیں بلکہ ایک مذہبی فریضہ ہے کوئی عربی یا عجمی اس سے مستثنٰی نہیں اگر اس روایت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو ہندوستان میں آباد تمام مسلمان گاڑے ہی کہلائیں گے۔

Extracts from Sahahranpur Gazetteer by H.R. Nevil Allahabad 1909. Page 108.

"The Garas are far stronger in Saharanpur than in any other part of these provinces, where they are confined to Meerut division and to parts of Agra and Rohail Khand. They numbered 44536 out of the provincial total of 53925 and aggregate 12.68 per cent of the Musalmans. They are well distributed and a largest cast in Nakur Tahsil. Their origin is unknown some styling themselves Mughals and other Syeds, though in most cases they assert themselves to be descendents of Rajput converted at an early period of Mohammadan rule, and say that the name is derived from the new custom of burying their deads adopted by the converts. They have many subdivisions often taken from the names of Rajput clans. The Garas are cultivators of a very high order, but their industry is combined with great litigiousnes and a remarkable knowledge of legal technicalities which render them very unpopular with Land Lords a common saying runs" گاؤں میں گاڑہ کھیت میں جھاڑا

Marfat.com

Implying that they are as troublesome in a village as thorns in a field"

ترجمہ:۔ سہارنپور گزٹیئر مطبوعہ الہ آباد ۱۹۰۹ء کے صفحہ ۱۰۸ سے اقتباس
ضلع سہارنپور میں گاڑوں کی غالب اکثریت ہے یہ لوگ میرٹھ ڈویژن آگرہ
اور روہیلکھنڈ کے بعض علاقوں تک محدود ہیں پورے صوبے میں ان کی تعداد
۵۲۹۵۲ ہے جب کہ سہارنپور میں ۴۴۵۲۶ ہے ضلع کی مسلم آبادی میں
ان کا تناسب ۱۲.۶۸ فی صد ہے۔ ضلع کے تمام علاقوں میں پھیلے ہوئے
مگر تحصیل نکوڑ میں ان کی تعداد زیادہ ہے۔ ان کی اصلی قوم کا کوئی پتہ نہیں
ملتا۔ کچھ لوگ ان میں سے اپنے آپ کو مغل کہتے ہیں اور کچھ سید جب کہ
اکثریت کا کہنا ہے کہ یہ لوگ ان راجپوتوں کی اولادیں ہیں جو مسلم حکومت
کے ابتدائی زمانے میں مذہب اسلام داخل ہو گئے تھے یہ نام اس رواج
کی وجہ سے پڑ گیا کہ یہ لوگ مسلمان ہونے کے بعد جنازے دفن کرنے
لگے۔ ان میں اندرونی طور سے راجپوتوں کی قوم کی ہمنام بہت سی گوتھ
ہیں گاڑے بہت ہی اعلیٰ درجہ کے کاشتکار ہیں۔ اس مہارت کے ساتھ
ساتھ یہ لوگ بڑے مقدمے باز ہیں اور قانونی پیچیدگیوں کے باریک
سے باریک نکتہ کی واقفیت رکھتے ہیں اسی وجہ سے یہ لوگ مالکان زمین
میں زیادہ مقبول نہیں ان کے متعلق عام ضرب المثل ہے "کہ گاؤں میں
گاڑا۔ کھیت میں جھاڑا، جس کا مطلب یہ ہے کہ گاؤں میں یہ لوگ
ایسے ہی تکلیف دہ ہیں جیسے کھیت میں کانٹے دار پودا۔

اس میں شک نہیں کہ اس قوم میں مغل، سید اور راجپوت شامل ہیں اس
موضوع پر آئندہ صفحات میں روشنی ڈالی جائے گی۔ ان کی مقدمہ بازی اور بحث و تکرار کے
اسباب پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

Extracts from book named "Caste System in North

Marfat.com

India" by E.A.H. Blunt. Printed at Madras 1931. Pages 346 and 204 "Gara a tribe of cultivators - converted Rajputs. The origin of Gara, Jhojas and Dogers is uncertain. They are all agricultural caste belonging to the western district, they claim to be Rajput, but in the case of Jhojas, at all events, the claim is very week. Indeed Jhojas are most probabaly, descendents from converted slaves of Mughals. There is possibly more truth in the claim of Garas and Dogers"

ترجمہ:۔ کتاب موسومہ "کاسٹ سسٹم ان نارتھ انڈیا" مولفہ ای۔ اے ایچ۔ بلنٹ مطبوعہ مدراس ۱۹۳۱ء کے صفحہ ۳۴۶ اور ۲۰۴ سے اقتباس
گاڑہ ایک کاشتکار قبیلہ جو راجپوتوں سے مسلمان ہوا۔ گاڑہ جھوجہ اور ڈوگر کی اصلیت کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ان کا تعلق زراعت پیشہ اقوام سے ہے اور مغربی اضلاع میں آباد ہیں۔ ان سب کا دعویٰ ہے کہ یہ راجپوت ہیں۔ جہاں تک جھوجہ کا تعلق ہے یہ دعویٰ انتہائی کمزور ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جھوجہ مغلوں کے غلاموں کی اولاد ہیں۔ گاڑوں اور ڈوگروں کے دعویٰ میں صداقت کا زیادہ امکان ہے۔

جھوجہ کے بارے تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے گاڑوں کا یہ دعویٰ کہ وہ راجپوت ہیں مؤلف کتاب مذکورہ کو تسلیم ہے اور اس میں اس کو زیادہ صداقت معلوم ہوئی یہی مؤلف کتاب مذکور کے صفحہ ۲۰۰ پر لکھتا ہے کہ گاڑہ رانگھڑ اور ترک قطعی طور سے مسلمان ہیں گاڑے اور رانگھڑ راجپوت ہندو تھے جو اپنا سابق مذہب ترک کر کے مسلمان ہو گئے ان میں سے اکثر خاص طور سے رانگھڑ قطب الدین ایبک کے زمانے میں مسلمان ہوئے جسکا زمانہ ۱۲۰۶ء تا ۱۲۱۰ء ہے راجپوتوں کی جو گوتھ زیادہ تر مسلمان ہوئیں ان کے نام مؤلف مذکور نے یہ لکھے ہیں اول بڑگوجر دوم بھٹی۔ سوم چوہان، چہارم پنور پنجم راٹھور ششم سومونسی، ہفتم۔ تونوار وغیرہ ترک زرعی قوم رامپور میں آباد ہے۔ یہ لوگ شہاب الدین غوری کے ساتھ ہندوستان آئے اور پیشہ زراعت اختیار کر کے یہیں آباد ہو گئے۔ دیگر زراعت

Marfat.com

پیشہ خاندانوں میں شادی بیاہ کئے اور ان میں سے کچھ لوگ گاڑے بھی کہلاتے ہیں۔

Extracts from Book named "Tribes and Castes of North Western Provinces and Oudh" By W. Crook Calcutta 1896 Vol. II Page 891 "Gara (Garna— "to bury") A tribe of industrious cultivators practically confined to Saharanpur and Muzaffar Nagar Districts. of them Sir H.M. Elliot writes "they are musalmans and frequently considered to be like the Jhojas converted slaves. They themselves assert that they were formerly sombansi Rajputs that they came from Nagara Bambera to the west of Delhi and that Akbar located them in the desert tracts, which have now been cleared by their industry. There seems reason to believe that they are the Progeny of Rajput clans, because among themselves they have the sub-divisions of Bargujar, Chuhan etc., but there are also perhaps among them descendents of several inferior castes. All those on being converted to Mohammadanism were called (perhaps contemptuously) Gara from the new practice they had adopted of burying instead of burning their dead. They now apply the term to themselves but endeavor to disguise its origin by pretending to high birth the Garas generally inter marry in their own clan, but there is a set of villages in Saharanpur called Syed Garas from the fact of the daughters of Gara marrying into Syed families" The complete census return name 51 Section. Some of them are local such as Chourasya, Multani etc., other are those of well known castes and sects such as Bargujar, Bhal, Bhatti, Chandela, Chuhan, Julaha, Pundir Rajput, Rathore others are purely Mohammadan as Ansari, Aziz, Bahlim Chori, Mughal, Mughal Bharsawa Mohammadi, Shaikh, Shaikh Haider and Yar Mohammad. The Garas are good cultivators but very quarrelsome and letigious . This is recorded in the native proverb tht Gara is as great a nuisance in a village as Thorns in field (Ganw men Gara, Khet me Jhara)

Marfat.com

ترجمہ از کتاب موسومہ "ٹرائب اینڈ کاسٹ آف نارتھ ویسٹرن پراونس اینڈ اودھ" از ڈبلیو کروک کلکتہ ۱۸۹۶ء حصہ دوم صفحہ ۱۹۸ سے اقتباس

گاڑہ (گاڑنا۔ دفن کرنا) ایک محنتی کاشتکاروں کا طبقہ جو عملاً اضلاع سہارنپور اور مظفر نگر تک محدود ہے ان کے متعلق سر ایچ ایم ایلیٹ لکھتا ہے کہ "یہ لوگ مسلمان ہیں اور بسا اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ جھوجھوں کی طرح یہ بھی غلاموں سے مسلمان ہوئے۔ مگر یہ لوگ خود کہتے ہیں کہ پہلے یہ لوگ سوم بنسی راجپوت تھے۔ اور مقام نگار اہمیرا جو دہلی کے مغرب میں ہے وہاں سے آکر اس جگہ آباد ہوئے اور یہ کہ ان کو اکبر نے اس میدانی علاقہ میں آباد کیا جس کو انہوں نے اپنی محنت سے قابل کاشت بنا لیا اس پر یقین کرنے میں کوئی قباحت نہیں کہ بے شک ان کی رگوں میں راجپوتی خون ہے۔ اس لئے کہ ان میں آپس میں بہت سی راجپوت گوتھ ہیں جیسے پرگوجر چوہان وغیرہ مگر شاید ان میں کچھ ادنیٰ ذاتوں کی اولادیں بھی ہیں۔ ان تمام کو مذہب اسلام میں داخل ہونے کے بعد (بطور تضحیک) گاڑہ کہا جانے لگا کیونکہ یہ لوگ جنازے جلانے کے لئے بجائے دفن کرنے لگے (جیسا کہ اسلامی مذہب کا حکم ہے) اب یہ لوگ اپنے لئے یہ لفظ استعمال تو کرتے ہیں مگر اس کی اصلیت چھپانے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے کو اعلیٰ ذات بتلاتے ہیں۔ یہ لوگ آپس میں ہی شادی بیاہ کرتے ہیں۔ سہارنپور کے اطراف میں چند گاؤں کے لوگ اپنے آپ کو سید گاڑہ کہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گاڑوں کی کچھ لڑکیاں سیدوں میں بیاہی گئیں" مردم شماری کے کاغذات میں ان کے ۱۵ ذیلی طبقے لکھے گئے۔ کچھ ان میں سے بالکل مقامی ہیں جیسے جوڑاسیہ اور ملتانی وغیرہ۔ کچھ ان میں راجپوتوں کے مشہور طبقے اور گوتھ جیسے برگوجر، بھال بھلی، چنڈیلہ، چوہان، جولاہہ، پنڈیر راجپوت، راٹھور باقی دوسرے خالصتاً مسلمان ہیں جیسے انصاری بزرز

Marfat.com

بہلم۔ غوری، مغل۔ مغل بھرساوہ، محمدی، یریخ، شیخ حیدر، اور یار محمد گاڑہ اعلیٰ درجہ کے کاشتکار ہیں۔ مگر بہت جھگڑالو اور مقدمہ باز ہیں ایک مقامی ضرب المثل لکھی ہوئی ہے کہ گاڑہ گاؤں میں ایسا ہی تکلیف دہ ہے جب کھیت ہیں خار دار پودا۔ گاؤں میں گاڑہ کھیت میں جھاڑا۔

مردم شماری رپورٹ ۱۸۹۱ء مطبوعہ الہ آباد ۱۸۹۶ء میں ان تمام ذیلی طبقوں کی تفصیل درج ہے جن کی تعداد ۱۰۵ لکھی۔ کروک نے ان میں سے صرف ۲۲ کا ذکر کیا ہے اس کی غالباً وجہ یہ ہے کہ گوجروں اور راجپوتوں کے جو ذیلی طبقے درج کئے گئے ان کو چھوڑ دیا اور راصل کو لے لیا۔ مذکورہ رپورٹ کی ٹیبل ۱۱۷ پارٹ بی۔ صفحہ ۲۴ پر جن قوموں کا نام گاڑہ کے تحت دیا گیا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی ایسی قوم نہیں جسکا تعلق ہندوؤں کی ادنیٰ ذات سے ہو میں نے اس میں سے جو خاص خاص طبقے یا قوموں کے نام نوٹ کئے تھے وہ یہ ہیں جن کی انڈیا آفس لائبریری لندن کے بعض دوسرے ماخذات سے بھی تصدیق کی گئی۔

(۱) غیر ہندی النسل، سید، انصاری، ترک قریشی، مغل، غوری، شیخ عزیزی، شیخ حیدری، شیخ یار محمدی۔ (محمدی بھی لکھا ہے) چشتی، بہلم، مغل بھرساوہ۔ موسوی،

(۲) ہندی النسل، گوجر، راجپوت رنگا، جاٹ، بھال، چنڈیلہ برگوجر، بھٹی چوراسیہ ملتانی۔ دلیس والے، پنڈیر چوہان، راٹھور کھتری، گوڑ برہمن، صوم نبی

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی غیر معروف گوجروں اور راجپوتوں کی گوتھ لکھی ہیں غیر ہندی النسل ہیں۔ عزیزی، حیدری۔ یار محمدی کوئی ذات نہیں، شیخ عزیز الدین، شیخ قطب الدین حیدر اور شیخ یار محمد صوفی بزرگ گذرے ہیں جن کے مرید اپنے نام کے ساتھ اپنے پیر کا نام بھی لگا لیتے تھے جیسے چشتی عام طور پر مشہور ہے۔ اس لئے ان کے متعلق غیر ہندی النسل وثوق سے نہیں کہا جا سکتا۔ بہلم جیسا کہ گذشتہ صفحات میں مذکور ہو چکا ہے۔ بنی اسرائیل کی شاخ ان میں سے کچھ قوم شیخ کے تحت میں بھی آگئے۔ موسوی جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ بھی بنی اسرائیلی معلوم ہوتے ہیں قرونہ کا تفصیلی ذکر بھی ہو چکا ہے کہ بادشاہ محمد شاہ تغلق کا تعلق اسی قوم سے تھا اور اسی سے لفظ تاری نکلا ہے۔ اس کے علاوہ اضلاع۔ دہرہ دون، سہارنپور

Marfat.com

مظفر نگر میرٹھ متھرا، آگرہ اور پرتاب گڈھ میں اس نام کی قوم کے کچھ افراد نے مردم شماری رپورٹ میں اندراج کرایا۔

ہندی النسل لوگوں کا مسلمان ہونا کسی جبر یا تشدد کی بنیاد پر کتب تاریخ میں مذکور نہیں اور نہ ہی کوئی ایسا ثبوت ملتا ہے کہ ہندو یک وقت کثیر تعداد میں مسلمان ہو گئے بلکہ ان کا اسلام میں دخل ہونا محض تبلیغ کی بنیاد پر ہے جو کہ صوفیا اور اولیا اللہ نے مختلف اوقات میں مختلف علاقوں میں انجام دی ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں۔

"There is very little evidence of mass conversion. Islam spreaded slowly through conversion and absorption of isolated individuals"
"Among sixty six million of Indian Muslims there are vast number of converts and descendents of converts in whose conversion force played no part and the only influence at work was teaching and persuation of peaceful missionery" 1

ترجمہ:۔ اس بات کی بہت کم شہادت ہے کہ لوگوں نے اجتماعی طور سے اسلام قبول کیا۔ اسلام تو آہستہ آہستہ پھیلا ہے اور اکا دکا افراد کو تبدیلی مذہب کے بعد اپنے اندر سمو لیا۔

ہندوستان میں چھ کروڑ مسلمانوں میں غالب اکثریت تبدیلی مذہب کرنے والوں یا ان کی اولادوں کی ہے۔ جس میں کسی جبر و تشدد کا کوئی شائبہ نہیں یہ تو صرف امن پسند مبلغین کی تعلیمات اور تبلیغ کا اثر ہے۔

جو لوگ ہندو مذہب ترک کر کے دین اسلام میں داخل ہوئے انہوں نے نہ تو اپنا پیشہ چھوڑا اور نہ سرزمین سے قطع تعلق کیا۔ ان کے وہی حقوق باقی رہے جو پہلے تھے ہارڈی لکھتا ہے کہ

"Majority of muslim cultivators and Land Holders were converts or descendents of converts whose

---

Muslim Communities of Indo-Pak Sub_Continent ۱ؔ
Pages 71, 78

Marfat.com

relationship to the soil was the same as that of the non-muslims among whom they hived" 1

ترجمہ:۔ مسلمان کاشتکار اور مالگان زمین کی اکثریت تبدیلی مذہب کرنے والوں یا ان کی اولادوں سے تعلق رکھتی ہے ان کا زمین سے وہی رشتہ ہے جو غیر مسلموں کا جن کے درمیان وہ رہتے ہیں

گاڑوں کی آبادی ضلع سہارنپور کے ہر پرگنے اور تحصیل میں ہے جہاں پر مختلف ہندو اقوام بھی آباد ہیں۔ اور ان ہندوؤں کی آبادی انتہائی قدیم ہے۔ گاڑہ برادری نے بہت سی قوموں سے تعلق رکھنے والے افراد کو اپنے اندر سمو لیا جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے۔

ضلع سہارنپور میں گاڑوں کی آبادی ۱۸۶۵ء میں ۳۱۹۲۰ ۱۸۹۱ء ۵۷۶۸ ۱۹۰۱ء میں ۴۴۵۲۶ ۱۹۱۱ء میں ۴۴۴۶۶۔ جدول نمبر ایک سے ظاہر ہوتا ہے کہ ضلع کی کل آبادی میں ۱۹۶۵ء سے ۱۹۱۱ء تک ۴ فی صد اضافہ ہوا۔ جب کہ اس برادری کی آبادی تقریباً ایک سی رہی اس سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ لوگ اس برادری سے خارج ہوتے رہے ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کے اعتبار سے اس برادری کی آبادی تحصیل سہارنپور میں ۱۸۲۶۰۔ تحصیل نکوڑ میں ۵۹۰۵۔ تحصیل روڑکی میں ۱۰۶۸۴ تحصیل دیوبند میں ۸۵۳۲ تھی۔

ہیفلیڈ کی رائے آئندہ مذکور ہوگی جس کے مطابق راجپوت مسلمان ہونے کے بعد نکاح ایسی عورتوں سے کرتے تھے جن کا تعلق یا تو سید، مغل، پٹھان سے تھا یا پھر اپنے ہم پلہ خاندانوں میں کرتے تھے اپنے سے ادنیٰ ذات کی عورت کو نکاح میں نہیں لاتے تھے۔ بہت سی مختلف اقوام جن کے متعلق شواہد موجود ہیں کہ اسلام کے ابتدائی زمانے میں مسلمان ہو گئے اور ان کے درمیان مذکورہ بالا اصول کے تحت بیاہ داری قائم تھی بعد کے ایام میں اس برادری میں شامل ہو گئے اس کا تجزیہ ہر تحصیل کے اعتبار سے آئندہ صفحات میں کیا جائے گا۔

Muslims of British India by P. Hardy Page 41.

Marfat.com

فصل چہارم

تحصیل سہارنپور:

ماضی بعید میں شہر جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے پانچ دروں پر منقسم تھا۔ درہ کی صحیح وجہ تسمیہ تو متعین نہیں تاہم ہر درہ کا انتظام نمبردار کے سپرد تھا اور تمام دروں کے نمبرداران قوم قردنہ سے تھے۔ یہ نظام انگریزوں کی عمل داری تک جاری رہا۔ قدیم شہر کی آبادی کے درمیان میں بازار تھا جس کو سپید بازار کہتے تھے۔ اس بازار کی جانب شرق محلہ کھتری ہے جب کہ جانب غرب مسلمان آبادی ہے۔ جس کو آج کل محلہ چھوٹے والان کہتے ہیں اس محلہ میں آباد تمام لوگ پہلے گاڑے ہی کہلاتے تھے مگر اب شاید ایسا نہیں ہے۔ سہارنپور پرگنہ کے وسط میں آبادی گاڑوں کی کثرت سے ہے جب کہ جانب شمال راجپوت پنڈیر اور جنوب میں گوجر زیادہ ہیں۔ سہارن پور کا شہری علاقہ برائے اجرائے چنگی ۱۸۶۸ء میں متعین ہوا جس کی رو سے شہر کی حدود کی جانب شرق دودھلی بنجارا اور شرقاً جنوباً موضع شیخپورہ اور جنوب مغرب میں موضع مانک مو مقرر ہوئی۔ دودھلی بنجارا گھوگریجی لڑک دودھلی شیخپورہ کے قریب موضع پڑی۔ مانک مو۔ گھانہ۔ کھنڈھری۔ مغل مزرعہ۔ ناجیورہ۔ چنھٹی گاڑہ۔ چھدبنہ چاٹکا۔ محمد پور گاڑہ۔ بسجوپرہ۔ ان تمام گاؤں میں آبادی کی اکثریت گاڑوں کی ہے۔ مانک مو میں پرتھوی راج کے خاندان کے لوگ آباد تھے یہی لوگ سب سے پہلے مسلمان ہوئے۔ اور کثرت آبادی کی وجہ سے دوسرے قریبی گاؤں میں پھیلتے گئے۔ لہٰذا مذکورہ تمام گاؤں میں کثرت انہیں راجپوتوں کی ہے جو عرف عام میں گاڑے کہلاتے ہیں

سہارنپور کے مغرب میں دس بارہ گاؤں ایسے ہیں جو سید گاڑہ کہلاتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سرساوہ اور ہانسی کا حاکم ایک شخص سید ابراہیم تھا۔ اور محمد شاہ تغلق کا خریطہ دار بھی تھا۔ اس کا تذکرہ ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامہ میں کیا ہے۔ ابن بطوطہ مذکورہ نے سید ابراہیم کی بہن سے نکاح کر لیا تھا اور اس کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی جس کو وہ یہیں چھوڑ کر چلا گیا تھا سید ابراہیم بغاوت کے الزام میں مقتول ہوا[1] اس کا باپ بھی کسی اور صوبہ کا حاکم تھا۔ اور

---

[1] سفر نامہ ابن بطوطہ ص ۶۳۷

Marfat.com

بادشاہ کے حکم سے قتل کیا گیا تھا۔ اس سید ابراہیم کا خاندان اور اولاد اطراف سہارنپور میں آباد ہو گئے تھے۔ راجپوتوں سے رشتہ داریاں قائم کی اور اس قسم کے شادی بیاہ سے جو اولاد پیدا ہوئی وہ سید گاڑہ کہلانے لگی (گزشتہ صفحات میں مذکور ہو چکا ہے محمد شاہ تغلق نے سید ابراہیم کو ۷۳۶ھ میں قتل کرا دیا) مغل مزرعہ جیسا کہ اس کے نام سے ہی ظاہر ہے۔ مغلوں کی آبادی تھی۔ تاریخ سہارنپور میں اس کا ذکر موجود ہے جس کی رو سے یہاں کے بسنے والے لوگ مغل تھے۔ اس گاؤں کی ملکیت ایک ہی خاندان مغل کے نام تھی مگر انگریزوں نے بندوبست کے وقت لگان زیادہ کر دیا جس کے سبب مالکان ملکیت سے دستبردار ہو گئے اور بندوبست گاؤں میں رہنے والے کاشتکاروں کے ساتھ ہو گیا گاؤں میں مغل زادگان کے علاوہ چند خاندان راجپوتوں کے بھی تھے۔ اور ان تمام کی آپس میں رشتہ داریاں تھیں۔ اس لیے وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ کون صحیح النسب مغل ہے۔ موضع بڑی کے گاڑے۔ راجپوت بھٹی معلوم ہوتے ہیں کیونکہ یہ گاؤں اصل میں شیخوپورہ کی ایک شاخ ہے جہاں کے مسلمان رانگھڑ (راجپوت بھٹی) ہیں۔ اس لیے کہ قرب وجوار میں ان دو گاؤں کے علاوہ کوئی تیسرا مسلمانوں کا گاؤں نہیں ہے۔ گاؤں دودھلی بنجارا کے ساتھ لفظ بنجارا کا لاحقہ ظاہر کرتا ہے کہ یہاں کے باشندوں کا تعلق بنجارا سے تھا چونکہ قوم گاڑہ میں شیخ بھی شامل ہے۔ اس لیے قرین قیاس ہے کہ ان کا تعلق بنجاری شیوخ سے ہو۔ ماضی میں اس گاؤں میں بہت پڑھے لکھے لوگ گزرے ہیں۔

سہارنپور کے شمال میں کوہ سوالک تک راجپوت پنڈیریوں کو محمد شاہ تغلق نے آباد کیا تھا۔ یہ لوگ وسیع وعریض علاقہ میں پھیل گئے مغل سلطنت کے زمانے میں ان کو بہت عروج ہوا۔ اور ان کے سربراہ کو "رانا" کا خطاب دیا گیا۔ رانا کی رہائش جبیسمور میں تھی جب کہ ان کی زمینداری کے جنوب کی حدود میں ان کی آخری آبادی موضع گھانہ کھنڈی تھی جہاں پر ایک عامل رہتا تھا۔ اور اس موضع میں قلعہ بھی تھا کہا جاتا ہے کہ اس گاؤں میں بعض ٹیلے اسی قلعہ کے نشانات ہیں رانا راج سنگھ شاہجہان کے عہد حکومت میں چھ ہزاری منصب پر فائز تھا۔ اورنگزیب کے عہد حکومت میں زمیندار جبیسمور رانا جگت سنگھ تھا اورنگ زیب اپنے تخت نشینی کے دوسرے سال

Marfat.com

اس علاقہ میں آیا[1] اور ان محلات اور باغات میں قیام کیا جو اس کے باپ شاہجہان نے پرگنہ فیض آباد میں بنوائے تھے۔ یہ قیام ایک ہفتہ تک رہا اور دربار کے علماء اور فضلاء بھی ہمراہ تھے۔ رانا جسیمور علاقہ کا بڑا زمیندار ہونے کی وجہ سے دربار میں حاضر رہتا تھا۔ اسلام کا قریب سے مطالعہ کرنے کا اس کو موقع ملا چنانچہ یہ شخص مسلمان ہوگیا اور اس کا اسلامی نام عبدالرحمٰن رکھا گیا۔ منشی نند کشور تاریخ سہارنپور کے صفحہ ۱۹۰ پر لکھتا ہے کہ:

"یہ خاندان بہت قدیمی ہے زمانہ سلف ہی میں نامی تھا مگر اب عرصہ دراز سے لبسبب انقلاب زمانہ نہایت خراب ہوگیا اس خاندان میں خطاب رانا کا بہت قدیم ہے اور قوم کے راجپوت پنڈیر میں پچھلی عملداری میں دیہات مفصلہ ذیل گاؤں ان کے زمینداری کے تھے:"

پرگنہ سہارنپور: فتح پور۔ رائے پور کلاں۔ بیرکھور علی پور۔ رڑھی محی الدین پور۔ گھانہ کھنڈی بوندکی۔ محسن پور۔ تمبیسڑہ۔ چانٹکا۔ دیولا۔ سرک تعل حمید۔ موئی بزرگ ہردانی۔ سرکی خمار۔ یم پور گاڑہ۔ ملاں پور۔ بگراجپور۔

پرگنہ سلطان پور: پاپچ۔ لڈوا۔ بیلکا۔ جرہر پور۔ مانکی پور۔ جلالیا نگلہ جھنڈا کرکلا تہکوہ۔ کرکا زناردار۔ مہسری۔ عالم پور کلاں۔

پرگنہ ہلپے پور: قطب کسالوہی۔ محی الدین پور۔ سوملی۔ بادلپور۔ مانکپور۔ سید محمد پور۔ چھیاباس۔ ہنسوری۔ سونہ ماہی پور۔ چندرولی۔ چھپڑہ۔ اہچند پور۔ محمود پور۔ کنبا۔ پالی۔ کہتولی۔

پرگنہ فیض آباد: حیدر پور عرف ہندوالہ۔ تاجپور جسن پور۔ علی پور۔ بیرا گپور۔ کاشی پور ابابکر پور معہ چک بششن پور۔ بازید پور۔

پرگنہ جہانگیر آباد: بہادر پور۔ موے والا۔ احمد پور۔ نہنگ پور۔ رضا پور۔ برکلہ۔ جہاجرا۔ اندر پور۔ سلیم پور۔ بیرابیڑی۔ رام پور۔ عبداللہ پور۔

پرگنہ مظفر آباد: کوٹری۔ کالووالہ شاہجہان پور۔ مجن پور۔ تدرنگ پور۔ پہاڑی پور۔ نتاب پور۔ شمشاد پور۔ جانی پور۔ قطب پور۔ میرداد پور۔ تاہر پور۔ اسماعیل پور۔ جہان پور۔ عبداللہ پور۔ طالع پور۔ شمس پور۔ عمر پور۔ موسیٰ پور۔ بلبل پور۔ دولت پور۔ جبیت پور کلاں۔ جبیت پور خورد۔ ہرسرام پور۔ باقر پور

[1] منتخب اللباب حصہ سوم صفحہ نمبر ۱۰۴

Marfat.com

جسمور۔ خرم پور۔ رام پور ماجرا۔ چاندی۔ بہامگرو سلوتی۔ جال پور۔ نعمت پور۔ شہزاد پور۔ میر پور
مدن پور۔ پٹھولگر۔ سہنٹی۔ سنسار پور۔ عالم پور۔ توانا بہرام پور۔ نوادہ۔ فرید پور۔
(پچھلی عملداری سے غالباً مراد مغل دور حکومت ہے اس لیے کہ جہانگیر آباد اور میلے پور
پرگنے اسی زمانہ میں تھے کچھ علاقہ اب دہرہ دون میں بھی چلا گیا)

عہد سلطنت عالمگیر بادشاہ کے اس علاقہ میں کچھ فتور آیا۔ اس واسطے رانا جگت سنگھ مسلمان
ہو گیا اور پھر علاقہ اپنا قائم کر لیا۔ نام اس کا عبدالرحمٰن رکھا گیا مزار اس کا عبداللہ پور میں واقع ہے
مگر اولاد اس کی بدستور ہندو رہی۔ اور موضع کالو والہ میں چھ پشت تک سکونت رکھی ساتویں
پشت میں راجہ سری نگر سے اس خاندان کی رشتہ داری ہوئی۔ اس وجہ سے رانا گلاب سنگھ
معہ بہادر سنگھ خلف اپنے کے سری نگر میں مقیم ہوئے۔ اور موضع کالو والہ ویران ہو گیا۔ گاہے
گاہے یہ رانا اس علاقہ میں آتا تھا جو کچھ بابت زمینداری یا محاصل علاوہ لے جاتا تھا۔ ۱۲۱۴ھ
(مطابق ۱۸۰۶ء) میں رانا بہادر سنگھ معہ جیون سنگھ خلف اپنے کے سری نگر سے آکر اول موضع
نوگانوہ میں بعدہٗ بمقام موضع جسمور آباد ہوا"۔

تاریخ سہارنپور میں مذکورہ بالا گاؤں کی فہرست حتمی نہیں۔ اس کا مؤلف منشی نند کشور ۱۸۶۰ء
کے عشرے میں ڈپٹی کلکٹر تھا۔ اس کو جو کچھ مواد سرکاری ذرائع سے حاصل ہوا لکھ دیا۔ درحقیقت
عبدالرحمٰن (سابق رانا جگت سنگھ) کی زمینداری میں اس سے بھی زیادہ گاؤں تھے۔ تاہم ان گاؤں میں
گاڑے بکثرت آباد ہیں۔ اس لیے ان کا تعلق راجپوت پنڈیر سے ہونا ثابت ہوتا ہے۔ موضع رائے پور
میں چوہان راجپوت قدیم زمانہ سے آباد ہیں ان میں سے بکثرت لوگ مسلمان ہیں۔ مولانا عبدالرحیم رائے پوری
جو مولانا رشید احمد گنگوہی کے خلفاء میں سے تھے اس موضع میں سکونت پذیر ہوئے تھے۔ ان کی
خانقاہ اسی موضع میں ہے۔ راجپوت چوہان جو گاڑوں میں شامل ہیں اسی راجپوت چوہان سے تعلق
رکھتے ہیں۔ بندوبست ۱۸۳۶ء میں گاڑے کے گاؤں جو شاہجہان کے زمانے میں آباد تھے اور بعد میں
غیر آباد ہو گئے۔ ٹھیکے کے بنیاد پر لوگوں کو دیے گئے۔ اور جن لوگوں نے ٹھیکے کی رقم ادا کی۔ وہ
گاؤں ان کے نام کر دیے گئے۔ مسٹر تھامسن نے اپنی بندوبست رپورٹ میں لکھا ہے کہ پاڑا
گاؤں والوں نے یہ رقم یکمشت ادا کر دی اس لیے گاؤں ان کے نام ہو گیا۔ اس گاؤں میں جو

Marfat.com

گاڑے آباد ہیں ان کے متعلق یہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ ان کا تعلق چوہان سے ہو۔ یہی صورت ایک اور گاؤں بنام مجاہد پور سے ظاہر ہوتی ہے۔

۱۰۶۸ھ میں اورنگزیب تخت نشین ہوا اور ۱۰۶۹ھ میں وہ اس علاقہ میں قیام پذیر ہوا۔ اس لئے یہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ رانا جگت سنگھ اسی زمانہ میں مسلمان ہوا۔ بادشاہ نے ان نومسلموں کی تعلیم و تربیت کے لیے کچھ علماء اور صوفیاء بھی مقرر کیے۔ موضع تاجپورہ کے شمال میں ایک مزار بعمارت پختہ ہے اس کا تذکرہ تاریخ سہارنپور کے مؤلف نے نہیں کیا اغلب گمان یہ ہے کہ صاحب مزار اسی گروہ بزرگان کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوں اور بادشاہ اورنگزیب نے یہ مزار بنوایا ہو۔ کیونکہ اس کے اطراف میں گاؤں رڑھی محی الدین پور، تاجپورہ اور گھانہ کھنڈی خالصتاً مسلمان گاڑوں کے گاؤں ہیں جو اسی دور میں مسلمان ہوئے اور دینی علوم کی وہ شمع جو مذکورہ بزرگ نے روشن کی تھی اس کے آثار اب بھی نمایاں ہیں اور مدرسہ دینی تعلیم کے لیے رڑھی تاجپورہ میں قائم ہے۔ گو کہ یہ مدرسہ بیسویں صدی میں قائم ہوا تاہم اس کا قیام بظاہر مذکورہ بزرگ کا تصرف ہی نظر آتا ہے کیونکہ صاحبان کشف اور ولی اللہ ایسے تصرفات سے آگاہ ہوتے ہیں اور اس مدرسہ کے قیام اور توسیع ایک ایک نہایت متقی اور پارسا بزرگ بنام ڈپٹی عبدالرحیم کے ہاتھوں وقوع پذیر ہوئی۔

موضع گھانہ کھنڈی کے ایک خاندان کا شجرہ بنام خاندانی شجرہ حکیم انعام الحق و حاجی ناظر حسن مطبوعہ سہارنپور سے پتہ چلتا ہے کہ اس خاندان کا تعلق راجپوت بھٹی سے ہے۔ اس خاندان کے منشی امانت علی ۱۹۲۶ء میں اور حکیم انعام الحق ۱۹۲۹ء میں ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ منتخب ہوئے۔ ان کے مورث اعلیٰ کا نام رام سنگھ تھا جو مسلمان ہونے کے بعد نور محمد ہو گیا[۵۱]

---

۵۱ رام سنگھ کا اصل وطن لائلپور (پنجاب) اور ملازمت رانا جسمور کے پاس ۱۷۰۵ء ظاہر کی گئی۔ یہ درست نہیں معلوم ہوتی۔ لائل پور کا علاقہ (موجودہ فیصل آباد) ۱۹۰۱ء میں آباد ہوا۔ جب چناب سے نہریں نکال کر اس علاقہ کو آباد کیا اس سے پہلے یہ علاقہ غیر آباد تھا پہلے اس کا نام چناب کالونی تھا اور بعد میں لائل پور ہو گیا۔ ۱۷۰۵ء کے لگ بھگ رانا جسمور ترک سکونت کر کے سری نگر چلا گیا تھا ویسے بھی جسمور کے زمیندار عبدالرحمٰن (سابق رانا جگت سنگھ) (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

Marfat.com

عبدالرحمٰن (سابق رانا جگت سنگھ) نے جمور کے علاقہ کی زمینداری بدستور اپنے پاس رکھی بجز چند گاؤں کے جن کی ملکیت اس کی ہندو اولاد کے پاس رہی۔ برطانوی حکومت کے قیام کے وقت ان کی زمینداری پانچ یا چھ گاؤں تک محدود تھی اور ان کی معاش کا بڑا ذریعہ علاقہ میں واقع ایک قدیم مندر تھا۔ عبدالرحمٰن مذکور کا چونکہ کوئی مسلمان وارث نہ تھا اس لیے اس نے اپنی زندگی میں ہی تمام زمینوں کی ملکیت گاؤں کے ان کاشتکاروں کو منتقل کر دی تھی جو بباعث کاشت اس پر قابض تھے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ:

کے پاس ابھی اور اس کی اولاد کی زمینداری صرف چند گاؤں تھے ہو سکتا ہے کہ رام سنگھ رانا جگت کا ملازم ہو۔ اور اسی کے ساتھ مسلمان ہوا۔ مگر شجرہ میں کچھ انقطاع ہے۔

Marfat.com

فصل پنجم

تحصیل دیوبند:-

قدیم ماخذات سے جن کا بیان پہلے ہو چکا ہے پتہ چلتا ہے کہ اس قصبہ کی قدیم آبادی برہمن اور گوجروں پر مشتمل تھی سالار مسعود نے محمود غزنوی کے زمانے میں جب اس کو فتح کیا اس وقت سے اس میں کچھ مسلمان بھی آباد ہو گئے تھے۔ شہاب الدین غوری نے جب اس ملک کو فتح کیا اور اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی اس وقت یہ قصبہ قذاقوں اور ڈاکوؤں کی زد میں تھا جو قرب وجوار کے جنگلات میں چھپے رہتے تھے جب یہ اطلاع سلطان غوری کو ملی تو اس کے حکم سے مرزا انور بیگ و حسن بیگ و حیات بیگ نے اس قصبہ میں سکونت اختیار کی اور ڈاکوؤں کو قتل اور گرفتار کیا۔ ان ڈاکوؤں نے قتل و غارت گری سے توبہ کر کے سکونت کے خواستگار ہوئے ان کا تعلق قوم مہاجن سے تھا ان کو موضع نوزپور اور چہارم حصہ موضع دیوبند عطا ہوا گوجر جو پہلے سے دیوبند کی زمینیں کاشت کرتے تھے بباعث کاشت زمینداری میں شریک ہوئے یہ گوجر اکبر کے زمانے میں مسلمان ہو گئے اور عہدہ چودھرائی ان کے لیے مقرر ہوا جو انگریزوں کی عملداری تک اسی خاندان میں رہا[۱] اس چودھری خاندان کی رشتہ داریاں گاڑوں کے ساتھ مسلم ہیں۔ اس لیے اس علاقہ کے تمام گوجر مسلمان گاڑوں میں شامل ہیں۔ جدوجہد آزادی ۱۸۵۷ء میں دیوبند بھی متاثر ہوا۔ اور انگریز فوجوں نے اس قصبہ میں تقریباً تیس آدمیوں کو پھانسی اور بہت سے دیگر لوگوں کو سزائیں دی۔ دیہات میں انگریز فوجوں کا مقابلہ سانپلہ بقال فتح پور بابو پور نے کیا۔ یہ تینوں گاؤں جلا دیئے گئے۔ ایک اور لشکر انگریزوں کا موضع مانکی کی طرف گیا اور اس گاؤں کو جلا دیا۔ یہ حقیقت رکھتے ہوئے انگریز کلکٹر نے ان تمام گاؤں کے رہنے والوں کو گوجر لکھا ہے[۲] اس کا مختصر سا

---

[۱] تاریخ سہارنپور صفحہ نمبر ۱۶۰
[۲] ڈسٹرکٹ گزیٹیر سہارنپور صفحہ ۱۹۹۔

Marfat.com

تذکرہ سہارنپور ڈسٹرکٹ گزیٹر میں بھی ملتا ہے۔ ساپلہ نقال اور مالکی میں رپورٹ بندوبست کے مطابق کثرت گاڑوں کی ہے دیوبند سے تعلق رکھنے والے قدیم خاندانوں سے پتہ چلا ہے کہ گاڑے محلہ کالیبٹھ داڑہ۔ محلہ دیوان محلہ ضیاءالدین (کاٹر) پٹھان پورہ۔ محلہ سرائے محلہ ریتی۔ سرائے پیرزادگان اور محلہ شاہ رمزالدین میں رہتے ہیں یہاں پر ان کی آبادی قدیم ہے موضع نورپور قصبہ میں شامل ہو کر اسی کے آبادی کا حصہ بن گیا ہے۔ جیسا کہ ماخذات کے حوالے سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ گاڑہ برادری میں مغل۔ مغل بھرسادہ۔ شیخ بھی شامل ہیں۔ اس لیے قرین قیاس ہے کہ گوجر شیخ خاص طور سے سرائے پیرزادگان اور محلہ شاہ رمزالدین کے رہنے والے۔ اور مغل اس قصبہ اور اطراف کے بسنے والے اس برادری میں شامل ہیں۔ مغل اور مغل بھرسادہ میں فرق کیوں ہے اس کا کوئی ذکر قدیم ماخذات سے نہیں مل سکا۔ عین ممکن ہے کہ مغل بھرسادہ وہ قدیم مغل ہوں جو شہاب الدین غوری کے ساتھ آئے اور مغل وہ جو بابر کے ہمراہ آئے۔ رپورٹ مردم شماری ۱۸۹۱ء کے مطابق مغل بھرسادہ کی آبادی جو گاڑوں میں شامل ہے دیوبند سے مظفر نگر کے درمیان کے دیہاتوں اور قصبوں میں زیادہ ہے۔ اس لیے یہ وثوق سے کہا جا سکتا ہے دیوبند قصبہ اور پرگنہ دیوبند کے جنوب میں جن لوگوں کا تعلق گاڑہ برادری سے ہے ان میں گوجر شیخ۔ مغل بھرسادہ شامل ہیں اس تحصیل کے شمال میں پرگنہ ناگل اور مغرب میں پرگنہ رامپور ہے۔ بنٹ کے حوالے سے یہ بیان ہو چکا ہے کہ ترک زرعی قوم رام پور میں آباد ہوئے اور یہ ذکر بھی گزر چکا ہے کہ قصبہ رام پور گاڑوں کی ملکیت تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ترک گاڑے کہلاتے تھے۔ مگر شاید موجودہ صورت میں ایسا نہیں۔

تھارنٹن نے اضلاع سہارنپور اور مظفر نگر کا بندوبست ۱۸۴۰ء میں کیا اس کے سامنے سب سے پہلا سوال زمینات کی ملکیت کا تھا جس کا فیصلہ اس نے ان الفاظ میں کیا۔

"The Zamindári and Proprietory rights through out this district almost universally rests in the residents community each sharer being cultivator of his own land, the cultivator in the district is the Zamindar himself"

Marfat.com

ترجمہ :- "زمینداری اور ملکیت کا حق ضلع بھر میں مجموعی حیثیت سے ان لوگوں کو حاصل ہے جو ان زمینات میں واقع گاؤں میں سکونت رکھتے ہیں۔ ہر ایک حصہ دار اپنی زمین خود کاشت کرتا ہے۔ ضلع بھر میں کاشتکار ہی بنیادی طور سے زمیندار ہے"[1]

پرگنات رامپور اور ناگل کا بندوبست کرتے وقت اس کو راجپوتوں کے درمیان بعض گاؤں گاڑوں کے ملے۔ اس کے بارے میں اس نے لکھا ہے کہ بعض گاؤں راجپوتوں کے بجائے گاڑوں کے ہیں۔ یہ گاڑے نسلاً راجپوت ہیں اور مسلمان ہو گئے اور راجپوتوں کی طرح زراعت کا پیشہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اپنی قدیم تاریخ اسی علاقے سے بتلاتے ہیں۔ اور مالکانہ حقوق رکھتے ہیں۔ حقائق کی بنیاد پر ان کا دعویٰ درست ہے۔ عرصہ دراز سے اس علاقہ پر قابض ہیں[2]

اس علاقے کے راجپوتوں کا تعلق بڑگوجر سے ہے۔ اس ذات کے راجپوت کوہ سوالک سے علی گڑھ تک بکثرت آباد ہیں۔ راجہ ہری دت جو محمود غزنوی کے زمانے میں اسلام میں داخل ہوا اسی بڑگوجر راجپوت خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اسی راجہ کے لیے سلطان محمود نے شہر برن (جو بلند شہر کہلاتا ہے) آباد کیا۔ نواب چھتاری جو ایک زمانہ میں یوپی کا گورنر بھی رہا ہے اس کا تعلق بھی اسی بڑگوجر گوت سے تھا۔ موضع "مدنوں کی" جو نواح رام پور میں راجپوتوں کا ایک قدیم گاؤں ہے اس میں بسنے والے کچھ راجپوت اوائل چھٹی صدی ہجری میں مسلمان ہو گئے تھے۔ یہاں سے ترک سکونت کرکے موضع پانڈولی میں آباد ہو گئے جو پرگنہ ناگل میں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس گاؤں میں پہلے پانڈے آباد تھے جن کو گاڑوں نے بے دخل کر دیا اور خود آباد ہو گئے۔ ان کی نسل خوب پھیلی اور قرب وجوار میں ان کے چھ سات گاؤں ہیں جن میں دوسری اقوام بہت ہی قلیل تعداد میں آباد ہیں۔

---

[1] Saharanpur Settlement Report 1839 Pages 43, 50

[2] Saharanpur Settlement Report 1839 Page 11.

Marfat.com

پرگنات رام پور۔ ناگل۔ دیوبند اور تھانہ بھون میں ان بڑگوجر راجپوتوں کی کثرت ہے سے پہلے رہنے میں اس قوم کا پرگنہ الگ تھا جو پرگنہ کاتھا کہلاتا تھا۔ بندوبست رپورٹ ۱۸۹۱ء کے صفحہ ۱۹ پر لکھا ہے کہ :۔

Chief settlement of Rajput was Katha an old pargana now asborbed in Deoband Tahseel. This branch of Rajput traces their origin from village Badgon near Deoband, Proprietors till their own land, many of them now profess Mohammadan faith"

ترجمہ :۔ "راجپوتوں کی خاص آبادی کاتھا میں تھی۔ ایک قدیم پرگنہ جو اب تحصیل دیوبند میں شامل ہے۔ راجپوتوں کی یہ شاخ اپنی ابتداء موضع بڈگاؤں (پرگنہ دیوبند) سے بتلاتی ہے تمام مالکان اپنی زمین خود کاشت ہیں ان میں سے بہت سے لوگ مذہب اسلام میں داخل ہو گئے"

ایک کتابچہ بنام "تاریخ مغل گاتھہ) حیدرآباد دکن سے شائع ہوا۔ اس کے صفحہ نمبر ۱۵ پر ذکر ہے کہ دیوبند کے بسنے والے لکھبا ناظم صاحب کے پاس کچھ قدیم دستاویزات اور تمغے ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جنگی کارنامے انجام دینے کے صلے میں ان کے بزرگوں کو انعامات ملے جس سے ان کی بہادری اور شجاعت کی تصدیق ہوتی ہے اور یہ کہ یہ فوجی لوگ تھے جن کا تعلق قوم مغل سے تھا۔

کاتھا کے راجپوتوں میں دختر کشی عام تھی اور ہر شخص لڑکی کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالتا تھا۔ ۱۸۶۸ء کے بندوبست افسر نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں راجپوتوں کے یہاں کوئی لڑکی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی آبادی میں خاطر خواہ اضافہ نہیں ہوا۔ اس سے جو خلا پیدا ہوا اس کو گوجروں نے پر کیا۔ اور اسی طرح اس علاقہ میں گوجروں کی خاصی تعداد آباد ہو گئی انگریز حکومت کی ابتدائی زمانہ میں محصولات اور لگان سے کاتھا کے راجپوت بھی متاثر ہوئے اور ان کی خاصی زمینات مہاجنوں کو پہنچ گئیں۔ مگر یہ لوگ گھوڑے پالنے اور ان کی نسل برقرار رکھنے میں مہارت رکھتے تھے۔ گھوڑوں کی پرورش سے ان کو منافع زیادہ تھا۔ سہارنپور میں قائم فوجی چھاؤنی

Marfat.com

میں یہ گھوڑے اچھی قیمت پر فروخت ہو جاتے تھے۔ اس لیے ان کی معاشی حالت بہتر تھی۔

سلطان جلال الدین خلجی نے یہ علاقہ ہلاکو خان کے پوتے بنام الغوں خاں کو جاگیر میں دے دیا تھا جو مسلمان ہو گیا تھا اور خلجی نے اپنی ایک لڑکی کا نکاح اس کے ساتھ کر دیا تھا۔ اس سردار کے ساتھ آنے والے بہت سے مغل آب و ہوا ناموافق پا کر واپس چلے گئے تھے مگر یہ خود معہ دیگر ساتھیوں کے یہاں پر مقیم رہا اور اپنی رہائش کے لیے قصبہ ملیح پور آباد کیا جب علاؤالدین خلجی تخت نشین ہوا تو اس نے ان مغلوں کا قتل عام کرایا۔ کہا جاتا ہے کہ ان میں سے کسی مرد کو بھی زندہ نہیں چھوڑا۔ اور ان کی عورتوں کو ذلیل و خوار کیا۔ ان میں سے ایک عورت اپنے دو لڑکوں کو لے کر پناہ کی تلاش میں نکل گئی۔ یہ دونوں بچے بہت کم عمر تھے ہنڈن ندی کے مشرق میں ایک گاؤں بنام طانسی پور تھا۔ اس کا مالک لاولد تھا۔ اس نے دونوں لڑکوں کو لے کر پرورش کی اور اپنا وارث بنا لیا۔ جوان ہو کر ان لڑکوں کے بیاہ گاؤں میں راجپوت خاندان میں ہوئے اور ان کی نسل کافی بڑھی جو اسی گاؤں میں آباد ہے اور گاڑے کہلاتے ہیں۔ اس گاؤں سے بجانب مغرب ہنڈن ندی عبور کر کے چند اور گاؤں ہیں جن میں گاڑے آباد ہیں اور اس گاؤں سے رشتہ داریاں رکھتے ہیں ان میں سے ایک گاؤں موضع سوہنجرہ ہے۔ جہاں کے رہنے والے مولوی حشمت علی بڑے واعظ اور دیندار آدمی ہیں۔ ایک زمانہ میں مدرسہ رڑھی تاجپورہ کے مہتمم بھی رہے ہیں۔

اس بیان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پرگنات ناگل اور رامپور اور کچھ حصہ دیو بند میں گاڑے راجپوت بڑگوجر ہیں۔ یا پھر مخلوط النسل ترک مغل اور راجپوت بڑگوجر۔ موضع پانڈولی میں واقع تکیہ اور اس میں چند مزارات اور مسجد اور ایک قدیم محل کے آثار موضع طانسی پور اور جلہولی کے درمیان میں کسی بزرگ کا مزار جو پختہ ہے مگر اس پر کوئی عمارت نہیں اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ یہاں کے باشندے تقریباً چھٹی صدی ہجری کے اوائل میں مسلمان ہوئے تھے۔

موضع پانڈولی میں ایک خاندان جس کے افراد علم دین کی تبلیغ کی وجہ سے بہت مشہور تھے۔ ان میں سے ایک مولوی عبدالصمد، محدث اور فقیہہ تھے۔ ان کے بھائی محمد لطیف،

Marfat.com

مجذوب تھے ان سے بہت سی کرامات منسوب ہیں اور ایک بھائی بنام عبدالوہاب سالک تھے ان کے مرید بکثرت تھے نواب کیلا شپور اور نواب پہاسنو بھی ان کے مرید تھے۔ ان کا مزار موضع سلہری میں موجود ہے۔ یہ تینوں بھائی انیسوی صدی میں پیدا ہوئے ان کے مورث اعلیٰ کا تعلق بوڑیہ سے تھا۔ بوڑیہ ایک ریاست جمنا کے مغرب میں تھی۔ ایک شخص بنام لکھمیر جاٹ اس نواح میں بڑا بااثر زمیندار تھا اس کے چار لڑکے بنام۔ باگھ سنگھ۔ تاج سنگھ۔ رائے سنگھ اور برجا سنگھ تھے احمد شاہ ابدالی جب ہندوستان پر حملہ آور ہوا تو واپس جاتے ہوئے برجا سنگھ کو ساتھ لے گیا اور مسلمان کرلیا یہ شخص عرصہ دراز کے بعد واپس آیا مگر مسلمان ہی رہا۔ باقی تین لڑکوں نے ریاست بوڑیہ قائم کرلی[۵] مذکورہ نو مسلم کی اولاد میں سے کچھ لوگ پہلے موضع سلہری میں سکونت پذیر ہوئے اور بعد میں پانڈولی آ گئے۔ مولوی عبدالصمد اور ان کے بقیہ دو بھائیوں کا تعلق اسی خاندان سے بتلایا جاتا ہے۔ بوڑیہ میں ایک صوفیوں کا سلسلہ قائم ہوا جو اب تک باقی ہے۔ اس کے بانی حافظ حسین احمد تھے۔ ان کے خلفاء میں پانچویں شاہ عبدالرحیم (سرسادہ کے رہنے والے) تھے۔ جن سے خلافت عبدالوہاب صاحب کو ملی۔ اس طرح گاڑہ برادری میں شامل جاٹوں کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

---

[۵] تاریخ سہارنپور صفحہ: ۶۲

Marfat.com

فصل ششم
تحصیل روڑکی

اس تحصیل کی حدود میں سب سے قدیم آبادی، راجپوت پنڈیرکی ہے۔ روایت یہ ہے کہ ایک شخص بنام جڑاسر سنگھ تلنگ دیس کا راجہ تھا۔ تھانیسر جہاں پر ہندوؤں کا بڑا بتکدہ تھا بالقرض تیرتھ آیا۔ اور یہاں کافی عرصہ قیام کیا۔ اسی دوران اس کے یہاں ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام منڈاسر رکھا گیا۔ اس کی شادی دختر والی تھانیسر سے ہوئی اور موضع پنڈیر پرگنہ تھانیسر میں سکونت رکھی اس سے راجہ البسم سنگھ پیدا ہوا۔ یہ راجہ تیرتھ کی غرض سے میاپور ہردوار آیا قرب وجوار میں جنگلات تھے۔ ان کو صاف کرکے اس نے یہاں بود و باش اختیار کی اس کی اولاد کثرت ہوئی۔ جو دریائے گنگا سے مغرب میں سہارنپور اور شمال میں کوہ سوالک تک پھیل گئی۔ اس راجہ کا آخری وارث بنام دولیچند تھا جو میاپور کا راجہ تھا۔ اس کے اولاد نہیں ہوتی تھی حضرت جلال الدین جہانیاں جہاں گشت کے دوران اطراف میاپور آئے تو راجہ مذکور حاضر خدمت ہوا اور اولاد کے لیے دعا کا خواستگار ہوا۔ اور حضرت مذکور کی دعا سے اس کو تین لڑکے پیدا ہوئے اول بھوپال دوم بھوپت سوم مان بڑا لڑکا بھوپال باپ کا جانشین ہوکر بتوجہ حضرت مذکور مسلمان ہوا۔ اور اس کا اسلامی نام راؤ جمال الدین رکھا گیا۔ اس نے میاپور ترک سکونت کرکے جماپور آباد کیا جو بعد میں جوالاپور بن گیا۔ راجہ البسم سنگھ کی اولاد میں سے ایک شخص بنام ہمیر سنگھ تھا جس نے قصبہ جوراسی آباد کیا اس کی تیسری پشت میں راجہ کیا چند ہوا جس کا بنایا ہوا پختہ کنواں قصبہ میں آج بھی موجود ہے اس کی اولاد بہت ہوئی۔ اور قرب وجوار کے جنگلات صاف کرکے زراعت پیشہ اختیار کیا اور بہت سے گاؤں آباد کیے[1] گوجر اس تحصیل کے تمام پرگنات میں کثرت سے آباد ہیں ان کی آبادی بھی قدیم ہے

---

[1] : تاریخ سہارنپور صفحہ ۱۸۵ - ۱۸۹

Marfat.com

مگر راجہ لنڈھورہ کے عہد اقتدار میں ان میں اضافہ ہوا تناسب کے اعتبار سے گوجر پرگنہ بھگوان پور میں نمبر تین پر ہیں جب کہ نمبر ایک پر گاڑہ ہیں۔ روڑکی میں ان کا نمبر ساتواں درجہ پر آتا ہے جبکہ نمبر ایک پر جھوجھہ ہے۔ جوالاپور میں یہ لوگ درجہ سوم میں ہیں۔ اور نمبر ایک پر چوہان ہیں منگلور میں زراعت کے تعلق سے ان کا نمبر ایک ہے جب کہ گاڑھا نمبرہ میں آتے ہیں یہ درجات تقسیم زیر کاشت زمین کی بنا پر ہے جو متعلقہ رپورٹ بندوبست میں درج ہے[۱]۔ گاڑوں کی آبادی اس تحصیل میں ۱۰۶۸۴ بمطابق مردم شماری رپورٹ ۱۹۰۱ء کے تھی۔ ان کی غالب اکثریت پرگنہ بھگوان پور میں ہے جہاں پر رپورٹ بندوبست ۱۸۷۴ء کے مطابق ان مکمل گاؤں بنام کھانہ۔ کھیڑی۔ محیط پور۔ سری چندی لاٹھر دیوہ، جیل پور نصراللہ پور، مادھو پور، رسول پور، صفدر پور اور ہنڈ کھیڑی ہیں۔ ان کے علاوہ ننگا اور راجپوت گاؤں میں مشترک آبادی ہے تحصیل کے دوسرے پرگنات میں گاڑوں کے مکمل گاؤں زیادہ نمایاں نہیں۔ گوجر اور راجپوتوں کیساتھ مشترک آبادی ہے۔ مثلاً پرگنہ جوالاپور میں ایک موضع بنام محمد پور قوم گاڑہ اور گوجران کا مشترک مقبوضہ رملکہ تھا[۲]۔ اس اشتراک زمینداری سے واضح ہوجاتا ہے کہ اس گاؤں کے گاڑے اصل میں گوجر ہی تھے اور اس زمین سے ان کا وہی رشتہ ہے جو گوجروں کا ہے۔

قصبہ جوالاپور تین مختلف آبادیوں پر مشتمل ہے اوّل احمد پور خورد، دوم بھوگپور، سوم جمالپور مغل سلطنت کے زمانے میں یہ پرگنہ بنام بھوگپور عرف جوالاپور کے نام سے تھا۔ قدامت کے لحاظ سے اوّل بھوگپور ہے اور دوم احمد پور خورد، ان کے بعد جمال پور قائم ہوا۔ فیروز شاہ تغلق ۷۵۲ھ میں تخت نشین ہوا۔ اسی وقت اس نے سید جلال الدین جہانیاں جہاں گشت کو شیخ الاسلام مقرر کیا۔ سلطان نے کوہ سوالک اور سری مور کا سفر ۷۵۳ھ میں کیا اور یہاں سے کچھ خوبصورت اور ہونہار بچوں کو ساتھ لے گیا۔ جن کی تربیت کر کے بندگان سلطان میں شامل کیا۔ سید جلال الدین جہانیاں جہاں گشت نے اس علاقہ کا دورہ سلطان کے حکم سے بعد میں کیا اس وقت موضع احمد پور خورد میں مسلمان آباد تھے۔ اور اسی موضع میں حضرت مذکور نے قیام کیا۔ چونکہ تبلیغ واصلاح دین آپ کے فرض منصبی میں شامل تھا۔ اس لئے ان مسلمانوں کی اصلاح مقصود تھی۔ اسی مقام پر راجہ دولیہ چند نے حضرت مذکور سے ملاقات کی۔ اس کے لڑکے نے مسلمان ہو کر اس جگہ کے تقدس کی وجہ سے یہاں پر رہائش اختیار کی۔ احمد پور خورد کے لوگ کب مسلمان ہوئے اس

---

[۱] ڈسٹرکٹ گزیر سہارنپور صفحہ ۲۷۷-۳۱۶-۲۲۰-۲۶۴، [۲] تاریخ سہارنپور صفحہ نمبر ۱۶۹

Marfat.com

اس کا تعین تو نہیں کیا جا سکتا مگر اغلب گمان یہ ہے کہ یہ حضرت علاؤالدین صابر کلیری کی توجہ کے باعث مسلمان ہوئے۔ اور راجہ دولیچند سنگھ کے بھائی پنڈوں کی اولاد میں سے تھے۔ مردم شماری رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ اس قصبہ میں گاڑے بھی آباد ہیں اور زمانہ قدیم سے یہاں پر بود و باش رکھتے ہیں۔ شواہد مذکورہ کی روشنی میں یہ وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ ان کی آبادی قدیم احمد پور سے تعلق رکھتی ہے، اور نسلاً راجپوت پنڈیر ہیں۔ فیروز شاہ تغلق نے اپنی پہلی بیوی کے لڑکے محمد شاہ کو ناصرالدین محمد شاہ کا خطاب دے کر اپنا جانشین مقرر کیا اور ۷۸۹ھ میں گوشہ نشین ہو گیا۔ ناصرالدین محمد شاہ سیر و تفریح کی غرض سے اس علاقہ میں آیا تو اس کو خبر ملی کہ ملک گجرات میں بغاوت ہو گئی اس کے تدارک کی اس نے کوئی تدبیر نہ کی اس لئے دربار کے امراء اس کے مقابلہ کے لئے نکلے عمر رسیدہ فیروز شاہ تغلق کو بھی ساتھ لے لیا۔ ناصرالدین محمد شاہ پہاڑوں میں روپوش ہو گیا۔ فتح خان سہارن کے بہن کے بطن سے تھا۔ اس لئے تمام بندگان سلطان اور سہارن وجیہ الملک نے متحد ہو کر تغلق شاہ۔ بن فتح خان بن فیروز شاہ تغلق کو تخت نشین کر دیا۔ فیروز تغلق کا انتقال ۷۹۰ھ میں ہوا۔ اور ۸۰۰ھ میں تیمور نے دہلی فتح کی اس دس سال کے عرصہ میں سلطنت دہلی پر چھ بادشاہ ہے شہ۔ جن کے باعث ملک میں افراتفری پیدا ہوئی بہت سے علاقوں کے حاکموں نے خود مختاری اختیار کر لی۔ یہ بات زیادہ قرین قیاس ہے کہ اسی زمانے میں کچھ بندگان سلطان نے ناصرالدین محمد شاہ کے ہمراہ اسی علاقہ میں سکونت اختیار کر لی۔ انہیں لوگوں کو جیسا کہ بیان ہو چکا ہے جوجھ کہا جانے لگا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ علاقہ جوالاپور کے گاڑے نسلاً راجپوت پنڈیر ہیں اور یہی صورت قوم جوجھ کے ساتھ ہے۔

تاریخی اعتبار سے قصبہ جوراسی بھی قدیم ہے مغل ایام سلطنت میں یہ پرگنہ تھا۔ اورنگ زیب کی تعمیر کردہ ایک عالیشان مسجد اب بھی اس مقام پر موجود ہے۔ شاہان سلف کا یہ طریقہ تھا کہ جب مساجد بنواتے تو اس میں علماء اور فقرا کی ایک جماعت بھی مقرر کرتے تاکہ عامۃ المسلمین کی اصلاح اور تعلیم ہوتی رہے۔ گاڑہ۔ برادری میں شامل۔ محمدی۔ شیخ۔ شیخ حیدر۔ اور یار محمد کر دک کے حوالے سے بیان ہو چکی ہیں۔ ضلع بھر میں آباد اس برادری کے افراد کے سرسری جائزے سے

ے۔ آئینہ حقیقت نما صفحہ ۵۰۰

معلوم ہوتا ہے۔ مذکورہ لوگوں کا تعلق اس بستی اور اس مسجد کے پس منظر میں چوراسی سے ہو۔ اگر ان کو غیر ہندی الاصل جیساکہ کروک نے لکھا ہے تسلیم کر لیا جائے تو یہ ان علماء اور فقراء کی اولاد میں سے ہوں گے جن کو بادشاہ نے مختلف زمانوں میں اس مسجد میں متعین کیا اور اگر ہندی مانا جائے تو یہ لوگ ان بزرگوں کے مرید ہوں گے یہی توجیہہ زیادہ قرین قیاس ہے۔ جیساکہ مولانا مفتی شفیع نے لکھا ہے کہ ان کا خاندان اسی قصبہ چوراسی سے دیوبند آکر آباد ہوا اور یہ روایت تواتر کے ساتھ ان تک پہنچی کہ ان کا تعلق حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی نسل سے ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ گاڑہ برادری کے افراد نے یہ تعلق افراد یا شخصیات سے ظاہر کیا۔ جیساکہ محمدی۔ شیخ حیدر۔ یار محمد یہ ممکن ہے کہ لاعلمی کی وجہ سے ان کو ان شخصیات کے نسبتی تعلق کی روایت یاد نہ رہی ہو۔ اور یہ بھی عثمانی وغیرہ ہوں اس قصبہ سے مسلمانوں کے ترک سکونت کے اسباب پہلے بیان ہو چکے ہیں کہ ایک پیشہ ور ڈاکو کیسے سہارن پور کا عامل بن گیا تھا۔ اور اس نے اس علاقے کے مسلمانوں کا قتل عام کرایا جو لوگ اس قتل عام سے بچ سکے انہوں نے مختلف مقامات پر رہائش اختیار کر لی۔

پرگنہ بھگوان پور میں گاڑہ برادری کی کثرت ہے اور زراعت کے تعلق سے ان کا تمبر[1] ہے موضع سکردہ۔ اور کھیڑی شکوہ پور۔ پہلے زمانے میں الگ پٹے تھے۔ یہ تفصیل پہلے گذر چکی ہے ان میں نالز خان اور طاہر خان کی اولاد بھی آباد ہے۔ جن کا مورث اعلیٰ راؤ جمال الدین ہے۔ اور یہ لوگ جوالاپور سے آکر یہاں آباد ہوئے نواب ضابطہ خان جب سہارنپور کا عامل تھا اس وقت اس خاندان کے لوگوں کو بہت عروج ہوا۔ غلام قادر بن نواب ضابطہ خان کی منگنی راؤ قطب دین کی لڑکی سے ہو گئی تھی۔ اس رشتہ داری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے راؤ قطب دین نے قرب وجوار کے چالیس گاؤں جن میں اس کے بھائی بند آباد تھے ملا کر ایک ٹپہ الگ بنا لیا جو ٹپہ سکردہ کے نام سے منظور ہوا۔ کھیڑی شکوہ پور میں بھی اسی راؤ خاندان کی ایک شاخ آباد ہوئی انہوں نے بھی ایک ٹپہ بنام کھیڑی شکوہ پور بنا لیا۔ اس ٹپہ میں تقریباً اتنے ہی گاؤں تھے جتنے ٹپہ سکردہ میں تھے۔ ان علاقوں میں جتنے گاؤں آباد ہیں ان میں خواہ ہندو ہوں یا مسلمان سب

---

[1] تاریخ سہارن پور صفحہ ۵۰۔

راجپوت پنڈیر ہیں ۔ تحصیل روڑکی سے جو لوگ گاڑہ برادری میں شامل ہوئے ان میں گوجر بھی ہیں جو قرب جوار میں رہتے تھے اور مسلمان ہو گئے ۔ ایک صاحب بنام منشی امانت علی موضع محیط پور کے رہنے والے تھے ۔ روڑکی کالج سے انجنرنگ کی تعلیم حاصل کی اور پنجاب میں محکمہ انہار میں ملازم رہے ان کی قوم سرکاری کاغذات میں گوجر عرف گاڑہ" درج ہے" مذکورہ منشی امانت علی موضع محیط پور میں ۱۸۷۳ء میں پیدا ہوئے ۔ ملازمت کے سلسلے میں میانوالی ملتان تعینی رہا ان کے لڑکے بنام شوکت علی ملتان میں سکونت رکھتے تھے ۱۹۸۹ء میں بعمر ۸۳ سال انتقال ہوا ۔ ان کی اولاد موجود ہے ۔

کچھ محققین نے اس رائے کا بھی اظہار کیا ہے کہ جھوجوں کی طرح گاڑے بھی غلامان بادشاہان کی نسل سے ہیں ۔ جھوجہ قوم کی تفصیل میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ دراصل یہ لوگ بندگان سلطان کہلاتے تھے اور یہ غلام کہنا درست نہیں تاہم یہ ممکن اور قرین قیاس ہے کہ ان بندگان سلطان میں سے کچھ لوگ گاڑہ برادری میں شامل ہو گئے ہوں ۔ مگر ان کی تعداد نہایت قلیل ہے اور پرگنہ جوالاپور تک محدود ہے ۔ ان کی نشاندہی وثوق سے نہیں کی جا سکتی ۔ نسلاً جھوجہ بھی راجپوت پنڈیر ہیں ۔ اس لیے امتیاز کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی گردش ایام اور زمانہ کی روش سے الفاظ پر بھی بڑا گہرا اثر پڑتا ہے ۔ انگریز افسران بھی خط و کتابت میں Obedient servant لکھتے تھے اسی لفظ کو اگر فارسی میں تبدیل کیا جائے تو بندگان وفادار ہوگا ۔ پھر اگر بندگان سلطان کو انگریزی میں تبدیل کیا جائے ۔ تو ان کی حیثیت وہی ہو گی جو انگریز حکومت کے وقت آئی ۔ سی ۔ ایس کی تھی ۔ اس لئے یہ کہنا درست نہیں کہ یہ لوگ غلاموں کی اولاد ہیں ۔

Marfat.com

فصل ہفتم
تحصیل نکوڑ

اس تحصیل میں چار پرگنے ہیں۔ نکوڑ، سلطان پور، گنگوہ اور سرساوہ۔ پرگنہ نکوڑ زمانہ قدیم میں راجپوت چوہانوں کا تھا۔ پھر تگوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ اور چوہان جمنا کے مغرب کی طرف چلے گئے۔ نواب ضابطہ خان کے زمانے میں جمال خان پرگنہ گنگوہ کا عامل مقرر رہا۔ اس نے نکوڑ کے تگوں کو بیدخل کر کے اپنا علاقہ قائم کر لیا۔ اور موضع جمال گڑھ آباد کر کے اس میں قلعہ بنوایا۔ اور سکونت اختیار کی۔ مرہٹہ دور اقتدار میں تگے پھر اپنے علاقوں پر قابض ہو گئے[1]۔ اور انگریزوں کی آمد کے وقت یہ علاقہ تگوں کے پاس تھا۔ گوجر بھی اس علاقہ میں قدیم زمانے سے آباد ہیں۔ مگر راجہ رامدیال سنگھ کی عملداری کے وقت ان کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ گاڑے اس پرگنہ میں بہت کم تعداد میں ہیں۔ کاشتکاری میں گوجر جاٹ سائنی تگا زیادہ ہیں۔ گاڑے زیادہ تر قوم تگا سے تعلق رکھتے ہیں۔ ممکن ہے ان میں کچھ گوجر بھی ہوں۔ کتب تاریخ میں ان کی تعداد قابل ذکر نہیں۔ پرگنہ گنگوہ میں غالب اکثریت گوجروں کی ہے۔ اور یہ لوگ ہی علاقہ کی زمینات کے مالکان تھے۔ انگریز کے دور اقتدار کے اوائل میں ان کی زمینات قرضہ کی وجہ سے مہاجنوں کو چلی گئی۔ تاہم زراعت میں ان کا سب سے بڑا حصہ ہے۔ اس پرگنے میں قصبہ امبہٹہ مشہور ہے۔ اس قصبہ کے جنوب مشرق میں گاڑوں کی آبادی بہت قدیم بتلائی جاتی ہے۔ فیروز شاہ تغلق کے دور حکومت میں اس قصبہ میں چھاؤنی قائم ہوئی۔ بعد میں کچھ ترک فوجی یہیں پر آباد ہو گئے۔ ان کا قبرستان بھی الگ متعین ہوا۔ یہ قبرستان آجکل گاڑوں کے پاس ہے۔ اور یہ لوگ اپنا تعلق ترکوں سے اسی بنا پر ظاہر کرتے ہیں۔ دوسرا قصبہ نکھنوتی ہے۔ یہ بھی قدیم آبادی ہے۔ اور پہلے اس کا نام تغلق پور نکھنوتی تھا۔ ان تھکوں نے آباد کیا جو تغلق کہلاتے تھے جب ہمایوں بار دیگر ہندوستان پر قابض ہوا۔ اس وقت اس کی فوج میں ترک بکثرت تھے

---

[1] تاریخ سہارنپور صفحہ ۱۵۰

Marfat.com

موجودہ ترکمانان تکھنوتی کے مورث اعلیٰ بھی ہمایوں کی فوج میں تھے۔ جس کو جاگیر ملی اور اس نے اولاً امروہہ میں سکونت اختیار کی پھر بغرض سیر شکار اس علاقہ میں آیا۔ اور اپنے بھائی بندوں کو یہاں پاکر سکونت یہیں پر اختیار کر لی۔ قدیمی ترکمان جن کا تعلق قوم قرونہ ترک (تغلق) سے تھا گاڑے کہلاتے تھے۔ اس علاقے میں گاڑوں کی مختصر آبادی ہے۔ زراعت سے وابستہ گاڑے نمبر پانچ پر ہیں جبکہ نمبر ایک پر گوجر ہیں قصبہ سرساوہ میں بھی گاڑوں کی آبادی وسط میں ہے۔ اور زراعت کے علاوہ ملازمت اور دیگر کاروبار بھی کرتے ہیں کروک نے لکھا ہے کہ گاڑوں قوم میں غوری بھی شامل ہیں۔ سلطان محمود غزنوی نے جب سرساوہ کو فتح کیا تو یہاں سے بہت سے آدمیوں کو گرفتار کر کے غزنی لے گیا۔ اور مسلمان کر لیا[۱] شہاب الدین غوری کے ساتھ ان نومسلموں کی اولاد بھی تھی۔ یہ زیادہ ترین قیاس ہے۔ کہ ان میں سے کچھ لوگ قصبہ سرساوہ اور اس کے اطراف میں آباد ہوگئے ہوں۔ کیونکہ ان کا قدیمی تعلق اسی علاقہ سے تھا۔ اور نووارد ہونے کی وجہ سے غوری کہلانے لگے۔ ۔۔ اس پرگنہ میں ایک موضع بنام مغل فرزہ تھا[۲] سب سے پہلے اس کی بنیاد مغلوں سے تعلق رکھنے والی ایک زراعت پیشہ قوم نے رکھی۔ بعد میں اس کو تگوں کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ تگوں کے ہاتھوں سے بوجہ مقروض ہونے کے نکل کر مہاجنوں کی ملکیت میں چلا گیا۔ ۱۸۳۲ء میں تگوں کے آٹھ گاؤں قرض خواہوں نے نیلام کر دیئے تھے۔ ان میں مذکورہ گاؤں بھی تھا تاہم زراعت حسب قاعدہ تگوں کے پاس ہی رہی اس پرگنہ میں ہندی النسل گاڑے۔ گوجروں اور تگوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

پرگنہ سلطان پور اس میں گاڑوں کی آبادی کے متعلق سہارنپور ڈسٹرکٹ گزیٹر کے صفحہ ۲۴۴ پر لکھا ہے کہ

"The bulk of cultivation is divided between Gujars and Garas while small area is held by others"

---

[۱] North West Province of India Page 83

[۲] : تاریخ سہارنپور صفحہ ۱۴۷

Marfat.com

ترجمہ :۔ کاشتکاری کا غالب حصہ گوجروں اور گاڑوں میں منقسم ہے۔ جبکہ دوسری قوموں کا حصہ بہت کمتر ہے۔

ڈپلوکروک کی یہ تحقیق کہ یہ لوگ صوم بنسی راجپوت تھے اور مقام نگارا بھیرا جو دہلی کے مغرب میں ہے۔ وہاں سے آکر اس جگہ آباد ہوئے اور اکبر نے ان کو اس جگہ آباد کیا۔ مقام نگارا بھیرا۔ راجہ انیک پال جس کا تعلق راجپوت تومار گوتھ سے تھا اور دہلی کا راجہ تھا۔ اس کی اولاد میں چوتھویں پشت میں راجہ نگا راج تھا۔ جس نے اطراف دہلی میں سکونت اختیار کر کے ایک قصبہ آباد کیا جس کا نام نگارا بھیرا رکھا۔۔ یہ بیان گذر چکا ہے کہ اکبر کے زمانہ میں آصف خان نے دریائے نربدا کے علاقے میں واقع گاڑہ منڈل زیر ملک کو فتح کیا جنگ میں مفتوح شاہی خاندان کے تمام افراد مارے گئے، صرف دو عورتیں بچی جن کو بادشاہ کے پاس بھیج دیا گیا۔ مذکورہ نگاراج کی اولاد میں سے کچھ لوگ اکبر کے زمانے میں مسلمان ہو ہوگئے تھے۔ بادشاہ نے ان عورتوں کو ان نومسلموں کے نکاح میں دیکر علاقہ دوآب میں زمینات عنایت کی جہاں پر انہوں نے سکونت اختیار کر کے زراعت شروع کر دی۔ چونکہ ان کے نکاح میں آنے والی دونوں عورتوں کا تعلق صوم بنسی شاہی خاندان سے تھا۔ اس لیئے یہ لوگ صوم بنسی کہلانے لگے۔ جو علاقہ اکبر نے ان لوگوں کو دیا۔ اس میں انہوں نے اپنی سکونت کے لیئے ایک قصبہ آباد کیا۔ اور اس کا نام عنایت پور رکھا۔ بعد کے ایام میں اس قصبہ میں جاٹ اور برہمن بھی آباد ہو گئے۔ شاہجہان نے ایک بزرگ بنام سید شاہ محمود ساکن ساڈھورہ کو اس قصبہ میں بغرض تعلیم و تربیت مسلمانان متعین کر کے چار صد بیگہ زمین معافی دوام عطا کی۔ اس زمین کو چک کا نام دیا گیا۔ بزرگ موصوف نے اس میں سکونت اختیار کی اور اپنی رہائش گاہ کا نام چک لانہ رکھا جو بعد میں چلکانہ ہو گیا ہے۔ اس کے بارے میں منشی نند کشور لکھتا ہے کہ۔

"چلکانہ پہلے اس قصبہ کا نام عنائت پور تھا۔ اور دو آبادیاں تھیں۔ ایک قوم جاٹوں اور برہمنوں کی اور دوسری قوم گاڑوں کی۔ ساکنان طرف اول ویرانہ ہو گئے۔ اور ساکنان طرف دوم کی نسل موضع چالاک پور وغیرہ میں موجود ہے۔"

Marfat.com

سید شاہ محمود کی اولاد نے تعلیم و تربیت کا سلسلہ جاری نہ رکھا اور مقبوضات کو موروثی بنا لیا۔ انہوں نے بعد کے ایام میں ملازمت وغیرہ کے وسیلہ سے بہت ترقی کی جس کا ذکر پیچھے ہو چکا ہے۔ ان صوم بنسی راجپوتوں کے علاوہ اس پرگنہ میں کچھ گاؤں ۔ ۔ ۔ ۔ جورانا کی زمینداری میں تھے شامل ہوئے۔ ان میں بسنے والے لوگ راجپوت پنڈیر ہیں جو مسلمان ہو گئے تھے۔ اس لیئے گاڑوں میں شامل اس پرگنے کے مسلمانوں کی تعداد بھی خاصی بڑی ہے۔ تیسرا اہم عنصر گاڑوں میں گوجروں کی شمولیت ہے جو گوجر اوائل میں مذہب اسلام میں داخل ہوئے۔ وہ گاڑہ برادری کا جزو بن گئے جبکہ بعد میں مسلمان ہونے والوں نے اپنی اصلی قومیت یعنی گوجر۔ برقرار رکھی۔ اس ضمن میں گاڑوں کے ایک گاؤں جس کا نام موضع بڈھا کھیڑا گوجر قابل توجہ ہے۔ اس گاؤں کا حوالہ تاریخ سہارنپور میں بھی ملتا ہے۔ زمانہ ماضی میں یہ طریقہ تھا۔ اگر ایک ہی نام کے دو گاؤں ہوں تو اس میں بسنے والی قوم کا نام اس گاؤں کے نام کے ساتھ لگا دیا جاتا تھا۔ ایک گاؤں بڈھا کھیڑ پرگنہ ہرودہ میں بھی تھا جس کو موضع بڈھا کھیڑہ پنڈیر رکھا ہے۔ [۵] جبکہ بڈھا کھیڑ پرگنہ سلطان پور کو۔ بڈھا کھیڑہ گوجر لکھا گیا ہے۔ ۱۸۵۷ء کے واقعات میں بھی بڈھا کھیڑہ گوجر کا ذکر ملتا ہے۔ سہارنپور کے انگریز کلکٹر کو اطلاع ملی کہ گوجروں نے جمع ہو کر بڈھا کھیڑہ گوجر میں مضبوط ٹھکانے بنا لیئے ہیں۔ اور مورچہ بندی شروع کر دی ہے۔ اس لیئے ایک رسالہ فوج کا اس طرف روانہ کیا گیا سہارنپور ڈسٹرکٹ گزیٹیر کے صفحہ ۲۰۰ پر لکھا ہے کہ۔

"the column then went To Budha Khera, the head quarters of Gujar which was demolished and thence to Gnagoh"

ترجمہ:۔ اور پھر رسالہ فوج کا دستہ بڈھا کھیڑہ گیا جہاں

---

[۵]:۔ تاریخ سہارنپور صفحہ ۳۲۳

Marfat.com

پر گوجروں نے مضبوط ٹھکانے بنا لیئے تھے۔ جن کو مسمار کر دیا گیا۔
اور وہاں سے گنگوہ کی طرف روانہ ہوا۔

رپورٹ بندوبست ۱۸۷ء میں بھی اس گاؤں کو بڈھا کھیڑہ گوجر لکھا گیا۔
اس گاؤں پر گذشتہ بندوبست میں لگان زیادہ عائد کیا گیا۔ جس کی ادائیگی میں تاخیر ہوئی۔ ایک انگریز مسٹر پادل کے نام سے ضلع میں بڑی زمینداری رکھتا تھا۔ اس کا طریقہ تھا کہ فصل کے وقت کاشتکاروں کے سر پر کھڑا رہتا ہے اور اپنے حصہ سے زیادہ وصول کر لیا کرتا تھا۔ اور اس طرح وہ سرکاری لگان بھی بر وقت ادا کر دیتا تھا۔ کلکٹر سہارنپور نے موضع بڈھا کھیڑ گوجر اس پادل کے حوالے کر دیا۔ جس نے نہ صرف سرکاری لگان وصول کیا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ حاصل کرتے ہیں کامیاب رہا اور اس طرح اس گاؤں کے گوجروں نے اپنے ہمسایہ گاؤں کی نسبت زیادہ محصول ادا کیا۔[۵۲]

اس گاؤں کے رہنے والے چوہدری ظفر احمد صاحب جن کا تعلق گاڑہ برادری سے تھا۔ بہت مشہور تھے۔ کانگریس کے لیڈر ان میں سے تھے۔ سہارنپور ڈسٹرکٹ بورڈ کے صدر بھی کافی عرصہ تک رہے ان کا شمار بڑے زمینداروں میں ہوتا تھا۔ اور پیشہ زراعت سے گہرا تعلق تھا۔ خود کاشت زمینات بھی کافی تھیں۔ احسان بخش صابری کا ایک مضمون بعنوان "تحریک پاکستان کے لیئے مولانا اشرف علی تھانوی کی خدمات" روزنامہ مشرق، مورخہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۸۶ء میں شائع ہوا۔ اس میں لکھا ہے کہ

مولانا اشرف علی تھانوی نے ۱۹۳۷ کے الیکشن میں مسلم لیگی امیدوار کی واشگاف حمایت کی۔ مثال کے طور پر۔ یوپی اسمبلی کی ایک سیٹ (سہارنپور مسلم حلقہ) کے لیئے آل انڈیا نیشنل کانگریس کے امیدوار چودھری ظفر احمد صاحب تھے۔ اور آل انڈیا مسلم لیگ نے مولوی منفعت علی کو ٹکٹ دیا تھا۔ مولانا شاہ اشرف علی نے مولوی منفعت علی کی حمایت کی۔

۵۲۔ رپورٹ بندوبست ۱۸۷ء صفحہ ۱۴۳

Marfat.com

مذکورہ دونوں امیدواروں کا تعلق گاڑہ برادری سے تھا اس الیکشن میں مودی منفعت علی صاحب کامیاب ہوئے۔

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کی کتاب سے اقتباس پہلے بیان ہو چکا ہے۔ جس سے یہ بات واضح ہے کہ ہندی النسل لوگ اسلام میں فرداً فرداً داخل ہوئے۔ بہت سے خاندان عرصہ دراز گذرنے کے باعث اپنی اصلیت سے بھی واقف نہ رہے۔ یہی حال غیر ہندی النسل کے بے شمار لوگوں کے ساتھ ہوا۔ جن کی بہت سی نسلیں مقامی لوگوں کے ساتھ گذری۔ اور ان سے ایسے گھل مل گئے۔ کہ اپنی اصلی قومیت کی کوئی روایت ان کے پاس نہیں یہ حقیقت گاڑوں کے تعلق سے اس تحصیل میں بسنے والوں کے ساتھ خاص طور سے نمایاں ہے۔ کیونکہ اس علاقہ میں آباد ہونے والے ترکوں۔ مغلوں اور دیگر لوگوں کے شواھد موجود ہیں۔ مگر ایسے خاندان بہت ہی کم ہیں جن کو اپنی ماضی کی روایات یاد ہوں خاص طور سے بابر سے پہلے کے لوگوں کو۔

بیان کردہ حقائق کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس تحصیل میں آباد گاڑوں کا تعلق گوجر۔ راجپوت۔ پنڈیر۔ صوم ہنسی قردونہ ترک۔ مغل۔ غوری سے ہے۔

Marfat.com

فصل ہشتم

گاڑہ برادری پنجاب میں

یہ برادری پنجاب میں بھی کثیر تعداد میں تھی۔ خاص طور سے جمنا اور ستلج دوآبہ ضلع روہتک گوڑگاؤں۔ اور ہریانہ کے دیگر اضلاع میں۔ چونکہ لفظ گاڑہ میں ایک قسم کی ہتک اور تضحیک کا پہلو نمایاں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ گاڑہ۔ کیچڑ کو کہتے ہیں اور کھدر کا کپڑا بھی گاڑہ کہلاتا ہے اس لئے بہت سے لوگوں نے اس لفظ کا استعمال ترک کر دیا۔ کوئی اپنی اصلیت جیسے راجپوت۔ گوجر رانگھڑ وغیرہ کی طرف لوٹ گیا اور کسی نے شیخ کہلانا شروع کر دیا انیسویں صدی عیسوی کے اختتام تک یہ لفظ عام طور پر رائج تھا۔ پنجاب جو اجناس کی پیداوار کے لحاظ سے اہم صوبہ تھا سود خور بنیوں کی گرفت سے نہ بچ سکا۔ ان بنیوں نے قرض کے عوض بہت سی زمینات حاصل کرلیں۔ اکثر لوگ ان کے مزارع کی حیثیت سے کاشت کے لیے تیار نہ تھے۔ اس لئے بہت سی زمینیں ویران ہوگئیں اور زرعی پیداوار کے ساتھ ساتھ حکومت کو وصول ہونے والے لگان میں بھی کمی ہونے لگی۔ حکومت نے ایک قانون ۱۹۰۰ء میں نافذ کیا جس کی رو سے ان قوموں کی تخصیص کر دی گئی جن کا تعلق زراعت سے تھا اور وہ اس صنعت میں مہارت رکھتے تھے صرف یہی مخصوص قومیں زرعی زمین کی مالک ہو سکتی تھیں اور دوسروں کو حق ملکیت سے محروم کر دیا گیا۔ ان مخصوص زرعی پیشہ اقوام میں گاڑہ بھی مذکورہ قانون میں درج ہے۔ جسکا ذکر پہلے بھی کیا جا چکا ہے۔ اس سے نہ صرف یہ واضح ہو جاتا ہے کہ گاڑہ برادری شریف قوم سے تعلق رکھتی ہے۔ بلکہ ان کی تعداد بھی قابل توجہ تھی۔ جس کا نام مخصوص اقوام میں شامل کیا گیا ان میں سے اب بھی کچھ لوگ گاڑہ کہلاتے ہیں اور آزادی کے بعد پنجاب کے مختلف اضلاع میں آباد ہو گئے۔

ایک پولیس افسر بنام سلطان علی گاڑھا کے متعلق روزنامہ جنگ مورخہ ۱۲ جنوری ۱۹۸۱ء کے اداریہ میں ذکر ہے کہ

Marfat.com

"مجلس خدمت اسلامی لاہور کے صدر سید اسد گیلانی نے کہا ہے کہ" پولیس افسران کو اکثر و بیشتر ایوارڈ، القابات اور تعریفی اسناد دی جاتی ہیں لیکن پولیس کے ایک ڈی۔ ایس۔ پی سلطان علی گارڈھا اور اس کے ساتھ ڈالر اسکینڈل میں ملوث دوسرے پولیس افسران بھی ہیں جو ایوارڈ دینے والوں کی بدنامی کا باعث بنتے ہیں۔"

اصل واقعہ سے یہاں غرض نہیں صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ گارڈھا نام کی قوم اب بھی پنجاب میں موجود ہے۔ یہاں یہ عام رواج ہے کہ نام کے ساتھ اپنی قوم کا لاحقہ بھی لگا لیتے ہیں جیسے آہیر جدون وغیرہ۔ ایسے ہی مذکورہ ڈی ایس پی نے اپنے نام کے ساتھ گارڈھا کا لاحقہ لگایا ہوا ہے۔

جب قانون زمینداری ۱۹۰۰ء میں نافذ العمل ہوا تو غیر زمیندار اقوام کے پاس جو زرعی زمینات تھیں انھوں نے فروخت کرنی شروع کر دیں۔ سر چھوٹو رام ضلع انبالہ کے بڑے مالدار بنیئے تھے ان کی مملوکہ زمینات بھی کافی تھیں گورنر پنجاب کی کونسل کے ممبر بھی تھے جب اس نے زمین فروخت کرنی شروع کی تو گارڈوں نے جو اپنے آپ کو شیخ کہلاتے تھے حق شفا کا دعویٰ دائر کر دیا سر چھوٹو رام نے یہ موقف اختیار کیا کہ قوم شیخ کو خود حق زمینداری نہیں اس لئے قوم شیخ کا اس کے خلاف دعویٰ غیر قانونی ہے جسکو ماتحت عدالت نے تسلیم کرتے ہوئے دعویٰ خارج کر دیا۔ یہ لوگ اپیل میں لاہور ہائی کورٹ گئے اور عدالت سے درخواست کی کہ یہ لوگ قدیم زمانے سے زمیندار ہیں اور بورڈ آف ریونیو سے ان کے قدیم کاغذات نکلوا کر دیکھ لئے جائیں۔ چنانچہ عدالت عالیہ کے حکم سے بورڈ آف ریونیو نے قدیم کاغذات عدالت میں پیش کئے جن کی رو سے ان لوگوں کی اصل قومیت گارڈہ لکھی ہوئی تھی اور مسلمان ہونے سے بیشتر یہ لوگ راجپوت چوہان تھے [۱]

---

[۱] : حاشیہ یہ معلومات ایک شخص مسمی محی الدین راجپوت سکنہ بھابڑہ تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا کے خط مورخہ ۱۱ مئی ۱۹۷۹ء میں درج ہیں۔ انھوں نے لکھا ہے کہ یہ لوگ ضلع انبالہ کے رہنے والے ہیں اور ان کے کاغذات میں ان کی قوم گارڈہ چوہان درج ہے موضع بہاولپور کات اور سوکھ ضلع انبالہ کے لوگ گارڈہ کہلاتے ہیں اس کے بعد کے باقی لوگ شیخ کہلاتے ہیں۔

Marfat.com

فصل نہم

گاڑہ برادری ضلع مظفر نگر میں

مظفر نگر (باغوں والی) یہ بیان تفصیل سے گذر چکا ہے کہ سروٹ میں سکونت پذیر شیخ انصاری کے باغات اور زمینات مذکورہ قصبہ کے نواح میں تھے اور جب شہر مظفر نگر کی بنیاد رکھی گئی، اور لوگ سروٹ چھوڑ کر اس نئے شہر میں آباد ہوئے تو مذکورہ انصاری برادری سے تعلق رکھنے والے لوگ اپنے باغات میں جا کر بس گئے اور یہی وجہ تسمیہ اس گاؤں کی ہے یعنی باغوں والی اسی گاؤں کی ایک شاخ موضع بھیڑی ہے۔ اس لئے گاڑہ برادری میں شامل انصاری جن کی نشاندھی کرنی ہے۔ بظاہر اسی موضع سے تعلق رکھتی ہے ہوسکتا ہے کہ سہارنپور میں بھی انصاریوں سے تعلق رکھنے والے کچھ لوگ ہوں۔ مگر کوئی واضح نشاندھی کے ثبوت نہیں مل سکے۔ باغوں والی کے متعلق اس علیے وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ ثقہ لوگوں نے یہ بیان کیا کہ ان کے قدیم دستاویزات میں انصاری لکھا ہوا تھا۔ؔ موضع کھڈہ کے متعلق بھی تفصیل مظفر نگر گزیٹیر کے حوالے سے بیان ہو چکی ہیں کہ گاڑہ برادری کے جو لوگ اس گاؤں میں آباد ہیں ان کا تعلق بڑگوجر سے ہے۔ رپورٹ مردم شماری ۱۸۹۱ء مطبوعہ الہ آباد ۱۸۹۴ء کی ٹیبل ۷۱ x ۔ پارٹ بی صفحہ ۴۲ پر گاڑہ برادری میں شامل، چوہان اور منل پھر سادہ کے نام لکھے ہیں جو ضلع مظفر نگر میں آباد ہیں۔ آبادی کے لحاظ سے اس ضلع میں گاڑوں کی آبادی ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کے مطابق ۵۹۹۱ نفوس تھی اس میں سے موضع کھڈہ اور باغوں والی کی آبادی ۲۲۸۵ اگر نکال دی جائے ۳۷۰۶ نفوس باقی رہتے ہیں۔ اگر بھیڑی جو دراصل باغوں والی کی شاخ ہے اس کی آبادی اندازاً ۱۰۰۰ تر بد نکال دی جائے تو باقی صرف ۲۷۰۶ رہ

ؔ حاشیہ اشرف علی مرحوم برادر خورد مولوی منفعت علی کا بیان ہے کہ انہوں نے ایسی دستاویزات دیکھی ہیں۔

Marfat.com

جاتے ہیں جن کا تعلق چوہان اور مغل بھر سادہ سے رہ جاتا ہے مذکورہ ٹیبل میں مغل بھر سادہ کی مردم شماری ۱۵۰۸ درج ہے جب کہ چوہان ۲۵۷ اس طرح سے غیر متعین آبادی صرف ۹۰۰ افراد کے قریب رہ جاتی ہے جو مختلف گاؤں میں بحیثیت مشترک زمیندار کے ہیں زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ یہ باقی ماندہ لوگ گوجر اور بڑگوجر راجپوت ہوں۔ مغل بھر سادہ کے متعلق یہ گمان ہے کہ ان کی زیادہ آبادی موضع نگلہ میں ہو جو حضرت مرزا مظہر جان جاناں کی جاگیر تھا۔

رپورٹ مردم شماری ۱۹۳۱ء مطبوعہ الہ آباد ۱۹۳۳ء پارٹ اے صفحہ ۵۲۸ پر مسٹر اے سی ٹرنر آئی سی ایس لکھتا ہے۔

"There are large claims that have been putup before the Government to classify properly or accurately the castes of various persons"

ترجمہ :- حکومت کے سامنے بہت سے دعوے دائر کئے گئے جن میں مختلف افراد کی ذات ٹھیک اور صحیح طریقے سے مرتب کیجانے کی استدعا کی گئی۔

آگے چل کر صفحہ ۵۲۰ پر لکھتا ہے کہ اس قسم کے دعوے دائر کرنے کے لئے لوگوں نے بہت سی سوسائیاں بنالی جو دعوے کمشنر برائے مردم شماری کے سامنے پیش کئے گئے ان میں گاڑوں کے متعلق درج ہے کہ۔

"گاڑوں کے لیے دعویٰ مظفر نگر سے انجمن گاڑہ کی طرف سے آیا کہ ان کی اصلی ذات راجپوت ہے اس لئے ان کو راجپوت لکھا جائے" (اس زمانے میں غالباً ڈپٹی عبدالرحیم گاڑہ) کے اس انجمن کے صدر تھے اس لئے دعویٰ مظفر نگر سے بھیجا گیا [1]

---

[1] حاشیہ جولاہوں کے لئے شیخ مومن یا شیخ انصاری کا دعویٰ جمیعت المومنین کلکتہ سے آیا مراثیوں کیلئے شیخ قریشی کا دعویٰ جمیعت القریش میرٹھ سے آیا قصابوں کے لیے شیخ قریشی کا دعویٰ جمیعت اہل قریش مراد آباد سے آیا۔

Marfat.com

فصل دہم

برادری بنانے کی وجوہات

یہ حقیقت سب ہی مورخین اور محققین کے نزدیک مسلمہ ہے کہ مسلمانوں میں ذات برادری کا رواج سترھویں صدی عیسوی میں شروع ہوا اور اٹھارویں صدی عیسوی تک بہ تمام ہندوستان میں پھیل گیا۔ اس کی بنیادی وجہ مغل نظام حکومت ہے۔ جس کے تحت ہندوؤں کے معاملات گاؤں کی پنچایت فیصلہ کرتی تھی ان معاملات کا تعلق چاہے جرائم سے ہو یا لین دین سے شادی بیاہ اور دیگر تقریبات کے رسم و رواج سے ہو۔ یا ہمسایہ گاؤں والوں سے تعلقات سے غرض یہ کہ تمام ہی معاملات میں پنچایت خود مختار تھی اور اسکے فیصلے حتمی ہوتے تھے کسی کو انکار کی گنجائش نہ تھی۔ پنچائت میں طبقہ وار سے دھی حسب حیثیت ہوتا تھا جو بڑا زمیندار تھا وہی سرپنچ ہوتا تھا وہی ایک طرح سے افسر گاؤں کا ہوتا تھا تمام مہاجن۔ بنئے۔ بقال اسی کے رحم و کرم پر اپنا کاروبار کرتے تھے۔ یہی انسداد، واردات دیہی کا ذمہ دار تھا اور دوسرے گاؤں والوں سے معاہدہ کر لیتا تھا۔ جس کے تحت رسم و رواج میں شرکت اور چوری کا مال واپس کرنا شامل تھا۔ اسی سرپنچ پنچایت کو یہ بھی حق حاصل تھا راہداری، مال کی آمد و رفت۔ اور ندی نالے عبور کرنے پر محصول عائد کر دے [1]

یہی وہ اسباب تھے جن کے تحت گاؤں میں رہنے والے مسلمان ہندو رسم و رواج کے پابند تھے اور بہت سے غیر شرعی رسم و رواج ان میں ایسے ہی سرایت کر گئے تھے جیسے ہندوؤں میں خاص طور سے اعلیٰ ذات راجپوت سے جو لوگ مسلمان ہوئے اور اپنے قدیم پیشہ زراعت اور گاؤں سے وابستہ رہے۔ ان کا مسلمان ہونا تو ختنہ کرانے اور مندر کے

---

[1] —the Central structure of Mughal Empire P. 339.

[2] قدیم نظام دیہی ہندوستان سر سید احمد خاں علی گڑھ ۱۸۷۸ء صفحہ ۱۱

Marfat.com

بجائے مسجد میں جانے تک محدود ہو گیا تھا۔ باقی تمام امور میں وہ پنچایت کے فیصلوں کے پابند تھے۔ ایسے ہی مسلمان راجپوتوں کے متعلق نیسفیلڈ لکھتا ہے کہ

"As regards the Rajput converts, the main points on which they have preserved the tradition of their origin are the following: 1) They have retained the habit of drinking wine, not withstanding the prohibition of their adopted creed. 2) In selecting a wife (if they can not get one from some Mughal, Pathan or Syed family which some prefer to do if they can). They choose one from som Mohammadan Rajput clan and never from converts of Hindu caste lower than their own. 3) They invariably adopt the hindu rule of Ixogamy, not withstanding the custom observed in high Mohammadan families of marrying with those near of kin. 4) For negotiating such marriages they employ a Brahman, who settles all preliminaries as to dowery etc between the parents of the bride and the bridegroom. 5) In the celebration of the marriage ceremonies they employ a Brahman to fix upon the auspisous day for each part of the performance and to throw the first handful of straw under the canopy or place where the ceremonies are held and they give him the customary fee after Qazi or (a Mohammadan Officer) has given the seal to the union according to Mohammadan rites. 6) In funeral ceremonies, though they have discontinued the Hindu custom of the "Sradha" or funeral feast, they still employ a Brahman and a Maha Brahman for certain services to be rendered to the dead immediately after burial" 1

ترجمہ: جہاں تک نومسلم راجپوتوں کا تعلق ہے۔ مندرجہ ذیل اہم نکات تھا انہوں

لے (Caste System of N.W.P. and Oudh Page 124-125)

Marfat.com

نے اپنے قدیمی رسم ورواج قائم رکھے (۱) انہوں نے شراب پینے کی عادت نہیں چھوڑی حالانکہ ان کے نئے مذہب اسلام میں شراب پینا حرام ہے (۲) نکاح کے لئے ایسی عورتیں منتخب کرتے ہیں اگر ان کو مغل پٹھان، سید جن کو ترجیح دیتے ہیں نہ ملیں (جن کا تعلق مسلم راجپوت خاندان سے ہو۔ اپنے سے ادنیٰ درجہ کے ہندو نو مسلم عورتوں سے ہرگز نکاح نہیں کرتے (۳) خاندان سے باہر کی عورتوں سے نکاح کرنے کا ان میں رواج ہے حالاں کہ مسلمان خاندانوں میں قریب کے رشتہ داروں کی لڑکیوں سے نکاح عام ہے (۴) شادی بیاہ کے معاملات طے کرنے کے لیے برہمن کی خدمات حاصل کرتے ہیں جو ابتدائی مسائل جیسے جہیز وغیرہ دلہا اور دلہن کے والدین سے طے کرتے ہیں (۵) شادی کی تقریبات منانے کے لئے برہمن کی خدمات حاصل کرتے ہیں جو تمام رسومات کے لئے مبارک دن مقرر کرتا ہے اور گھاس کے چند تنکے پھینک کر اس جگہ کا بھی تعین کرتا ہے۔ جہاں پر تقریبات منعقد کی جائیں گی۔ جب قاضی نکاح پڑھا دیتا ہے تو برہمن کو اس کی مروجہ فیس ادا کرتے ہیں۔ (۶) جنازے کی تقریبات میں گو کہ ہندو رواج "سردھا" یا عام دعوت تو بند کر دی مگر برہمن اور مہا برہمن کو سردہ دفن کرنے کے فوراً بعد بلا کر کچھ رسومات ادا کرتے ہیں۔"

مذکورہ بالا غیر شرعی اور غیر اسلامی رواج اس لئے زیادہ عام ہوئے کہ پنچایت ان کے خلاف نہ ہو جائے جو ایسے رسم ورواج کی پابندی کراتی تھی اورنگ زیب عالمگیر شریعت کے معاملات میں سخت گیر تھا اور کسی بدعت کے رواج کی اجازت نہیں تھی چہ جائے کہ غیر شرعی رسومات اس قسم کی رسومات اور پنچایت کا اثر مسلمانوں سے زائل کرنے کے لئے اس نے برادری کے قیام کی ہمت افزائی کی اور عام مسلمانوں کو شرعی احکام کا پابند بنانے کی انتہائی کوشش کی تمام صوبیداروں کو حکم دیا کہ تعلقہ دار اور دیوانی کے تمام عہدہ دار

Marfat.com

ہندوؤں کو برخاست کر کے مسلمان مقرر کئے جائیں[۱] تاکہ گاؤں اور دیہات میں رہنے والے مسلمانوں کی اصلاح اور تعلیم وتربیت پر نگاہ رکھیں مسلمانوں کو پنچایت کی حاکمیت سے خارج کر کے برادری کے تحت کر دیا۔ اور برادریوں کو حکم دیا کہ مسلمانوں میں سے غیر شرعی رسم ورواج کو ختم کریں۔ اور تنازعات طے کرنے کے لئے ثالث مقرر کریں اور ان کے کام کی نگہداشت کریں۔ برادریوں کی تشکیل عام طور سے مسئلہ کفو کے پیش نظر کی گئیں تاکہ شادی بیاہ کے سلسلے میں جو دشواریاں ہیں وہ دور ہو جائیں اور آپس میں ہی شادی بیاہ ہوں اس لئے زیادہ تر برادریاں پیشہ کے اعتبار سے قائم ہوئیں۔ مثلاً زراعت کے پیشے سے منسلک ایسے لوگ جو ہم پلہ ہیں ان کو ایک برادری کے تحت اکٹھا کر دیا گیا۔ ہم پیشہ ہونا آپس میں شادی بیاہ کرنا۔ پنچایت کے اصول مرتب کرنا اور جس گاؤں میں مسلمان اقلیت میں ہوں ان کے تنازعات طے کرنے کے لئے ثالث مقرر کرنا۔ اہم وجوہات ہیں جن کی بنیاد پر تمام شمالی ہند میں برادریاں قائم ہوئیں[۲]

عبدالرحمٰن (سابق رانا جگت سنگھ) کے مسلمان ہونے کے بعد اس کی قوم کے بہت سے لوگ وقتاً فوقتاً مسلمان ہوتے گئے اس کے علاوہ دیگر راجپوت جو مسلمان ہو چکے تھے اور دوسرے اضلاع میں سکونت رکھتے تھے اس کی زمینداری کے علاقہ میں آکر آباد ہو گئے چنانچہ کچھ خاندان اطراف دہلی اور پنجاب کے دیگر علاقوں سے آئے اور یہاں پر سکونت اختیار کی۔ جب یہ تعداد کثیر ہو گئی تو عبدالرحمٰن مذکور نے دوسرے ہم پلہ لوگوں کو شامل کر کے ایک برادری منظم کی اور غیر اسلامی رسم ورواج کو ترک کرنے اور اسلامی علوم کی تبلیغ کا بیڑا اٹھایا اسکے ساتھ علماء کی ایک جماعت رہتی تھی اس نے تمام ایسے علاقوں کا دورہ کر کے جہاں پر راجپوت مسلمان آباد تھے۔ ان کو اس برادری میں شامل کیا اور ان کی تعلیم وتربیت کا بندوبست کیا یہی وجہ تھی کہ گاڑہ برادری سنی ہے امام ابو حنیفہ کے مذہب پر راج

---

[۱] Muslim Communities of Indo-Pak Sub Continent Pages 71, 78

[۲] منتخب اللغات حصہ سوم صفحہ ۱۲۹

Marfat.com

تک قائم ہے اور ان میں سے کوئی بھی شیعہ یا کسی دوسرے مسلک میں شامل نہیں ہوا۔ اٹھارویں صدی عیسوی کے اوائل میں گاڑہ برادری تمام شمالی صوبوں یعنی صوبجات، دہلی، آگرہ اودھ، روہیلکھنڈ اور پنجاب میں قائم ہو چکی تھی۔ مقامی طور سے ہر علاقہ میں تقریباً بارہ بارہ گاؤں کی حدود میں بیاہ داریاں قائم کی، میرٹھ اور بجنور وغیرہ میں اب بھی بعض بیاہ داریاں انہی اصولوں پر قائم ہیں۔ گو کہ انہوں نے نام بدل لئے۔ کوئی شیخ کہلانے لگا اور کسی نے صرف راجپوت کہلانے پر اکتفا کیا۔ مغلوں کے زوال، سکھوں کی سورش اور مرہٹہ انگریز جنگ کی وجہ سے یہ ہم آہنگی ختم ہو گئی اور بجز علاقہ سہارنپور، مظفر نگر اور بعض پنجاب کے علاقوں کے تمام لوگ اس برادری سے خارج ہو گئے اور اپنی اپنی مقامی برادریاں قائم کر لیں تعلیم و تدریس کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور عام مسلمانوں کی طرح اس برادری کے افراد بھی جہل کی تاریکی میں پھنس گئے۔ انگریزوں کی عملداری قائم ہونے کے بعد ایک گونہ امن اور سلامتی کی فضا پیدا ہوئی۔ یہ برادری جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے۔ یعنی مفلسی اور جہل کا شکار ہو گئی اور اپنے اکابرین خاندانی رواداری اور اسلام پسندی کو لاعلمی کی وجہ سے جاری نہ رکھ سکی۔ اس خلا کو پر کرنے کی چینک ان میں موجود تھی ۱۸۹۶ء میں منشی احمد علی نے موضوع پانڈولی میں اس برادری کا ایک بڑا جلسہ منعقد کیا اور دوبارہ منظم کرنے کی داغ بیل رکھی یہی جلسہ بعد کے ایام میں انجمن گاڑہ بننے کا سبب ہوا۔ اس جلسہ میں تعلیم کو عام کرنے کا بیڑا اٹھا گیا۔ اسی جلسہ میں یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ شادی بیاہ کے اخراجات پورے کرنے کے لئے نیوتہ کا طریقہ اپنایا جائے اس طریقہ کے تحت جو لوگ بحیثیت مہمان شریک ہوئے تھے وہ کچھ نہ کچھ رقم میزبان کو دیتے تھے جو ایک طرح کا قرض ہوتا تھا۔ لینے والا اس قرض کو کچھ زیادہ کرکے دینے والے کے یہاں جب ایسی تقریب ہوتی تھی ادا کر دیتا تھا۔ اس کے لئے باقاعدہ بہی رکھی جاتی تھی جو بعض خاندانوں میں اب بھی محفوظ ہے اس صورت سے شادی بیاہ کے اخراجات کا بوجھ سب ملکر بانٹ لیتے تھے۔

Marfat.com

فصل یازدہم

دینی مدارس کا قیام:

۱۳۳۶ھ بمطابق ۱۹۱۸ء میں ایک دینی تعلیم کا مدرسہ بمقام موضع ریڑھی تاجپورہ میں قائم ہوا ابتدا میں اس کے معلم منشی علی محمد پانڈولی تھے۔ اس درس گاہ نے درجہ بدرجہ ترقی کی اور ۱۳۴۳ھ میں ڈپٹی عبدالرحیم صاحب جو محکمہ انہار میں ڈپٹی مجسٹریٹ تھے۔ پنشن پانے کے بعد اس درسگاہ کی سرپرستی کی مذکورہ ڈپٹی صاحب انجمن گاڑہ کے صدر بھی تھے۔ نہایت متقی اور پرہیزگار آدمی تھے کسی ایسی تقریب میں شریک نہیں ہوتے تھے جہاں پر غیر اسلامی رسم ورواج ادا کی جاتی ہوں اس وقت یہ درس گاہ جامعہ اسلامیہ کے نام سے موسوم ہے۔ خطبہ استقبالیہ مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۸۳ء کے مطابق اس جامعہ میں ۲۱۔ اساتذہ کے علاوہ ۲۰ دوسرے ملازمین تعلیمی اور انتظامی شعبہ جات۔ ۲۳ کل تعداد طالب علم ۷۶۵ جن میں سے ۴۰۵ مقیم تھے جن کے کھانے اور رہائش کا مفت بندوبست جامعہ مذکورہ کے ذمہ تھا۔ ایک بڑا کتب خانہ جس میں کتابوں کی تعداد ۶۶۰۰ تھی۔ نصاب تعلیم تقریباً وہی ہے جو دارالعلوم دیوبند کا ہے۔ درس نظامی کے آخری مراحل تک تعلیم کا انتظام ہے۔ جامعہ کے انتظام کے لیے ایک مجلس شوریٰ ہے۔ اور اہتمام کے فرائض ایک مہتمم کے ذریعہ جس کو مجلس شوریٰ نامزد کرتی ہے انجام پاتے ہیں۔ صدر مدرس مولوی اصغر علی صاحب جو دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہیں اور اس جامعہ سے گزشتہ پچاس سال سے وابستہ ہیں انتہائی نیک سیرت، مخلص متقی بزرگ ہیں۔

دوسرا مدرسہ باغوں والی و بجھیڑی ضلع مظفر نگر میں بنام مدرسہ عربیہ خادم العلوم ۱۳۴۵ھ بمطابق ۱۹۳۰ء میں قائم ہوا۔ اس درس گاہ کی سرپرستی بھی ڈپٹی عبدالرحیم صاحب نے کی۔ بعد کے ایام میں برادری کے مخلص کارکنوں اور مالی امداد سے اس درس گاہ نے بہت ترقی کی۔ ۱۹۶۶ء میں اساتذہ اور دیگر ملازمین کی تعداد ۴۶ کتب خانہ میں ۷۶۸۵ کتابیں طلبا کی تعداد ۸۱۳۔ جس میں۔ یوپی۔ بہار۔ بنگال۔ دہلی منی پور۔ آسام گجرات کے طلباء شامل ہیں۔ ان میں سے ۴۰۵ طلبا مقیم ہیں جن کو کھانا۔ رہائش۔ روشنی

Marfat.com

وغیرہ مدرسہ کی انتظامیہ مفت مہیا کرتی ہے۔ نصاب تعلیم بنیادی طور سے دینی ہے اور مشکوٰۃ جلالین اور بیضاوی تک تعلیم دی جاتی ہے۔ مدرسہ کا انتظام صدر اعلیٰ۔ صدر شوریٰ۔ مینجر۔ ممبران شوریٰ۔ ممبران منتظمہ۔ نگران مالیات۔ نگراں تعلیم اور مہتمم کے توسط سے ہوتا۔ سالانہ امتحانات، دارالعلوم دیوبند۔ مظاہر العلوم سہارنپور کے تجربہ کار اساتذہ لیتے ہیں (ماخوذ از مختصر تعارف و اجمالی حالات مدرسہ اسلامیہ عربیہ خادم العلوم باغوں والی بچھیڑی ضلع مظفر نگر از مولانا الحاج محمد حنیف صاحب مہتمم مدرسہ مطبوعہ ۱۹۸۸ء)

دارالعلوم دیوبند میں پہلے ۶۴ سالہ دور یعنی ۱۲۸۳ھ تا ۱۳۴۷ھ میں طلباء کی مجموعی تعداد ۷۰۹۰ تھی[1]۔ جامعہ ریڑھی تاجپورہ میں پہلے ۶۵ سالہ دور میں یہ تعداد ۶۷۰۵ اور مدرسہ عربیہ خادم العلوم میں پہلے ۵۸ سالہ دور میں ۸۱۳ ہے مذکورہ بالا دونوں مدارس سے نہ تو کوئی رسالہ طبع ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی دوسرا موثر طریقہ پروپیگنڈہ کے لیے اپنایا گیا اس لیے باوجودیکہ ان کی خدمات دارالعلوم سے بحیثیت تعداد طلباء کسی بھی صورت کم نہیں مگر ان مدارس کی شہرت عامۃ الناس میں نہیں۔

---

[1] تاریخ دارالعلوم دیوبند از مولانا محمد طیب نمبر ۹۶

Marfat.com

[illegible]

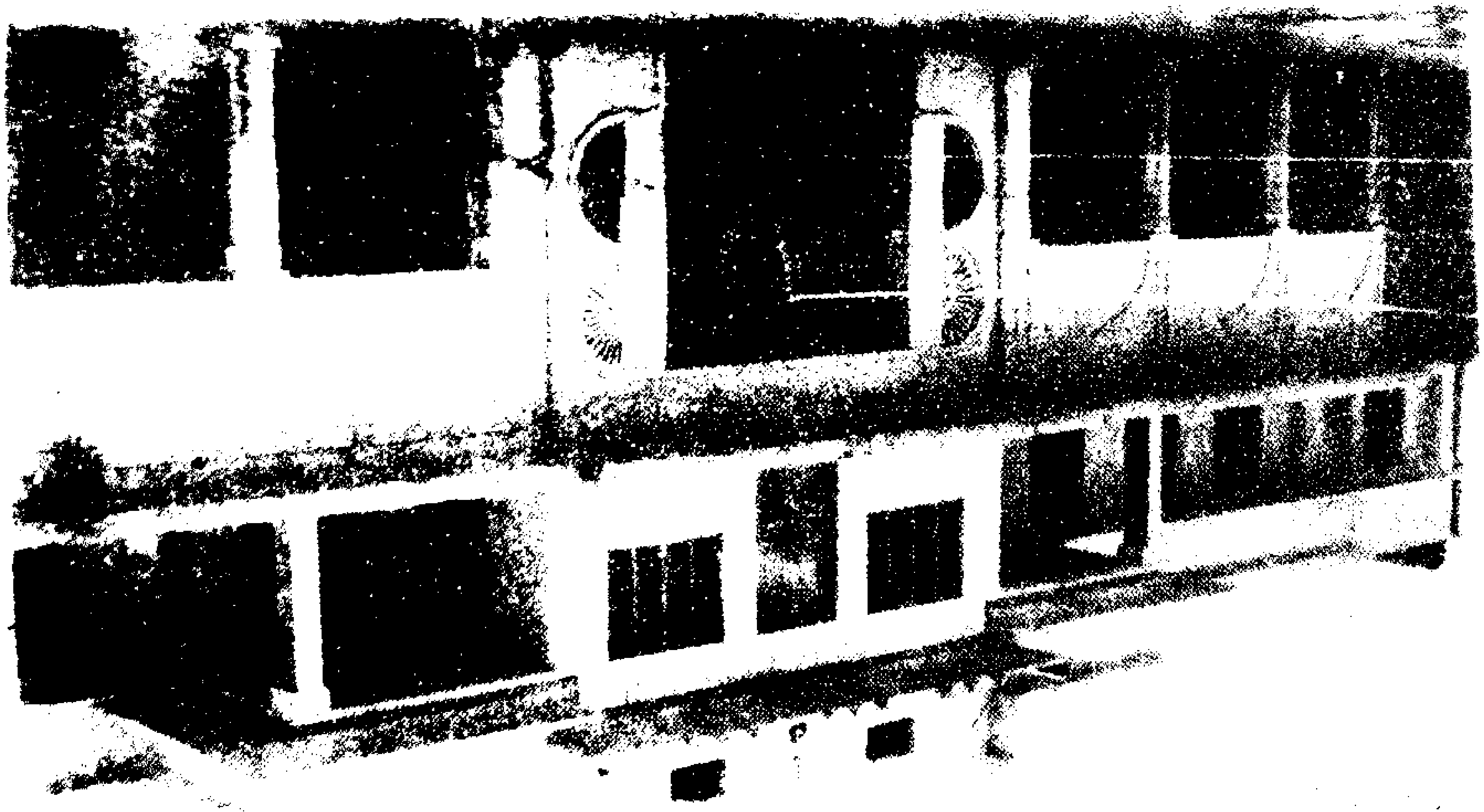

Marfat.com

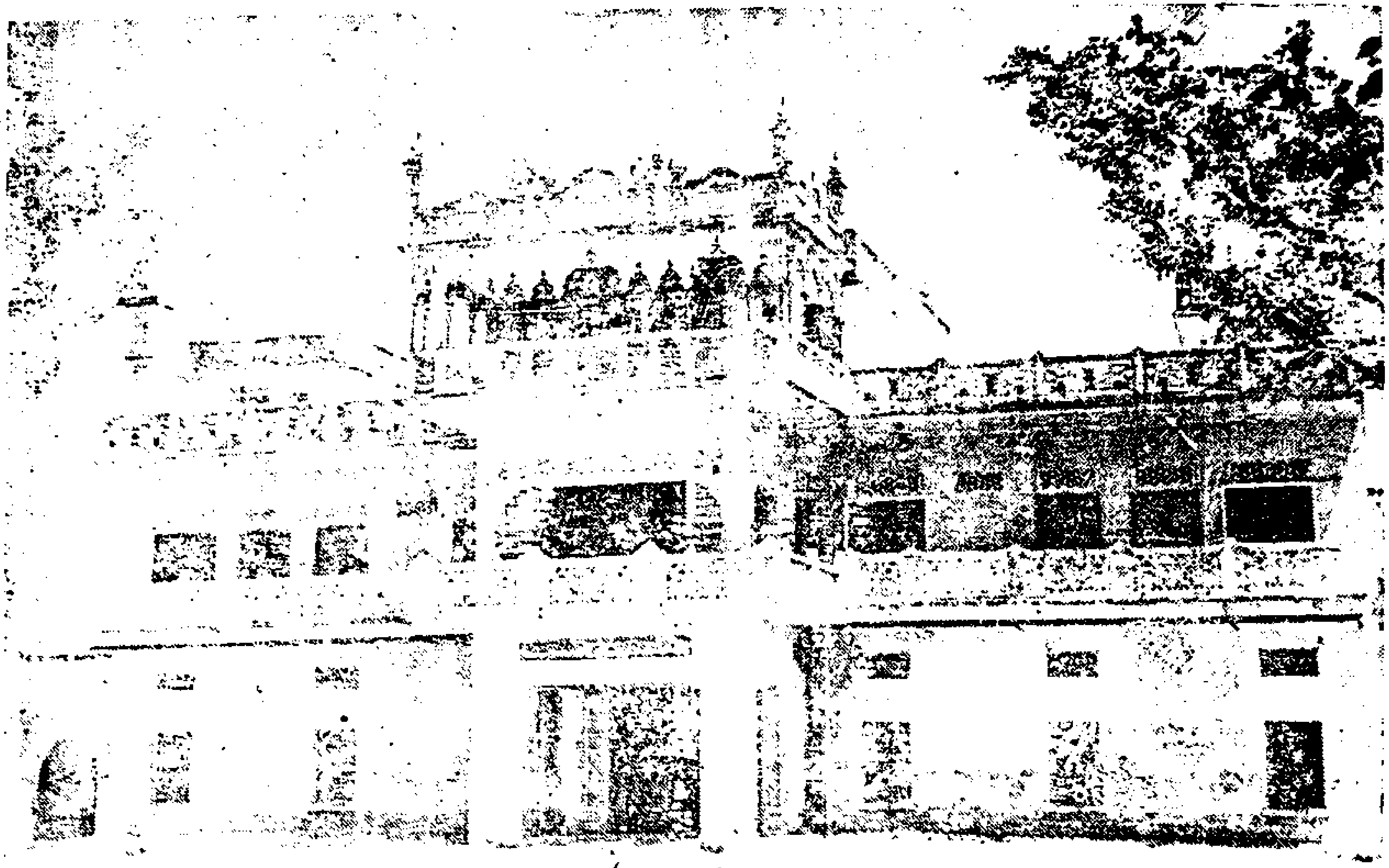

جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ ضلع سہارنپور کی عمارت کا ایک منظر۔

Marfat.com

فصل دوازدہم

اکابرین قارا برادری

صف اول کے اکابرین میں مولوی منفعت علی ابن حاجی محمد قاسم ابن حبیب اللہ ہیں۔ موضع باغوں والی ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے نسلی نسبت جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے انصاری ہے ان کے دادا حبیب اللہ اپنے زمانے میں علاقہ کے سرکردہ رہنماؤں میں شامل تھے ہر دل عزیزی کا یہ عالم تھا کہ علاقے کے تمام افراد ان کے حکم پر جان قربان کرنے کو تیار ہو جاتے تھے۔۔ ۱۸۵۷ء کی جدوجہد آزادی میں حصہ لیا اور مولوی امداد علی متوطن مظفر نگر کی پشت پناہی کی۔ مولوی منفعت علی مرحوم حضرت اشرف علی تھانوی کے مریدان خاص اور مجاز صحبت تھے خواجہ عزیز الحق صاحب مرحوم نے اپنی کتاب موسومہ خاتمۃ السوانح مطبوعہ کراچی ۱۹۶۳ اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم نے "افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ" مطبوعہ دیوبند ۱۳۴۵ھ بمطابق ۱۹۲۶ء میں تذکرہ لکھا ہے۔ پروفیسر احمد سعید "بزم اشرفیہ کے چراغ" نامی کتاب میں زیادہ تفصیل سے روشنی ڈالی۔ اس کے مندرجات صفحہ ۲۴۰ تا ۲۴۳ من وعن نقل کیے جاتے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

مولوی منفعت علی: مجازِ صحبت

آپ کی پیدائش ضلع مظفر نگر میں ۱۸۸۵ء کو ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر دلوائی۔ نماز روزے کا بچپن سے بے انتہا شوق تھا آپ کے والد صاحب آپ کو انگلینڈ بھیجنا چاہتے تھے مگر حضرت تھانوی کا مشورہ اس کے خلاف تھا اس لیے نہ جا سکے۔ میٹرک کرنے سے پہلے آپ نے حضرت تھانوی کے ہاتھ پر ۱۹۰۶ء یا ۱۹۰۷ء میں بیعت کر لی تھی۔ ۱۹۱۲ء میں علی گڑھ سے بی اے اور ۱۹۱۴ء میں ایل ایل بی کیا۔ ہمیشہ تعلیم میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ ۱۸ اگست ۱۹۱۴ء کو سہارنپور میں وکالت شروع کی:۔ باوجود نئے شہر میں وکالت شروع کرنے کی طبیعت میں اس قدر قناعت اور اللہ کی ذات پر بھروسہ تھا کہ اپنے والد صاحب مرحوم کی جائیداد میں نہ کوئی حصہ لیا اور نہ اپنے سب سے چھوٹے بھائی اشرف علی کو حصہ دلوایا۔ آپ کی شادی کے وقت آپ کی بیوی کی عمر ۱۵/۱ سال تھی اور چونکہ

Marfat.com

وہ ڈی ایس پی محمد ہاشم صاحب کی صاحبزادی تھیں اور انگریزی ماحول کی وجہ سے قرآن شریف کی تعلیم بھی حاصل نہیں کی تھی اس لیے آپ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ گھر پر ایک خاتون رکھ کر انہیں قرآن شریف کی تعلیم دلوائی۔ یہ آپ ہی کی صحبت کا اثر تھا کہ انہوں نے ۱۶ سال کی عمر سے نماز روزہ اور تہجد شروع کیا تو آخر وقت تک بحالت علالت اشاروں تک سے نماز ادا کی۔

۱۹۳۴ء میں جب آپ کے بڑے لڑکے کا انتقال ہوا تو اس کے بعد آپ نے انگریزی لباس بالکل ترک کر دیا اور جتنا وقت وکالت سے بچتا تھا وہ حضرت تھانوی کی خدمت میں گزارتے تھے اسی دوران میں آپ نے مولانا محمد یحییٰ صاحب (والد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب دار العلوم سہارن پور) سے عربی کی تعلیم شروع کی ۱۹۳۲ء میں حج کے لیے تشریف لے گئے اس وقت سٹیشن پر اس قدر ہجوم تھا کہ لوگوں کا کہنا تھا کہ جب حضرت رائے پوری حج کے لیے تشریف لے گئے تھے تب ہی اتنا ہجوم دیکھنے میں آیا تھا۔

حضرت تھانوی آپ سے بے حد محبت فرماتے تھے اور حضرت تھانوی کے سہارن پور میں آمد کے وقت قیام آپ کے یہاں ہی ہوتا تھا۔ ۱۹۴۷ء میں آپ نے جب مسلم لیگ کے ٹکٹ پر یوپی اسمبلی کا انتخاب لڑا تھا تو حضرت تھانوی نے ایک استفتاء کے جواب میں کہا تھا کہ مولوی منفعت علی کو ووٹ دیا جائے۔ یہ حضرت تھانوی کی دعاؤں کا ہی نتیجہ تھا کہ آپ کو الیکشن میں کامیابی حاصل ہوئی۔ الیکشن سے پیشتر آپ نہایت وثوق سے کہتے تھے کہ میں ایک ہزار ووٹ سے شکست دوں گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

آپ کے والد صاحب اور والدہ صاحبہ دونوں حضرت تھانوی سے بیعت تھے۔ حضرت تھانوی نے آپ کو اپنے مجازین صحبت میں شامل کیا تھا کوئی محفل ایسی نہیں ہوتی تھی جس میں آپ مذہب یا حضرت تھانوی کا تذکرہ نہ کرتے ہوں۔ آپ کو حضرت تھانوی سے زمانہ طالب علمی ہی میں عقیدت پیدا ہو گئی تھی اور جب آپ حضرت کو کوئی ہدیہ پیش کرتے تو آپ واپس کرتے ہوئے فرماتے کہ ابھی تو تمہارا مجھ پر حق ہے اور فرمایا کہ اگر میں اسی طرح ہدایہ لینے لگوں تو سونے کی دیواریں کھڑی کر لوں۔ حضرت تھانوی بھی آپ سے بہت محبت فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ جب حضرت تھانوی نے لاہور کا سفر اختیار فرمایا اور واپسی پر آپ سہارن پور تشریف لے گئے تو سٹیشن

Marfat.com

سے اتر کر سیدھے آپ کے گھر تشریف لے گئے وہاں کچھ دیر ٹھہر کر شربت نوش فرمایا۔ پھر مدرسہ مظاہر العلوم تشریف لے گئے۔ واپسی پر مولانا ظہور الحسن نے اطلاع دی کہ مولانا رحم علی صاحب نے دعوت کا انتظام کیا ہے مگر مولوی منفعت علی صاحب کو افسوس ہے کہ میں اس سعادت سے محروم رہا جاتا ہوں اس پر حضرت تھانوی نے فرمایا "منفعت پر رحم مقدم ہے"۔ ۱۹۲۵ء میں آپ نے حضرت تھانوی سے وکالت چھوڑنے کا مشورہ کیا کہ اس میں جھوٹ سے کام لینا پڑتا ہے مگر حضرت تھانوی نے فرمایا کہ اس وقت تمہاری پوزیشن وکلا میں سب سے اونچی ہے اور جب تک اس سے بہتر ذریعہ معاش نہ ملے میرا مشورہ یہ ہے کہ اسے ہی جاری رکھو۔ فرمایا کہ "صبح کو اجابت صاف ہو جائے تو جان سلامت اور دو وقت پیٹ بھر کر روٹی مل جائے تو ایمان سلامت"

آپ کو اللہ پر توکل اور اعتماد اس قدر تھا کہ آپ کی وکالت شروع ہوئے پندرہ دن ہی گزرے تھے کہ شہر کے دو معزز اصحاب تشریف لائے اور مشورہ دیا کہ اگر شہر کے معززین اور مجسٹریٹوں وغیرہ سے ملتے رہو گے تو وکالت میں کافی مدد مل سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس پر اگر اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائیں کہ اب تم نے خود ہی اپنے رزاق ڈھونڈ لیے ہیں تو میرا کیا بنے گا اس لیے شہر کے کسی بھی رئیس آدمی یا مجسٹریٹ سے نہیں ملے۔

آپ میں اسلامی ہمدردی اس قدر تھی کہ اس معاملہ میں شمشیر برہنہ تھے اور کسی کی بھی پرواہ نہیں کیا کرتے تھے۔ ۲۴، اگست ۱۹۴۳ء کو سہارن پور میں بلوہ ہوا جس میں مسلمانوں کی گرفتاریاں یکطرفہ طور پر عمل میں آئیں اور تقریباً دو سو مقدمات قائم کیے گئے۔ حکومت کے خوف کے سبب کوئی مسلمان آگے نہیں آ سکتا تھا۔ ایسے میں آپ نے ڈی آئی جی سے ملاقات کی اور مسلمان وکلاء کا ایک بورڈ بنا دیا جس نے مقدمات کی بلا فیس پیروی کی یادداشت کا یہ عالم تھا کہ سب مقدمات زیادہ تر زبانی لڑا کرتے تھے اور اگر کسی گواہ نے کوئی بیان دیا تو فوراً عدالت میں ٹوک دیا کرتے تھے کہ اس سے دو ماہ قبل فلاں عدالت میں تمہارا بیان اس سے مختلف تھا۔ باوجودیکہ یوپی کے ہر بڑے شہر میں وہاں کے معززین سے ملاقات کی مگر پاکستان آنے پر بالکل گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔

۱۹۴۶ء میں یوپی کے الیکشن میں مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی اور لیاقت علی خان نے جب الیکشن میں دوبارہ کھڑے ہونے پر بہت زور دیا تو فرمانے لگے کہ میرے پیر و مرشد

Marfat.com

مجھ سے پردہ کر گئے ہیں اور میرا دعا کرنے والا کوئی نہیں رہا۔ عدم دلچسپی کے باوجود آپ کو الیکشن میں کامیابی حاصل ہوئی۔

آپ ہمیشہ ٹخنوں سے اوپر پائجامہ، معمولی جوتے، معمولی شیروانی اور ململ کی ٹوپی میں ملبوس رہتے اور اسی لباس میں عدالت، ہائی کورٹ کے ججوں کے ڈنر اور یوپی اسمبلی کے سیشن میں شرکت فرماتے۔ لوگ آپ کی بے حد عزت کرتے۔ اپنے والدین کی بے انتہا فرمانبرداری کیا کرتے اور کہتے تھے کہ وکالت میں کامیابی ان کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔ لوگوں نے کہا کہ لوگ آپ سے بہت حسد کرنے لگے ہیں تو فرمایا کہ مزید دو رکعت نماز شکرانہ ادا کروں گا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عزت دی ہے کہ جس کی وجہ سے لوگ حسد کرنے لگے۔

آپ کو زندگی میں کبھی وقت ضائع کرتے نہیں دیکھا اور ہر چیز وقت پر ایک مشین کی طرح کرتے تھے جس میں بے انتہا ربط و ضبط ہوتا تھا۔ وکالت کی کتابوں کی کئی الماریاں بھری ہوئی تھیں مگر ترتیب کا یہ عالم تھا کہ اگر روشنی نہ ہوتی تو صرف شمار کر کے مطلوبہ کتاب نکال لیتے تھے۔ بڑے سے بڑے رئیس سے بھی کرسی سے اٹھ کر ہاتھ نہیں ملاتے تھے مگر حضرات علماء کے جن کو نہ صرف دور تک لینے کے لیے آتے تھے بلکہ دروازے تک باہر بھی چھوڑ آتے تھے۔ تمام وقت جو وکالت سے بچتا تھا وہ یا دارالعلوم سہارنپور یا تھانہ بھون میں گزارتے تھے۔

آخری ایام میں علالت کے دوران سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں ہمیشہ داہنی کروٹ سوتے تھے اور دایاں ہاتھ گال کے نیچے ہوتا تھا یہاں تک کہ پہلو پر زخم پڑ گیا تھا۔ انتقال کے وقت چہرے پر سکون کے آثار غالب تھے۔ انتقال سے دو روز پہلے غشی طاری ہو جاتی تھی اور ہر مرتبہ ہوش آنے پر پہلا سوال یہ تھا کہ کیا نماز ادا ہوئی ہے یا نہیں۔ ۵ فروری ۱۹۴۹ء کو کراچی میں آپ کا انتقال ہو گیا۔

منشی حبیب احمد:

منشی حبیب احمد مولوی منفعت علی کے خالہ زاد بھائی تھے۔ اندازاً ۱۸۶۷ء مطابق ۱۲۸۴ھ موضع پانڈولی میں پیدا ہوئے۔ سلسلہ نسب یوں ہے۔ منشی حبیب احمد ولد مولا بخش ولد کریم بخش

Marfat.com

ولد حبیب اللہ ولد نور محمد روایت یہ ہے کہ نور محمد مرزا مظہر جان جاناں کے مرید تھے۔ اور صوفیانہ روش پر تمام زندگی قائم رہے۔ ان کے لڑکے حبیب اللہ نے بھی مرزا صاحب مذکور کا زمانہ پایا اور انہیں سے راہ سلوک میں مستفید ہوئے۔ اس کے بعد ان کی اولاد شاہ غلام علی سے منسلک رہی۔ غرض یہ کہ تمام اہل خاندان عمل و علم میں انہی حسب وسعت بزرگان دین اسلام سے مستفید ہوتے رہے۔ اور اسی ماحول میں منشی حبیب احمد نے آنکھ کھولی۔

گاؤں میں مولوی عبدالصمد جن کا تعلق بڑریہ کے صوفیا اور علماء خاندان سے تھا قرآن شریف اور حدیث کا درس دیا کرتے تھے ابتدائی تعلیم منشی حبیب احمد نے انہیں سے حاصل کی بچپن سے ہی پابند صوم وصلوٰۃ اور تہجد گزار تھے۔ اور طبیعت علم وعمل کی طرف راغب تھی۔ عشاء کی نماز کے بعد چند گھنٹے آرام کرتے اور تہجد کے وقت مسجد میں چلے جاتے۔ تہجد کے نوافل کے بعد ذکر واذکار میں مشغول رہتے اور نماز فجر کے بعد مسجد سے نکلتے۔

اس زمانے میں سحر و ساحری کا بہت زور تھا۔ اس کیفیت کی طرف مولانا زکریا نے مولانا حسین احمد مدنی کے مسحور ہونے کی طرف اشارہ کیا۔ کتاب موسومہ "یاد ایام" کے صفحہ ۴۲۶ پر لکھتے ہیں کہ "۱۹ صفر سے حضرت پر نظر کا زیادہ اثر محسوس ہوا ہر کھانے پینے کی چیز سے امتلا ہونے لگا۔ سحر کا اثر تو تقریباً سال بھر سے محسوس کیا جا رہا تھا اور اس کے ازالے کی تدبیریں بھی ہو رہی تھیں۔ غرض یہ کہ اس زمانے سے پہلے تو سحر کا چرچا اور بھی زیادہ تھا۔ منشی حبیب احمد ردِ سحر میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور لوگ دور دور سے آکر سحر کے ازالے کے لیے ان سے رجوع کرتے تھے۔ مشہور ہے کہ اس زمانہ سحر کی ایک قسم بنام "مٹھ" بہت عام تھی جس کے ذریعہ ساحر اپنے مسحور کو ہلاک کر دیتا تھا۔ ایک دفعہ ایک شخص حاضر خدمت ہوا اور اس شک کا اظہار کیا کہ اس کو اپنی جان کا خطرہ ہے کیونکہ کسی طرف سے "مٹھ" کے آنے کا خطرہ ہے۔ منشی حبیب احمد نے اس کو کوئی وظیفہ بتلایا اور ردِ سحر کے ازالے کے لیے خود بھی اقدام کئے۔ چنانچہ ایک دن وہ "مٹھ" ظاہر ہوئی۔ اور اس شخص نے اس وظیفہ کا ورد کیا جس کا اس سے کہا گیا تھا اور وہ "مٹھ" واپس چلی گئی۔ چند ایام کے بعد معلوم ہوا کہ سحر کرنے والا خود اس کی زد میں آگیا اور ہلاک ہوا۔ اسی صورت سے منشی صاحب کو مذکور کا سانپ کی نظر بندی کا عمل بھی معلوم تھا۔ اور یہ مشہور رہے کہ ان کے زمانے میں گاؤں میں

Marfat.com

کوئی شخص بھی سانپ کے کاٹنے کا شکار نہیں ہوا۔ اور اس صورت منشی صاحب کی ذات سے بہت سی خلق خدا کو فائدہ پہنچا۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد منشی حبیب احمد نے بیرسٹر عبداللہ جان سے قانون کی تعلیم حاصل کی مذکورہ بیرسٹر پہلے مسلمان تھے جنہوں نے قانون کی تعلیم انگلستان سے حاصل کر کے سہارنپور میں وکالت شروع کی۔ ان کا اصل وطن تو آسام تھا مگر وکالت کی غرض سے سہارنپور میں قیام رکھتے تھے اس زمانے کے تمام وکلاء ان ہی کے شاگرد تھے۔ ان کا شمار شہر کے نمبر ایک وکیلوں میں سے تھا۔ منشی حبیب نے قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد دیوانی عدالت میں مختار کی حیثیت سے وکالت شروع کر دی۔ زمینیات کی پیمائش اور اقسام میں بہت ملکہ تھا۔ عدالت ان کی رائے کو ان موضوعات پر بہت اہمیت دیتی تھی۔ اکثر انگریز افسران بھی ان سے متاثر تھے۔ منشی حبیب احمد کے خالو حاجی محمد قاسم حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے مرید تھے اس لیے ان کے ساتھ اکثر تھانہ بھون جانا ہوتا تھا اور بعد میں اپنے خالو کی ترغیب سے حضرت تھانوی سے بیعت کر لی تھی۔ جب طبیعت پر زہد و تقویٰ کا رنگ غالب ہو گیا تو دیوانی عدالت کی وکالت بھی اس لیے چھوڑ دی کہ بعض مقدموں میں جھوٹ بولنا پڑتا تھا یا کسی جھوٹے مقدمے کی پیروی کرنی پڑتی تھی۔

وکالت چھوڑنے کے بعد گاؤں میں رہائش اختیار کر لی اور زمینداری کی طرف توجہ دی تو اللہ تعالیٰ نے رزق میں برکت دی۔ جب ان کے لڑکے بڑے ہو گئے تو زمینداری کا کام انہوں نے سنبھال لیا اور منشی صاحب مذکور نے قریب کے گاؤں میں ایک مدرسہ کھول لیا اور بچوں کو مفت تعلیم دیتے تھے ۱۹۸۰ء کے عشرے میں ایسے لوگ موجود تھے جنہوں نے ابتدائی تعلیم منشی صاحب مذکور سے حاصل کی اور مزید تعلیم حاصل کر کے وکالت کا پیشہ اختیار کیا اور مشہور ہوئے۔

۱۹۲۰ء کے بندوبست میں انگریز افسر بندوبست نے پیمائش اور اقسام زمینات کے تعین کے لیے منشی صاحب مذکور کو محکمہ بندوبست میں مقرر کر لیا اور ان کے علم سے بہت متاثر ہوا بہت سے گاؤں کا بندوبست ان کی تشخیص کردہ رقم پر کیا۔ بندوبست کے اختتام پر کچھ رقم انعام کے طور سے انگریز حکمران نے دینی چاہی مگر منشی صاحب مذکور نے لینے سے انکار کر دیا اور کہلا بھیجا کہ ہمارے بزرگوں نے کبھی بھی اپنے علم کی قیمت وصول نہیں کی۔

Marfat.com

عمر کے آخری ایام میں قرآن شریف لکھنا شروع کیا اور جو وقت ذکر واذکار سے بچتا اس میں قرآن مجید کی کتابت کیا کرتے تھے۔ ان کا لکھا ہوا قرآن مجید گاؤں کی جامع مسجد میں ۱۹۴۶ء تک رکھا ہوا تھا۔ کتابت بہت عمدہ تھی۔ تحریر سے یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ یہ قرآن مجید مطبوعہ ہے یا صرف کتابت کیا ہوا۔

مثنوی مولانا روم اکثر زیر مطالعہ رہتی تھی، اور لوگوں کو بھی اس کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد بھی بہت سے ایسے لوگ موجود تھے جنہوں نے مثنوی مولانا روم کی تعلیم منشی صاحب مذکور سے حاصل کی تھی اور ایسے باریک نکات بیان کیا کرتے تھے جس سے ان کے استاد کے مکمل عالم ہونے کی شہادت ملتی تھی۔

۱۹۳۷ء میں انتہائی علیل ہوتے کے باوجود الیکشن میں اپنے خالہ زاد بھائی مولوی منفعت علی کے لیے کام کیا اور اسی سال بعمر ۰ ے سال انتقال ہوا۔ ان کے دادا منشی کریم بخش ۱۸۶۰ء میں زندہ تھے اور گاؤں کے سرکردہ لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ بندوبست ۱۸۶۰ء میں متعلقہ بندوبست رجسٹر پر اہل گاؤں کی طرف سے ان کے دستخط اس بات کی شہادت فراہم کرتے ہیں یہ رجسٹر ملھا رنپور محافظ خانے میں موجود ہے۔

تمام زندگی۔ گرکھا۔ ٹخنوں سے اونچا پاجامہ اور پگڑی زیب تن کی۔

(ماخوذ از ذاتی یادداشت حاجی محمد علی)

منشی علی احمد:

منشی علی احمد جون ۱۸۵۷ء میں موضع پانڈولی میں پیدا ہوئے ان کا تعلق منشی حبیب احمد کے کنبے سے تھا۔ اولاً فوج میں ملازمت اختیار کر لی تھی اور ۱۸۸۰ء کی جنگ افغانستان میں شریک تھے کسی مہم پر ایک انگریز کرنل کی جان بچائی۔ ۱۸۸۱ء میں جب انگریز فوج افغانستان سے نکل آئی تو ان کو تمغہ اور انعام دیے گئے۔ کچھ جاگیر بھی منظور ہوئی مگر منشی صاحب مذکور نے جاگیر لینے سے انکار کر دیا اور رڑکی کالج میں انجنیرنگ کی تعلیم کی خواہش کی جس کو حکومت نے منظور کر لیا اس کالج سے انجنیرنگ کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد محکمہ انہار میں ملازم ہوگئے اور نہر گنگا شرقی پر متعین ہوئے۔

Marfat.com

نہر میں کوئی ایسا شگاف پڑ گیا جس کے لیے بہت سے وسائل اور آدمیوں کی ضرورت تھی منشی علی احمد کی تحریک پر۔ گاؤں پانڈولی۔ نلہیڑہ۔ بیلڑہ کے لوگوں سے اس کام کی تکمیل کو اس شرط پر کرنا منظور کر لیا کہ ٹھیکے کی رقم سے موضع پانڈولی میں ایک عالی شان مسجد بنائی جائے چنانچہ کام کی تکمیل کے بعد ۱۸۹۸ء میں مسجد کی تعمیر شروع ہوئی۔ اور ۱۹۰۱ء میں مکمل ہوئی۔ یہ مسجد بڑی وسیع و عریض ہے تین بڑے گنبد چار مینار۔ سامنے کے دو میناروں کی اونچائی اندازاً پچاس فٹ ہے۔ حمام اور گرم پانی کا انتظام بھی۔ یہ مسجد بہت دور سے نظر آتی ہے اس جیسی مسجد اطراف میں موجود نہیں۔

منشی علی احمد نے ۱۸۹۶ء میں گاڑہ برادری کا ایک عظیم الشان جلسہ موضع پانڈولی میں منعقد کیا۔ جس میں برادری کو منظم کرتے۔ تعلیم کو فروغ دینے۔ غیر شرعی رسومات کو ختم کرنے اور لوگوں کو دین کی طرف راغب کرنے کی سعی و کوشش کی گئی۔ اور اسی وقت سے انجمن گاڑہ کی داغ بیل پڑی۔ جس کو ڈپٹی عبدالرحیم مرحوم نے اپنے زمانے میں عروج پر پہنچایا۔

منشی علی احمد نے محکمہ انہار سے یکم اگست ۱۹۰۱ء کو استعفیٰ پیش کیا جو مندرجہ ذیل خط کے توسط سے اکیس فروری ۱۹۰۲ء سے منظور ہوا۔

Letter No.5180/A-6 dated 2.12.1901 from N.W.P. Irregation Department to the Executive Engineer Northern D.G. Canal. Conveying acceptance of Regsignation of Munshi Ahmad Ali s/o Noor Mohammad with effect from 21.2.1902 (India Office Library London)

۲۸ نومبر ۱۹۰۲ء تا ۱۹ جون ۱۹۰۶ء تک ضلع کلکٹر کے تحت ملازمت کی اس کے بعد گاؤں میں رہائش پذیر رہے باغات لگوائے اور رہائش کے لیے حویلی بنوائی ان کے اخلاف اب بھی گاؤں میں موجود ہیں۔

منشی امانت علی:

منشی امانت علی کا تعلق موضع محیط پور تحصیل روڑکی سے ہے اپریل ۱۹۴۸ء کو بعمر ۵۷ سال روڑکی

Marfat.com

میں انتقال ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی پیدائش ۱۸۵۳ء میں ہوئی۔

روڑکی انجینئرنگ کالج سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد محکمہ انہار پنجاب میں بحیثیت انجینئر ملازمت اختیار کی دوران ملازمت۔ ملتان۔ لاہور۔ میانوالی اور میرپور میں مقیم رہے۔ ملازمت کی مدت پوری کرنے کے بعد۔ روڑکی میں جائداد خریدی جس میں رہائش کے لیے مکان سرائے اور انیس دکانیں تھیں۔ ان کے لڑکے بنام شوکت علی نے بھی روڑکی کالج سے تعلیم حاصل کی اور پنجاب میں ہی محکمہ انہار میں ملازمت اختیار کی۔ ملازمت سے سبکدوشی کے بعد ملتان میں سکونت اختیار کی اور ۱۹۸۱ء میں بعمر ۸۳ سال انتقال ہوا۔

(ماخوذ ذاتی یادداشت شوکت علی مرحوم)

ڈپٹی مشیت اللہ صاحب مرحوم

قدیم وطن سرساوہ تحصیل نکوڑ تھا۔ ۱۶ اجون ۱۸۹۱ء میں اسی قصبہ میں پیدا ہوئے۔ چھ سال کی عمر تھی کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ چچا نے سرپرستی کی ابتدائی تعلیم قصبہ سرساوہ میں حاصل کی بعد میں نکوڑ تحصیل اسکول سے علم حاصل کیا۔ محکمہ انہار میں ملازم ہوئے۔ ڈپٹی مجسٹریٹ جس کو ڈپٹی ریونیو آفیسر بھی کہا جاتا تھا کے عہدے سے مدت ملازمت پوری کر کے ۱۰ اجون ۱۹۴۶ء کو ریٹائر ہو کر پنشن پائی ۱۹۶۹ء میں بعمر ۸۰ سال انتقال ہوا۔

مرحوم کے پردادا۔ منشی محمد رضا صاحب مغلیہ دور حکومت کے آخری ایام میں نوعمر تھے جدوجہد آزادی ۱۸۵۷ء کے واقعات ان کے سامنے ہوئے جوان کو بخوبی یاد تھے۔ اور ان کی تلخیاں اکثر بیان کیا کرتے تھے۔ برطانوی حکومت کے تسلط کے چند سال بعد انتقال ہوا۔

خاندانی اعتبار سے پیشہ زراعت سے وابستہ تھے اور قصبہ کے بڑے زمینداروں میں شمار تھا۔ انگریزوں نے جب اس ضلع سہارنپور کا انتظام سنبھالا اور زراعت پر نئے سرے سے لگان تشخیص کیا اس وقت منشی محمد رضا کی مملوکہ زرعی زمین تقریباً تین ہزار ایکڑ تھی۔ مہتمم بندوبست نے لگان اور محصول میں غیر معمولی اضافہ کر دیا۔ جو زمین کے پیداواری استطاعت سے زیادہ تھا جس کو ادا کرنے سے قاصر رہے۔ اس لیے اس کے بعد ہر پنج سالہ بندوبست میں زمین کی ملکیت سے دستبردار ہو گئے اور گزر بسر کے لیے تھوڑی سی زمین زیرکاشت رکھی۔ منشی محمد رضا کے تین لڑکے

Marfat.com

ہوئے اول نام کلو جس نے دہلی کے ایک تاجر سے مل کر بہار نپور میں کاروبار کر لیا اور قصبہ سرساوہ سے ترک وسکونت اختیار کی۔ کلو کا ایک لڑکا بنام عبدالرحمٰن پیدا ہوا۔ اس کی تعلیم و تربیت معقول طریقہ سے ہوئی۔ پولیس میں ملازمت اختیار کر لی تھی اور شاہجہان پور کے شہر کوتوال رہے منشی محمد رضا کے دوسرے لڑکے بنام عبداللہ زراعت سے وابستہ رہے۔ عہد شباب میں ۱۸۸۵ء میں انتقال ہوا۔ ان کے لڑکے بنام ڈپٹی مشیت اللہ تھے جن کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے۔ منشی محمد رضا کے تیسرے لڑکے بنام مہربان علی محکمہ جنگلات میں افسر مقرر ہو گئے تھے۔ انگریز حاکموں اور دیگر رؤسا، جو جنگلات میں سیر و شکار کے لیے آتے تھے ان سے بہت متاثر تھے۔ مہربان علی کی اولاد میں ایک لڑکا بنام منشی محمد ابراہیم دہلی اور لاہور میں مقیم رہا اور اپنے زمانے کے اعلیٰ ترین خوشنویسوں میں شمار کیا جاتا تھا۔

روایت یہ ہے کہ منشی محمد رضا کے مورث اعلیٰ قصبہ سرساوہ میں اس وقت آباد ہوئے جب یہ علاقہ مسلمانوں کے ہاتھوں مفتوح ہوا۔ سیاق و سباق سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا تعلق شاید اس لشکر سے ہو جو شہاب الدین غوری کے ساتھ ہندوستان آیا اور یہیں آباد ہو گئے اس قصبہ کے دیگر خاندان جن کی نسبت گاڑہ برادری سے کی جاتی ہے وہ بھی زمانہ قدیم سے یہاں آباد ہیں پہلے زراعت سے وابستہ تھے مگر زمانہ حال میں ان میں سے کافی لوگ ملازمت اور دیگر کاروبار کرتے ہیں۔

(ماخوذ از ذاتی یادداشت ڈپٹی مشیت اللہ مرحوم)

خان صاحب محمد رفیق مرحوم:

ان کا اصل وطن دیوبند ہے۔ محلہ دیوان میں ایک قدیمی حویلی میں رہائش پذیر تھے۔ روایت ہے کہ ان کے مورث اعلیٰ قصبہ جوراسی (جہاں سے مفتی محمد شفیع مرحوم کے آباؤ اجداد کا تعلق ہے) سے ترک سکونت کر کے دیوبند آباد ہو گئے تھے۔ ان کے والد عبدالرحیم مرحوم کا ذریعہ معاش تجارت تھا جن کی منکوحہ منشی مولا بخش مرحوم کی لڑکی تھی۔ اسی خاتون کے بطن سے محمد رفیق صاحب ۱۸۸۷ء میں پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ کا انتقال ۱۸۹۱ء میں ہو گیا تھا اس وقت ان کی عمر صرف چار سال تھی۔ ان کے والد نے دوسری شادی کر لی۔ منشی مولا بخش جو ان کے نانا تھے اور منگلور میں سرکاری اسکول

Marfat.com

میں ہیڈ ماسٹر تھے۔ انہوں نے اپنے پاس لاکر رکھا اور پرورش۔ تعلیم و تربیت کی ذمہ داری اپنے ذمے لے لی۔ ابتدائی تعلیم قصبہ منگلور میں ہی حاصل کی اس کے بعد دیوبند تحصیل اسکول سے علم حاصل کیا تھامسن کالج روڑکی سے انجینیرنگ کا امتحان پاس کیا اور محکمہ انہار میں ملازمت اختیار کی دوران ملازمت جنگ عظیم اول (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) میں بیرون ملک خاص طور سے ایران اور عراق میں سرکاری فرائض کی انجام دہی کے لیے متعین رہے۔

محمد رفیق مرحوم کی شادی محلہ کالستھ واڑہ میں سکونت پذیر ایک شخص مسمی عبدالکریم کی لڑکی سے ہوئی۔ عبدالکریم کا تعلق الہی بخش خان جن کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے کے خاندان سے تھا۔ عبدالکریم کا تعلق پیشہ زراعت سے تھا بڑے وضعدار اور تعلیم یافتہ تھے خاص طور سے فارسی زبان میں زیادہ دسترس تھی۔ اسلامی شعائر کی حرمت۔ احکام کی پابندی۔ پرہیز گار اور متقی شخص تھے یہی صفات انہوں نے اپنی اولاد کو سکھلائی۔

دوران ملازمت محمد رفیق کی کارکردگی کا اعتراف حکمرانوں نے کیا انہوں نے ایک ڈیم بند حصیل کھنڈ میں اپنی زیر نگرانی بنوایا۔ اور کافی عرصہ وہاں مقیم رہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے۔ باندہ۔ مانک پور ہرپال پور۔ جھانسی ہمو با اور علی گڑھ وغیرہ میں بھی فرائض منصبی انجام دیے ۱۹۴۳ء میں بحیثیت ایگزیکٹو انجینیر محکمہ انہار میں مدت ملازمت پوری کرکے ریٹائر ہوئے اور پنشن پائی۔ اسی زمانے میں ان کی کارگزاری کے اعتراف میں حکومت ہند نے خطاب "خان صاحب" کا دیا۔

محمد رفیق صاحب کو اللہ تعالیٰ نے علمی ذوق سے نوازا نہایت متواضع۔ کم گو۔ عزلت نشین تھے اور فلاحی کاموں میں دل کھول کر حصہ لیتے تھے۔ صدقات اور خیرات کو مخفی رکھنا اور محض راہ اللہ کی نیت سے محتاجوں اور ضرورت مندوں کی حاجت پوری کرنا ان کے مزاج کا ایک حصہ تھا۔ احکام شرع پر سختی سے پابند تھے ریاضت و عبادت سے جو فرصت ملتی تو مطالعہ میں منہمک ہو جاتے ان کے کتب خانہ میں تفسیر۔ علم کلام۔ منطق۔ فقہ۔ ریاضیات تاریخ اور ادب کی بیش بہا کتابیں تھیں مگر افسوس کہ ان کی وارثین حفاظت نہ کرسکے اور یہ علمی خزانہ ضائع ہو گیا۔

سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد تقریباً دو سال ریاست بھوپال میں بحیثیت انجینیر کام کرتے رہے مگر دلی کیفیت باطن کی طرف توجہ بڑھ گئی اس لیے ملازمت سے استعفیٰ دے

Marfat.com

دیا عربی زبان کی تعلیم حاصل کی تاکہ شعائر اسلام کی عظمت سے کما حقہ واقفیت ہو۔ اس کے بعد ۱۹۵۸ء میں فریضہ حج ادا کیا۔ واپسی پر مکمل طور سے گوشہ نشینی اختیار کی اور ریاضت اور مجاہدہ میں مصروف ہو کر صفائی باطن اور تنویر قلب کی طرف یکسو ہو کر متوجہ ہو گئے۔

علم و سیاست کے بارے میں ان کی حتمی رائے یہ تھی کہ مسلمانوں کو وہ علوم سکھانے چاہئیں جو دین سے نہ صرف ان کو آگہی کا باعث ہوں بلکہ عمل کی ترغیب بھی ان میں داخل ہو کسب معاش کے ذرائع کی تعلیم بھی ان کے نزدیک بہت اہم تھی حالات حاضرہ پر نظر رکھنا اخبار و دیگر ذرائع ابلاغ سے وابستہ رہنا ان کی خصلت تھی۔ مسلمانوں کی اخلاقی، علمی، مادی، زبوں حالی سے مضطرب رہتے تھے۔ علمائے دین کا سیاست میں ملوث ہونا پراگندہ خیال کرتے۔ ان کے نزدیک دور حاضر کے علماء میں یہ صلاحیت نہ تھی کہ وہ مسلم قوم کے سیاسی پیشوا بن سکیں۔ وہ مسلم دشمنی میں انگریز کو کم اور غیر مسلموں کو زیادہ نقصان دہ سمجھتے تھے۔ علمائے دیوبند کے سیاسی افکار اور رجحانات کے مخالف تھے۔

محمد رفیق مرحوم کا انتقال ۲۹ دسمبر ۱۹۶۰ء کو دیوبند میں ہوا۔ اور مولانا محمود الحسن دیوبندی کے مزار کے قریب مدفون ہیں۔ ایک لڑکا بنام علی جواد صاحب جو حکومت پاکستان میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہو کر ریٹائر ہو چکے ہیں اور کراچی میں مقیم ہیں۔ اور ایک لڑکی جس کی شادی موضع پانڈولی کے معزز خاندان (جس سے منشی علی احمد مرحوم جن کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے کا تعلق ہے) ہوئی اور حیات ہیں۔

(ماخوذ از ذاتی یادداشت علی جواد صاحب)

ڈپٹی محمد اکرم مرحوم :

ان کا تعلق بھی دیوبند سے ہے۔ محکمہ انہار میں ڈپٹی ریونیو آفیسر (ڈپٹی مجسٹریٹ) کے عہدے سے ۱۹۲۰ء کے عشرہ میں ریٹائر ہوئے اس لیے اندازاً ان کی پیدائش ۱۸۶۰ء کے عشرے میں ہوئی ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد محلہ "ضیاء الدین کاڑہ" میں ایک خوبصورت مکان تعمیر کرا لیا تھا اور اسی مکان میں تادم مرگ رہائش پذیر رہے چونکہ لاولد تھے اس لیے تفصیلی حالات کا علم نہ ہو سکا۔ روایت یہ ہے کہ بڑے زمیندار، متقی، پرہیزگار آدمی تھے۔ فلاحی کاموں میں غیر معمولی دلچسپی تھی۔ نام و نمود اور شہرت کو پسند نہیں کرتے آخری عمر عزلت اور گوشہ نشینی میں گذری۔

Marfat.com

ڈپٹی عبدالرحیم صاحب مرحوم :

ڈپٹی صاحب عبدالرحیم کا آبائی وطن موضع گادر ضلع مظفرنگر تھا ان کی ابتدائی تعلیم اور دیگر خاندانی حقائق کا علم کسی معتبر ذریعہ سے معلوم نہ ہو سکا۔ شہادات موجود ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ مرحوم محکمہ انہار میں ڈپٹی ریونیو آفیسر/ڈپٹی مجسٹریٹ کے عہدے سے ۱۹۲۰ء کے لگ بھگ مدت ملازمت پوری کر کے بعمر ۵۵ سال سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہوئے اور پنشن پائی۔ اس لحاظ سے آپ کی پیدائش ۱۸۶۵ء میں ہوئی۔

ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد سہارنپور میں متصل مدرسہ مظاہر العلوم ایک عالی شان مکان بنوایا اور اس میں رہائش اختیار کی۔ بعد کے ایام میں اس مکان کو ایک خاتون ڈاکٹر کو فروخت کر دیا اور اس سے حاصل ہونے والی رقم کو فلاحی کاموں اور برادری کی دیگر ضروریات پوری کرنے میں صرف کیا اور جو کچھ رقم بچ رہی اس سے ایک نسبتاً چھوٹا مکان اسی اطراف میں خرید کر رہائش اختیار کی آزادی ہند کے وقت مذکورہ خاتون ڈاکٹر اس مکان کو انجمن گاڑہ کے ہاتھوں فروخت کر کے پاکستان منتقل ہو گئیں۔ اب یہ مکان گاڑہ بورڈنگ ہاؤس کے نام سے موسوم ہے۔ شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب مرحوم نے اپنی تصنیف "یاد ایام" میں اس کا ذکر کیا ہے۔

جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ کو ۱۹۱۸ء میں منشی علی محمد پانڈولوی نے قائم کیا مگر اس کے قیام کے تقریباً چھ سال بعد یعنی ۱۹۲۴ء میں ڈپٹی عبدالرحیم نے اس کی سرپرستی فرمائی۔ انہیں ایام میں وہ انجمن گاڑہ کے صدر مقرر ہوئے اور برادری کی تنظیم میں بڑی جانفشانی کے ساتھ منہمک ہوئے ان کی ترجیحات میں سب سے اول علوم دین اسلام کی ترویج تھی چنانچہ ان کے مساعی جلیلہ کی بدولت مذکورہ جامعہ ریڑھی تاجپورہ کو بہت ترقی ہوئی اور کثیر تعداد میں طلبا اس درس گاہ میں داخل ہوئے اور علوم دین حاصل کیے۔ ۱۹۳۰ء میں ایک اسی قسم کی درس گاہ موضع باغوں والی ضلع مظفر نگر میں قائم کی جو آج کل مدرسہ خادم العلوم باغوں والی ڈبھیڑی کے نام سے موسوم ہے۔ بحیثیت صدر انجمن گاڑہ کے بہت سے گاؤں اور قصبوں میں جلسے منعقد کیے اور برادری کے افراد کو فروغ تعلیم کی طرف راغب کیا متعدد ایسے اقدامات کیے جن کے ذریعے برادری میں موجود بہت سی غیر اسلامی رسوم کا ازالہ کیا۔ اور اسلامی اقدار کو اجاگر کیا جس کے نتیجہ میں بہت سے گاؤں

Marfat.com

میں نئی مساجد تعمیر ہوئیں اور برادری کے لوگ نماز با جماعت کے خوگر ہوئے تحصیل موانہ ضلع میرٹھ میں ایک کثیر تعداد ایسے لوگوں کی تھی جو دور اول میں اس برادری سے منسلک تھے مگر بعد میں گردش ایام اور سفر کی عدم سہولت کی وجہ سے روابط قائم نہ رہ سکے اور موانہ والی شاخ نے اپنے آپ کو ترک کہلوانا شروع کر دیا۔ مگر یہ حقیقت کہ ان کا تعلق اسی برادری سے ہے ان کے بعض معمر لوگوں کے علم میں تھی۔ موانہ سے معزز بزرگ منشی علیم الدین کی دعوت پر ڈپٹی عبدالرحیم مرحوم نے تحصیل موانہ میں ۱۹۳۰ء کے عشرے کے آخر میں ایک بڑا جلسہ منعقد کیا اور اپنی اصلاحات کی طرف اہل موانہ کی توجہ دلائی۔

تقویٰ اور پرہیز گاری۔ خلق خدا کی خدمت۔ اور برادری کی اصلاح ایسے عوامل تھے جو انکو دوسرے لوگوں سے ممتاز کرتے ہیں۔ تمام برادری کے لوگوں میں آپ کی عزت اور وقار بہت بلند ہے آپ کی خصلتوں میں سے ایک اہم عادت یہ تھی کہ ایسی مجالس یا شادی بیاہ کی تقاریب میں شرکت نہیں کرتے تھے۔ جہاں کوئی غیر شرعی رسم ادا کی جاتی ہو۔ نہ صرف صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔ بلکہ تہجد گزار اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ہمہ وقت مشغول رہتے تھے مرحوم کو اس بات کا شدت سے احساس تھا کہ یہ نام جس سے یہ برادری موسوم ہے ہندوؤں نے بر بنائے تعصب رکھ دیا جس کو بدقسمتی سے برادری کے افراد نے بھی قبول کر لیا۔ اور سرکاری دستاویزات میں بھی مذکور ہو چکا۔ اپنی اصلیت میں لفظ گاڑہ نہ صرف بے ڈھنگا اور اکھڑ سا لگتا ہے۔ بلکہ یہ دیگر معنوں میں بھی مستعمل ہے جیسے گاڑھا۔ (ایک کھدر کے کپڑے اور کیچڑ کو بھی کہتے ہیں) یہی وجہ ہے کہ برادری کے افراد اپنی لاعلمی کی وجہ سے احساس کمتری کا شکار ہیں۔ اس کی اصلاح کے لیے ڈپٹی صاحب مذکور نے کوشش کی اور جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے آپ نے ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے وقت حکومت کو درخواست دی کہ چونکہ اس برادری میں کثرت راجپوتوں کی ہے اور حکم کثرت پر ہی لگایا جاتا ہے۔ اس لیے میں بحیثیت صدر انجمن گاڑہ یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ آئندہ اس قوم کو راجپوت لکھا جائے۔" اس حقیقت کا اعتراف متعلقہ مردم شماری رپورٹ میں موجود ہے جس کا تفصیلی حوالہ پہلے دیا جا چکا ہے۔

ڈپٹی عبدالرحیم مرحوم نے مختلف اضلاع میں اصلاح قوم کے لیے بڑے بڑے جلسے منعقد کیے جن میں سے قابل ذکر تحصیل کیرانہ ضلع مظفر نگر۔ جہاں پر بارہ گاؤں میں بسنے والے ایسے لوگ ہیں جو پہلے

Marfat.com

اس برادری سے وابستہ تھے اور اب ترک کہلاتے ہیں۔ اسی صورت سے نگینہ ضلع بجنور میں قاضی سرائے اول کے باشندے موجودہ دور میں شیخ کہلاتے ہیں جب کہ قاضی سرائے دوم کے باشندے شیخ انصاری کہلاتے ہیں۔ اس قصبہ کے بااثر زمیندار منشی ضمیر احمد کا بیان ہے کہ پہلے ان کے آباو اجداد بھی گاڑہ برادری میں شامل تھے اور ڈپٹی عبدالرحیم مرحوم نے یہاں جلسے منعقد کیے تھے۔ اور قصبہ کے اطراف کے گاؤں میں اکثریت ایسے ہی لوگوں کی ہے جو پہلے گاڑہ برادری میں شامل تھے۔ مذکورہ بالا علاقوں کا طریقہ بود و باش ان کی پیشہ زراعت سے وابستگی مسلکاً حنفی مذہب سے تعلق۔ اسلام کے ارکان سے گہرا تعلق ان لوگوں کے بیان کی شہادت فراہم کرتا ہے۔

ڈپٹی عبدالرحیم مرحوم کے انتقال کی صحیح تاریخ معلوم نہ ہوسکی روایت کے مطابق ان کی وفات اندازاً ۱۹۲۶ء میں ہوئی اور جامعہ رڑھی تاجپورہ ضلع سہارنپور کے احاطہ میں مدفون ہیں۔

(ماخوذ از تحقیق مختلف ذرائع)

ڈپٹی امام الدین مرحوم:

ڈپٹی امام الدین مرحوم مذکورہ ڈپٹی عبدالرحیم کے لڑکے تھے موضع گاولہ ضلع مظفرنگر میں اندازاً ۱۸۹۰ء میں پیدا ہوئے۔ محکمہ انہار میں ڈپٹی ریونیو آفیسر/ڈپٹی مجسٹریٹ کے عہدے پر فائز رہے ۱۹۴۵ء میں ملازمت پوری کر کے ریٹائر ہوئے اور پنشن پائی محلہ حکیماں سہارنپور میں مکان خرید کر اس میں رہائش پذیر ہے۔ گوشہ نشینی، نام و نمود سے پرہیز، دینداری، عبادت و ریاضت سے لگاؤ ان کا شعار تھا۔ انجمن گاڑہ کی صدارت کی پیشکش کو مسترد کر دیا اور گوشہ نشینی کی حالت میں انتقال ہوا۔

(ماخوذ از ذاتی یادداشت ڈپٹی مشیت اللہ)

عہد حاضر کے چند نامور عالم اور اسکالر:

۱۔ ڈاکٹر ماجد حسین، ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی۔ پی ایچ ڈی۔ موضع نہرہ ٹانڈہ پرگنہ منگلور میں پیدا ہوئے۔ درس و تدریس سے وابستہ ہیں کشمیر اور شیلانگ یونیورسٹیوں پر بحیثیت پروفیسر خدمات انجام دے چکے ہیں آج کل جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی میں مامور ہیں۔ بین الاقوامی کانفرنس اور تعلیم کے سلسلہ میں برطانیہ، فرانس، ہالینڈ، ڈنمارک، سوویت یونین آف رشیا، اٹلی، یونان، سویڈن اور نیپال کا سفر کیا۔ آکسفورڈ اور کیمبرج یونیورسٹیوں میں لیکچر دیے۔ جغرافیہ کے موضوع پر بہت

Marfat.com

سے مضامین بین الاقوامی رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں اور بہت مقبول ہوئے۔ ان کی مندرجہ ذیل تصانیف مطبوعہ ہیں۔

1. Evolution of Geographical Thoughts Published in Jaipur.
2. Agricutural Geography. Published in New Delhi
3. Geography of Jammu and Kashmir Published in New Delhi.
4. Crop Combinations in India Published in New Delhi.
5. Human Geography Published in New Delhi.
6. Naga Land Habitants and Society Published in New Delhi.

۲۔ ڈاکٹر مسعود حسن۔ ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ ایم۔ اے۔ ڈبلیو۔ علی گڑھ۔ یہ بھی درس و تدریس سے وابستہ ہیں اور دہلی یونیورسٹی میں مامور ہیں۔ نائیجیریا میں پانچ سال تک خدمات انجام دے چکے ہیں۔ موضع سری چندی تحصیل روڑکی میں پیدا ہوئے ان کی تصنیف ؛

۳۔ ڈاکٹر شمیم احمد ایم۔ ایس۔ سی۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ موضع ہنڑہ ٹانڈہ تحصیل روڑکی میں پیدا ہوئے۔ درس و تدریس سے وابستہ ہیں علی گڑھ انجینئرنگ کالج میں مامور ہیں۔ ساؤتھ یمن میں خدمات انجام دے چکے ہیں۔

۴۔ ڈاکٹر محمد اکرام۔ ایم۔ ایس۔ سی۔ پی۔ ایچ ڈی۔ موضع سری چند تحصیل روڑکی میں پیدا ہوئے درس و تدریس سے وابستہ ہیں۔ انجینئرنگ کالج سری نگر کشمیر میں مامور ہیں۔

۵۔ ڈاکٹر طاہر حسن۔ ایم۔ ایس سی۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ موضع مادھوپور تحصیل روڑکی میں پیدا ہوئے درس و تدریس سے وابستہ ہیں۔ ایگریکلچرل یونیورسٹی سری نگر کشمیر میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔

Marfat.com

باب ہشتم

کچھ ان بزرگان کا تذکرہ جو غیر معروف ہیں اور جن کا تعلق ممکنہ طور سے سہارن پور سے ہے!

ڈاکٹر ظہور الحسن شارب نے کتاب موسومہ "تذکرہ اولیائے پاک و ہند" کے صفحہ ۱۹۰ پر شیخ سارنگ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

"آپ سلطان فیروز شاہ کے امرائے نامدار میں سے تھے بعدہ آپ کی شاہی خاندان سے رشتہ داری اس طرح سے ہوئی کہ محمود بن سلطان فیروز شاہ نے آپ کی بہن سے شادی کر لی۔ اس رشتہ سے آپ کے اعزاز میں اور اضافہ ہوا آپ امرائے شاہی کی طرح زندگی گزارنے لگے۔"

"آپ کا شیخ راجو قتال کی خدمت میں آنا جانا تھا ایک دن حضرت شیخ راجو قتال نے آپ سے فرمایا۔ سارنگ اگر تم پانچوں وقت کی نماز پابندی سے پڑھنے کا وعدہ کرو تو میں تم کو شیخ جلال کے تبرک سے مالامال کروں۔ آپ نے وعدہ کیا اور پانچوں وقت کی نماز پابندی سے پڑھنا شروع کر دی حسب وعدہ حضرت شیخ راجو نے حضرت شیخ جلال کا تبرک آپ کو عطا کیا۔ کچھ دنوں بعد حضرت شیخ راجو قتال نے آپ سے فرمایا کہ،

"سارنگ تم پانچوں وقت کی نماز پابندی سے پڑھتے ہو یہ خوشی کی بات ہے اگر تم چاشت اور اشراق کی نماز بھی پڑھنا شروع کردو تو کیا اچھا ہو اگر تم نے ایسا کرنا شروع کیا تو میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ میں اور تم ایک برتن میں کھانا کھائیں گے آپ نے یہ بات بھی بخوشی قبول کر لی۔ حضرت راجو قتال کے ساتھ ایک برتن میں کھانا کھانا تھا کہ آپ کے قلب سے ظلمت دور ہوئی اور باطن روشن ہوا۔ دنیا سے نفرت پیدا ہوئی۔ معبود حقیقی کی تلاش شروع کی۔"

"آپ نے سلوک کی راہ میں قدم رکھا حضرت شیخ قوام الدین جو حضرت مخدوم جہانیاں کے مرید اور خلیفہ تھے[1] اپنے زمانے کے مشہور بزرگ تھے آپ ان سے بیعت ہوئے اور انہیں سے

---

[1]: صفحہ ۲۰۰ پر نصیر الدین چراغ دہلوی کا مرید اور خلیفہ لکھا ہے۔

Marfat.com

خرقہ خلافت پایا۔

"آپ نے ۷۸۲ھ میں وفات پائی۔ مزار لکھنؤ سے کچھ فاصلہ پر ہے۔ شاہ مینا آپ کے ممتاز خلیفہ ہیں۔ مشہور شہر سارنگ پور آپ نے اپنے نام پر آباد کیا۔"

ڈاکٹر ایوب قادری کی تالیف بنام "حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت" کراچی سے طبع ہوئی اس کتاب کے صفحہ ۴۲ پر آپ کی پیدائش ۷۰۷ھ درج ہے۔ آپ کی سیر و سیاحت کا مفصل تذکرہ اور مقاصد سفر صفحہ ۸۲ تا ۹۵ پر تحریر ہیں۔ آپ نے سفر کا آغاز ۷۳۵ھ میں کیا اور واپسی ۷۵۱ھ سے کچھ قبل ہوئی۔ اور وصال ۷۸۵ھ میں ہوا۔ آپ کے چھوٹے بھائی صدر الدین راجو قتال نے اپنے بھائی مخدوم جہانیاں مذکور سے خرقہ خلافت پایا اور ان کے بعد سجادہ نشین ہوئے راجو قتال فیروز شاہ تغلق کے لشکر میں بھی رہے ان کی تاریخ پیدائش درج نہیں تاہم ان کا وصال ۸۲۷ھ میں ہوا۔ شیخ سارنگ آپ کے خلیفہ تھے۔ ان کے علاوہ دیگر بہت سے خلفاء ہوئے۔ مخدوم جہانیاں کے خلفاء کی تعداد ۴۲ لکھی ہے۔ مگر ان میں نہ تو صدر الدین راجو قتال کا ذکر ہے اور نہ ہی شیخ قوام الدین کا صفحہ ۲۱۷ پر مندرجہ عبارت تحریر ہے۔

"حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے فیوض و برکات اودھ میں شیخ قیام الدین قوام (ف ۸۴۰ھ بمطابق ۱۴۳۶ء) کے مرید اور حضرت صدر الدین راجو قتال کے خلیفہ شیخ سارنگ (ف ۸۵۵ھ بمطابق ۱۴۵۱ء) کے ذریعے پہنچے۔ حضرت قیام الدین۔ حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کے مرید اور حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے خلیفہ تھے۔ شیخ سارنگ ہندو مذہب چھوڑ کر مشرف باسلام ہوئے اور عہد فیروز شاہی میں شاہی امراء اور منصب دار تھے پہلے یہ شاہ قیام الدین کے مرید ہوئے اور بعد کو اجازت و خلافت حضرت راجو قتال سے ملی شیخ سارنگ کا مزار ضلع بارہ بنکی میں ہے۔ شیخ سارنگ کے بعد اودھ میں چشتیہ نظامیہ سلسلہ کو ان کے خلیفہ مخدوم شاہ مینا (ف ۸۸۴ھ بمطابق ۱۴۷۹ء) اور ان کے خلیفہ شیخ سعد خیر آبادی (ف ۹۲۵ھ/۱۵۲۸ء) کے ذریعہ سے بڑا فروغ ہوا"

عبدالواحد بلگرامی مؤلف "سبع سنابل" کا تعلق اسی سلسلے سے ہے ان کی وفات ۱۰۱۷ھ بمطابق ۱۶۰۸ء میں ہوئی۔ مذکورہ بالا خلافت میں تسلسل نہیں درمیان میں انقطاع ہے۔ مخدوم جہانیاں سے منسوب یہ واحد سلسلہ ہے جس کو چشتیہ نظامیہ کا نام دیا گیا۔ باقی تمام سلاسل۔ جسے الد

Marfat.com

امروہہ، کشمیر گجرات وغیرہ میں سہروردیہ کی طرف منسوب ہیں۔

مذکورہ کتاب کے صفحہ ۴۱۶ پر سلاطین گجرات کے مورثان کا ذکر ہے۔ جن کا نام بہارن اور سادھو مذکور ہیں یہ دونوں بھائی اطراف تھانیسر کے رہنے والے اور قوم ٹانک سے تعلق رکھتے تھے سلطان فیروز شاہ تغلق ان کی خدمات سے بہت خوش ہوا اور ان دونوں بھائیوں پر شاہی عنایات روز بروز ہونے لگیں یہاں تک کہ دولت دنیاوی کے ساتھ ساتھ دولت ایمانی سے بھی مالا مال ہوئے اور حضرت مخدوم کے سلسلہ ارادت میں منسلک ہوتے مراۃ سکندری کا مندرجہ الفاظ میں حوالہ دیا ہے۔

"ہر دو برادر بشرف اسلام مشرف گشتند سلطان بہارن را بخطاب وجیہہ الملک مخاطب ساخت و بعد ازاں باجازت سلطان در سلک مریدان قطب الاقطاب حضرت مخدوم جہانیاں منسلک شدند و بسعادت مندی دارین منسوب گشتند"

ترجمہ: دونوں بھائی شرف اسلام سے مشرف ہوتے سلطان نے بہارن کو وجیہہ الملک کے خطاب سے مخاطب کیا اور اس کے بعد وہ سلطان کی اجازت سے قطب الاقطاب حضرت مخدوم جہانیاں کے مریدوں میں داخل ہوئے۔

مذکورہ دونوں ماخذات اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ شیخ سارنگ سلطان فیروز شاہ کا منصب دار اور اس کے امرا میں شامل تھا۔ ایوب قادری نے اس کی نشاندہی بھی کی ہے کہ موصوف پہلے ہندو تھے اور بعد میں مسلمان ہوئے۔ مزید برآں بہارن اور سادھو بھی حضرت مخدوم جہانیاں کے مرید ہوئے مگر کس کی ترغیب پر مسلمان ہوئے یہ نہیں لکھا۔ اس لیے کتب تاریخ کی روشنی میں ان احوال کا جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی کے حوالے سے یہ بیان تفصیل سے ان صفحات پر گزر چکا ہے کہ سلطان فیروز شاہ تغلق نے بہارن اور سادھو کی بہن سے نکاح کر لیا تھا۔ اور بہارن کو وجیہہ الملک کا خطاب دیا تھا۔ ڈاکٹر ایوب قادری نے بھی تصدیق کی ہے کہ ان دونوں بھائیوں کا تعلق قوم ٹانک سے تھا جس کا شجرہ بھی پہلے بیان ہو چکا ہے۔

فیروز شاہ تغلق کیسے شکار کے پیچھے گھوڑا ڈال کر اپنے ساتھیوں اور لشکر سے بچھڑ گیا اور

Marfat.com

اور بہارن اور سادھو کے گاؤں میں پہنچ کر ان کا مہمان ہوا۔ سادھو کی بیوی اور اس کی بہن نے ساقی کے فرائض انجام دیے اور فیروز شاہ سے اس کے خاندانی حالات معلوم کیے بسچ حال تجدید کے طور سے مراۃ سکندری کے حوالے سے مزید واضح کیا جاتا ہے۔ مولانا اکبر شاہ خان نے مراۃ سکندری کی روایت ان الفاظ میں نقل کی ہے۔

"سلطان فرمود نام من فیروز خان است پسر عم سلطان محمد بن تغلق شاہم زوجہ سادھو حقیقت را بشوہر خود ظاہر کرد و گفت کہ ہمائے دولت وعنقائے عزت بر فرق نامرداں سایہ انداز شدہ۔ ایں شاہزادہ بدام جمال خواہرت گرفتار آمدہ۔ اگر توانی خواہر را با ؤدہ وصلتش را سایہ دولت مندی و سرفرازی دان۔ سادھو فی الحال خواہر را بنکاح آوردہ بہ سلطان داد و آں شب را بعیش تمام بہ نشاط مالا کلام گزرانیدند چوں پردہ قیرگوں شب ارتفاع یافت وعروس پردہ پوش آفتاب از حجلہ افق نمایاں گشت سلطان بدل شاد از بستر ناز سر برداشت و سپاہ از ہر طرف پیدا شدہ سلطان بہ طرف شہر دہلی عزیمت فرمود، سادھو و بہارن ہر دو برادر چوں سایہ ہمراہ رواں شدند وجود را در خدمت چناں قرار دادند کہ یک لحظہ از حضور بیروں قدم نمی نہادند سلطان را با خواہر ایشاں الفتے تمام پیدا شد۔ آخر الامر در اندک مدت ہر دو برادر بشرف اسلام مشرف گشتند۔ سلطان بہارن را بخطاب وجیہ الملک مخاطب ساخت"[1]

ترجمہ:۔ سلطان نے فرمایا کہ میرا نام فیروز خان ہے اور میں محمد بن تغلق شاہ کا چچا زاد بھائی ہوں سادھو کی بیوی نے یہ حقیقت اپنے شوہر سے بیان کی اور کہا کہ ہمارے نصیب جاگ گئے اور دولت وعزت نے ہم نامرادوں پر اپنا سایہ ڈال دیا۔ یہ شہزادہ تمہاری بہن کی محبت میں گرفتار ہو گیا۔ اپنی بہن کو اس کو دینا۔ اپنے لیے دولت مندی اور سرفرازی سمجھو۔ سادھو نے فوراً اپنی بہن کا نکاح سلطانؒ سے کر دیا اور سلطان نے تمام رات عیش وعشرت میں گزاری جب صبح ہوئی اور سلطان خوش وخرم بستر سے اٹھا تمام اطراف سے لشکری جمع ہو گئے اور سلطان نے شہر دہلی کی طرف رخ

---

[1] آئنہ حقیقت نما صفحہ ۵۵۲

Marfat.com

کیا۔ سادھو اور سہارن دونوں بھائی سایہ کی طرح ساتھ ہوتے۔ اور اپنے آپ کو خدمت کے لیے ایسا مستعد کیا کہ ایک لمحے کے لیے بھی جدا نہ ہوتے۔ سلطان کو ان کی بہن سے انتہائی محبت ہو گئی۔ بالآخر کچھ زمانے کے بعد دونوں بھائی دین اسلام میں داخل ہو گئے سلطان نے سہارن کو وجیہہ الملک کا خطاب دیا۔

یہ ذکر پہلے گزر چکا ہے کہ یہ دونوں بھائی حضرت قطب الدین چشتی ہانسوی کے دست مبارک پر مسلمان ہوتے۔ سہارن کی بہن کے بطن سے ایک لڑکا بنام فتح خان پیدا ہوا جو سلطان فیروز کی زندگی میں ہی ۷۷۶ھ کو انتقال کر گیا اس کا مقبرہ لاہور میں ہے سلطان فیروز نے ۷۸۹ھ میں محمد خان کو جو اس کی پہلی بیوی سے تھا تخت نشین کر کے گوشہ نشین ہو گیا۔ وجیہہ الملک سہارن کو یہ بات پسند نہ آئی اور سلطان فیروز کو گوشہ نشینی سے اٹھا کر پھر تخت پر بٹھا دیا۔ سلطان کا انتقال ۷۹۰ھ میں ہوا۔ اس کی جگہ غیاث الدین تغلق شاہ بن فتح خان بن فیروز شاہ تغلق کو تخت پر بٹھایا گیا مگر امرائے دربار کو یہ بھی پسند نہ آیا۔ سہارن اپنے وطن سہارنپور میں چلا آیا تھا۔ اس کی عدم موجودگی غیاث الدین تغلق شاہ کو قتل کر کے ۷۹۱ھ ابوبکر شاہ کو تخت پر بٹھایا۔ اسی سال وجیہہ الملک سہارن کا انتقال ہوا۔ ابوبکر شاہ نے چند ماہ حکومت کی اور ۷۹۳ھ میں ناصر الدین محمد تغلق شاہ تخت نشین ہوا۔ اس نے ظفر خان ابن وجیہہ الملک سہارن کو گجرات کا حاکم بنا کر بھیجا اور اس کے بیٹے تاتار خان کو دربار میں رکھ لیا سلطان ناصر الدین محمد شاہ نے ۷۹۶ھ میں وفات پائی۔ اور سکندر شاہ بن ناصر الدین محمد شاہ تغلق تخت نشین ہوا مگر ڈیڑھ ماہ بعد بیمار ہو کر انتقال کیا۔ اس کے بعد ظفر خان لودھی کے بیٹوں اور رشتہ داروں نے محمود شاہ بن محمد شاہ بن فیروز تغلق کو تخت پر بٹھا دیا۔ اور اس کا لقب بھی ناصر الدین رکھا۔ تاتار خان بن ظفر خان چاہتا تھا کہ فتح خان کے دوسرے بیٹے نصرت خان جو کہ سہارن کی بہن کا پوتا تھا اس کو تخت پر بٹھا دیا جائے مگر لودھیوں نے اس کی بات نہ چلنے دی۔ محمود شاہ نے سارنگ خان لودھی کو ملتان اقبال خان لودھی کو دہلی کا اور عادل خان لودھی کو لاہور کا حاکم مقرر کیا۔ یہ تینوں ظفر خان لودھی کے لڑکے تھے۔ تیمور نے ۸۰۰ھ میں ہندوستان پر حملہ کیا ملتان میں

۱؎ مخدوم جہانیاں جہاں گشت صفحہ ۶۷

Marfat.com

سارنگ نے مقابلہ کیا مگر ناکام رہا۔[51]

ڈاکٹر شارب اور ڈاکٹر قادری کی تحریرات میں بہت تضاد ہے۔ اور اگر کتب تاریخ کی روشنی میں پرکھا جائے تو یہ تضاد اور وسیع ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر شارب نے سارنگ کا سن وفات ۸۲۰ھ تحریر کیا جب کہ ڈاکٹر قادری نے ۸۵۵ھ لکھا ہے ڈاکٹر شارب نے ان کو امرائے سلطان فیروز شاہ تغلق میں شامل کیا ہے اور محمد سے ان کی بہن کا نکاح کرنا بھی لکھا ہے۔ محمود بن محمد بن فیروز تغلق دراصل فیروز کا پوتا ہے نہ کہ لڑکا اور تیمور کے حملے کے وقت تخت نشین تھا۔ یہ ممکن ہے کہ اس کے نکاح میں سارنگ کی بہن ہو کیونکہ محمود شاہ کے تخت نشین ہونے میں ظفر خان لودھی (والد سارنگ خان) کا سب سے اہم حصہ ہے۔ محمود شاہ نے اسی قرابت داری کی وجہ سے ظفر خان لودھی کے تینوں لڑکوں کو ملتان لاہور، دہلی کا حاکم بنایا ہو۔ فیروز شاہ تغلق کا زمانہ حکومت ۷۵۲ھ تا ۷۹۰ھ ہے۔ اس لیے ایسے شخص کا جس کا انتقال سلطان مذکور سے ۶۵ سال بعد ہوا۔ اس کا اس سلطان کا امیر ہونا قرین قیاس نہیں۔ سارنگ کا شیخ راجو قتال کی خدمت میں آنا جانا اور ان کا نماز پنجگانہ کی تلقین کرنا اور بعد میں نماز چاشت اور اشراق کی ترغیب دینا ظاہر کرتا ہے کہ یہ زمانہ سارنگ کی کم عمری کا ہے۔ ڈاکٹر شارب نے مزید لکھا ہے کہ شیخ راجو قتال نے کچھ تبرکات سارنگ کو بھیجے جن کو قبول کرنے سے اس نے پہلے تو انکار کیا۔ مگر دوبارہ بھیجنے پر حسام الدین سہراوردی کی ترغیب کی وجہ سے قبول کر لیے۔ سارنگ جس کی باطنی ظلمت شیخ راجو قتال کے تصرف سے نور میں بدل گئی تھی۔ اس کا تبرکات لینے سے انکار کرنا قرین قیاس نہیں البتہ یہ واضح ہے کہ یہ تبرکات اس وقت بھیجے گئے جب سارنگ ملتان کا حاکم تھا۔ تیمور کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد سارنگ نے اودھ میں بود و باش اختیار کر کے طریقۂ سلوک کو فروغ دیا۔

---

۵۱ آئینہ حقیقت نما صفحہ ۵۰۰

Marfat.com

شیخ قوام الدین کا مخدوم جہانیاں کا مرید اور خلیفہ ہونا بھی قرین قیاس نہیں ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ قوام الدین قاضی ترمذ اس کے ساتھ ملتان سے دہلی آئے۔ محمد شاہ تغلق نے ان کی بہت پذیرائی کی اور ان کے دونوں لڑکوں کا نکاح وزیر خواجہ جہاں کی لڑکیوں سے کر دیا۔ اس نکاح میں بادشاہ نے خود ولی کے فرائض انجام دیئے [۱] ابن بطوطہ ۷۳۶ھ میں دہلی آیا۔ اس وقت مخدوم جہانیاں کی عمر صرف ۲۷ سال تھی۔ ۷۳۵ھ میں مخدوم جہانیاں نے بیرونی ممالک کا سفر شروع کیا۔ اور واپسی جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ ۷۵۱ھ سے کچھ قبل ہوئی۔ قاضی قوام الدین کی عمر اور مخدوم جہانیاں کی عمر میں کم از کم ۳۰ سال کا تفاوت ہے۔ اور یہ کہ قاضی قوام الدین کو ان کے اتقا اور بزرگی کی بنا پر شاہی دربار میں زیادہ وقعت حاصل تھی۔ اس لیئے ان کا مخدوم جہانیاں کا خلیفہ ہونا ممکن نہیں۔ اس کے علاوہ صفحہ ۲۰۰ لکھا ہے۔ کہ قوام الدین حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کے مرید تھے۔ یہ سب کچھ نام کی غلطی کی وجہ سے ہوا۔ ڈاکٹر ایوب قادری نے یہ نام قیام الدین قوام لکھا ہے۔ اور سن وفات ۸۲۰ھ تحریر ہے۔ چونکہ سارنگ سے جو سلسلہ چلا وہ چشتیہ نظامیہ ہے۔ اس لیئے قیام الدین قوام کا حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی سے خرقہ خلافت حاصل کرنا عین ممکن ہے۔ اور انہیں شیخ قیام الدین قوام سے خلافت شیخ سارنگ کو پہنچی اور شیخ سارنگ سے شیخ مینا کو جو کہ شیخ قیام الدین قوام کے بھیجتے ہیں [۲]

ڈاکٹر شارب نے شیخ سارنگ کے حسب نسب کے بارے میں کچھ نہیں لکھا جبکہ ڈاکٹر قادری ان کو نو مسلم لکھا ہے۔ یہ بات دونوں میں مشترک ہے۔ کہ شیخ سارنگ فیروز شاہ تغلق کے امراء میں سے تھے۔ اس پر تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ کہ

---

[۱] :۔ سفرنامہ ابن بطوطہ صفحہ ۲۰۲

[۲] :۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشت صفحہ ۲۱۷

Marfat.com

شیخ سارنگ فیروز تغلق کے پوتے محمود کے زمانے میں ملتان کے حاکم تھے۔ فیروز شاہ تغلق کے دربار میں سب سے زیادہ با اثر امیر وجیہہ الملک سہارن تھا۔ جس کا لڑکا بنام ظفر خان بعد میں گجرات کا خود مختار حاکم ہوا۔ اور وجیہہ الملک رشتہ کے اعتبار سے فیروز شاہ تغلق کا سالا تھا۔ دونوں نے جن ماخذات پر اعتبار کیا۔ وہ عبدالواحد بلگرامی کی لکھی کتاب بنام "سبع سنابل" ہے۔ مذکورہ بلگرامی کی وفات ۱۰۱۷ھ میں مذکور ہے۔ چونکہ یہ کتاب ان واقعات پر مشتمل ہے۔ جو دو صدی پہلے گزر چکے ہیں اور ماخذات بھی زیادہ تر برینائے روایت ہیں۔ اس لئے غلطی ہونے کا قطعی احتمال ہے۔ خاص طور سے جب کتب تاریخ سے مدد نہ لی گئی ہو۔

ڈاکٹر شارب نے لکھا ہے۔ کہ شیخ سارنگ نے ایک آبادی بنام سارنگ پور اپنے نام کی نسبت سے آباد کی جبکہ ڈاکٹر قادری نے اس موضوع پر کچھ نہیں لکھا۔ شیخ سارنگ کی خانقاہ اور مزار ضلع بارہ بنکی کے کسی گاؤں میں واقع ہے اور انکی خلافت تسلسل کے ساتھ جاری ہے۔ منشی امانت علی خان معروف بہ عزیز صفی پوری ۱۳۴۷ھ، ۱۹۲۸ء میں اس سلسلہ کے خلیفہ تھے۔ اگر شیخ سارنگ نے کوئی آبادی قائم کی ہوتی تو لازماً اس میں قیام وسکونت اختیار کرتے۔ مگر اس قسم کے شواہد نہیں ملتے۔ سارنگ پور نام سے دو آبادیاں قدیم زمانے میں تھیں۔ جن کا تذکرہ کننگھم کے حوالے سے پہلے کیا جا چکا ہے۔

اصل میں دونوں تذکرہ نگاروں کو مغالطہ ہوا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ دونوں نے وجیہہ الملک سہارن اور شیخ سارنگ میں تمیز کو مدنظر نہیں رکھا اور دونوں کے احوال اور واقعات کو خلط ملط کر دیا۔ اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی جا چکی ہے کہ وجیہہ الملک سہارن نے ایک آبادی اپنے نام کی نسبت سے عہد محمد شاہ تغلق میں آباد کی اور اس کا نام سہارن پور رکھا۔ جو اب بھی قائم ہے۔ ضلعی صدر مقام ہونے کے علاوہ دینی علوم کی درسگاہوں کی وجہ سے مشہور ہے۔ شاہ محمد غوث گوالیاری ۹۷۰ھ

Marfat.com

مطابق ۱۵۰۱ء میں پیدا ہوئے اور ۹۷۰ھ مطابق ۱۵۶۲ء میں اکبر آباد میں انتقال کیا۔ گوالیار میں مدفون ہوئے ان کا مقبرہ اکبر بادشاہ کے حکم سے ۱۰۰۸ھ مطابق ۱۵۹۹ء تیار ہوا۔ شاہ صاحب مذکور نے باطنی فیوض حمیدالدین حضور سے حاصل کئے۔ حمیدالدین حضور نے تیس سال مدینہ منورہ میں روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مجاورت کی وہاں سے ہندوستان جانے کا اشارہ ہوا۔ پروفیسر محمد مسعود احمد کتاب موسوم "شاہ محمد غوث گوالیاری" کے صفحہ ۹ پر لکھتے ہیں۔ کہ

"حاجی حمیدالدین حضور جب ہندوستان پہنچے تو بمقام سہارن پور ایک درخت کے نیچے چند سال اس طرح مشغول رہے کہ اپنی جگہ سے قدم نہ اٹھایا حتیٰ کہ شاہ محمد غوث تشریف لائے اور اس رویائے صادقہ کی تعبیر دکھائی گئی۔ چنانچہ آپ نے موصوف کو سلسلہ شطاریہ میں بعیت فرمایا۔ آپ کے ساتھ برادر بزرگ شیخ پھول بھی تھے ان دونوں حضرات سے سلسلہ شطاریہ کو بڑا فروغ ہوا۔"

"حاجی حمیدالدین حضور نے دونوں بھائیوں کی تعلیم و تلقین کی اور شیخ پھول کو لے کر صوبہ بہار کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور شیخ محمد غوث کو کوہستان میں ریاضت کے لئے چھوڑ دیا۔ پھر کچھ عرصہ بعد شیخ پھول کو بھی حصول فیض کے لئے شیخ محمد غوث کے پاس بھیجدیا۔"

شیخ محمد غوث کے زمانہ میں بابر، ہمایوں اور اکبر بادشاہان ہند ہوئے گوالیار کا قلعہ بابر نے آپ ہی کے تعاون سے فتح کیا۔ کہا جاتا ہے۔ کہ اکبر آپ کا مرید ہو گیا تھا صفحہ ۱۵ پر تحریر ہے کہ حضرت شاہ پھول جہانیاں شہید کا مرقد مبارک بڈن کے قریب کوہ پایہ پر واقع ہے۔ ہمایوں بادشاہ کو شیخ موصوف سے بڑا لگاؤ تھا ہمایوں کے شیر شاہ سوری کے ہاتھوں شکست کے بعد مرزا ہندال نے آپ کو شہید کر دیا تھا اس سے پیشتر یہ ذکر کیا جا چکا ہے۔ کہ سہارن پور کے شمال میں کوہ سوالک کے قریب ایک پیڑ۔ بنام جمن جتی کا ہے۔ اور وہاں پر ایک مزار ہے۔ جس کی قبر و

Marfat.com

جوار کے لوگ بڑی عزت کرتے ہیں۔ ہنڈن ندی کا مخرج پٹیہ جمن جتی کے مشرق میں چند میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس لئے یہ قرین قیاس ہے کہ مذکورہ مزار شیخ پھول کا ہو۔

تیسرا غیر معروف مزار منجھن شاہ کا ہے۔ جس کا ذکر قصبہ سکرودہ کے تحت کیا جا چکا ہے اور یہ کہ اس مزار پر عرس ماہ ربیع الاوّل میں ہوتا ہے شاہ محمد غوث کے ایک خلیفہ کا ذکر مذکورہ کتاب میں اس طرح درج ہے کہ :۔ صفحہ ۱۵۰

" شاہ منجھن، عبداللہ ابن قاضی خیرالدین کے فرزند رشید اور نجیب الطرفین تھے۔ آپ کے جدامجد خلاصۃ العلماء قاضی تاج الدین نحوی تھے۔ اور نانا زبدۃ السادات قاضی سماء الدین دھلوی تھے۔ جو فتویٰ نویسی کے منصب عالی پر سرفراز تھے۔"

شاہ محمد غوث سے بعیت ہوئے اور شطاریہ سلسلے میں فرقہ خلافت و اجازت حاصل کی۔ شاہ محمد غوث نے ان کو وہ فرقہ بھی عطا کیا جس کو کوہستان میں قیام کے دوران زیب تن فرماتے تھے۔ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ۔

" شاہ منجھن شیخ احمدی کے ہم درس تھے۔ تمام علوم متداولہ کا محققانہ درس دیتے تھے۔ حدود شرعیہ کا خاص خیال رکھتے تھے۔ پوری زندگی درس و تدریس و مطالعہ و مراقبہ میں گزری جس سال شیر خان سوری نے قلعہ رائے سین فتح کر کے اسلام آباد نام رکھا تھا اسی سال آپ اپنے وطن بکھنوتی سے چل کر اس قلعہ میں تشریف لائے۔ اور ایک زمانہ تک اس قلعہ کی شیخ الاسلامی اور خانقاہ داری کے منصب پر فائز رہے جب قلعہ مذکور پر ہنود کا قبضہ ہوا تو آپ وہاں سے ترک سکونت کر کے سارنگ پور چلے آئے۔ اور یہاں مکان بنا لیا۔ ان اطراف میں شاہ منجھن جیسا عالم موجود نہ تھا بقول مولانا غوثی " آپ کے گرامی قدم کی برکت سے سارنگ پور شہر، شیراز کی طرح دارالعلوم بن گیا۔ اور بہت سے اہل کمال آدمیوں کے واسطے وہاں کی دانا گیر خاک سکونت کا باعث ہوئی۔" شاہ منجھن آخر میں "آشٹہ" میں گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ یہ قصبہ سارنگ پور سے دو منزل کے فاصلے پر واقع ہے اور یہیں ماہ ربیع الاوّل ۱۰۰۱ھ مطابق ۱۵۹۲ء

Marfat.com

میں آپ کا وصول ہوا۔ سارنگ پور اصل میں سہارن پور ہی ہے۔ جس کی تفصیل پہلے گزر چکی۔

قصبہ آشٹہ نام کا کوئی قصبہ ضلع سہارن پور نہیں ملتا۔ زیادہ قرین قیاس یہی ہے۔ کہ قصبہ سکرودہ کا قدیم نام آشٹہ ہو۔ یہ بھی ممکن ہے۔ کہ شاہ منجھن کا نام شاہ بنجن پڑ گیا ہو۔ تاہم مذکورہ بالا بیان سے واضح ہوتا ہے۔ کہ یہی شاہ منجھن قصبہ سکرودہ میں مدفون ہیں۔ چونکہ ان کا وصال ماہ ربیع الاوّل میں ہوا۔ اس لئے تو اتر کے ساتھ ان کا عرس ماہ ربیع الاوّل میں ہوتا ہے۔

قصبہ دیوبند میں ایک مزار شاہ رمزالدین، جس کا تذکرہ مولانا مفتی محمد شفیع نے اپنی کتاب "میرے والد ماجد" میں کیا اسی نام کا ایک محلہ بھی مزار کے اطراف میں ہے جس میں آبادی کی اکثریت گاڑوں پر مشتمل ہے۔ اس مزار کے ساتھ مسجد غالباً ۱۱۸۳ھ میں تعمیر ہوئی۔ محبوب رضوی مولف تاریخ دیوبند نے اس عنوان پر سکوت اختیار کیا اغلب گمان یہی ہے۔ کہ چونکہ اس محلہ میں گاڑے رہتے ہیں۔ اور یہ ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ ان بزرگ کے اخلاف سے ہوں۔ اس لئے اس کا تذکرہ عمداً نہیں کیا۔ مفتی صاحب مزید لکھتے ہیں کہ ان کے مورث جو دیوبند میں آئے ان کا نام حافظ کریم اللہ تھا۔ مگر ان کی اولاد کتنی تھی۔ اور کہاں کہاں رہی اس کا موصوف کو علم نہ ہو سکا۔ ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا۔ کتبہ مسجد میں موجود ہے۔ قرین قیاس تو یہی کہ ان کی اولاد بھی اسی محلہ شاہ رمزالدین میں رہتی ہو۔ اور گاڑوں میں خلط ملط ہو گئی ہو۔

ابھی ضلع سہارنپور میں بہت سے مقابر اور مزارات ایسے ہیں۔ جو تاریخی اہمیت کے حامل مگر بالکل غیر معروف ہیں ان کے بارے میں کوئی تحقیقی مواد حاصل ہو سکا۔

شاہ محمد غوث کے خلفاء اور مریدین کے دو سو بیس نام مذکورہ کتاب دیئے گئے ہیں۔ گاڑہ برادری کے ذیل میں کروک کے غیر ہندی النسل لوگوں میں عزیز محمد، شیخ حیدر، یار محمد کے نام دیئے۔ قصبہ چور اسی کے تحت بیان ہو چکا ہے۔ کہ مذکورہ بالا نام یا تو کسی صاحب نسبت بزرگ کی اولاد و اخلاف کے ہیں یا پھر یہ لوگ ایسے بزرگوں کے

Marfat.com

مرید ہیں۔ شاہ صاحب موصوف کے خلفار میں ایسے نام ملتے ہیں۔ مثلاً شیخ عزیزالدین (از فرزندان شیخ شہاب الدین سہروردی) ایک دوسرے صرف شیخ عزیزالدین کے نام سے مذکورہ ہیں۔ سید نیاز حیدر حیدری، سید یار محمد، سید محمد نام کے متعدد خلفاء لکھے ہیں۔ سید مصطفیٰ جن کا مزار نانوتہ میں ہے۔ شیخ عبدالنبی از اخلاف شیخ عبدالقدوس گنگوہی جو اکبر کے زمانے میں صدالصدور تھے۔ مذکورہ بالا حضرات میں سے کسی کے اخلاف گاڑہ برادری میں شامل ہیں۔ اس کی نشاندھی نہ ہو سکی۔

Marfat.com

۶۔ ڈاکٹر عبدالباری۔ ایم۔ ایس سی۔ پی ایچ ڈی۔ موضع بڑھا کھیڑہ تحصیل نکوڑ میں پیدا ہوئے۔ درس و تدریس سے وابستہ ہیں۔ علی گڑھ یونیورسٹی میں فرائض انجام دے رہے ہیں۔

(ماخوذ از مکتوب ڈاکٹر ماجد صاحب)

جدول نمبر ۱

تفصیل مردم شماری ضلع سہارنپور مسلم اور غیر مسلم کی بنیاد پر

سن	تعداد قصبہ اور دیہات	غیر مسلم	مسلم	کل آبادی
۱۸۴۷	۱۴۴۷	۳۳۶۵۱۴	۲۱۰۸۳۹	۵۴۷۳۵۳
۱۸۵۵	۱۴۸۱	۴۶۵۶۵۳	۳۰۱۰۱۰	۶۶۶۶۶۳
۱۸۶۵	۱۵۱۴	۵۹۲۰۳۸	۲۷۴۴۴۵	۸۶۶۴۸۳
۱۸۷۲×	۱۵۶۹	۶۰۴۴۲۲	۲۷۹۰۱۵	۸۸۳۷۸۲
۱۸۸۱×	۱۶۰۵	۶۵۳۲۷۲	۳۱۷۵۳۵	۹۷۹۵۴۴
۱۸۹۱×	۱۶۲۳	۶۶۷۴۹۴	۳۲۴۴۳۲	۱۰۰۱۲۸۰
۱۹۰۱	۱۶۴۶	۶۹۴۸۵۷	۳۵۱۱۲۳	۱۰۴۵۹۹۰
۱۹۱۱		۶۸۳۸۵۴	۳۲۹۱۹۴	۱۰۱۳۰۴۸

نوٹ ۱:۔ کل میزان میں ۱۸۷۲ء میں ۳۴۵۔ ۱۸۸۱ء میں ۷۳۷ اور ۱۸۹۱ء میں ۹۳۵۴ کا فرق ہے۔ ان کو غیر مسلموں میں ہی شمار کرنا چاہیئے کیونکہ متعلقہ مردم شماری میں کوئی مذہب نہیں بتلایا گیا

نوٹ ۲۔ قصبات اور دیہات میں ۱۸۴۷ء سے ۱۹۰۱ء تک ۱۹۹ دیہات کا اضافہ ہوا کوئی نیا قصبہ آباد نہیں ہوا۔ بندوبست ۱۸۶۰ء میں یہ طے کیا گیا تھا کہ جنگل۔ گھاڑ اور کھادر کے غیر آباد علاقے پٹہ پر دیدیئے جائیں اور مقررہ رقم ادا کرنے کے بعد اگر پٹہ دار چاہے تو زمین اپنے نام کرا کر کاشت کرے اس صورت میں کاشتکار کو لگان دینا ہوگا۔ یہ اضافہ انہیں علاقوں میں ہوا۔ (ماخوذ از مردم شماری رپورٹ سال متعلقہ۔ ڈسٹرکٹ سہارنپور گزٹیر)

Marfat.com

جدول ۲

سہارنپور میں ۱۸۹۰ء کے عشرہ میں زرعی زمینات کی مختلف اقوام میں ملکیت

غیر مسلم		مسلم	
مہاجن	۲۵۰۹۱۷ ایکڑ	شیخ	۵۶۶۴۰ ایکڑ
گوجر	۲۳۲۶۷۲ "	پٹھان	۴۱۹۳۶ "
راجپوت	۱۸۴۵۲۷ "	گاڑہ	۳۱۹۳۸ "
		پیرزادہ	۷۴۷۶
مختلف اقوام		جھوجہ	۶۱۷۰ "
جاٹ اہیر وغیرہ	۴۲۰۷۱ "	مغل	۲۰۵۷ "
		سید	۲۵۲۹۵ "
میزان	۷۱۰۱۸۷		۱۷۱۵۱۲

تمام ضلع سہارنپور میں قابل کاشت اراضی ۸۱۶۹۹ جس میں سے ۱۴۴۰۴۹ ایکڑ کی آب پاشی بذریعہ نہر باقی زمین بارانی یا دیگر ذرائع آب پاشی سے کاشت ہوتی تھی۔

(ماخوذ۔ رپورٹ بندوبست ۱۸۹۰ء اور ڈسٹرکٹ گزیٹیر)

نوٹ:۔ گوجر اور راجپوت میں مسلمان گوجر اور راجپوت بھی شامل ہیں)

Marfat.com

جدول نمبر ۳

سہارنپور میں مسلمانوں کے زیر کاشت اراضی باعتبار مختلف اقوام

۱۔	سید	۱۱۸۶۹ ایکڑ	۱۰۔	فقیر	۲۲۹ ایکڑ
۲۔	شیخ	۱۸۶۵۵ 〃	۱۱۔	حجام	۵۴ 〃
۳۔	مغل	۱۴۰۰ 〃	۱۲۔	جاٹ	۱۶۸ 〃
۴۔	پٹھان	۲۲۱۱۷ 〃	۱۳	بھاٹ	۲۱۵ 〃
۵۔	راجپوت	۳۳۴۷۲ 〃	۱۴	رگا	۲۶۵۹ 〃
۶۔	گوجر	۳۶۶۶۷ 〃	۱۵	جھوجہ	۱۱۹۳۶ 〃
۷۔	گاڑہ	۷۹۹۸۸ 〃	۱۶	ملاح	۱۱۸ 〃
۸۔	بلوچ	۶۲۵ 〃			
۹۔	متفرق	۵۳۸۳ 〃			

نوٹ:۔ متفرق اقوام میں قصاب جولاہہ تیلی۔ بھشتی اور اسی قسم کی دوسری اقوام شامل ہیں

(ماخوذ از رپورٹ بندوبست ۱۸۷۰ء تا ۱۹۲۰ء)

Marfat.com

جدول نمبر۴

تفصیل مردم شماری باعتبار مختلف اقوام سنہ ۱۹۵۱ء ضلع سہارنپور (ماخوذ از ڈسٹرکٹ سہارن پور گزیٹیر)

مسلمان

تیلی	۴۸۶۴۲	فقیر	۱۳۸۸۲
جولاہہ	۴۴۷۸۴	جھوجہ	۱۲۴۶۴
گاڑہ	۴۲۵۳۶	نائی (حجام)	۱۲۲۵۹
شیخ	۲۷۹۶۳	سید	۷۵۲۵
راجپوت	۲۲۸۵۸	دھوبی، بھشتی، لوہار،	
گوجر	۲۰۲۳۲	درزی، کمہار، قصاب،	
پٹھان	۱۶۹۴۲	بنجارہ، گھوسی، حلوائی وغیرہ	۷۹۰۴۶
	۲۰۹۰۱۵	+	۱۴۲۱۱۸
ٹوٹل	۳۵۱۱۳۳		

سنی ۹۸٫۱ فی صد

شیعہ ۱٫۹ " "

Marfat.com

جدول ۴ (الف)

غیر مسلم

جین	۲۹۷۲	کوری (جلاہہ)	۱۷۰۲۴
عیسائی	۲۳۲۰	کمہار	۱۶۸۸۴
آریہ	۴۷۷	جاٹ	۷۵۶۱
سکھ	۱۱	تگا	۱۵۰۵۱
پارسی	۱	فقیر (جوگی گوسائیں وغیرہ)	۱۳۹۲۵
بدھ	۱	گڈریا	۱۲۲۰۵
چمار	۲۰۵۱۶۷	نائی (حجام)	۸۷۹۴
گوجر	۵۱۱۹۱	لوہار	۷۶۰۹
رجپوات	۴۵۹۴۰	اہیر	۶۸۱۱
برہمن	۴۲۵۲۰	سونار	۶۴۳۲
کہار	۴۱۴۶۱	بنجارہ	۶۰۴۰
مالی	۱۵۷۳۰		
خاکروب (بھنگی)	۲۹۴۵۵	دھوبی، چھیبہ، لودھ، کہوہ، اوڈ، کھانک، بھربھونجا، درزی کائستھ وغیرہ ۔	۶۴۵۲
بنیہ	۲۸۰۲۴		
بڑھئی	۲۱۹۰۴		
ٹوٹل :-	۴۸۸۴۷۳	+	۱۲۵۷۹۲
			۶۱۴۲۶۵

Marfat.com

جدول ۵ء

تفصیل آبادی ضلع سہارنپور جسکا تعلق زراعت اور غیر زراعت پیشہ سے تھا ہر پرگنہ کے لحاظ سے

بمطابق ۱۸۵۵ء (ماخوذ از رپورٹ بندوبست ۱۸۷۰ء)

نام پرگنہ	کل آبادی	زراعت پیشہ ہندو		غیر زراعت پیشہ ہندو		زراعت پیشہ مسلمان		غیر زراعت پیشہ مسلمان	
		مرد	عورت	مرد	عورت	مرد	عورت	مرد	عورت
سہارنپور	۴۷۱۰۰	۵۵۰۵	۳۹۵۱	۱۰۳۸۵	۹۳۰۲	۴۳۴۸	۲۷۹۴	۵۶۶۰	۴۲۲۵
بروڑہ	۳۸۴۳۱	۶۲۷۵	۴۸۲۳	۹۱۴۲	۷۰۳۰	۱۹۹۶	۱۳۲۷	۴۳۰۳	۳۵۴۴
فیض آباد	۳۳۳۰۱	۳۴۹۳	۴۳۸۴	۵۸۱۴	۴۸۱۳	۳۰۱۶	۲۶۴۶	۳۸۶۹	۳۲۶۶
مظفرآباد	۲۸۹۱۷	۴۶۵۳	۴۰۲۵	۶۴۰۲	۶۰۱۷	۱۶۳۷	۱۴۹۶	۲۷۵۸	۲۱۲۹
دیوبند	۶۳۹۱۵	۱۰۷۱۷	۵۵۶۸	۱۵۴۲۷	۱۱۱۳۰	۳۵۸۰	۲۶۲۷	۸۰۹۳	۳۷۹۳
رامپور	۵۵۴۹۳	۹۳۹۰	۵۵۱۷	۱۶۰۶۲	۱۱۹۹۹	۱۸۴۴	۱۳۷۰	۵۰۳۸	۴۲۷۲
ناگل	۴۹۰۲۷	۱۰۰۱۱	۵۷۱۰	۱۴۰۰۹	۱۰۱۱۱	۱۹۶۴	۱۳۷۴	۳۴۲۴	۲۴۲۴
روڑکی	۴۰۷۵۸	۴۶۱۴	۳۳۰۴	۱۰۹۹۲	۸۳۲۲	۳۲۰۳	۲۴۱۷	۲۶۲۸	۳۲۷۸
منگلور	۴۶۷۴۱	۹۰۱۸	۵۷۰۴	۱۷۹۹۱	۱۴۵۰۰	۲۶۳۷	۲۱۱۶	۶۹۷۶	۵۷۹۹
جوالاپور	۴۰۱۹۰	۵۲۹۰	۳۸۲۵	۱۲۲۱۸	۹۹۹۶	۱۱۸۱	۹۹۸	۲۵۷۴	۳۰۰۸
بھگوان پور	۵۰۳۵۷	۶۷۴۲	۴۴۹۶	۱۲۸۷۷	۱۰۱۲۵	۳۰۵۴۸	۲۷۳۰	۵۵۱۷	۴۳۲۲
نکوڑ	۴۳۲۲۵	۷۷۳۴	۴۴۹۷	۱۰۴۰۷	۷۹۷۳	۳۰۹۷	۱۶۳۴	۴۷۰۱	۴۱۸۲
سلطان پور	۳۵۸۵۷	۳۳۶۵	۳۳۰۱	۸۰۰۵	۶۵۱۸	۳۹۳۲	۳۱۰۵	۴۷۴۸	۳۹۸۳
سرساوہ	۳۰۹۳۷	۵۸۵۱	۳۴۵۸	۷۷۶۸	۶۰۳۶	۲۰۶۶	۱۵۳۷	۳۳۸۱	۱۹۳۰
گنگوہ	۴۴۲۱۶	۵۸۴۴	۳۵۵۷	۱۰۷۶۲	۷۹۹۸	۳۷۳۲	۲۵۶۳	۵۳۴۳	۳۴۱۸
میزان	۶۶۶۶۶۳	۱۰۰۵۰۲	۶۴۹۲۰	۱۶۸۳۶۱	۱۲۸۷۰	۴۲۷۶۱	۳۱۶۶۴	۷۰۹۱۲	۵۴۶۶۳

Marfat.com

جدول ۶

زراعت کا وسیلہ صرف ہل اور بیل تھے مسلمانوں کے مختلف طبقوں کے ہل اور بیل (چار بیل فی ہل) ضلع سہارنپور میں ہر پرگنہ کے اعتبار سے (ماخوذ از رپورٹ بندوبست ۱۸۹۰ء)

نام قوم	پرگنہ سہارنپور		پرگنہ دیوبند		پرگنہ نکوڑ		پرگنہ روڑکی		میزان	
	ہل	بیل	ہل	بیل	ہل	بیل	ہل	بیل	ہل	بیل
گاڑہ	۲۲۸۲	۹۱۲۸	۹۳۶	۳۷۴۴	۱۵۹۲	۶۳۶۶	۹۸۸	۳۹۵۲	۵۷۹۸	۲۳۱۹۰
جھوجہ	۷۵	۳۰۰	۳۶	۱۴۴	—	—	۱۳۸۲	۵۵۲۸	۱۴۹۱	۵۹۷۲
شیخ	۲۳۸	۹۵۲	۴۱	۱۶۴	۱۱۵	۴۶۰	۳۰	۱۲۰	۴۲۴	۱۶۹۶
سید	۴۴	۱۷۶	۶۴	۲۵۶	۲۱۰	۸۴۰	۱۵	۶۰	۳۳۳	۱۳۳۲
مغل	۵	۲۰	۴	۱۶	۸۸	۳۳۲	—	—	۹۷	۳۶۸
پیرزادہ	۳۴	۱۳۶	—	—	—	—	۴	۱۶	۳۸	۱۵۲
شیخ زادہ	۳	۱۲	۲۹	۱۱۶	—	—	۴	۱۶	۳۶	۱۴۴
گوجر	۲۶۴۰	۱۰۶۴۰	۲۱۱۰	۸۴۴۰	۵۴۵۰	۲۱۸۰۰	۱۹۳۱	۷۵۲۴	۱۲۱۵۱	۴۹۶۰۴
راجپوت	۱۹۴۶	۷۷۸۴	۲۱۳۵	۸۵۴۰	۸۱۲	۳۲۴۸	۷۵۹	۳۰۳۶	۵۶۵۲	۲۲۶۰۸
								میزان	۲۸۰۱۰	۱۰۴۷۶۶

نوٹ۔ گوجر اور راجپوت میں ہندو مسلمان دونوں شامل ہیں

Marfat.com

جدول ٹ

شہروں اور قصبات میں مسلم آبادی کا تناسب ۱۸۵۵ء (ماخوذ از رپورٹ بندوبست سہارنپور ۱۸۷۰ء)

نام قصبہ	ہندو آبادی	مسلم آبادی	کل آبادی
سہارنپور	۱۷۵۰۲	۲۰۴۶۶	۳۷۹۶۸
دیوبند	۷۷۱۲	۹۱۱۴	۱۶۸۲۶
جوالاپور	۹۰۱۸	۴۶۷۹	۱۳۶۹۷
منگلور	۴۰۲۱	۶۸۸۴	۱۰۹۰۵
گنگوہ	۴۵۰۷	۵۶۱۲	۱۰۱۱۹
رامپور	۵۰۱۶	۲۶۴۸	۷۶۶۴
انبہٹہ	۲۷۹۶	۳۳۲۱	۶۱۱۷
نکوڑ	۲۴۶۲	۱۷۹۴	۴۲۵۶
چلکانہ	۱۶۷۳	۱۸۹۳	۳۵۶۵
سلطان پور	۱۷۶۸	۸۵۰	۲۶۱۸
بہٹ	۲۱۲۱	۱۲۸۵	۳۴۰۶
بھگوان پور	۲۲۲۸	۶۳۳	۲۸۶۱

Marfat.com

جدول نمبر ۸

ضلع سہارنپور کی وہ مسلم اقوام جنکے ہم نام ہندو نہیں انکی زرعی زمینات کی ملکیت باعتبار ہر تحصیل ۔ (ماخوذ از رپورٹ بندوبست ۱۸۹۰ء)

نام قوم	تحصیل نکوڑ	تحصیل دیوبند	تحصیل سہارنپور	تحصیل روڑکی	میزان
شیخ	۹۹۶۹	۱۵۱۳۹	۱۶۵۲۸	۱۳۰۰۴	۵۶۶۴۰
پٹھان	۱۹۷۵۴	۵۷۵۹	۱۴۵۲۷	۱۸۰۶	۴۱۹۳۶
گاڑہ	۴۸۹۰	۹۱۴۷	۷۵۶۰	۱۰۳۴۱	۳۱۹۳۸
سید	۱۱۹۶۴	۳۴۸۳	۷۴۵۵	۲۳۹۳	۲۵۴۹۵
پیرزادہ	۵۵۶	۱۲۰	۶۱۰۱	۶۹۹	۷۴۷۶
مغل	۱۶۸۴	۱۶۲	۱۳۹	۲۰۲۸	۲۰۵۷

نوٹ:۔ زمینات معافی دوام برائے درگاہ صابر کلیری شاہ ابوالمعالی انبیٹھہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی جس میں تقریباً تیس گاؤں شامل ہیں۔ قوم شیخ کے تحت آگئی۔ دیوبند میں کیناں گلل راجوپور والے کی زمین زیادہ جو اسی قوم کے ذیل میں آگئی۔

کتابیات

اُردو

۱۔ تاریخ دیوبند از محبوب رضوی مطبوعہ دیوبند۔

۲۔ عقلیات ابن تیمیہ از مولانا محمد حنیف ندوی مطبوعہ لاہور

۳۔ میرے والد ماجد اور ان کے مجرّب عملیات از مفتی محمد شفیع کراچی

۴۔ تذکرہ اولیائے پاک و ہند، از ڈاکٹر ظہور الحسن شارب لاہور

۵۔ تاریخ دار العلوم دیوبند از مولانا محمد طیب کراچی

۶۔ تاریخ محمودی (کتاب الشہادت) از ڈاکٹر تنویر احمد علوی جھنجانہ مظفر نگر۔

۷۔ تحقیق الانساب از محمود احمد عباسی کراچی۔

۸۔ تاریخ ارض القرآن از مولانا سید سلیمان ندوی کراچی۔

۹۔ تبریز ترجمہ ابریز از مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کراچی۔

۱۰۔ یاد ایام از شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریا ساہیوال۔

۱۱۔ تاریخ سہارن پور از منشی نند کشور باندہ یوپی ۱۸۷۷ء۔

۱۲۔ اکابر کے خطوط از محمد شاہد سہارن پوری۔ لاہور۔

۱۳۔ آئینہ حقیقت نما۔ از مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی کراچی۔

۱۴۔ معیار العلماء از مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی لاہور۔

۱۵۔ شاہ محمد غوث گوالیاری از پروفیسر محمد مسعود احمد میرپور خاص۔

۱۶۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت از پروفیسر ایوب قادری کراچی۔

۱۷۔ علامہ ابن تیمیہ اور ان کے ہم عصر علماء از مولانا شاہ ابو الحسن زید فاروقی ڈیرہ اسمٰعیل خان

Marfat.com

۱۸۔ انسائیکلوپیڈیا یا تاریخ عالم کراچی۔
۱۹۔ تاریخ ابن خلدون ترجمہ حکیم احمد عثمانی کراچی۔
۲۰۔ تاریخ گجرات از سید ابوظفر ندوی دہلی۔
۲۱۔ تاریخ حافظ رحمت خانی از نواب روشن علی خان کراچی۔
۲۲۔ فرہنگ آصفیہ از سید احمد دہلوی حیدرآباد دکن۔
۲۳۔ قدیم نظام دیہی ہندوستان از سرسید احمد خان علی گڑھ ۱۸۷۸ء
۲۴۔ تاریخ ہندوستان از ذکاء اللہ دہلی۔
۲۵۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات از اعجاز الحق قدوسی کراچی۔
۲۶۔ تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف ترجمہ مولوی فدا علی طالب کراچی۔
۲۷۔ مقدمہ ابن خلدون ترجمہ حکیم احمد عثمانی کراچی۔
۲۸۔ منتخب اللباب از نظام الملک خافی خان ترجمہ محمود احمد فاروقی کراچی۔
۲۹۔ مولانا محمد احسن نانوتوی۔ از ڈاکٹر ایوب قادری کراچی۔
۳۰۔ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات از خلیق احمد نظامی دہلی۔
۳۱۔ لائل محمڈن آف انڈیا از سرسید احمد خان آگرہ ۱۹۶۲ء
۳۲۔ اخبار رنگین از سعادت یار خاں رنگین کراچی
۳۳ نقش حیات از مولانا حسین احمد مدنی دیوبند
۳۴۔ دارالعلوم دیوبند روداد سالانہ ۱۲۹۰ھ / ۷۴-۱۸۷۳ء
۳۵۔ بریلی سے بالاکوٹ از قمر احمد عثمانی کراچی
۳۶۔ جماعت مجاہدین از غلام رسول مہر لاہور
۳۷۔ سرگزشت مجاہدین از غلام رسول مہر لاہور
۳۸۔ تراجم علمائے اہل حدیث ہند از ابو یحییٰ امام خان نوشہروی دہلی ۱۹۳۷ء
۳۹۔ سیرت قدوسیہ از عبدالرشید محمود دیوبند
۴۰۔ روزنامہ مشرق اشاعت ۱۸ اکتوبر ۱۹۸۶ء

Marfat.com

۴۱- رسوم ہند از حکومت پنجاب لاہور ۱۸۶۹ء
۴۲- تاریخ ہند پہ نئی روشنی ترجمہ خورشید احمد فارق دہلی۔
۴۳- دہلی اور اس کے اطراف کا سفر از حکیم سید عبدالحی دہلی۔
۴۴- سفرنامہ ابن بطوطہ ترجمہ انیس احمد جعفری کراچی۔
۴۵- روزنامہ جنگ اشاعت ۱۳ جنوری ۱۹۸۳ء کراچی۔
۴۶- بزم اشرفیہ کے چراغ از پروفیسر احمد سعید لاہور۔
۴۷- تاریخ فرشتہ ترجمہ فدا علی طالب حیدرآباد دکن۔
۴۸- مختصر تاریخ ہند سید ابوظفر ندوی اعظم گڈھ
۴۹- جنگ آزادی ۱۸۵۷ء از ڈاکٹر ایوب قادری کراچی۔
۵۰- تمدن ہند ڈاکٹر گستاولی بان ترجمہ سید علی بلگرامی لاہور۔
۵۱- واقعات عالمگیری از عاقل رازی خان لاہور۔
۵۲- تاریخ فقہ علامہ شیخ محمد خضری بک ترجمہ محمد تقی عثمانی حبیب احمد عثمانی کراچی۔
۵۳- مواعظ و ملفوظات حضرت عبدالقادر جیلانی ترجمہ عاشق الٰہی میرٹھی کراچی۔
۵۴- حجۃ اللہ البالغہ۔ شاہ ولی اللہ ترجمہ ابومحمد عبدالحق حقانی کراچی۔
۵۵- اسلامی ہسپانیہ از قدرت اللہ خان کراچی۔
۵۶- مراۃ الانساب از ضیاء الدین امروہوی جے پور۔
۵۷- اسباب بغاوت ہند از سرسید احمد خان کراچی۔
۵۸- ہندوستان قدیم از پیارے لال لاہور ۱۹۰۰ء
۵۹- اقوام ہند از منشی کشوری لال الہ آباد
۶۰- تواریخ بیگم شمرو اور سردھنہ کا مختصر حال از ڈبلیو کیگن آگرہ ۱۸۸۵ء
۶۱- آئین از محمد خان سہارن پوری میرٹھ
۶۲- امپیریل گزیٹیر آف انڈیا ترجمہ انجمن ترقی اردو ۱۹۲۳ء
۶۳- ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی ایک ایک جھلک از صباح الدین عبدالرحمٰن اعظم گڑھ

Marfat.com

۶۴۔ ہندوستانی قومیت اور قومی تہذیب از سید عابد حسین دہلی۔
۶۵۔ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی جلوے اعظم گڑھ
۶۶۔ مآثر الامراء ترجمہ ڈاکٹر ایوب قادری کراچی۔
۶۷۔ ظفر نامہ شاہجہان از مولوی ذکاء اللہ دہلی ۱۸۹۷ء
۶۸۔ تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت از سید ہاشمی فرید آبادی کراچی۔
۶۹۔ تاریخ الاولیا معروف بہ احسن التواریخ از عبدالاول جونپوری ۱۸۹۴ء
۷۰۔ تذکرہ الاخیار فی اسرار لابرار از عبدالحق دہلوی بمبئی ۱۸۸۶ء

فارسی

۱۔ اخلاق جلالی از علامہ محمد بن اسد دوانی لاہور۔
۲۔ چہار مقالہ از نظامی عروضی سمرقندی لاہور۔
۳۔ کلمات الطیبات مطبع مجتبائی دہلی ۱۸۹۱ء
۴۔ فتوحات فیروز شاہی از سلطان فیروز شاہ تغلق ترجمہ و تصحیح محمد عبداللہ چغتائی پونا ۱۹۴۱ء
۵۔ مرآۃ سکندری از سکندر بن محمد
۶۔ انشائے ماہرد۔ از شیخ عبدالرشید
۷۔ مخطوطہ بنام تذکرۃ الامراء از کیول رام ولد رگھناتھ در برٹش میوزیم لنڈن۔
۸۔ مثنوی مولانا روم لاہور
۹۔ مکتوبات امام ربانی سید احمد سرہندی استانبول ترکی۔
۱۰۔ مفتاح النجاۃ از مولانا جامی استانبول ترکی۔

انگریزی

1. A Concise History of India by Francis Watson. London 1974.
2. Anglo Indian Dictionery 1885. by G. C. Whiteworth.

Marfat.com

3. Al-Beruni's India translated in English by E. C. Sachan London.
4. Archaeological Survey Report by Alexander Cunningham.
5. Annual Report of Indian Epigraphy. 1967 - 68. Govt. of India New Delhi.
6. A Sufi saint of the Twentieth Century Shaikh Ahmad Al - Alvi by Martin Lings, London.
7. Agrarian System in ancient India by U. N. Ghoshal Calcutta 1930.
8. Archaeological Survey of India XXVI 1926. "Garha" by Madam Mohan Lal. New Delhi.
9. Annals and antiquities of Rajistan by Col. John Tod, London.
10. British Policy in India 1858 - 1905 by S. Gopal Cambridge.
11. Brief History of Indian Peoples. by W. W. Hunter Oxford 1892.
12. Botanical Garden of Saharanpur. Journal of Asiatic Society of Bengal February, 1832.
13. Caste System of North Western Provinces and Oudh by John. C. Nesfield, Allahabad 1885.
14. Conflict of East and West in Turkey. by Halide Edib Lahore.
15. Cambridge History of Islam. by P. M. Holt Cambridge 1970.
16. Census Report 1865. Allahabad.
17. Census Report 1891. Allahabad 1894.
18. Census Report 1931, Allahabad 1933.
19. Census Report, 1871, Allahabad 1874.
20. Caste System in North India by E. A. H. Blunt, Madras 1931.
21. Castes in India by J. H. Hutton Cambridge 1946.
22. Central Structure of Mughal Empire by Ibne-Hassan, Karachi 1967.
23. Compendium of Castes and Tribes found in India by E. J. Kitts.
24. Dictionery of Urdu classical Hindi and English by John. T. Platts, Oxford 1968.

Marfat.com

25. Delhi between Two Empires 1803 - 1931. by Naryani Gupta Delhi, 1981. .
26. Encyclopaedia of India, London 1885.
27. Encyclopaedia of Religion and Ethics by J. Hastings
28. Harsha. by Deva Hutti, Oxford 1970.
29. History of Garha Mandal by W. H. Saleeman published in Journal of Asiatic Society of Bengal Vol. VI. 1837.
30. Hinduism by N. R. Choudhry London.
31. History of Feroz Shah Tughlaqe by Jimpi Parshad Saksena, Lahore 1976.
32. History of India as told by its own Historian. by Sir H. M. Elliot London 1877.
33, History of the Reign of Shah Alam. by Capt. W. Franking Calcutta 1803.
34. Hindu castes and sects. by J. N. Bhattacharya.
35. History of British India. by James Mill USA 1975.
36. History of Medieval India. by Ishwari Parshad Allahabad 1952.
37. Islamic Revival in British India Deoband 1860 - 1900 by Barbara Daly Metcalf USA.
38. Islami History. by M. A. Shaban Cambridge.
39. Indian Village Community by B. H. Baden Powal, London 1896.
40. Islami Modernism in India and Pakistan. by Aziz Ahmed.
41. Indian Theologv by B. S. Bhattacharya.
42. Indian Castes by John Witson London 1877.
43. Indian Muslim by Ram Gopal, Karachi 1976.
44. Imperial Gazettier of India, Oxford. 1908.
45. Indian Census Ethnography by J. C. Hodson.
46. Journal of Royal Asiatic Society, 1905.
47. Journal of Asiatic Society of Bengal, 1834.
48. Journal of Royal Asiatic Society, 1922.
49. Journal of Royal Asiatic Society Vol. 21, 1889.
50. Journal of Royal Asiatic Society, Vol. III, 1909.
51. Journal of Royal Asiatic Society XXXII. 1907.
52. Land of Great Sophy by Roger Stevens, London 1962.
53. Muslim Castes in Uttar Pardesh by Ghous Ansari.

Marfat.com

54. Muslim Communities in Indo-Pak. Sub-Continent by Dr. Ishtiaq Hussain Qureshi. Karachi 1977.
55. Muslim of British India by P. Hardy, Karachi 1973.
56. Musalmanan of Sub-Continent by Zafar Ahmed Karachi.
57. Maasir-i-Alamgiri, Saqi Mustad Khan translated in to English by Jadu Nath Sarkar, Calcutta, 1947.
58. North Western Provinces of India by W. Crook, London 1897.
59. Native Races of India by W. Crook, Lahore, 1977.
60. Oxford History of Modern India by P. Spear Delhi 1978.
61. Panjabi Alienation of Land Act, 1900
62. Pre-history from the earth by M. Wheeker.
63. The Peoples and Problems of India by Sir T. W. Hoederness, London.
64. Preaching of Islam by Sir Thomas Arnold, Lahore, 1956.
65. Rise and Fall of Mohamad Bin Tughlaq by Agha Mehdi Hassan London, 1938.
66. Races of North Western Provinces of India by Sir H. M. Elliot, London.
67. Saharanpur Gazetteer by H. R. Nevill Allahabad 1909.
68. Sufi Order in Islam by J. Spencer Trimingham Oxford, 1971.
69. Some aspect of Religion and Poltics in India in 13th Century by K. A. Nizami.
70. Shahnama Firdousi Translated in English by R. Leviy London 1967.
71. Saharanpur Settlement Report 1839 by E. Thorenton Agra, 1839.
72. Saharanpur Settlement Report 1870 by J. Van Agnen and others Allahabad 1870.
73. Saharanpur Settlement Report 1891 by LAS Porter Allahabad, 1891.
74. Saharanpur Settlement Report 1920 by D. L. Drake Brochman. Allahabad, 1921.
75. Turkish English Dictionery.

Marfat.com

76. The Frontiers 1839 - 1947 by J. G. Elliot London 1968.
77. The Tejaniyya by Jamil Abu Nasir London, 1965.
78. The Tribes and Castes of N. W. P. and Oudh by W. Crook Calcutta, 1896.
79. Turks in India by H. G. Keene London 1977.
80. The Lyttons in India by Marry Lutyens, London, 1979
81. Thoughts and Reflection of Iqbal by Syed Mir Abdul Vahid, Lahore.
82. Warren Hastings by P. Turnbul London 1975.
83. World Relgiion by H. D. Lewis and R. L. Slater, London, 1966.

Marfat.com

گذارش احوال واقعی ---

شمالی مشرقی برصغیر کا شہر سہارنپور ایک ایسی ہمہ گیر دینی تحریک کا سرچشمہ ہے جس کے ... زمین سے گذرتے ہوئے افغانستان و وسطی ایشیا اور مشرق وسطی کے مسلم ملکوں سے ملے ... مشرقی ایشیا میں علمائے دین کی سیاسی و تبلیغی اور تاریخی و علمی خدمات کے حوالے سے تحریک ... دیوبند کے مکتبہ تعلیم نے جدید مسلم ذہن و کردار کی تعمیر و تشکیل میں اہم اور فیصلہ کن کردار ادا کیا ہے۔ غلام محمد مصطفیٰ صاحب کی اس دستاویزی تصنیف کا مطالعہ کرتے ہوئے اس حقیقت کو بہر حال نظر میں رکھنا چاہیئے کہ یہ دیوبند تحریک اور تعلیمی مرکز کے اس عہد کی نشاندہی کرتی ہے جو تقسیم برصغیر کے بعد شروع ہوا اور اپنی بنا سابقہ حکمت عملی اور فکری نقطہ نظر سے دستبردار ہو کر استوار کی چنانچہ اس نے اسلامی افکار و مسائل کی جو تشریحات و تعبیرات پیش کیں وہ سابقہ فکر اور حکمت عملی سے یکسر مختلف ہیں یہی وجہ ہے کہ جدید سائنسی فکر و نظریات اور علوم کے بارے میں مصنف کا ... اس شدت تصو... اور مابعد الطبیعاتی قیاس سے قریب تر محسوس ہوتا ہے جس کے اثرات ہمارے یہاں علوم و ادبیات ... نظام تعلیم میں بہت گہرے ہیں۔ اقبال نے اپنے فلسفیانہ خطبات میں کم و بیش ان موضوعات کا لحاظ کرتے ہوئے جس نقطہ کا اظہار کیا ہے وہ سابقہ تحریک کے نقطہ نظر ہی کی توسیع ہے۔

مسلمانان سہارنپور اور تحریک دیوبند کے فاضل مصنف نے بڑی محنت و کاوش سے اس تاریخ ساز مرکز علم کو موضوع بنایا ہے اور ان خالی کڑیوں کو باہم مربوط کیا ہے جو باقی رہ گئی تھیں۔ کتاب کا مقدمہ جامع اور لائق توجہ ہے مصنف نے جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے مسلمانان سہارنپور کے اس کردار کا تفصیل سے احاطہ کیا ہے جو انہوں نے دارالعلوم اور اس کی تحریک میں ادا کیا ہے۔ تاریخی پس منظر میں تحریک کا جائزہ لیتے ہوئے مصنف نے جن محرکات کو بنیاد بنایا ہے ان کی حیثیت ثانوی ہے جب ... بنیادی محرک یعنی اقتصادی عنصر کو تجزئے کی اساس نہیں بنایا ہے جب کہ ان کے بزرگ علامہ مدنی نے تاریخ کے تجزئے میں اقتصادی محرکات و مضمرات کو سرفہرست رکھا ہے۔

اپنی علمی و تحقیقی اور حوالہ جاتی و معلوماتی افادیت کے اعتبار سے یہ کتاب ... ذکر بھی۔ اپنی اس افادیت اور معیار کے حوالے سے یہ کتاب متقاضی ہے کہ تمام ادارے لائبریریاں اور قارئین اسکو حاصل کر کے محفوظ رکھیں۔

--- ریاض صدیقی

Marfat.com